حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد رشید ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت شدہ



شرح صحیفہ

ہمام بن منبہ

مصنف :-
امام حدیث ابو عبداللہ امام ہمام بن منبہ متوفی ۱۳۱ھ

ترجمہ و تشریح و تخریج :
علامہ محمد لیاقت علی رضوی



حضرت ابوہریرہ کے شاگرد رشید ہمام بن منبہ سے روایت شدہ

مجموعہ احادیث

شرح صحیفہ ہمام بن منبہ

مصنف :۔ امام حدیث امام ابوعبداللہ امام ہمام بن منبہ متوفی ۱۰۱ھ

ترجمہ و تشریح و تخریج : علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز (رجسٹرڈ)
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون : 042-37246006

شرح صحیفہ ہمام بن منبہ

با اہتمام:	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اپریل 2016ء
قیمت	=/600 روپے



شبیر برادرز (رجسٹرڈ)
زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

ترتیب

مقدمہ رضویہ

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد نبی مکرم ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے بعد صحابہ کرام واہل بیت صحابہ کرام وتابعین کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے بعد عرض کرتا ہوں۔اس کتاب میں وہ احادیث ہیں جن کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید حضرت ہمام بن منبہ رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ کی شکل میں جمع کیا ہے۔اگر چہ یہ تمام احادیث بخاری ومسلم، ترمذی اور دیگر صحاح وغیر صحاح اور متعدد کتب احادیث میں یہ احادیث من وعن متن کے ساتھ موجود ہیں۔لیکن ممکن ہے کہ یہ حدیث کا مجموعہ صحابہ کرام کے دور میں مرتب ہوا ہو اور تابعین کے دور اور اس کے بعد آج تک متعدد ادوار سے گزر کر آیا ہے۔لہٰذا یہ ہمارے اسلاف کی ایک عظیم یادگار ہے۔ہم سے پہلے اس کتاب کا مخطوطہ ڈاکٹر رفعت فوزی جو جامعہ ازہر کے معروف فاضل ہیں۔انہوں نے تحقیق کر کے بعد والوں کیلئے آسانی کر دی ہے۔کیونکہ انہوں یہ صحیفہ اصل مخطوطے سے نقل کیا ہے۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور امت مسلمہ کے تمام علماء کو اسلاف صحابہ وتابعین وتبع تابعین ائمہ مجتہدین کی علمی خدمات کو زندہ رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔آمین۔ذیل میں ہم چند صحائف کا تعارف کرواتے ہیں۔

1۔کتاب الصدقۃ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب زکوٰۃ لکھوائی لیکن ابھی اپنے عمال کو بھیج نہ پائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی تلوار کے پاس رکھ دیا تھا۔آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنی وفات تک۔

(ترمذی، کتاب الزکاۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب، ماجاء فی النھی عن المسئلۃ، حدیث، 624)

2۔صحیفہ صادقہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ایک صحیفہ مرتب کیا جسے 'صحیفہ صادقہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ صادقہ ایک صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔

حوالہ جات: طبقات ابن سعد، ج2، ص408 اسد الغابہ، از ابن الاثیر، ج3، ص222 صحیفہ ہمام بن منبہ، مطبوعہ فیصل آباد، ص26

3۔ صحیفہ علی رضی اللہ عنہ

ابو جحیفہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی (اور بھی) کتاب ہے؟ انہوں رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں! مگر اللہ کی کتاب قرآن ہے یا پھر فہم ہے جو وہ ایک مسلمان کو عطا کرتا ہے یا پھر جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے پوچھا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: دیت اور قیدیوں کی رہائی کا بیان ہے اور یہ حکم کہ مسلمان، کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: کتابۃ العلم، حدیث 111)

4۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تالیفات

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس برس رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عہدِ رسالت ہی میں احادیث کے کئی مجموعے لکھ کر تیار کر لیے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد سعید بن ہلال فرماتے ہیں کہ ہم جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ اصرار کرتے تو وہ ہمیں اپنے پاس سے بیاض نکال کر دکھاتے اور کہتے: یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہیں لکھ لی تھیں اور پڑھ کر بھی سنا دی تھیں۔ (المستدرک للحاکم، ذکر انس بن مالک، مطبوعہ: دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)

5۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات

ایک دفعہ طائف کے چند لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے اپنا جزودان نکالا اور اس میں سے چند احادیث انہیں املا کرائیں۔ (ترمذی، کتاب العلل، باب: 1، حدیث 4386)

6۔ صحیفہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

یہ مجموعہ مناسک حج اور خطبہ حجۃ الوداع پر مشتمل تھا۔ صحیفہ جابر بن عبداللہ کو ان کے شاگرد وہب بن منبہ (م 110) اور سلیمان بن قیس لشکری نے مرتب کیا۔ (ترمذی، کتاب البیوع، ماجاء فی ارض المشترک یرید بعضہم بیع نصیبہ، حدیث 1360)

7۔ صحیفہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرائض وسنن اور صدقات و دیات پر مشتمل احکام لکھوا کر دیئے۔ (تاریخ الحدیث والمحدثین، ص 30)

صحیفہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت حسن بصری کے حالات میں لکھا کہ انہوں نے حضرت سمرہ بن جندب سے ایک بہت بڑا نسخہ روایت کیا ہے اور اس صحیفے سے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے بھی روایات نقل کی ہیں۔

(تہذیب طلحہ بن نافع)

صحیفہ حضرت ہمام بن منبہ رضی اللہ عنہ (۱۱۰ھ)

حدیث کی قدیم کتاب جو اس وقت ہماری رسائی میں ہے "صحیفہ ہمام بن منبہ" ہے، ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ حافظ الامت سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، صحیفہ ہمام بن منبہ (۱۱۰ھ) میں حدیثیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھی ہیں، یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت ہمام رحمۃ اللہ علیہ کو کل ۱۳۸، احادیث ہی یاد تھیں، نہیں آپ نے اور اساتذہ سے بہت سی روایات سنیں، ان دوسرے اساتذہ سے سنی روایات اس میں شامل نہیں، نہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی کل روایات کا اس میں احاطہ ہے، حضرت ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ صحیفہ مرتب کیا تو ان دنوں فنِ تدوین اپنی بالکل ابتدائی منزل میں تھا، یہ مجموعہ محض یادداشت کے طور پر لکھا گیا تھا۔

تیرہ صدیوں تک یہ کتاب مخطوطات میں ہی رہی، اس سے بہت پہلے مسند امام احمد مصر میں چھپ چکی تھی، اس میں مرویاتِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مستقل مسند ہے، مسند امام احمد کی جلد دوم میں صحیفہ ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی کل احادیث میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں موجود ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ قدماء نے حدیث کس احتیاط سے جمع کی کہ تیرہ صدیوں بعد آنے والا مجموعہ صدیوں بعد شائع ہونے والی کتابوں سے ہو بہو اور حرف بحرف مطابق نکلا، اس وقت متن حدیث کی قدیم ترین کتاب جسے ہم دیکھ سکتے ہیں یہی ہے۔

امام احمد بن حنبل کا سن وفات 240ھ ہے۔ بعینہ صحیفہ مذکور اور مسند احمد بن حنبل میں تقریباً 200 سال کا عرصہ حائل ہے۔ اور دو سو سال کے عرصے میں صحیفہ ہمام بن منبہ کی روایات زیادہ تر زبانی روایات کے ذریعے ہی امام موصوف تک منتقل ہوتی رہیں۔ اب دونوں تحریروں میں کمال یکسانیت کا ہونا کیا اس بات کا واضح ثبوت نہیں کہ زبانی روایات کا سلسلہ مکمل طور پر قابل اعتماد تھا۔ صحیفہ کی اشاعت اور تقابل کے بعد دو باتوں میں ایک بات بہرحال تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ 1 زبانی روایات، خواہ ان پر دو سو سال گزر چکے ہوں، قابل اعتماد ہو سکتی ہیں۔ 2 یہ کہ کتابتِ حدیث کا سلسلہ کسی بھی وقت منقطع نہیں ہوا۔

جامعہ الازہر کے معروف عالم ڈاکٹر رفعت فوزی عبد المطلب اس مطبوعہ صحیفے کی تحقیق، تخریج اور شرح کا کام کر رہے تھے اور وہ آدھا کام کر چکے تھے، حسن اتفاق ایسا ہوا کہ "دار الکتب المصریہ" سے ایک اور مخطوطہ ان کے ہاتھ لگ گیا جو سن 557 ہجری کا مکتوب تھا۔ اس مخطوطے میں ان دونوں کے مقابلے میں ایک حدیث زائد ہے اور یہ زائد حدیث مسند احمد میں شامل صحیفے کی احادیث میں بھی موجود ہے۔ اب ڈاکٹر رفعت فوزی نے اسی مصری مخطوطے کو بنیاد بنا کر کام مکمل کیا۔ اسے "المکتبہ الخانجی" نے پہلی مرتبہ ستمبر 1985ء (بمطابق محرم الحرام 1406ھ) میں قاہرہ سے شائع کیا۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کی 138 احادیث کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

61 عقائد و ایمانیات، 46 عبادات، 9 معاملات، 17 اخلاق و آداب، 9 متفرقات، 12 احادیث قدسیہ

محمد لیاقت علی رضوی

صحیفہ ابو عبداللہ ہمام بن منبہ رضی اللہ عنہ

ہمارے اول وآخر ہونے کا بیان

1 ۔قَالَ: نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، فَاخْتَلَفُوا فِيهِ، وَأُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ، فَهَذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ، فَاخْتَلَفُوا فِيهِ، فَهَدَانَا اللَّهُ لَهُ فَهُمْ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ، فَالْيَهُودُ غَدًا وَالنَّصَارَى بَعْدَ غَدٍ .

ہم (دنیا میں) آخری لوگ ہیں (لیکن) قیامت کے دن (سب امتوں سے) آگے ہوں گے، اگرچہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہم کو ان کے بعد، پس یہ ان کا وہ دن ہے جس کو (اللہ نے) ان پر فرض کیا۔ پھر انہوں نے اس میں اختلاف کیا لیکن اللہ نے اس بارے میں ہمیں ہدایت دی۔ پس وہ اس بارے میں ہمارے پیرو ہیں، یہودی کل اور نصاری پرسوں (یعنی عبادت کا دن مسلمانوں کے لئے جمعہ ہے اس کے بعد یہودیوں کے لئے ہفتہ اور اس کے بعد عیسائیوں کے لئے اتوار ہے۔

تخریج الحدیث: صحیح البخاری۔ الوضوء (236) صحیح البخاری۔ الوضوء (236) صحیح البخاری۔ الجمعۃ (836) صحیح البخاری۔ الجمعۃ (856) صحیح البخاری۔ الجہاد والسیر (2797) صحیح البخاری۔ الجہاد والسیر (2797) صحیح البخاری۔ أحادیث الأنبیاء (3298) صحیح البخاری۔ أحادیث الأنبیاء (3298) صحیح البخاری۔ الأیمان والنذور (6250) صحیح البخاری۔ الأیمان والنذور (6250) صحیح البخاری۔ الدیات (6493) صحیح البخاری۔ الدیات (6493) صحیح البخاری۔ التوحید (7057) صحیح البخاری۔ التوحید (7057) صحیح مسلم۔ الجمعۃ (855) صحیح مسلم۔ الجمعۃ (855) صحیح مسلم۔ الجمعۃ (855) سنن النسائی۔ الجمعۃ (1367) سنن النسائی۔ الجمعۃ (1368) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/236) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/243) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/249) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/274) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/312) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/342) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/388) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/473) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/491) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/503) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/504) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/509) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/512) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/519)

اللہ تعالیٰ کے دنوں کو یاد کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں میں سے روشنی کی طرف لاؤ اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ بے شک اس میں ہر بہت صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں۔ (ابراہیم: 5)

وذکرھم بایام اللہ یعنی انہیں ایسی بات کہو جس کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ کے ایام یاد آئیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور حضرت قیادہ نے کہا: یعنی ان کو ان پر ہونے والی اللہ کی نعمتیں یاد دلاؤ، اس کو حضرت ابی ابن کعب نے بیان فرمایا اور مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی انہیں فرعون اور وادی تیہ سے نجات دلا کر اللہ نے جو نعمت فرمائی وہ اور دیگر نعمتیں انہیں یاد دلاؤ۔ بعض اوقات نعمتوں کو ایام کا نام دے دیا جاتا ہے، اسی سے عمرو بن کلثوم کا قول ہے: وأیام لنا غر طوال۔

اس میں ایام سے مراد نعمتیں ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل سے مروی ہے۔ اس سے مراد سابقہ امتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے واقعات ہیں، جیسے کہا جاتا ہے: فلان عالم بایام العرب یعنی فلاں عرب کے واقعات کو جانتا ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ ایام ہیں جن میں گزشتہ امتوں سے انتقام لیا گیا۔ اسی طرح ابن وہب نے مالک سے روایت کیا ہے: اس سے مراد اللہ کی آزمائش اور امتحان ہے۔ طبری نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں ماضی کے ایام میں ہونے والے معاملات کی نصیحت کی یعنی اللہ کے ایام میں جو نعمتیں اور آزمائشیں تھیں وہ یاد دلائیں۔ اور اس وقت وہ ذلت و رسوائی میں مبتلا غلام تھے اور صرف الایام کے ذکر پر اللہ تعالیٰ نے اکتفاء فرمایا کیونکہ وہ ان کے نزدیک معروف و معلوم تھے۔

ایام اللہ کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ایام اللہ (اللہ کے دنوں) کی یاد دلاؤ۔ ایام اللہ سے مراد ہیں وہ ایام جن میں اہم واقعات رونما ہوئے یا جن ایام میں اللہ تعالیٰ نے منکروں اور کافروں کو سزا دینے کے لیے اور ان سے انتقام لینے کے لیے ان پر عبرت ناک عذاب نازل فرمایا، یا جن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر خاص نعمتیں نازل فرمائیں۔

امام نسائی، عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں، ابن جریر ابن منذر، ابن ابی حاتم ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آیت) وذکرھم بایم اللہ سے مراد ہے کہ (ان کو یاد دلایئے) اللہ کی نعمتیں۔

امام عبدالرزاق اور ابن منذر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ (آیت) وذکرھم بایم اللہ سے مراد ہے اللہ کی نعمتیں۔

امام ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب یہ (آیت) وذکرھم بایم اللہ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وعظ فرمایا۔

امام ابن مردویہ نے عبداللہ بن سلمہ کے طریق سے حضرت علی یا زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور ہم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاتے تھے یہاں تک کہ ہم اس بات کو آپ کے چہرہ مبارک سے پہچان لیتے تھے گویا کہ لوگوں کو کسی امر کا صبح شام حکم فرماتے تھے اور جب جبرائیل (علیہ السلام) کے ساتھ ملاقاتوں کا ابتدائی دور تھا تو آپ

ہٹتے نہیں تھے یہاں تک کہ وہ چلے جاتے تھے۔

امام ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) **وذکرھم بایم اللہ** سے مراد ہیں وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم پر فرمائی تھیں اور ان کو فرعون والوں سے نجات دی اور ان کے لئے دریا کو پھاڑ دیا اور ان پر بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر ترنجبین اور بٹیرے نازل فرمائے۔

ابن ابی حاتم نے ربیع رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) **وذکرھم بایم اللہ** سے مراد گزشتہ قوموں کے احوال اور واقعات ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان پر جاری فرمائے۔ (تفسیر در منثور، سورہ ابراہیم، بیروت)

جمعہ کے دن کے فضائل و برکات کا بیان

1۔ مستحب ہے کہ امام جمعہ کے دن نماز فجر میں مکمل سورہ سجدہ اور سورہ دھر پڑھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا، اور کسی ایک سورت پر اکتفاء نہ کرے، جیسا کہ بعض ائمہ کا معمول ہے۔

2۔ جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ ہے، اسی روز آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن بے ہوشی طاری ہوگی، لہٰذا مجھ پر اس دن کثرت سے درود پڑھو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (احمد)

3۔ نمازِ جمعہ ہر آزاد مکلّف مقیم مرد پر فرض ہے، لہٰذا کسی مسافر، کسی عورت یا غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے، ہاں ان میں سے کوئی اگر جمعہ میں شریک ہو جائے تو ان کی نمازِ جمعہ درست ہے، بیماری یا خوف وغیرہ جیسے عذر کی وجہ سے نماز جمعہ ساقط ہو جاتی ہے۔
(الشرح الممتع 5/7۔24)

4۔ جمعہ کے دن غسل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو چاہیے کہ غسل کرے (متفق علیہ)

5۔ خوشبو کا استعمال کرنا، مسواک کرنا اور اچھا لباس زیب تن کرنا، جمعہ کے آداب میں شامل ہے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اگر خوشبو ہو تو استعمال کیا، بہترین کپڑے پہنے، پھر اطمینان کے ساتھ مسجد کی جانب نکلا، اگر موقع ملے تو دو رکعت پڑھی، کسی کو تکلیف نہیں دی، پھر امام کے خطبہ ختم کرنے تک خاموش رہا، (اس کا یہ عمل) دوسرے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہے۔ (احمد وصححہ ابن خزیمہ). ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر ضروری ہے، اسی طرح مسواک کرنا اور اگر قدرت ہو تو خوشبو کا استعمال کرنا (مسلم)

6۔ نمازِ جمعہ کے لیے جلدی جانا مستحب ہے، لیکن آج اس سنت کا جنازہ نکل رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سنت کو زندہ کرنے والوں کی زندگی میں برکت دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے

کھڑے ہوکر پہلے آنے والے کو پہلے لکھتے ہیں،سب سے پہلے آنے والا شخص اس کی طرح ہے جس نے اونٹ قربان کیا ہو،اس کے بعد اس کی طرح جس نے گائے قربان کیا،اور اس کے بعد جس نے مینڈھا قربان کیا،پھر اس کے بعد آنے والا اس کی طرح جس نے مرغی قربان کی ہو پھر اس کے بعد آنے والا اس کی طرح ہے جس نے انڈا صدقہ کیا ہو،اور جب امام نکلے اور منبر پر پہنچ جائے تو وہ اپنے رجسٹر لپیٹ کر ذکر سننے آجاتے ہیں۔(مسلم850)

7۔جمعہ کے دن مستحب ہے کہ امام کے خطبے کے لیے آنے تک لوگ نفل نمازوں،ذکر اور تلاوت قرآن میں مصروف رہیں۔

8۔خطبہ کے دوران خاموش رہنا اور بغور خطبہ سننا واجب ہے،حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران اپنے ساتھی سے کہا: خاموش رہو،تو تم نے غلطی کی (متفق علیہ)۔ اور احمد کی روایت میں اس طرح ہے: اور جس نے غلطی کی اس (جمعہ کے اجر وثواب) میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔اور ابوداود کی روایت میں ہے: اور جس نے غلطی یا خطا کی؛ تو وہ (جمعہ کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے) ظہر کا اجر پاتا ہے۔(صحیح ابن خزیمہ)

9۔جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت مستحب ہے،حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھی تو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس کے لیے نور کو روشن کر دیا جاتا ہے۔(صحیح الجامع)

10۔جمعہ کے دن وقتِ جمعہ کے دخول کے بعد جس پر جمعہ واجب ہو جائے اس کے لیے جمعہ سے پہلے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔(زادالمعاد 1/382).

11۔بطور خاص جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے خاص کرنا اور اس کی رات کو قیام کے لیے خاص کرنا مکروہ ہے،حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ کی رات کو قیام کے لیے خاص نہ کرو،اور دنوں میں جمعہ کے دن کو روزے کے لیے خاص نہ کرو،مگر یہ کہ کوئی سلسلہ وار روزے رکھ رہا ہو۔(مسلم)

12۔جو شخص جمعہ کے دن روزہ رکھنے کا خواہاں ہو اسے چاہیے کہ وہ جمعہ سے پہلے والے دن (جمعرات) یا بعد والے دن (ہفتہ) کو روزہ رکھے؛حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی جمعہ کے دن ہرگز روزہ نہ رکھے،مگر یہ کہ اس سے پہلے والے ایک دن (بھی) رکھے یا بعد والے ایک دن۔ (متفق علیہ)

.13۔جمعہ کی سنتیں: حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے (متفق علیہ) اسی طرح یہ بھی وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بعد نماز پڑھنے والوں کو چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا (مسلم) اسحاق کہتے ہیں: اگر جمعہ کی (سنتیں) مسجد میں پڑھے تو چار پڑھے،اور اگر گھر میں پڑھے تو دو رکعت پڑھے۔ابوبکر الاثرم کہتے ہیں: دونوں بھی جائز ہے۔(الحدائق لابن الجوزی 2/183).

14۔اس شخص کے لیے مستحب ہے جو مسجد میں اس وقت داخل ہو جب امام خطبہ دے رہا ہو کہ بیٹھنے سے پہلے دو مختصر رکعتیں پڑھ لے؛حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ دے رہے تھے،سلیک الغطفانی

آئے، اور بیٹھ گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن مسجد آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے۔ (مسلم)

15۔ جمعہ کے دن مستحب ہے کہ امام نمازِ جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون، یا سورہ اعلیٰ اور غاشیہ پڑھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم)

جمعہ اور ہماری ذمہ داریاں

1۔ بعض لوگ نمازِ جمعہ کاہلی اور سستی کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: خبردار! لوگ جمعہ چھوڑنے سے رک جائیں یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر یہ لوگ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔ (مسلم)

2۔ بعض لوگ نمازِ جمعہ کے لیے آتے وقت جمعہ کی نیت کے استحضار کا خیال نہیں رکھتے، اور عام معمول کے مطابق مسجد پہنچ جاتے ہیں، حالانکہ جمعہ اور دیگر عبادات کی درستگی کے لیے نیت کا ہونا شرط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (البخاری)

3۔ جمعہ کی رات میں دیر تک شب بیداری کرنا، اور نمازِ فجر کے وقت سوتے رہنا، جس کی وجہ سے جمعہ کے دن کا آغاز ہی کبیرہ گناہ سے ہوتا ہے، حالانکہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازوں میں افضل ترین نماز جمعہ کے دن کی باجماعت فجر کی نماز ہے۔ (صحیح 566)

4۔ خطبہ جمعہ میں شریک ہونے میں غفلت اور سستی سے کام لینا، بعض لوگ خطبہ کے دوران مسجد پہنچتے ہیں اور بعض کا تو یہ حال ہوتا ہے اس وقت مسجد پہنچتے ہیں جب جمعہ کی نماز شروع ہو جاتی ہے۔

5۔ جمعہ کا غسل چھوڑنا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، مسواک کا اہتمام نہ کرنا اسی طرح جمعہ کے دن اچھے کپڑے زیب تن نہ کرنا۔

6۔ اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرنا؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت ترک کر دو، اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (الجمعۃ: 9). ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت حرام ہے۔

7۔ بعض افراد نافرمانی کے کاموں کو جمعہ کے دن عبادت سمجھ کر کرتے ہیں، مثال کے طور پر بعض لوگ کمالِ نظافت خیال کرتے ہوئے داڑھی کاٹتے ہیں۔

8۔ بعض لوگ اگلی صفوں کے پر ہونے سے پہلے ہی مسجد کے آخری حصے میں بیٹھ جاتے ہیں، بلکہ بعض لوگ تو مسجد کے اندرونی حصے میں جگہ ہونے کے باوجود بیرونی حصے میں ہی بیٹھتے ہیں۔

9۔ کسی شخص کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اس جگہ پر خود بیٹھنا: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے ہرگز نہ اٹھائے، کہ اس جگہ پر خود بیٹھے، بلکہ کہے: جگہ کشادہ کرو۔ (مسلم)

10۔گردنوں کو پھلانگنا اور دو کے درمیان تفریق کرنا اور بیٹھے ہوئے لوگوں پر تنگی کرنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: بیٹھ جا تو نے تکلیف دی اور تاخیر کی۔(صحیح الترغیب والترھیب وصحیح ابن ماجۃ)۔

11۔باتوں یا تلاوت کے ذریعے آواز بلند نہ کرے، جس سے نمازیوں اور دیگر تلاوت کرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

12۔بغیر عذر کے اذان کے بعد مسجد سے نکلنا۔

13۔خطبہ کے دوران خطیب کی جانب توجہ نہ دینا۔

14۔دونوں خطبوں کے درمیان دو رکعت کا پڑھنا، ہاں دونوں خطبوں کے دوران کے وقفے میں دعا اور استغفار پڑھنا مشروع ہے۔لیکن نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

15۔نماز کے دوران کثرت سے حرکت کرنا، اور امام کا سلام پھیرتے ہی مسجد سے نکلنا، اور نماز کے بعد کے اذکار چھوڑ کر مسجد کے دروازوں پر بھیڑ کرنا۔

خطباء اور واعظین کیلئے آداب

1۔خطبہ کا طویل کرنا اور نماز کا مختصر کرنا، حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کا نماز کو طویل کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے فقیہ ہونے کی علامت ہے، تو نماز کو طویل کرو اور خطبہ کو مختصر، اور بیشک تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے(مسلم)

2۔خطبہ کے لیے مناسب موضوع کا انتخاب نہ کرنا اور اسی طرح مناسب تیاری نہ کرنا، اور ایسے موضوعات پر تقریر کرنا جس کی لوگوں کو کوئی خاص ضرورت نہ ہو۔

3۔بہت سے واعظین اور خطباء لغوی غلطیوں کی جانب توجہ نہیں دیتے۔

4۔بعض مقررین موضوع اور ضعیف احادیث اور بغیر سوچے سمجھے غلط اقوال نقل کرتے ہیں۔ 5۔بعض خطیب حضرات دوسرے خطبہ میں صرف دعا پر اکتفاء کرتے ہیں اور اسی کے عادی ہیں۔

6۔خطبہ یا تقریر کے دوران قرآن کی آیات سے روگردانی کرنا؛ یہ طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف ہے، حضرت حارثہ بنت نعمان رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں: میں نے سورہ (قٓ وَالقرآن) ہر جمعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبوں میں سن سن کر یاد کرلیا۔(مسلم)

.7۔بعض خطباء اور مقررین کا خطبہ کے دوران جوش وولولہ کا اظہار نہ کرنا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے، تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتی تھیں، آواز بلند ہوجاتی تھی، اور آپ کا غصہ شدید ہوجاتا تھا ایسا لگتا تھا کہ آپ کسی لشکر کو آگاہ فرمارہے ہیں۔(مسلم)

ہفتہ کے دن حد سے بڑھنے والے یہود پر عذاب کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا پس ہم نے ان سے کہا: تم دھتکار یہوئے بندر بن جاؤ۔ (البقرہ:۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم حضرت داؤد (علیہ السلام) کے زمانہ میں ایلہ میں آباد تھی یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحل سمندر پر واقع تھا اس جگہ کے سمندر میں سال کے ایک مہینہ میں اتنی کثرت سے مچھلیاں آتی تھیں کہ پانی دکھائی نہیں دیتا تھا اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن اس میں بہت مچھلیاں آتی تھیں ان لوگوں نے مختلف جگہ حوض کھودے اور سمندر سے نالیاں نکال کر ان حوضوں سے ملا دیا ہفتہ کے دن ان حوضوں میں مچھلیاں چلی جاتیں اور وہ اتوار کے دن ان کا شکار کر لیتے۔ بنو اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں مقید کر لینا یہی ان کا حد سے تجاوز کرنا تھا وہ ایک بڑے لمبے عرصے تک اس نافرمانی میں مشغول رہے نسل در نسل ان کی اولاد بھی اس میں ملوث رہی خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ منع کرتے تھے کچھ اس کو برا جانتے تھے اور اس خیال سے منع نہیں کرتے تھے کہ یہ باز آنے والے نہیں ہیں نافرمان لوگ کہتے تھے کہ ہم اتنے بڑے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مچھلیوں میں اضافہ فرما رہا ہے مانعین کہتے تھے کہ تم دھوکے میں نہ آؤ ہوسکتا ہے تم پر عذاب نازل ہو جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس شہر میں رہنے والے ستر ہزار نفوس تھے اور ان کو منع کرنے والے بارہ ہزار تھے جب مجرموں نے انکی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مانعین نے کہا: بہ خدا! ہم ایک علاقہ میں نہیں رہیں گے انہوں نے شہر کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی اور ان سے الگ رہنے لگے اور کئی سال اسی طرح گزر گئے پھر معصیت پر ان کے مسلسل اصرار کی وجہ سے حضرت داؤد (علیہ السلام) نے ان پر لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل فرمایا ایک دن منع کرنے والے اپنے دروازے سے نکلے تو دیکھا کہ مجرمین میں سے کوئی نکلا جب کافی دیر ہوگئی تو وہ دیوار پھاند کر گئے دیکھا تو وہ تمام لوگ بندر بن چکے تھے ایک قول یہ ہے کہ جوان بندر بن گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے وہ دوسروں کو پہچان رہے تھے اور دوسرے ان کو نہیں پہچان رہے تھے وہ تین دن اس حال میں روتے رہے پھر سب ہلاک ہو گئے اور کوئی مسخ شدہ شخص تین دن سے زیادہ نہیں رہا اور نہ ان کی نسل چلی۔

(تفسیر خازن ج ۱ ص ۶۰ مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

اس واقعہ کے بیان میں ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا اظہار ہے کیونکہ آپ امی تھے آپ نے اعلان نبوت سے پہلے نہ کسی چیز کو پڑھا تھا نہ لکھا تھا اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے تھے اس کے باوجود آپ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا جو ان کے علماء کے درمیان معروف تھا اور ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ وحی الٰہی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ سمندر میں ہفتہ ہی کے دن بہ کثرت مچھلیاں آتی تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی اور بنو اسرائیل کا امتحان تھا

کہ وہ مچھلیوں کی بہتات دیکھ کر پھسل جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے پر جمے رہتے ہیں۔

عیسائیوں کیلئے یوم سزا اور اتوار کا بیان

اکثر عیسائی سنیچر کے بارے میں کوئی خاص توجہ نہیں رکھتے ہیں، بلکہ اتوار کے دن تعطیل کرتے ہیں، کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ (ع) جمعہ کے دن شہید ہوئے ہیں اور وہ تین دن کے بعد عالم ارواح سے اٹھ کر اپنے شاگردوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اس بنا پر حضرت عیسیٰ (ع) نے یکشنبہ کے دن قیام کیا ہے اور عیسائیوں کے لیے وہ دن مذہبی عید ہے۔

بعض عیسائی جو سبتیون (سنیچر والے) کے نام سے مشہور ہیں، یہودیوں کا جیسا اعتقاد رکھتے ہیں کہ سنیچر ایک مقدس دن ہے، اس لیے اس دن کوئی کام نہیں کرتے ہیں اور اتوار کے دن کام کرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ انجیل کی آیات کے مطابق، تورات کے دس احکام اپنی جگہ پر باقی ہیں اور حضرت عیسیٰ ان کو مکمل اور نافذ کرنے کے لیے آئے تھے۔

(بلاغی، سید عبدالحجت، حجۃ التفاسیر و بلاغ الاکسیر، ج2، (مقدمہ)، ص765، انتشارات حکمت، قم، 1386)

کفار کے ایام وخاص تہواروں میں شرکت کی ممانعت کا بیان

عبداللہ ابن عُمر الفاروق رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا۔ **مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ**، جس نے جس قوم کی نقالی کی وہ اُسی قوم میں سے ہے۔ (سُنن ابو داؤد/حدیث/4033)

جریر بن عبداللہ البُجلی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی تو انہوں نے فرمایا **أُبَايِعُكَ عَلَى أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتُنَاصِحَ الْمُسْلِمِينَ وَتُفَارِقَ الْمُشْرِكِينَ** ۔ میں ان باتوں پر تمہاری بیعت لیتا ہوں کہ تُم اللہ کی عبادت کرو گے اور نماز ادا کرو گے اور مسلمانوں کو نصیحت کرو گے اور مشرکوں سے الگ رہو گے۔ (سُنن النسائی/حدیث/4194)

اس میں مشرکوں سے الگ رہنے کا مطلب معاشرتی علیحدگی نہیں کیونکہ ایسا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے دور مبارک میں مسلم معاشرے میں بھی نہ تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کی عادات اور نقالی سے الگ رہو گے، اور اگر کوئی معاملہ اُن کے ہاں دینی نوعیت کا ہو تو پھر تو اس میں کسی بھی طور شمولیت بدرجہ اُولیٰ ممنوع ہے۔

یہ مفہوم ہمیں دیگر احادیث اور آثار میں ملتا ہے جس کی مثال کے طور پر آپ کو اُمت کے سب سے مقدس اور پاکیزہ طبقے کے علماء رضی اللہ عنہم اجمعین کے فتاویٰ میں سے کچھ پیش کرتا ہوں۔

عبداللہ ابن عُمر و رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ **مَنْ بَنَى بِبِلَادِ الْأَعَاجِمِ وَصَنَعَ نَيْرُوزَهُمْ وَمِهْرَجَانَهُمْ وَتَشَبَّهَ بِهِمْ حَتَّى يَمُوتَ وَهُوَ كَذَلِكَ حُشِرَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** جو کوئی کافروں کے شہروں میں آباد ہوا اور ان کے تہوار منائے اور ان کی نقالی کی یہاں تک وہ اسی حالت میں مرگیا تو قیامت والے دن اس کا حشر انہی کافروں کے ساتھ ہوگا۔ سنن البیہقی، حدیث صحیح ہے۔

اور ایک روایت میں **مَنْ بَنَى بِبِلَادِ الْمُشْرِكِينَ** کے الفاظ ہیں اور وہ روایت بھی صحیح ہے، دوسری حدیث بلافصل خلیفہ امیر

المؤمنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے۔

لا تَعَلَّمُوا رَطَانَةَ الْأَعَاجِم ، ولا تَدخُلُوا علىَ الْمُشرِكين فى كَنَائِسِهِم يَومَ عِيدِهِم ، فإنَّ السَخطةَ تَنزِلُ عَلَيهِم ۔ نہ تو کافروں کا خاص لہجہ سیکھو، اور نہ ہی مشرکوں کے تہواروں والے دِن ان کی عبادگاہوں میں داخل ہو کیونکہ ایسے میں ان پر اللہ کا غصہ نازل ہو رہا ہوتا ہے۔ سنن بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ روایت ہے۔

میں ان مذکورہ بالا آثار کو حدیث اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس میں ایک ایسی خبر ہے جو وحی کے بغیر نہیں دی جا سکتی ایسی خبر کو موقوف فی حکم الرفع کہا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَالَّذِينَ لا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً ۔ اور وہ جو بے کار کاموں کی طرف نہیں دیکھتے اور اگر فضول کاموں والی جگہوں سے گذر ہو تو عزت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ سُورت الفرقان/آیت 72، اس فرمان کی تفسیر اگر آپ تفسیر ابن کثیر میں ہی دیکھ لیجیے تو آپ کو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی طرف سے کی تفسیر کافروں کے تہوار بھی ملے گی۔

پس اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مذکورہ بالا فرامین کی روشنی میں، کافروں سے دوستی، ان کے تہواروں میں کسی قسم کی شمولیت ناجائز کام ہیں۔

یہ معاملہ بھی بہت اچھی طرح سے ذہن وقلب میں جما رکھنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام نازل فرماتے وقت، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی حدیث مبارکہ صادر فرماتے وقت یقینا خوب جانتا تھا کہ قیامت تک میرے مسلمانوں نے کہاں کہاں اور کیسے کیسے اور کس کس کے ساتھ رہنا ہے، پس ہمیں اپنے زندگی کے معاملات اور خاص طور پر عقیدے سے متعلق معاملات مختلف علاقوں کے حالات وعادات اور مختلف لوگوں کی سوچ وفکر کے مطابق نہیں سمجھنے۔

لہذا یہ بات بھی خُوب یاد رکھنے کی ہے کہ شریعت کے احکام مختلف علاقوں کی عادات اور مختلف لوگوں کی معاشرتی دلچسپیوں یا لگاؤ، یا مجبوریوں سے اخذ نہیں کیے جا سکتے، بلکہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے احکامات سے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی سُنّت مُبارکہ سے اخذ کیے جاتے ہیں، اور وہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت کے اقوال وافعال کے مطابق نہ کہ ہر کس وناکس اپنی اپنی سوچ وفکر کی بنا پر ایسا کرنے کا اہل ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا بیان

2- وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ ابْتَنَى بُيُوتًا فَأَحْسَنَهَا وَأَجْمَلَهَا وَأَكْمَلَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ مِنْ زَوَايَاهَا، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ وَيُعْجِبُهُمُ الْبُنْيَانُ، فَيَقُولُونَ أَلَا وُضِعَتْ هَاهُنَا لَبِنَةٌ فَيَتِمَّ بِنَاؤُهُ، فَقَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو حجرے تعمیر کرے ان کو عمدہ اور خوبصورت اور کامل بنائے مگر مکان کے کسی ایک کونے کی ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ جائے۔لوگ پھر پھر کر مکان دیکھتے ہیں اور عمارت کو پسند کرتے ہیں۔پس وہ کہتے ہیں یہاں ایک اینٹ رکھ دی جاتی جس سے عمارت مکمل ہو جائے۔پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہی ہوں۔

(صحیح البخاری۔المناقب (3342) صحیح مسلم۔الفضائل (2286) صحیح مسلم۔الفضائل (2286) صحیح مسلم۔الفضائل (2286) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/244) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (2/257) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (2/312) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (2/398

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔(الاحزاب:۴۰)

لفظ خاتم کی لغوی تحقیق کا بیان

پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ خاتم النبین کا جو معنی یہاں کیا گیا ہے اہل لغت نے اس کا یہی معنی لکھا ہے۔اس وقت میرے پاس علم لغت کی دوسری کتب کے علاوہ الصحاح للجوہری اور لسان العرب لابن منظور موجود ہیں جن کا شمار لغت عرب کی امہات الکتب میں ہوتا ہے۔آؤ ان کے مطالعہ سے اس لفظ کی تحقیق کریں۔

ایک چیز پیش نظر رہے کہ صحاح کے مولف علامہ حماد بن اسماعیل الجوہری کا سن ولادت ۳۳۲ھ اور سال وفات ۳۹۳ھ یا ۳۹۸ھ ہے اور لسان العرب کے مولف علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری کا سن ولادت ۶۳۰ھ اور سال وفات ۷۱۱ھ ہے۔یہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ انکار ختم نبوت سے صدہا سال پہلے یہ کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے مذہبی تعصب یا ذاتی عقیدہ کے باعث یہ لکھا ہے تا کہ ان کا قول حجت نہ رہے بلکہ ان کی نگارشات اور ان کی تحقیقات اہل لغت کے اقوال کے عین مطابق ہیں۔پہلے صحاح کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

ختم اللہ لہ بخیر خدا اس کا خاتمہ بالخیر کرے۔وختمت القران : بلغت اخرۃ۔یعنی میں نے قرآن آخر تک پڑھ لیا۔ اختتمت الشیء : نقیض افتتحتہ : افتتاح کی نقیض اختتام ہے۔والخاتم والخاتم بکسر التاء وفتحھا والختام والخاتام کلہ بمعنی وخاتمۃ الشیء اخرہ ۔ یعنی خاتم خاتم ۔ ختام ۔ خاتام سب کا ایک ہی معنی ہے اور کسی چیز کے آخر کو خاتمۃ الشیء کہتے ہیں۔ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لے آئے۔

علامہ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں: ختام الوادی، اقصاہ وختام القوم وخاتمھم وخاتمھم۔اخرھم ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔وادی کے آخری کونہ کو ختام الوادی کہتے ہیں۔قوم کے آخری فرد کو ختام خاتم اور

خاتم کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے۔

لسان العرب میں التہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے: والخاتم والخاتم من اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی التنزیل العزیز ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای اخرھم ومن اماۃ العاقب ایضا ومعناہ اخر الانبیاء۔ یعنی خاتم اور خاتم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ یعنی سب نبیوں سے پیچھے آنے والا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے العاقب بھی ہے اس کا معنی آخر الانبیاء ہے۔

اہل لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خاتم کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کا معنی آخری ہے۔ اس معنی کی تائید کے لئے اہل لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے وختامہ مسک ای اخرہ مسک۔ یعنی اہل جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر میں انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔

ختم نبوت کے منکرین اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ خاتم کا جو معنی آپ نے بیان کیا ہے (آخری) وہ یہاں مراد نہیں بلکہ اس کا دوسرا معنی مراد ہے اور یہ معنی بھی ان لغت کی کتابوں میں موجود ہے جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ جب ایک لفظ کے دو معنی ہوں، تو وہاں ایک معنی مراد لینے پر بضد ہونا اور دوسرے معنی کو ترک کر دینا تحقیق حق کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم بھی اس آیت کو مانتے ہیں اور اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں گھڑتے تاکہ ہم پر تحریف قرآن کا الزام لگایا جائے بلکہ لغت عرب کے مطابق ہی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ کسی کو ہم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔

صحاح اور لسان العرب دونوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مذکور ہے۔ آیت کا یہی معنی ابلغ اور شان رسالت کے شایان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیا پر مہر لگانے والے ہیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر لگا دی وہ نبوت کے شرف سے مشرف ہوگا اور جس پر مہر نہ لگائی، وہ نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ بے شک لغت کی کتابوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا موقوم ہے لیکن انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ مذکورہ آیت میں خاتم النبیین کا معنی آخر النبیین ہے۔ یہاں فقط یہی معنی مراد ہے اور یہ لوگ اگر مصر ہوں کہ یہاں خاتم کا دوسرا معنی مراد ہے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے غور و تدبر سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے مہر سے مراد ڈاکخانہ کی مہر یا کسی افسر کی مہر سمجھی ہے کہ لفافہ یا کارڈ پر مہر ٹھپہ لگایا اور اسے آگے بھیج دیا یا کسی کی درخواست پر اپنی مہر ثبت کی اور اسے مناسب کاروائی کے لئے متعلقہ دفتر روانہ کر دیا۔

حالانکہ مہر کا جو مفہوم اہل لغت نے لیا ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے۔ کاش انہیں بے جا تعصب اس امر کی اجازت دیتا کہ وہ ائمہ لغت کی عبارتوں میں غور کرتے۔ آیئے! ہم آپ کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔

لسان العرب میں ہے: ختمہ یختمہ ختما وختاما: طبعہ فھو مختوم ومختم شدد للمبالغۃ۔ یعنی ختم کا معنی مہر لگانا ہے اور جس پر مہر لگا دی جائے اس کو مختوم اور مبالغہ کے طور پر مختم کہتے ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن، احزاب ۴۰، مطبوعہ لاہور)

اس کے بعد لکھتے ہیں: ومعنی ختم وطبع فی اللغۃ واحد وھو التغطیۃ علی الشی والاستیثاق عن ان لا

یدخلہ شیء کما قال جل وعلا ۔ ام علی قلوب اقفالھا ۔ اس عبارت کا ترجمہ ذرا غور سے سنیے یعنی ختم اور طبع کا لغت میں ایک ہی معنی ہے اور وہ یہ کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا اور مضبوطی سے بند کر دینا کہ اس میں باہر سے کسی چیز کے داخلہ کا امکان ہی نہ ہو۔

پہلے زمانہ میں خلفاء، امراء، سلاطین وغیرہ اپنے خطوط کو لکھنے کے بعد کسی کاغذ کے لفافہ اور کپڑے کی تھیلی میں رکھ کر سر بمہر کر دیتے کہ جو کچھ لکھا جا چکا، اب اس کو سر بمہر کر دیا گیا ہے تا کہ اس مہر کی موجودگی میں اس میں کوئی ردو بدل نہ کر دے۔ اگر کوئی ردو بدل کرے گا، تو وہ پہلے مہر توڑے گا اور جب مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا۔ اس پر احکام سلطانی میں تغیر و تبدل کرنے اور امانت میں خیانت کرنے کے سنگین الزامات میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ اس صورت میں خاتم النبیین کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اور اس پر مہر لگا دی گئی تا کہ کوئی کذاب، دجال اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اگر کوئی شخص زبردستی اس زمرہ میں گھسنا چاہے گا تو پہلے مہر توڑے گا اور جب مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا اور اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ (صحاح، لسان العرب)

اس کی تحقیق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ وہ آپ کے بیٹے نہیں ہیں اور آپ کے چار نسبی بیٹے تھے آپ حضرت قاسم حضرت ابراہیم حضرت طیب اور حضرت مطہر کے والد تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۴۶۵ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۶۹۸)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو کفار اور منافقین نے اعتراض کیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حضرت زید بن حارثہ آپ کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کی بیوی آپ پر حرام ہو جائیں لیکن آپ تعظیم اور تکریم کے اعتبار سے امت کے باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر کفار اور منافقین کے اعتراضات کو ساقط کر دیا اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں جو مرد تھے آپ ان میں سے کسی کے حقیقی والد نہیں ہیں یہ نہیں ہے کہ آپ کسی کے والد نہیں ہیں کیونکہ آپ کی چار بیٹیاں تھیں اور آپ ان کے والد تھے اور آپ کے چار بیٹے تھے اور آپ ان کے والد تھے لیکن وہ سب صغر سن میں وفات پا گئے اور ان میں سے کوئی بھی مرد ہونے کی عمر تک نہیں پہنچا سو آپ مردوں میں سے کسی کے حقیقی والد نہیں ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں اور یہ چاروں آپ کے نسبی بیٹے تھے مخاطبین کے مردوں میں سے نہ تھے بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۹) لیکن آپ نے ان کو مجازاً اپنے بیٹے فرمایا وہ آپ کے نسبی بیٹے نہ تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسبی بیٹے اور آپ کے نواسے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں اور نہ کسی مرد کے حقیقی والد ہیں نہ رضاعی والد ہیں۔

ہم نے امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بیٹے تھے لیکن مشہور یہ ہے

کہ آپ کے دو بیٹے تھے حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم حضرت قاسم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے انہی کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے اور حضرت ابراہیم آپ کی کنیز ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل از اسلام پیدا ہوئی صرف حضرت ابراہیم واحد ہیں جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اسی وجہ سے ان کا لقب طیب اور مطہر ہے۔ (سبل الھدی والرشاد ج ۱۱ص ۱۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ آپ کسی مرد کے شرعی والد ہیں نہ رضاعی اور نہ کسی کو آپ نے شرعاً بیٹا بنایا کیونکہ شرعاً بیٹا اس کو بنایا جاتا ہے جو مجہول النسب ہو اور حضرت زید بن حارثہ مجہول النسب نہیں تھے ان کا نسب معروف تھا وہ حارثہ کے بیٹے تھے غرض آپ کسی اعتبار سے کسی مرد کے باپ نہ تھے نسبی نہ رضاعی نہ متبنی کے کے اعتبار سے۔ (روح المعانی جز ۲۲ص ۴۵۔۴۴ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے پر صاف اور صریح آیت تو یہی الاحزاب: ۴۰ ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کی اور آیات بھی ہیں جن سے آپ کا خاتم النبیین اور آخری نبی ہونا ثابت ہے۔

(۲) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۔ (المائدہ:۳) آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند فرمالیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دین کا کامل اور تمام ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ آخری نبی ہیں کیونکہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا اسی وقت ممکن ہوتا جب آپ کے دین اور آپ کی شریعت میں کوئی کمی ہوتی جس کمی کو بعد میں آنے والا نبی پورا کرتا اور جب آپ کا دین کامل اور تمام ہے اور اس کا ناکمل ہونا ممکن نہیں ہے تو آپ کے بعد کسی نبی کا آنا بھی ممکن نہیں ہے۔

(۳) وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا و نذیرا ۔ (سبا:۲۸) اور (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے (جنت کی) بشارت دینے والا اور (دوزخ سے) ڈرانے والا بنا بھیجا ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے آپ رسول ہیں اگر آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو جائز قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ آپ تمام لوگوں کے لیے رسول نہیں ہیں بلکہ بعض لوگوں کے لیے کوئی اور رسول آئے گا اور اس سے یہ آیت کاذب ہو جائے گی اور قرآن مجید کا کاذب ہونا محال ہے اس سے لازم آیا کہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا محال ہے۔

(۴) قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ۔ (الاعراف:۱۵۸) آپ کہیے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اس آیت کی بھی حسب سابق تقریر ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی کا آنا ممکن ہو تو پھر آپ سب کے لیے رسول نہیں رہیں گے۔

(۵) وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (الانبیاء:۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت کی بھی اسی طرح تقریر ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی رسول کا آنا ممکن ہو تو پھر بعض لوگوں کے لیے وہ رسول رحمت ہوگا اور آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت نہیں رہیں گے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

(۶) تبرك الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا (الفرقان:۱) وہ ذات برکت والی ہے جس نے اپنے عبد کامل پر وہ کتاب نازل کی جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے تاکہ وہ عبد کامل تمام جہانوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والا ہو جائے۔

(۷) واذ اخذ الله میثاق النبیین لمآ اتیتکم من کتب و حکمة ثم جآء کم رسول مصدق لما معکم لتؤ منن به ولتنصرنه ط قال ء اقررتم واخذتم علی ذلکم اصری ط قالوا اقررنا ط قال فاشهدوا وانا معکم منالشهدین (آل عمران:۸۱)

اور یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے یہ پختہ عہد لیا کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائے جو ان (چیزوں) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہیں تو تم سب اس پر ضرور ضرور ایمان لانا اور تم سب ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا فرمایا پس تم سب (ایک دوسرے پر) گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس نبی کے آنے پر تمام رسولوں سے اس پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا پختہ عہد لیا گیا ہے وہ تمام رسولوں کے بعد آئے گا پس اگر آپ کے بعد کسی اور رسول کے آنے کو ممکن مانا جائے تو لازم آئے گا کہ وہی آخری رسول ہو اور اسی کے متعلق تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا گیا ہو بلکہ آپ سے بھی اس پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا ہو اور یہ بداھتہ باطل ہے۔

(۸) هو الذی بعث فی الامین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة ق وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین واخرین منهم لما یلحقوا بهم ط وهو العزیز الحکیم (الجمعہ:۳-۲)

وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس کے آنے سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے اور اس رسول کو دوسروں کے لیے بھی بھیجا ہے جو (ابھی تک) پہلوں سے نہیں ملے اور وہ بے حد غالب بہت حکمت والا ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے لوگوں کے بھی رسول ہیں اور اپنے بعد آنے والے لوگوں کے لیے بھی رسول ہیں اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے بعد کسی اور رسول کا آنا بھی ممکن ہے تو پھر اس رسول پر ایمان لانے والوں کے لیے آپ رسول نہیں ہوں گے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

(۹) ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المو منین نوله ماتولی ونصله جهنم ط وسآءت مصیرا ۔(النساء:۱۱۵)

اور جو شخص اس پر ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور تمام مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو دوزخ میں داخل کر دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔

عہد رسالت سے تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا محال ہے سو جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا وہ اس آیت کی وعید کا مصداق ہے۔

(۱۰) لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقتل ط اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا ط و کلاوعداللہ الحسنی ط ۔(الحدید:۱۰)

تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ دوسروں کے برابر نہیں ہیں ان کا ان لوگوں سے بہت بڑا درجہ ہے جنہوں نے اس کے بعد (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور قتال کیا اور اللہ نے ہر ایک سے نیک عاقبت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے صحابہ بعد کے صحابہ سے بہت افضل ہیں اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن ہوتا تو وہ ان صحابہ سے افضل ہوتا کیونکہ نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے اور ان صحابہ سے اس کا افضل ہونا اس آیت کے خلاف ہے پس آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن نہیں ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق احادیث صحیحہ مقبولہ

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بہت حسین وجمیل ایک گھر بنایا مگر اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس گھر کے گرد گھومانے لگے اور تعجب سے یہ کہنے لگے اس نے یہ اینٹ کیوں نہ رکھی آپ نے فرمایا میں (قصر نبوت کی) وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۵۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۸۶ السنن الکبری رقم الحدیث:۱۴۲۲ مسند احمد رقم الحدیث:۷۴۷۹ عالم الکتب)

(۲) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (الی قولہ) عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک کا زعم ہوگا کہ وہ نبی ہے اور میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۲۵۲ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۸۹ سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۰۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۵۲ صحیح البخاری ۷۱۲۱ میں ہے عنقریب تیس کذاب نکلیں گے ان میں ہر ایک کا زعم ہوگا کہ وہ رسول اللہ ہے)

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثل اس شخص کی طرح ہے جس نے گھر بنا کر مکمل کیا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کو رکھ کر اس گھر کو مکمل کر دیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۰۹ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۱۶ھ)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے (۱) مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں (۲) اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے (۳) اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کردیا گیا ہے (۴) اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور نماز کی جگہ بنادیا گیا ہے (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷ مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲)

(۵) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۴۱۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۴ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۱ سنن کبری للنسائی رقم الحدیث: ۸۴۳۵ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۴-۲۰۳۵-۲۰۲۶ المستدرک ج ۳ ص ۱۰۹ قدیم رقم الحدیث: ۴۵۷۵ جدید سنن بیہقی ج ۹ ص ۴۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۲۷ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۷۴۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۶۰)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کا ملکی انتظام ان کے انبیاء کرتے تھے جب بھی کوئی نبی فوت ہوجاتا تو اس کا قائم مقام دوسرا نبی ہوجاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور میرے بعد بہ کثرت خلفاء ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۱ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۹۴۷ عالم الکتب بیروت)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہوچکی ہے پس میرے بعد کوئی نبی ہوگا نہ رسول ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲ مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۴۷ المستدرک ج ۴ ص ۳۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۶۷)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ بیان کرتے ہیں، میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے (یعنی آخر مساجد الانبیاء ہے) (صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۳۹۴ الرقم المسلسل: ۳۳۱۷)

(۱۰) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پیدائش میں سب سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۶-۳۲۱۲۶)

(۱۱) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین تھا اور بے شک (اس وقت) آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷ المعجم الکبیر ۱۸ رقم الحدیث: ۲۵۲ مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۶۵)

(۱۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں لوگ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہیں گے یا محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں کی مغفرت کر دی ہے آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۷)

(۱۳) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۵۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمار پاس آئے گویا ہمیں رخصت فرمارہے ہوں پھر تین بار فرمایا میں محمد نبی امی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۲ احمد شاکر نے کا اس کی سند حسن ہے حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۶۰۲ دار الحدیث قاہرہ)

(۱۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کے سامنے فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنایا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنایا مجھ پر قرآن مجید نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو خیر امت بنایا جو لوگوں کے نفع کے لیے بنائی گئی ہے اور میری امت کو معتدل امت بنایا اور میری امت کو اول اور آخر بنایا اور اس نے میرا سینہ کھول دیا میرا بوجھ اتار دیا اور میرے لیے مراذ کر بلند کیا اور مجھ کو افتتاح کرنے والا اور (نبیوں کو) ختم کرنے والا بنایا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۵۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۱)

(۱۶) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں بیان کرتے ہیں کہ جب آپ بیت المقدس پہنچے آپ نے اپنی سواری کو ایک بڑے پتھر کے ساتھ باندھ دیا پھر آپ نے مسجد میں داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی نماز کے بعد نبیوں نے حضرت جبریل سے پوچھا یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔

(المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۳۶۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

(۱۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں آپ کے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۷۔۱۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۱۲ دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۶۹ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۵۰)

(۱۸) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتنہ دجال کے متعلق ایک طویل حدیث میں) فرمایا: میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۷)

(۱۹) حضرت ابو قتیلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ہے سو تم اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچ نمازیں پڑھو اپنے مہینہ کے روزے رکھو اپنے حکام کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۷۹۷ ج ۸ رقم الحدیث: ۷۵۳۵۔۷۶۱۷)

(۲۰) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! پہلے رسول آدم ہیں اور آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۶۹)

(۲۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۶ مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۴ المستدرک ج ۳ ص ۸۵ المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۸۵۷)

(۲۲) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے کئی اسماء ہیں میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی (مٹانے والا) ہوں اللہ میرے سبب سے کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں جس کے عبد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۰ السنن الکبری رقم الحدیث: ۱۱۵۹۰)

(۲۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں احمد ہوں اور محمد ہوں اور حاشر ہوں اور مقفی (سب نبیوں کے بعد مبعوث ہونے والا) ہوں اور خاتم ہوں۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۵۶ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۶۲)

(۲۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہو کر فرماتے تھے کیا تم میں سے کسی ایک نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر فرماتے میرے بعد نبوت میں سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۷)

(۲۶) وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) دراز قد تھے اور ان کے بال گھونگریالے تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوۃ سے تھے اور ان کے داہنے ہاتھ میں مہر نبوت تھی مگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میرے شانوں کے درمیان وہ مہر نوبت ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں پر ہوتی تھی کیونکہ میرے بعد کوئی نبی ہوگا نہ رسول۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۰۷، قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۴۱۰۵ جدید المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ)

(۲۷) اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو دیکھا تھا؟ انہوں نے کہا وہ کم سنی میں فوت ہو گئے اور اگر ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہنا مقدر ہوتا تو وہ نبی ہوتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۱۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۹۴)

(۲۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم زندہ ہوتے تو سچے نبی ہوتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳ تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۷ رقم الحدیث: ۹۰۵۷ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۴۵۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱۹۴)

(۲۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت میں سے صرف مبشرات باقی بچے ہیں مسلمانوں نے پوچھا یارسول اللہ! مبشرات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھے خواب۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۰)

(۳۰) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ستائیس دجال اور کذاب

ہوں گے ان میں سے چار عورتیں ہوں گی اور میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۶ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳۵۱ دار الحدیث قاہرہ)

(۳۱) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے باپ اور چچا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے آئے اور آپ سے کہا آپ جو چاہے اس کی قیمت لے لیں اور اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیں! آپ نے ان سے فرمایا میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دو اور اس کی کہ میں خاتم الانبیاء و الرسل ہوں میں اس کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا انہوں نے اس پر عذر پیش کیا اور دیناروں کی پیش کش کی آپ نے فرمایا اچھا زید سے پوچھو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کو تمہارے ساتھ بلا معاوضہ بھیج دیتا ہوں حضرت نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے باپ کو ترجیح دوں گا اور نہ اپنی اولاد کو یہ سن کر حضرت زید کے والد حارثہ مسلمان ہو گئے اور کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد اعبدہ ورسولہ اور ان کے باقی رشتہ داروں نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

(المستدرک ج ۳ ص ۲۱۴ طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۴۹۴۶ طبع جدید)

(۳۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک ہزار یا اس سے زائد انبیاء کا خاتم ہوں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷ طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۴۱۶۸ طبع جدید)

ایک ہزار سے زائد انبیاء سے مراد ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں جیسا کہ المستدرک رقم الحدیث: ۴۱۶۸ میں اس کی تصریح ہے۔

(۳۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے درد ہو گیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود نماز پڑھنے لگے اور مجھ پر اپنی چادر کا پلو ڈال دیا پھر فرمایا اے ابو طالب کے بیٹے! تم ٹھیک ہو گئے اور اب تم کو کوئی تکلیف نہیں ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کیا ہے تمہارے لیے بھی اس چیز کا سوال کیا ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ عطا فرمادی سوا اس کے کہ مجھ سے کہا گیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۹۰۳ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے رجال صحیح ہیں مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۱۰)

(۳۴) بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم قیامت کے دن ستر امتوں کو مکمل کریں گے ہم ان میں سب سے آخری اور سب سے بہتر امت ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۷ مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۷ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۶۲)

(۳۵) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے آپ سے ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے ان سے فرمایا: آپ اسی جگہ ٹھہریں جہاں آپ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ پر اس طرح ہجرت کو ختم کرے گا جس طرح مجھ پر نبوت کو ختم کیا ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۸۲۸ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۶۹ اس کی سند میں اسماعیل بن قیس متروک ہے)

(۳۶) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے: واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن

نوح (الاحزاب:۷) تو آپ فرماتے مجھ سے خیر کی ابتداء کی گئی ہے اور میں بعث میں سب نبیوں میں آخر ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۳۱۷۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

(۳۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے آسمانوں کی معراج کرائی گئی تو میرے رب عزوجل نے مجھے اپنے قریب کیا حتیٰ کہ میرے اور اس کے درمیان دو کمانوں کے سروں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک اللہ عزوجل نے فرمایا اے میرے حبیب! اے محمد! کیا آپ کو اس کا غم ہے کہ آپ کو سب نبیوں کا آخر بنایا ہے میں نے کہا اے میرے رب! نہیں! فرمایا: آپ اپنی امت کو میرا اسلام پہنچا دیں اور ان کو خبر دیں کہ میں نے ان کو آخری بنایا ہے تاکہ میں دوسری امتوں کو ان کے سامنے شرمندہ کروں اور ان کو کسی امت کے سامنے شرمندہ نہ کروں۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۵۳۲۱ کنز العمال رقم الحدیث ۳۲۱۱۱ تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۳۰ تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۲۹۵۲۹۶ رقم الحدیث :۸۱۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۳۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم (علیہ السلام) کو ہند میں اتارا گیا تو وہ گھبرائے پس جبریل نے نازل ہو کر اذان دی اللہ اکبر اللہ اکبر **اشھد ان لا لہ الا اللہ دو دفعہ اشھد ان محمدا رسول اللہ** دو دفعہ حضرت آدم (علیہ السلام) نے پوچھا محمد کون ہیں حضرت جبریل نے کہا وہ آپ کی اولاد میں سے آخر الانبیاء ہیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۷ ص ۳۱۹ رقم الحدیث:۱۹۷۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۳۹) حافظ سیوطی نے مسند ابو یعلی اور امام ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے حضرت تمیم داری کی ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے: فرشتے قبر میں مردہ سے سوال کریں گے تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ وہ کہے گا میرا رب اللہ وحدہ لاشریک ہے اور اسلام میرا دین ہے اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں اور وہ خاتم النبیین ہیں فرشتے کہیں گے تم نے سچ کہا۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۳۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۴۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو تو اچھی طرح پڑھو تم کو علم نہیں ہے شاید یہ درود آپ پر پیش کیا جائے گا لوگوں نے کہا اے ابو عبدالرحمان آپ ہمیں تعلیم دیجئے انہوں نے کہا تم اس طرح درود پڑھو: **اللھم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على سيد المرسلين وامام المتقين و خاتم البيين محمد عبدك ورسولك امام الخير وقائد الخير و رسول الرحمة ۔**

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۹۰۶ مسند ابو یعلی رقم الحدیث:۵۲۶۷ المستدرک ج ۲ ص ۲۶۹)

(۴۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شفاعت کبری کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) فرمائیں گے میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں میری اللہ کے سوا پرستش کی گئی ہے آج مجھے صرف اپنی فکر ہے یہ بتاؤ کہ اگر کسی سیل بند برتن میں کوئی چیز ہو تو کیا کوئی شخص سیل توڑے بغیر اس کو کھول سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں حضرت عیسیٰ نے

فرمایا پس (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور وہ یہاں موجود ہیں اللہ نے ان کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام معاف فرمادیئے ہیں۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۲۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱ مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۲۷۹۸)

(۴۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے پوچھا میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا آپ رسول رب العالمین اور خاتم النبیین ہیں (حافظ عسقلانی علامہ آلوسی اور مفتی شفیع دیوبندی نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے) (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۴۸ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۸۶)

(۴۳) ایاس بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر تمام لوگوں سے افضل ہیں مگر وہ نبی نہیں ہیں۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۸۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

(۴۴) حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب کے پاس دس نام ہیں حضرت ابو الطفیل نے کہا مجھے ان میں سے آٹھ یاد ہیں محمد احمد ابو القاسم الفاتح (نبوت کا افتتاح کرنے والا) الخاتم (نبوت کو ختم کرنے والا) العاقب (جس کے بعد کوئی نبی نہ آئے) الحاشر الماحی (شرک کو مٹانے والا)۔

(دلائل النبوت لابی نعیم ج ۱ ص ۶۱ رقم الحدیث: ۲۰)

(۴۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات نازل کی گئی تو انہوں نے اس میں اس امت کا ذکر پڑھا پس انہوں نے کہا: اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ ایک امت تمام امتوں کے آخر میں ہوگی اور قیامت کے دن سب پر مقدم ہوگی اس کو میری امت بنادے فرمایا وہ امت احمد ہے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۶۸ رقم الحدیث: ۳۱)

(۴۶) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر دیکھا ایک یہودی کے پاس آگ کا شعلہ تھا لوگ اس کے گرد جمع تھے اور وہ یہ کہہ رہا تھا یہ احمد کا ستارہ ہے جو طلوع ہو چکا ہے یہ صرف نبوت کے موقع پر طلوع ہوتا ہے اور انبیاء میں سے اب صرف احمد کا آنا باقی رہ گیا ہے۔ (دلائل النبوت لابی نعیم ج ۱ ص ۶۔۷۵ رقم الحدیث: ۳۵)

(۴۷) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ جب فوت ہو گئے تو ان پر جو کپڑا تھا اس کے نیچے سے آواز رہی تھی لوگوں نے ان کے سینہ اور چہرہ سے کپڑا اٹھایا تو ان کے منہ سے آواز آ رہی تھی: محمد رسول اللہ النبی الامی خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ ص ۳۸۸ موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

(۴۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ معراج کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں مذکور ہے کہ مسجد اقصیٰ میں نبیوں نے حضرت جبریل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: هذا محمد رسول الله خاتم النبيين۔ یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ (مسند البزار ج ۱ ص ۴۰ رقم الحدیث: ۵۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۹)

اسی روایت میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کے خطاب کے بعد حسب ذیل خطبہ پڑھا:

الحمد لله الذی ارسلنی رحمة للعالمین و کافة للناس بشيرا ونذيرا وانزل على الفرقان فيه

تبیان کل شیء وجعل امتی خیر امتی امۃ اخرجت للناس وجعل امتی وسطا وجعل امتی ھم الاولون والاخرون وشرح لی صدری وجعلنی فاتحاو خاتما ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور مجھ پر قرآن نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں میں بہتر اور کامل بنایا جس کو لوگوں کے سامنے بھیجا گیا اور میری امت کو (قیامت میں) اول اور (دنیا میں) آخر بنایا اور میرے سینہ کو کھول دیا اور مجھے نبوت کی ابتداء کرنے والا اور نبوت کو ختم کرنے والا بنایا۔

اور اس حدیث کے آخر میں ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

قد اتخذتك خليلا وهو مكتوب في التوراة محمد حبيب الرحمان وارسلتك الى الناس كافة وجعلت امتك هم الاولون وهم الاخرون وجعلت امتك لا تجوز لهم خطبة حتى يشهدوا انك عبدى و رسولى وجعلتك اول النبيين خلقا واخرهم بعثا (الى قوله) وجعلتك فاتحاو خاتما ۔

میں نے آپ کو خلیل بنایا اور تورات میں لکھا ہوا ہے محمد رحمان کے حبیب ہیں اور میں نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنایا اور آپ کی امت کو اول اور آخر بنایا اور جب تک آپ کی امت یہ گواہی نہ دے کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں ان کا خطبہ جائز نہیں ہوگا اور میں نے آپ کو پیدائش میں تمام نبیوں سے پہلے بنایا اور دنیا میں سب سے آخر میں بھیجا اور آپ کو نبوت کی کی ابتداء کرنے والا اور نبوت کو ختم کرنے والا بنایا۔

(مسند البزار ج ۱ ص ۴۴ رقم الحدیث: ۵۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۱)

(۴۹) حضرت ابن زمل رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: رہی وہ اونٹنی جس کو تم نے خواب میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ میں اس اونٹنی کو چلا رہا ہوں تو اس سے مراد قیامت ہے نہ میرے بعد کوئی نبی ہوگا اور نہ میری امت کے بعد کوئی امت ہوگی۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۳۸ دار الکتب العلمیہ بیروت المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۴۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۰۱۸)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے الواقعہ: ۱۳ کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱۵ دار الفکر بیروت ۱۴۰۰ھ)

(۵۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح درود شریف پڑھو:

لبيك اللهم ربى وسعديك صلوات الله البر الرحيم والملائكة المقربين والنبيين والصديقين والشهداء والصالحين وما سبح لك من شيء يا رب العالمين على محمد بن عبد الله خاتم النبيين وسيد المرسلين و امام المتقين و رسول رب العالمين الشاهد البشير الداعي اليك

باذنك السراج المنير و (عليه السلام) .

(الشفاء ج ۴ ص ۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ نسیم الریاض ج ۵ ص ۵۴-۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

احادیث ختم نبوت کی صحیح تعداد

ہم نے پچاس احادیث صحیحہ اور مقبولہ مکمل حوالہ جات کے ساتھ ذکر کی ہیں جن میں ہمارے نبی سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی صاف تصریح ہے ہم نے اس سلسلہ میں مکرر احادیث کا ذکر نہیں کیا اور نہ ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کی ختم نبوت پر التزامی تضمنی یا دوراز کار یا بعید دلالت ہو، اور محض تعداد بڑھانے اور بھرتی کے لیے احادیث کو جمع نہیں کیا اس کے برخلاف بعض علماء نے ختم نبوت پر دوسو سے زائد احادیث جمع کی ہیں لیکن ان میں اکثر احادیث مکررہ ہیں اور ایک حدیث کی عبارت جتنی کتابوں میں مذکور ہے اس حدیث کا اتنی بار شمار کرلیا گیا ہے مفتی محمد شفیع دیو بندی نے اپنی کتاب ختم نبوت (ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۹ھ) میں دوسودس احادیث ذکر کی ہیں لیکن اس کتاب میں مکررات کو الگ الگ حدیث شمار کیا گیا ہے مثلاً ایک حدیث کی عبارت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے حضرت ہارون تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا مفتی صاحب نے اس حدیث کو بارہ مرتبہ ان نمبروں سے ذکر کیا ہے: حدیث نمبر: ۷ حدیث نمبر: ۲۴ حدیث نمبر: ۳۸ حدیث نمبر: ۵۱ حدیث نمبر: ۵۲ حدیث نمبر: ۷۲ حدیث نمبر: ۷۳ حدیث نمبر: ۷۴ حدیث نمبر: ۷۵ حدیث نمبر: ۷۶ حدیث نمبر: ۸۲ حدیث نمبر: ۱۳۰۔ اس کے برخلاف ہم نے اس حدیث کو صرف ایک بار متعدد کتب حدیث کے حوالے سے حدیث نمبر: ۵ میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اور کئی احادیث ہے مکررہ ہیں جن کے الگ الگ نمبر ڈالے گئے جن میں حضرت ابن زمل کے خواب والی حدیث تیس دجالوں والی حدیث ہے عاقب والی حدیث ہے اور کئی احادیث ہیں۔

(تفسیر تبیان القرآن، سورہ احزاب ۴۰، لاہور)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کی تصدیق کرنے والوں کو فقہاء اسلام کا کافر اور مرتد قرار دینا

ہم نے یہ لکھا ہے کہ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ قرآن مجید کی طرح آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہمیں اجماع اور مختلف قرائن سے یہ معلوم ہوا ہے کہ لا نبی بعدی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور خاتم النبیین سے مراد بھی مطلق انبیاء ہیں غرض ہمیں یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ان لفظوں میں کسی قسم کی تاویل اور تخصیص کی گنجائش نہیں ہے اور جو شخص اس حدیث میں تاویل یا تخصیص کرے وہ اجماع کا منکر ہے۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد (مترجم) ص ۱۶۳ مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں: اسی طرح ہم اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی نبوت کا دعویٰ کرے (الی قولہ) اسی طرح ہم اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو یہ دعویٰ کرے کہ اس کی طرف

وحی کی جاتی ہے خواہ وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے پس یہ سب لوگ کافر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا اور آپ نے اللہ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس کا ظاہر مفہوم مراد ہے اور اس کلام میں کوئی تاویل یا تخصیص نہیں ہے اور ان لوگوں کا کفر قطعی اجماعی اور سماعی ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۲۳۸۔۲۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اور ملا علی سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی الشفاء کی اس عبارت کو مقرر رکھا ہے۔

(نسیم الریاض ج ۶ ص ۳۵۶۔۳۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ شرح الشفاء ج ۲ ص ۵۱۶۔۵۱۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیز قاضی عیاض بن موسیٰ مالی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں: عبدالملک بن مروان الحارث نے نبوت کے دعویٰ دار ایک شخص کو قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا اور متعدد خلفاء اور بادشاہوں نے اسی طرح مدعیان نبوت کو قتل کیا اور اس زمانہ کے علماء نے ان کے اس اقدام کو صحیح قرار دیا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۲۴۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ خفاجی حنفی نے اس کی شرح میں کہا کیونکہ مدعیان نبوت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تکذیب کی کہ آپ خاتم الرسل ہیں اور آپ کے بعد کوئی رسول مبعوث نہیں ہوگا۔ (نسیم الریاض ج ۶ ص ۳۹۴ بیروت)

ملا علی قاری حنفی نے لکھا کہ ان مدعیان نبوت کو انکے کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ (شرح الشفاء ج ۲ ص ۵۳۴)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں: جس کا یہ مذہب ہے کہ نبوت کسبی ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی یا جس کا یہ مذہب ہے کہ ولی نبی سے افضل ہے وہ زندیق ہے اور اس کا قتل کرنا واجب ہے اور کئی لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ان کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ اور ہمارے زمانہ میں مالقہ (اندلس کا شہر) کے فقراء میں سے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کو سلطان ابن الاحمر بادشاہ اندلس نے قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۴۸۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ محمد الشربینی الشافعی من القران السابع لکھتے ہیں: جو شخص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کی تصدیق کرے وہ کافر ہے۔ (مغنی المحتاج ج ۴ ص ۱۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵۲ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں: جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا یا جس شخص نے کسی مدعی نبوت کی تصدیق کی وہ مرتد ہو گیا کیونکہ جب مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا اور اس کی قوم نے اس کی تصدیق کی تو وہ سب اس کی تصدیق کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گئے اسی طرح طلیحہ الاسدی اور اس کے مصدقین بھی مرتد ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ تیس کذاب نکلیں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں: نظام معتزلی اور اس کے موافقین صریح خبر متواتر کو دین میں حجت قطعیہ

مانتے ہیں اور اجماع کے حجت قطعیہ ہونے کا انکار کرتے ہیں نظام نے کہا اس پر کوئی عقلی یا شرعی قطعی دلیل نہیں ہے کہ اہل اجماع پر خطاء محال ہے اور نظام کا یہ قول تابعین کے اجماع کے مخالف ہے کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ان کا اس پر اجماع ہے کہ جس بات پر صحابہ کرام نے اجماع کیا ہے وہ قطعی حق ہے اور اس کا خلاف ممکن نہیں ہے پس نظام معتزلی نیا جماع کی حجیت کا انکار کر کے اجماع کے خلاف کیا۔

اور یہ ایک اجتہادی امر ہے اور میرے اس میں کئی اعتراض ہیں کیونکہ اجماع کے حجت ہونے میں کئی اشکالات ہیں اور یہ نظام کے عذر ہونے کی گنجائش رکھتا ہے لیکن اگر اجماع کے حجت ہونی پر عدم اعتادہ کا دروازہ کھول دیا جائے تو اس سے کئی خرابیاں لازم آئیں گی۔

ان خرابیوں میں سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن ہے تو اس کی تکفیر میں توقف کرنا بعید ہوگا۔

اور اس کو کافر کہنے کی بناء لامحالہ اجماع کی مخالفت پر رکھی جائے گی کیونکہ آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو عقل محال نہیں قرار دیتی اور وہ جو حدیث میں ہے لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قرآن مجید میں خاتم النبیین ہے تو منکر اجماع اس کی تاویل سے عاجز نہیں ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ خاتم النبیین سے مراد یہ ہے کہ آپ اولوا العزم رسولوں کے خاتم ہیں مطلقاً الانبیاء کے خاتم نہیں ہیں اور اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ النبیین عام ہے تو عام کی تخصیص کرنا بھی کوئی مستبعد چیز نہیں ہے اور یہ جو آپکا ارشاد ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو اس حدیث میں آپ نے رسول کے آنے کی نفی نہیں کی ہے اور نبی اور رسول میں فرق کیا گیا ہے اور نبی کا مرتبہ رسول سے بلند ہے منکر اجماع کے پاس اس طرح کے اور بھی ہذیان ہیں۔ اس قسم کے فضول ہذیانوں کی وجہ سے ہمارے لیے یہ دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے کہ محض خاتم النبیین کا لفظ اس پر دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوہ نبی نہیں آسکتا اور بعض نصوص صریحہ میں اس سے بھی زیادہ بعید تاویلات کی جاتی ہیں لیکن ان بعید تاویلات کی وجہ سے وہ نصوص باطل نہیں ہوتیں۔۔

تاہم اس منکر اجماع پر اس طرح رد کیا جائے گا کہ تمام امت نے بالا جماع اس لفظ (خاتم النبیین) سے یہی معنی سمجھا ہے (کہ آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن نہیں ہے) اور آپ کے احوال کے قرائن سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ آپ کے بعد کبھی بھی کوئی رسول نہیں آسکتا اور اس میں کوئی تاویل اور تخصیص نہیں ہوسکتی اور اس بات کا انکار وہی کرے گا جو اجماع کا منکر ہوگا۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۲۷۳-۲۷۲ دار ومکتبۃ الہلال بیروت ۱۹۹۳ء)

ہر چند کہ امام غزالی کے نزدیک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کا آنا کبھی بھی ممکن نہیں ہے اور اس آیت میں تاویل کرنا اور اسی طرح اس حدیث میں تخصیص کرنا ان کے نزدیک باطل اور ہذیان ہے۔ لیکن اس کو کافر قرار دینے میں ان کو تامل ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی تکفیر اجماع کی بناء پر ہوگی اور اجماع ان کے نزدیک حجت قطعی نہیں ہے اور جب تک اجماع کو ساتھ نہ ملایا جائے صرف خاتم النبیین کے لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آسکتا ہاں اس پر تمام امت کا اجماع ہے لیکن ان کے نزدیک اجماع حجت قطعی نہیں ہے کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے امام غزالی کی اس عبارت سے اتفاق نہیں کیا اور اس پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

الغزالی نے اپنی کتاب الاقتصاد میں اس آیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ میرے نزدیک الحاد ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے متعلق مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کو تشویش میں ڈالنا ہے اور یہ بہت خبیث راستہ ہے سو اس نظریہ سے بچو اس نظریہ سے بچو اور اللہ ہی اپنی رحمت سے ہدایت دینے والا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۷۸، دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اور علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ نے علامہ قرطبی کی عبارت پر یہ تبصرہ کیا ہے:

الغزالی نے ختم نبوت کے متعلق جو اس آیت میں ذکر کیا ہے وہ الحاد ہے اور مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کو تشویش میں ڈالنے کے لیے خبیث طریقہ ہے سو اس نظریہ سے بچو! اس نظریہ سے بچو یہ ابن بزیزہ کی عبارت ہے۔

امام غزالی کی عبارت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو ختم نبوت کے عقیدہ کے خلاف وہم پیدا کرے امام غزالی کے حاسدین نے ان کی طرف یہ تہمت لگائی ہے اور ابن عطیہ نے ان پر یہ حملہ کیا ہے اور امام غزالی اس تہمت سے بری ہیں اور انہوں نے اپنی تحریروں میں اس بدعقیدگی سے برات کا اظہار کیا ہے کیونکہ یہ بات تو مبتدعین کہتے ہیں کہ نبوت کسبی چیز ہے اور انہوں نے اس مشہور حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ایک جملہ کو زائد ڈال دیا گیا ہے عنقریب میرے بعد تیس ایسے آدمیوں کا ظہور ہوگا جن ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر جس کو اللہ چاہے اس آخری جملہ (مگر جس کو اللہ چاہے) کو محمد بن سعید شامی نے زائد کیا تھا اور اس کو اس کی زندیقی کی بناء پر سولی دے گئی بعض لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے نزول کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) زمین والوں کی طرف رسول بن کر اور مبعوث ہو کر نازل نہیں ہوں گے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۱ص ۶۰۷۔۶۰۶ ج ۸ص ۲۳۔۲۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابی کے شاگرد علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسنی نے بھی حسب معمول اس تمام عبارت کو بعینہ نقل کیا ہے۔

(مکمل اکمال الاکمال مع شرح الابی ج ۱ص ۶۰۷۔۶۰۶ ج ۸ص ۲۳۔۲۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام غزالی کی ظاہر عبارت پر بہرحال یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان کو انکار ختم نبوت کو کفر قرار دینے میں تامل ہے وہ کہتے ہیں کہ اسکا کفر ہونا اجماع سے ثابت ہوگا اور اجماع ان کے نزدیک حجت قطعیہ نہیں ہے تاہم وہ آیت ختم نبوب اور حدیث ختم نبوت میں تاویل اور تخصیص کو باطل اور ہذیان قرار دیتے ہیں امام غزالی کو اعتراض سے بچانے کے لیے بعض علماء نے امام غزالی کی عبارت کا صرف اتنا حصہ ہی نقل کیا ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں: بے شک امت نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین اور لا نبی بعدی) اور قرائن احوال سے بالاجماع یہی سمجھا ہے کہ آپ کے بعد ابد تک نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ کوئی رسول اور یہ کہ نہ اس میں کوئی تاویل چل سکتی ہے نہ تخصیص۔ (ختم نبوت (کامل) ص ۳۲۹ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۹ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلو متوفی ۱۳۴۰ھ نے امام غزالی سے اعتراض اٹھانے کے لیے ان کی عبارت میں تصرف کر کے اس عبارت کو یوں نقل کیا ہے۔

یعنی تمام امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا کہ وہ بتاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا حضور کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا کہ اس لفظ میں نہ کوئی تاویل ہے کہ آخر النبیین کے سوا خاتم النبیین کے کچھ اور معنی گھڑے نہ اس عموم میں کچھ تخصیص ہے کہ حضور کے ختم نبوت کو کسی زمانہ یا زمین کے کسی طبقہ سے خاص کیجئے اور جو اس میں تاویل اور تخصیص کو راہ دے اس کی بات جنون یا نشے یا سرسام میں بہکنے برانے یا بکنے کے قبیل سے ہے اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ وہ آیت قرآن کی تکذیب کررہا ہے جس میں اصلاً تاویل و تخصیص نہ ہونے پر امت مرحومہ کا اجماع ہو چکا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۲۴۴ طبع جدید رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۴۲۰ھ)

اعلیٰ حضرت پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ انہوں نے امام غزالی کی عبارت میں تحریف کی ہے اور تکفیر کے لفظ کا اضافہ کیا ہے کیونکہ اعلیٰ حضرت نے تمام امت کے اجماع کی بناء پر ختم نبوت میں تاویل اور تخصیص کو امام غزالی کے نزدیک کفر کہا ہے اور اجماع امت کی بناء پر امام غزالی بھی اس کو کافر کہتے ہیں البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اجماع امت سے صرف نظر کرکے صرف خاتم النبیین کے لفظ سے اس کے منکر کا کفر ثابت نہیں ہوگا اور اجماع ان کے نزدیک قطعی حجت نہیں ہے بہر حال یہ ایک علمی اصلاح ہے اور امام غزالی کے نزدیک بھی آیت ختم نبوت اور حدیث ختم نبوت میں کوئی تاویل اور تخصیص جائز نہیں ہے۔

منکرین ختم نبوت کا اجمالی جائزہ

اس وقت دنیا میں بہائی اور قادیانی ہیں جو ختم نبوت کے منکر ہیں۔ یا امریکا میں کچھ لوگ ہیں جو علی جاہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ بہائی اور علی جاہ کے پیروکار بہت کم تعداد میں ہیں سب سے زیادہ قادیانی ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار ہیں ان کے دو فرقے ہیں ان کی غالب اکثریت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتی ہے دوسرا فرقہ مرزا قادیانی کو مجدد اور محدث مانتا ہے اس کو لاہوری جماعت کہا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مرزا کو الہام اور وحی میں اشتباہ ہوگیا قادیانی فرقہ ان کو کافر کہتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر کہتا ہے ان کے نزدیک جو بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان میں ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا وہ لکھتا ہے کہ جب اس کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تو اس پر زور شور سے مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ (کتاب البریہ ص ۱۳۶)

۱۸۸۰ء میں مرزا ایک مبلغ کی حیثیت سے ظاہر ہوا پھر اس نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا اور اس نے یہ کہا کہ اس کو الہام کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونے اور اب تک زندہ ہونے کا جو مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے وہ غلط ہے۔ اور اس عقیدہ کو ختم نبوت کے منافی قرار دیا اور ۱۸۹۰ء تک برابر کہتا رہا کہ میرے نزدیک نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں پھر اس نے خود کو مثیل مسیح اور مسیح موعود قرار دیا اور ۱۸۹۱ء میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۸ء تک اس دعویٰ پر قائم رہا اور اسی سال کی عمر میں قے اور اور ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

ان تمام عنوانات پر پروفیسر محمد الیاس برنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ میں خود مرزا غلام احمد قادیانی اور دیگر صنادید مرزائیوں کی تصانیف کے حوالوں سے لکھا ہے ہم قارئین کی معلومات کے لیے اس کتاب کے ان اقتباسات کو پیش

کررہے ہیں جن سے خود مرزا اور دیگر ضادید کے حوالوں سے مرزا کا محدث کا دعوٹ کرنا پھر مثیل موعود کا دعویٰ کرنا اور ختم نبوت کا اقرار کرنا اور پھر نبوت کا دعویٰ کرنا اور ختم نبوت کا انکار کرنا واضح ہوتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا ختم نبوت پر ایمان واصرار

قرآن شریف میں مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں لیکن ختم نبوت کا بہ کمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے اور حدیث لا نبی بعدی میں بھی نفی عام ہے۔ پس یہ کس قدر جرات اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی نبوت منقطع ہو چکی تھی پھر سلسلہ وحی نبوت کا جاری کر دیا جائے۔ کیونکہ جس میں شان نبوت باقی ہے اس کی وحی ہوئی۔ (ایام صلح ص ۱۴۶ روحانی خزائن ص ۳۹۲۔۳۹۳ ج ۱۴ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اور اللہ کو شایان نہیں کہ خاتم النبیین کے بعد نبی بھیجے اور نہیں شایان کہ سلسلہ نبوت کو دوبارہ از سر نو شروع کر دے۔ بعد اس کے کہ اسے قطع کر چکا ہو اور بعض احکام قرآن کریم کے منسوخ کر دے اور ان پر بڑھا دے۔ (ترجمہ)

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۷۷ روحانی خزائن ص ۳۷۷ ج ۵ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اور ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرئیل (علیہ السلام) کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد ورفت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو وہ محال ہوتا ہے۔ (فتدبر) (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۵۸۳ روحانی خزائن ص ۴۱۴ ج ۳ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین میں بھی ارشارہ ہے۔ پس اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب قرآن کریم کو تمام آنے والوں زمانوں اور ان زمانوں کے لوگوں کے علاج اور دوا کی رو سے مناسب نہ ہوتی تو اس عظیم الشان نبی کریم کو ان کے علاج کے واسطے قیامت تک ہمیشہ کے لیے نہ بھیجتا اور ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں کیونکہ آپ کے برکات ہر زمانہ پر محیط اور آپ کے فیض اولیاء اور اقطاب اور محدثین کے قلوب پر بلکہ کل مخلوقات پر وارد ہیں۔ خواہ ان کو اس کا علم بھی نہ ہو کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے فیض پہنچ رہا ہے۔ پس اس کا احسان تمام لوگوں پر ہے۔ (ترجمہ) (حمامۃ البشریٰ ۴۹ طبع اول ص ۶۰ طبع دوم روحانی خزائن ص ۲۴۳۔۲۴۴ ج ۷ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب قرآن کریم ہدایت کا وسیلہ ہے اور میں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ ہمارے رسول آدم کے فرزندوں کے سردار اور رسولوں کے سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا۔ (ترجمہ) (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۱ روحانی خزائن ص ۲۱ ج ۵ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی)

میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہل سنت جماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت ورسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول

اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔

(مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار مجموعہ اشتہارات ص ۲۳۰ ج ۱ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۲)

محدثیت سے نبوت تک ترقی

ہمارے سید و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اس لیے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں۔ (شہادت القرآن ص ۲۸ روحانی خزائن ص ۳۲۳۔۳۲۴ ج ۶ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

میں نبی نہیں ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے محدث اور اللہ کا کلیم ہوں تا کہ دین مصطفیٰ کی تجدید کروں۔ (ترجمہ)

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۸۳ روحانی خزائن ص ۳۸۳ ج ۵ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

میں نے ہرگز نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ میں نے انہیں کہا ہے کہ میں نبی ہوں لیکن ان لوگوں نے جلدی کی اور میرے قول کے سمجھنے میں غلطی کی۔ میں نے لوگوں سے سوائے اس کے جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور کچھ نہیں کہا کہ میں محدث ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اسی طرح کلام کرتا ہے جس طرح محدثین سے۔ (ترجمہ)

(حمامۃ البشریٰ ص ۹۶ روحانی خزائن ص ۲۹۶۔۲۹۷ ج ۷ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا ہے اور کہہ دیا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا قول قطعاً جھوٹ ہے۔ جس میں سچ کا شائبہ نہیں اور نہ اس کی کوئی اصل ہے۔ ہاں میں نے یہ ضرور کہا ہے کہ محدث میں تمام اجزائے نبوت پائے جاتے ہیں لیکن بالقوۃ بالفعل نہیں تو محدث بالقوۃ نبی ہے اور اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہو جاتا تو وہ بھی نبی ہو جاتا ہے۔

(حمامۃ البشریٰ ص ۹۹ روحانی خزائن ص ۳۰۰ ج ۷ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدائے تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۴۲۱ روحانی خزائن ص ۳۲۰ ج ۳ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اس (محدثیت) کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا۔ (ازالہ اوہام ص ۴۲۲ روحانی خزائن ص ۳۲۱ ج ۳ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مسیح موعود کی اہمیت

اول تو یہ جاننا چاہیے کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جز یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔ بلکہ صدہا پیشن گوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ جس زمانہ تک یہ پیش گوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص نہیں تھا اور جب بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا۔ (ازالہ اوہام طبع اول ص ۱۴۰ روحانی خزائن ص ۱۷۱ ج ۳ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی چاہیے کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اول جواب تو یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لیے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا اور عام مسلمانوں کے موافق

شریعت فرقانی کا پابند ہوگا اور اس سے زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرے گا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان کا امام ہوں۔

(توضیح المرام ص ۱۹ روحانی خزائن ص ۵۹ ج ۳ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مثیل مسیح بننے پر قناعت

اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بہ شدت مناسبت و مشابہت ہے۔ (اشتہار مندرج تبلیغ رسالت جلد اول ص ۱۵ مجموعہ اشتہارات ص ۲۴ ج ۱)

مرزا صاحب حقیقی نبی

درحقیقت خدا کی طرف سے خدا تعالیٰ مقرر کردہ اصطلاح کے مطابق قرآن کریم کے بتائے ہوئے معنوں کی رو سے نبی ہو اور نبی کہلانے کا مستحق ہو تمام کمالات نبوت اس میں اس حد تک پائے جاتے ہوں جس حد تک نبیوں میں پائے جانے ضروری ہیں تو میں کہوں گا کہ ان معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعود حقیقی نبی تھے۔ (القول الفصل ص ۱۲ مصنف میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت (مرزا) صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص ۱۷۴ مصنف میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) رسول اللہ اور نبی اللہ جو کہ اپنی ہر ایک شان میں اسرائیلی مسیح سے کم نہیں اور ہر طرح بڑھ چڑھ کر رہے۔ (کشف الاختلاف ص ۷ مصنف سید محمد سرور شاہ صاحب قادیانی)

حضرت مسیح موعود (علیہ السلام) کے زمانے میں میں نے اپنی کتاب انوار اللہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود بموجب حدیث صحیح حقیقی نبی ہیں اور ایسے ہی نبی ہیں جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں (لانفرق بین احد من رسلہ) ہاں صاحب شریعت جدیدہ نبی نہیں۔ جیسے کہ پہلے بھی بعض صاحب شریعت نبی نہ تھے۔ یہ کتاب حضرت مسیح موعود نے پڑھ کر فرمایا آپ نے ہماری طرف سے حیدرآباد دکن میں حق تبلیغ ادا کر دیا ہے۔

(اخبار الفضل قادیان ج ۳ ص ۳۸۔۳۹ مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۵ء)

غرضیکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) اللہ تعالیٰ کا ایک رسول اور نبی تھا اور وہی نبی تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللہ کے نام سے پکارا اور وہی نبی تھا جس کو خود اللہ نے اپنی وحی میں یا ایھا النبی کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ (کلمۃ الفصل مصنف صاحب زادہ بشیر احمد صاحب قادیانی مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجز قادیان ص ۱۱۴ نمبر ۳ جلد ۱۴)

- محترم ڈاکٹر صاحب! اگر آپ حضرات (یعنی لاہوری جماعت) صرف مسئلہ خلافت کے منکر ہوتے تو مجھے رنج نہ ہوتا کیونکہ آپ سے پہلے بھی ایک گروہ خوارج کا موجود ہے مگر غضب تو یہ ہے کہ آپ حضرت اقدس (مرزا صاحب) کو مسیح موعود مہدی نبی نہیں مانتے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نبی نہیں تھے تو مسیح موعود بھی نہ تھے۔ (نعوذ باللہ) اور اس لیے آپ کا ماننا نہ ماننا برابر ہے اور ضرور حقیقی نبی تھے اور خدا کی قسم ضرور بہ ضرور نبی تھے اور آپ کے مخالف حضرات کا بھی وہی حشر ہوگا جو دیگر انبیاء کے مخالفین کا۔ میں اس عقیدہ پر علی وجہ البصیرت قائم ہوں۔ (مکتوب محمد عثمان خان صاحب قادیانی مندرجہ المہدی نمبر ۱ ص ۵۴ مولف حکیم محمد حسین قادیانی لاہوری)

ختم نبوت کی تجدید

ان حوالوں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس امت میں سوائے مسیح موعود کے اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ سوائے مسیح موعود کے اور کسی فرد کی نبوت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقی مہر نہیں اور اگر بغیر تصدیقی مہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو بھی نبی قرار دیا جائے تو اسکے دوسرے معنی یہ ہوں کے گے کہ وہ نبوت صحیح نہیں۔

(تشحیذ الاذہان قادیان نمبر ۸ جلد ۱۲ صفحہ ۲۵ بابت ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

پس اس وجہ سے (اس امت میں) نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیش گوئی پوری ہو جائے۔

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱ روحانی خزائن ص ۴۰۷-۴۰۶ ج ۲۲ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کی گئی ہے اس لیے آپکے عبد اس کے سوا کوئی نبی نہیں جسے آپکے نور سے منور کیا گیا ہو اور جو بارگاہ کبریائی سے آپ کا وارث بنایا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ ختمیت ازل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی پھر اس کو دی گئی جسے آپ کی روح نے تعلیم دی اور اپنا ظل بنایا۔ اس لیے مبارک ہے وہ جس نے تعلیم دی اور وہ جس نے تعلیم حاصل کی پس بلاشبہ حقیقی ختمیت مقدر تھی چھٹے ہزار میں جو رحمان کے دنوں میں سے چھٹا دن ہے۔

(ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبۃ الہامیہ ص ب روحانی خزائن ص ۳۱۰ ج ۱۶ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اسی طرح مسیح موعود چھٹے ہزار میں پیدا کیا گیا۔

(ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبۃ الھامیہ ص ج روحانی خزائن ص ۳۱۰ ج ۲۲ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت سارے انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ واقع کرتا ہے۔ (تشحیذ الاذہان قادیان نمبر ۸ جلد ۱۲ ص ۱۱ ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ اس آیہ میں ایک پیش گوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے۔ اور بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ جو کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے۔ اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا وہ میں ہوں اس لیے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست و پا ہے کیونکہ نبوت پر مہر ہے ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدیہ کے ساتھ آخری زمانہ کے لیے مقدر تھا سو وہ ظاہر ہوگیا۔ بجز اس کھڑکی کے اور کوئی کھڑکی نبوت کے چشمے سے پانی لینے کے لیے باقی نہیں۔

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱ روحانی خزائن ص ۲۱۵ ج ۱۸ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی)

ہلاک ہوگئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا۔ مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔ (کشتی نوح ص ۵۶ روحانی خزائن ص ۶۱ ج ۱۹ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

بروزی کمالات گویا مرزا صاحب خود سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک الٰہی مہر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر لگ گئی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آ جائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہدہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واخرین منھم لما یلحقوا بھم۔

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن ص ۲۱۴۔۲۱۵ ج ۱۸ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

ہم بار ہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور انجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوء ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات معتد بہ کے اظہار و اثبات کے لیے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے سو اس طرح سے خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یعنی نبوت محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا۔ تاکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا کامل نہ ٹھہروں۔

(چشمہ معرفت ص ۳۲۴ روحانی خزائن ص ۳۴۰ ج ۲۳ حاشیہ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو درحقیقت خاتم النبیین تھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارے جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بار ہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیہ واخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوء تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہو صلی اللہ علیہ وسلم پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔

(ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن ص ۲۱۲ ج ۱۸ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی)

یہ مسلمان کیا منہ لے کر دوسرے مذاہب کے بالمقابل اپنا دین پیش کر سکتے ہیں تاوقتیکہ وہ مسیح موعود کی صداقت پر ایمان نہ لائیں جو فی الحقیقت وہی ختم المرسلین تھا کہ خدائی وعدے کے مطابق دوبارہ آخرین میں مبعوث ہوا۔

وہ وہی فخر اولین و آخرین ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ للعالمین بن کر آیا تھا اور اب اپنی تکمیل تبلیغ کے ذریعہ ثابت کر دیا گیا کہ واقع اس کی دعوت جمیع ممالک وملل عالم کے لیے تھی۔

(اخبار الفضل قادیان ج ۳ نمبر ۴۱ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۵ء)

مرزا صاحب کا دعویٰ کہ وہ تشریعی نبی ہیں

مرزا صاحب کا دعویٰ کہ وہ تشریعی نبی ہیں۔ یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہوگیا۔ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام **قل للمومنین بغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالك ازكى لھم** یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اس پر تیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم و موسیٰ** یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے۔ (اربعین نمبر ۴ ص ۸۳۷ روحانی خزائن ص ۴۳۵۔۴۳۶ ج ۱۷)

چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوتی ہے فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا۔ اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لیے اس کو مدار نجات ٹھہرایا۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔

(حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۸۳۷ روحانی خزائن ص ۴۳۵ ج ۱۴ حاشیہ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مرزا صاحب کا جہاد کو منسوخ قرار دینا

جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کیے جاتے تھے۔ پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں اور بڈھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لیے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔

(اربعین نمبر ۴ ص ۱۵ حاشیہ روحانی خزائین ص ۴۴۳ ج ۱۷ حاشیہ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا۔ (تبلیغ رسالت ج ۹ ص ۴۷ مجموعہ اشتہارات ص ۲۹۵ ج ۳)

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دین کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(اعلان مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم مولف میر قاسم علی صاحب قادیانی ص ۴۹ مجموعہ اشتہارات

ص ۲۹۸۔۲۹۷ج ۳ روحانی خزائن ص ۷۷ ج ۷)

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب مملکت پاکستان قائم ہوگئی تو مسلمانوں کو اس مسئلہ سے بے چینی ہوئی کہ قادیانی جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مان کر اسلام سے نکل چکے ہیں اور وہ خود بھی اہل اسلام کو کافر کہتے ہیں ان کا اس ملک میں بہ حیثیت مسلمان رہنا اور اس مملکت کے کلیدی عہدوں پر فائز رہنا کس طرح جائز ہے پاکستان کے ہر طبقہ اور ہر مکتب فکر کے مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے پس ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے تمام علماء کی طرف سے اس سلسلہ میں زبردست تحریک چلائی گئی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت

مولانا محمد صدیق ہزاروی مجاہد تحریک ختم نبوت مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن نے کراچی کے مرکزی کنونشن کے لیے مندوبین منتخب کیے۔ ۲۰۔۲۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں مرکزی کنونشن منعقد ہوا جس میں مطالبات مرتب کیے گئے:

(۱) وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کو برخاست کیا جائے

(۲) قادیانیوں کو کافر اقلیت قرار دیا جائے۔

(۳) قادیانیوں کو کلیدی اسامیوں سے الگ کیا جائے۔

تحریک ختم نبوت میں آپ نے مثالی کردار ادا کیا۔ آپ کو اس تحریک میں خصوصیت حاصل تھی وہ یہ کہ آپ اسمبلی کے ممبر تھے۔ نیز تحریک پاکستان میں کام کرنے کی وجہ سے مسلم لیگی کارکنوں سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔

مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے کراچی میں کنونشن کیا تو اس کے تیرہ نمائندوں میں آپ کا نام بھی تھا لیکن آپ کو اس میں شامل نہ کیا گیا کیونکہ انہیں آپ کی تیزی طبع کی وجہ سے خطرہ تھا کہ وقت سے پہلے تصادم نہ ہو جائے۔

جب تحریک تیز ہوئی اور مجلس عمل کے نمائندے خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں ملاقات کرنے گئے تو مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۵۳ء کو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

گرفتاری اور پھانسی

آپ کا پروگرام تھا کہ قصور سے بس کے ذریعے اسمبلی گیٹ تک پہنچ جائیں اور اسمبلی میں تقریر کر کے ممبران اسمبلی کو تحریک کے بارے میں مکمل تفصیلات سے آگاہ کر دیں لیکن قصور میں آپ جن لوگوں کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے غداری کرتے ہوئے ملٹری کو بتا دیا آپ صبح کی نماز کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ اپنے کارکن مولوی محمد بشیر مجاہد کے ہمراہ گرفتار کر لیے گئے۔

قصور سے گرفتار کر کے آپ کو لاہور شاہی قلعہ لایا گیا جہاں سے بیانات لینے کے بعد ۱۲ اپریل کو آپ جیل منتقل کر دیے گئے اور آپ کو چارج شیٹ دے دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا جو ۱۷ اپریل کو شروع ہوا اور مئی تک چلتا رہا۔

۷ مئی کی صبح کو سپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن آپ کو بلا کر ایک کمرے میں لے گئے جہاں قتل کے نو اور ملزم بھی تھے مگر ڈی ایس پی فردوس شاہ قتل کا کیس ثابت نہ ہو سکا اور آپ کو بری کر دیا گیا۔

ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء و صوفیاء کی خدمات

پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں مجھے مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص (بدبخت اور ملعون مرزا قادیانی) میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔ چنانچہ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اکمل و احسن آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم ملنے پر سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا کہ 1899ء میں شمس الہدایت کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا جس میں انتہائی علمی اور مدلل انداز میں حیات مسیح اور قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے موضوع پر روشنی ڈالی۔ اس رسالے میں پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ملت اسلامیہ کے اس اجماعی اور متفقہ عقیدے کی بڑے ہی موثر انداز میں ترجمانی فرمائی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ غلط، باطل اور جھوٹا ہے۔ حیات مسیح کا مسئلہ قادیانیت کی موت ہے۔ غلام احمد قادیانی شمس الہدایت کا تو کوئی جواب تحریر نہ کر سکا لیکن پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ چیلنج کر دیا کہ مجھ سے عربی میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لو۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے چیلنج کیلئے جو خط لکھا اس کی زبان انتہائی گھٹیا، قابل شرم اور بے ہودہ تھی۔ بہر حال پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً مرزا قادیانی کو کہا مجھے یہ چیلنج قبول ہے لیکن اس سے پہلے مرزا قادیانی اپنے دعویٰ مسیحیت و رسالت پر مجھ سے تقریری بحث کر لیں۔ غلام احمد قادیانی کو تقریری مباحثے میں شکست کے خوف نے اس شرط پر آمادہ ہونے سے روک دیا اور تقریری مباحثے کی شرط کو نامنظور کرنے کی اطلاع اس نے گولڑہ شریف بھجوا دی لیکن پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اعلان کے مطابق 25 اگست 1900ء بادشاہی مسجد لاہور میں پہنچ گئے۔ مرزا غلام احمد قادیانی خود تو پیر صاحب کے مقابلے میں راہ فرار اختیار کر چکا تھا لیکن دجال و کذاب مرزا قادیانی کی عیاری دیکھئے کہ لاہور میں دیواروں پر یہ اشتہارات چسپاں کروا دیئے گئے کہ مہر علی شاہ مقابلہ سے بھاگ گئے۔ لیکن جھوٹ آخر جھوٹ ہی ہوتا ہے۔ مقابلے سے تو مرزا قادیانی ہی بھاگا تھا جس سے قادیانی حلقوں میں سخت مایوسی پھیل گئی اور بعض نے قادیانیت سے تائب ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔

قادیانیت کے مقابلے میں پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو فتح مبین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی، اس کی خوشی میں بادشاہی مسجد لاہور میں 27 اگست 1900ء کو مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ جلسہ کی صدارت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ اس جلسہ میں انتہائی ایمان افروز تقریریں ہوئی اور ایک قرارداد بھی منظور کی گئی۔ اس قرارداد پر تقریباً 60 علمائے کرام کے دستخط ہیں۔ قرارداد کا مفہوم کچھ اس طرح سے تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا بزرگان دین اور مشاہیر اسلام کو علمی مناظرے کا چیلنج دینا محض جھوٹی شہرت حاصل کرنے کا اظہار ہے۔ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو چیلنج مرزا کذاب کی طرف سے دیا گیا وہ بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ صرف مرزا قادیانی کی لاف زنی اور اپنے علم پر جھوٹا گھمنڈ تھا۔ اگر اسے اپنے جھوٹے دعووں پر اعتماد تھا تو اسے پیر صاحب گولڑہ شریف سے تقریری مباحثے سے راہ فرار اختیار نہیں کرنی چاہئے تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد قرآن کریم، احادیث

رسول اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے بالکل خلاف اور باطل ہیں۔ مرزا قادیانی نبوت کے غلط، بے بنیاد اور لغوی دعویٰ کی بنیاد پر خارج از اسلام ہے۔ مرزا قادیانی کا قادیان کو مکہ سے نسبت دینا، مسجد قادیان کو مسجد اقصیٰ قرار دینا، آنحضرت ﷺ کی معراج کا منکر ہونا، اللہ کے ایک برگزیدہ اور محبوب پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کی سخت توہین کرنا انتہائی شرمناک اور سرتا سر کفر ہے۔ مرزا قادیانی کی تحریریں اور اشتہارات بھی شرمناک جھوٹ اور بدزبانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اس لئے آئندہ اس کی تحریروں کا کوئی جواب دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایک فیصلہ کن اور اٹل بات ہے کہ غلام احمد قادیانی کے عقائد یکسر خلاف اسلام ہیں۔ مرزا قادیانی لاہور میں اپنے راہ فرار کے بعد بھی اپنی عادت سے مجبور ہو کر پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بے ہودہ تحریریں شائع کرتا رہا لیکن پیر صاحب نے اسے جواب کے قابل ہی نہ سمجھا۔ 1907ء میں قادیانیوں نے اپنے حلقوں میں یہ بات مشہور کردی کہ پیر مہر علی شاہ کا آنے والے سال میں جیٹھ کے مہینے سے پہلے انتقال ہو جائے گا۔ قادیانیوں کی یہ حسرت تو پوری نہ ہوئی 1908ء میں جیٹھ سے پہلے پیر صاحب وفات پا جائیں گے البتہ 1908ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کی عبرتناک موت نے خود اس کے جھوٹے دعووں پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کو چیلنج دیتے ہوئے 5 اپریل 1907ء کو ایک اشتہار شائع کیا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہوگا وہ سچے کی زندگی میں مر جائے گا۔ مرزا قادیانی نے تحریری طور پر اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کی کہ اگر میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور میرا دعویٰ مسیح محض میرے نفس کی اختراع ہے تو مولوی ثناء اللہ اور مجھ میں سے جو جھوٹا ہے اس کو صادق کی زندگی میں دنیا سے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ دعا قبول کر لی اور ساتھ ہی اسے جھوٹا بھی ثابت کر دیا کہ وہ مولانا ثناء اللہ کی زندگی ہی میں واصل جہنم ہو گیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی موت بھی ہیضے کے مرض میں مبتلا ہونے سے ہوئی۔ مرزا قادیانی ہیضہ کو قہرِ الٰہی کا نشان قرار دیتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے جھوٹے دعویٰ نبوت کے باعث قہرِ الٰہی کا ہی نشانہ بنا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی موت سے کچھ دیر پہلے اپنے سسر میر ناصر کے سامنے یہ اعتراف کیا کہ اسے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ آخر میں اپنے قارئین کی معلومات کیلئے یہ عرض کر دوں کہ مرزا قادیانی نے جس مولانا ثناء اللہ امرتسری کو چیلنج کر کے اشتہار شائع کیا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو مفسد اور کذاب ہے وہ سچے کی زندگی میں انتقال کر جائے گا، وہ مولانا ثناء اللہ مرزا قادیانی کی موت سے 40 سال بعد تک زندہ رہے۔ (بشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

دجال مرزا کے بعد دعویٰ جات

ختم نبوت اور آپ کے بعد وحی کے انقطاع کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس آیت، ان صریح احادیث صحیحہ اور اجماع کے علی الرغم قادیان ضلع گورداسپور میں ایک شخص مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ہم یہاں مختصراً اس کے اس دعویٰ کا جائزہ لینا چاہتے ہیں:

(۱) مرزا صاحب پہلے خود بھی ختم نبوت کے قائل اور نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو کافر سمجھتے تھے۔ چنانچہ حمامۃ البشریٰ میں لکھتے ہیں کہ بھلا نبی کریم کے بعد نبی آئے تو کیسے آئے جبکہ آپ کی وفات کے بعد وحی بند ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم کے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا ہے" (حمامۃ البشریٰ ۲۰) پھر اسی کتاب کے صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں کہ "مجھے یہ بات زیبا نہیں کہ میں نبوت کا

دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں میں جا ملوں" اس وقت تک آپ کا صرف مجدد ہونے کا دعویٰ تھا۔

(۲) مرزا قادیانی کی نبوت کے تدریجی مراحل:۔ پھر اس کے بعد آپ مثیل مسیح بنے۔ پھر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اسی بنا پر آپ نے رفع عیسیٰ کا انکار کر دیا بلکہ بذریعہ کشف و الہام کشمیر میں آپ کی قبر کی نشاندہی بھی فرما دی اور اعلان فرمایا کہ:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

پھر اس کے بعد آپ نے کھل کر اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور یہ بھی کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور میں اللہ سے ہم کلام ہوتا ہوں۔ پھر جب آپ ہی کی تحریروں کے مطابق علماء نے آپ پر گرفت کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں کوئی مستقل نبی نہیں نہ ہی کوئی صاحب شریعت رسول ہوں بلکہ آپ کی اطاعت ہی کی وجہ سے نبی ہوا ہوں اور آپ ہی کا ظل اور بروز (یعنی سایہ یا عکس) ہوں آپ کی اسی ظلی اور بروزی کی اصطلاح پر مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر روزنامہ "زمیندار" نے ایک بار یوں تبصرہ کیا تھا:

بروزی ہے نبوت قادیان کی براذی ہے خلافت قادیان کی

گویا آپ بتدریج نبی بنے تھے، پہلے مجددیت کے مدعی تھی پھر مثیل مسیح کے، پھر مسیح موعود کے پھر جب کچھ کام چلتا دیکھا تو نبوت کا دعویٰ کر دیا اور قادیان کی سرزمین کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا:

زمین قادیان ارض حرم ہے ہجوم خلق سے اب محترم ہے

اگر غور کیا جائے تو آپ کی تدریجی نبوت ہی آپ کے نبوت کے دعویٰ کے ابطال کے لئے بہت کافی ہے کیونکہ تمام تر سلسلہ انبیاء میں سے کوئی نبی اس طرح بتدریج نبی نہیں بنایا گیا تاہم آپ کی پیش کردہ توجیہات کا بھی ہم جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

(۳) ظلی اور بروزی نبی کی اصطلاح: آپ کی پہلی توجیہ یہ ہے کہ آپ کو رسول اللہ کی اطاعت کرتے کرتے یہ درجہ ظلی نبوت حاصل ہوا۔ گویا آپ کے نظریہ کے مطابق "نبوت وہبی نہیں بلکہ کسبی چیز ہے اس نظریہ کی قرآن نے (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ) کہہ کر بھرپور تردید کی ہے۔ علاوہ ازیں اگر نبوت کسبی چیز ہوتی اور آپ کی اتباع کامل کی وجہ سے حاصل ہو سکتی ہے تو اس کے سب سے زیادہ حقدار صحابہ کرام تھے۔ بالخصوص سیدنا عمر جن کے متعلق صراحت سے احادیث مبارکہ میں آیا ہے ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ اور ظل اور بروز کا نظریہ تو کئی لحاظ سے آپ کی نبوت کا ابطال کرتا ہے۔ مثلاً

(۴) رسول اللہ شاعر نہیں تھے۔ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شاعری آپ کے شایان شان بھی نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ یٰسین کی آیت نمبر ۶۹ اور اس کا حاشیہ) جبکہ مرزا صاحب شاعر تھے۔ آپ نے اردو، عربی، فارسی میں بہت سے اشعار اور قصیدے لکھے حتیٰ کہ ایک بہت بڑی کتاب بطور کلیات مرزا صاحب مسمی بہ "درثمین" تصنیف اور شائع کی ہے۔ اگر آپ رسول اللہ کے ظل اور بروز ہیں تو آپ تو شاعر نہیں تھے۔ یہ عکس میں شاعری کہاں سے آ گئی؟ مطلب واضح ہے کہ مرزا صاحب رسول اللہ کا عکس نہیں۔

(۵) آپ کی تضاد بیانی کا یہ حال ہے کہ ایک وقت آپ دعویٰ نبوت کو کفر سمجھتے تھے پھر مثیل مسیح بنے، پھر مسیح موعود بنے، پھر نبوت کا دعویٰ کیا پھر یہ بھی دعویٰ کر دیا کہ تمام انبیاء کی خوبیاں مجھ میں جمع اور موجود ہیں۔ چنانچہ اس درثمین میں اردو زبان میں کہا کہ:

میں کبھی عیسیٰ کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں۔۔ نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

فارسی میں کہا: انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بعرفان نہ کمترم ز کسے۔۔ آنچہ داد است ہر نبی را جام داد آں جام را مرا بہ تمام

ترجمہ: اگر انبیاء بہت گزرے ہیں تاہم میں معرفت میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ ان میں جس کسی کو کوئی جام معرفت دیا گیا وہ سب کے سب جام مجھے دیئے گئے ہیں۔

اپنی ذات سے متعلق ایسی تضاد بیانی کو رسول اللہ کا عکس کہا جاسکتا ہے؟ یا سابقہ انبیاء میں سے کسی کو تدریجاً کبھی نبی بنایا گیا ہے؟

(٦) چھٹی بات آپ کے مخالفوں کے حق میں آپ کی بدزبانی ہے جنہیں آپ ولد الزنا اور ولد الحرام کہہ کر پکارا کرتے ہیں اور آئینہ کمالات اسلام میں فرمایا کہ ذُرِّيَّةُ الْبَغَايَا (یعنی کنجریوں کی اولاد) کے علاوہ ہر مسلمان نے مجھے قبول کیا اور میری دعوت کی تصدیق کی بالفاظ دیگر جن مسلمانوں نے میری نبوت کی تصدیق نہیں کی وہ سب کنجریوں کی اولاد ہیں اور ایک بار اپنے مخالف پر لعنت بھیجنے کو جی چاہا تو ہزار بار لعنت کہنے یا لکھنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ فی الواقع ہزار بار لعنت کا لفظ لکھ کر کتاب کے تین چار صفحے سیاہ کر ڈالے۔ کیا یہ بھی رسول اللہ کی اطاعت کا نمونہ اور ان کا عکس ہے؟ کیا رسول اللہ سے اپنے مخالفوں کے حق میں ایسی غلیظ گالیاں ثابت کی جاسکتی ہیں؟

(٧) آپ کی نبوت کی تردید پر دلائل:۔ اور جب اپنی کسر نفسی پر آتے ہیں تو بھی غلیظ زبان استعمال کرتے اور حقائق کا منہ چڑاتے ہیں۔ درثمین ہی میں فرماتے ہیں۔

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں۔۔ ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

یعنی اے میرے پیارے میں نہ تو مٹی کا کیڑا ہوں اور نہ آدم کی نسل سے ہوں۔ بلکہ میں بشر کی "جائے نفرت" ہوں جس سے سب لوگوں کو شرم آئے۔

اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیجئے کہ وہ بشر کی جائے نفرت کیا چیز ہوسکتی ہے۔ بس وہی چیز مرزا صاحب تھے۔ بایں ہمہ آپ کا دعویٰ یہ ہے آپ کا عکس ہیں۔ نیز آپ نہ مٹی سے پیدا ہوئے تھے نہ آدم کی نسل سے تھے۔ تو پھر کیا تھے؟ سابقہ انبیاء تو سب آدم زاد ہی تھے۔

(٨) قرآن اور احادیث میں جہاد فی سبیل اللہ اور بالخصوص قتال فی سبیل اللہ پر جس قدر زور دیا گیا ہے اور جتنے فضائل کتاب وسنت میں مذکور ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ حتیٰ کہ رسول اللہ نے خود سترہ غزوات میں حصہ لیا۔ اور ساتھ ہی یہ فرمادیا کہ یہ جہاد تاقیامت جاری رہے گا۔ لیکن مرزا صاحب نے اس جہاد کی ممانعت کا یوں فتویٰ دیا کہ اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستوں خیال۔۔ دین کے لئے حرام ہے اب جنگ وقتال

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد۔۔ منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد۔ (درثمین ص ۵۳)

آخری مصرع میں نبی سے مراد غالباً مرزا صاحب خود ہیں۔ غور فرمائیے کہ ایسا شخص رسول اللہ کا عکس ہوسکتا ہے؟ جبکہ رسول

اللہ نے اپنی ذات کے متعلق فرمایا کہ: "میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں، پھر زندہ ہوں پھر مارا جاؤں، پھر زندہ ہوں پھر مارا جاؤں" (بخاری۔ کتاب التمنی۔ باب من تمنی الشہادۃ) پھر یہ بھی غور فرمایئے مرزا صاحب رسول اللہ کا عکس ہیں یا ان کی آرزو اور تعلیم کو ملیامیٹ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں اور ان کی ضد ہیں۔

جہاد بالسیف کی بھرپور مخالفت

کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے حکومت وقت کا ساتھ دیا ہو بلکہ نبی کا تو کام ہی یہ ہوتا ہے کہ بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کرے اور سرکاری درباری حضرات، آسودہ حال طبقہ اور چودھری لوگ ہمیشہ انبیاء کے مخالف رہے ہیں۔ مگر یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب اور ان کی نبوت انگریز بہادر کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھتی ہے۔ اور آپ بھی ہر وقت گورنمنٹ عالیہ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں نیز وہ اپنی زبان سے اپنے آپ کو گورنمنٹ کا "خودکاشتہ پودا" ہونے کا اقرار فرماتے ہیں۔ اب دو ہی باتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ انگریز کی حکومت کو صحیح اسلامی حکومت تسلیم کرلیا جائے۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی نبوت کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ نبی ہمیشہ بگاڑ کی اصلاح کے لئے آتا ہے اور دوسری صورت یہی باقی رہ جاتی ہے کہ نبی اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہو۔ اور یہی صورت حال مرزا صاحب کی نبوت پر صادق آتی ہے۔

آپ کا اپنے بارے میں انگریز کا خودکاشتہ پودا ہونے کا اعتراف

ہوا یہ تھا کہ جب ہندوستان میں انگریز بہادر کی حکومت قائم ہوگئی تو ساتھ ہی زیر زمین جہاد کی تحریک شروع ہوگئی جس سے انگریز کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا۔ اس نے اس کا حل یہ سوچا کہ مسلمانوں کی آپس میں پھوٹ ڈال دی جائے اور دوسرے جہاد کی روح کو حتی الامکان مسلمانوں کے اذہان سے خارج کر دیا جائے۔ ان کاموں کے لئے اس کی نظر انتخاب مرزا غلام احمد قادیانی پر پڑی۔ مرزا صاحب نے انگریز بہادر کے دونوں کام سرانجام دیئے۔ جہاد بالسیف کی جی بھر کر مخالفت کی اور اپنے پیروکاروں کے علاوہ باقی سب مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ بھی لگا دیا۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مرزائی مسلمانوں کا جنازہ تک نہیں پڑھتے۔ قائداعظم کی نماز جنازہ کے وقت سر ظفر اللہ خاں پرے ہی کھڑے رہے مگر نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے۔ اور انگریز نے مرزا صاحب کے ان "احسانات" کا بدلہ یہ دیا کہ ان کی نبوت اور ان کی امت کو پورا پورا تحفظ دیا اور انھیں زیادہ سے زیادہ ملازمتیں دے کر انھیں حکومت میں آگے لے آیا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزائی اقلیت میں ہونے کے باوجود حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر براجمان ہیں۔ علاوہ ازیں ان حضرات کو ہر طرح مراعات بھی دی جاتی ہیں۔

محمدی بیگم سے نکاح کی پیشگوئی کا حشر

آپ کی نبوت کے ابطال پر دسویں دلیل آپ کی جھوٹی پیشین گوئیاں ہیں۔ آپ محمدی بیگم سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ تو آپ نے مشہور کر دیا کہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے کہ میرا محمدی بیگم سے آسمانوں پر نکاح ہوا ہے۔ محمدی بیگم کے اولیاء سے جو مرزا صاحب کی اپنی برادری کے لوگ تھے، مرزا صاحب نے درخواست کی تو انہوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر آپ اپنی وحی

کی بنا پر کئی طرح کی دھمکیاں اور وعیدیں محمدی بیگم کے اولیاء کو سناتے رہے۔ لیکن ان لوگوں پر مرزا صاحب کی دھمکیوں کا خاک بھی اثر نہ ہوا۔ اور نہ ہی ان دھمکیوں کے مطابق انھیں کچھ نقصان پہنچا۔ انہوں نے محمدی بیگم کو کسی دوسری جگہ بیاہ دیا۔ جہاں اسکے ہاں اولاد بھی ہوئی اور سکھ چین سے زندگی بسر کرتی رہی اور مرزا صاحب اس سے شادی کی حسرت دل میں لئے اگلے جہاں کو سدھار گئے۔ اور آسمانوں کا نکاح آسمانوں پر ہی رہ گیا زمین پر نہ ہوسکا۔ بعد میں آپ کے متبعین نے مرزا صاحب کے الہامات اور وحیوں کی یہ تاویل فرمائی کہ کسی دور میں مرزا صاحب کی اولاد در اولاد میں سے کسی لڑکے کا محمدی بیگم کی اولاد در اولاد میں سے کسی لڑکی سے نکاح ضرور ہوگا۔ ایسی اندھی عقیدت بھی قابل ملاحظہ ہے۔

مرزا قادیانی دجال جانشینوں کی عبرت ناک اموات کا بیان

میرا حق الیقین ہے کہ اگر قادیانی زندیق اپنے مرزا جی کے کافرانہ عقائد، گستاخیءِ الٰہی، توہین انبیاءِ اکرام و اکابرین ملت میں لکھی اس کی گستاخانہ تحریریں کھلے ذہن کے ساتھ پڑھیں اور پھر اس کے ہولناک انجام سے عبرت حاصل کریں تو کانوں کو ہاتھ لگا کر قادیانیت کو خیر باد کہہ دیں۔ مرزا غلام قادیانی کی ہیضہ میں مبتلا ہو کر بیت الخلا میں دردناک موت کے احوال کے بارے تو اکثر و بیشتر مسلمان اور خود قادیانی حضرات بھی خوب جانتے ہیں۔ لیکن یہاں میں مرزا جی کے دجالی خلیفوں کی عبرت انگیز اموات کا وہ ہولناک احوال بیان کر رہا ہوں جس سے سب مسلمان تو شاید آگاہ نہ ہوں لیکن ہاں ہر قادیانی زندیق ضرور واقف ہے۔ دعا گو ہوں کہ میرے یاد دلانے پر ان کے مقفل دلوں کے قفل کھلیں اور وہ کفرِ قادیانیت سے تائب ہو کر دائرہءِ اسلام میں لوٹ آئیں۔

naseer مرزا غلام قادیانی کے آنجہانی ہونے کے بعد اس کا پہلا خلیفہ مکروہ السیرت و کریہہ الصورت حکیم نورالدین تھا۔ خود مرزا جی ہی کی روایت کے مطابق، وہ ایک ایسا غلیظ المزاج اور بدبودار شخص تھا کہ جو مدتوں تک نہ نہاتا تھا اور نہ ہی اپنے بال اور ناخن تراشتا تھا۔ مگر اس کے گھوڑے پر بیٹھنے کا انداز انتہائی تکبرانہ اور شاہانہ ضرور تھا۔ یاد رہے کہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہر اس محفل میں شرکت کرنے سے صاف انکار کر دیتے تھے، جہاں یہ بدبخت شخص مدعو ہوتا تھا۔ ایک دن یہ ملعون و بدبخت گھوڑے پر سوار ہو کے نکلا تو گھوڑے کے بدکنے پر نیچے گرتے ہوئے اپنا ایک پاؤں گھوڑے کی رکاب میں پھنسا بیٹھا۔ اللہ کے حکم سے وہ پاؤں رکاب ہی میں پھنسا رہا اور گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا خلیفہ جی کو گھسیٹتا ہوا اس کی ہڈیاں چٹخاتا رہا۔ اس حادثے میں نامراد خلیفہ زندہ تو بچ گیا مگر قدرت کو اس منکرِ ختم نبوت کی عبرت ناک موت زمانے کو دکھانا منظور تھا۔ زخم ناسور کی شکل اختیار کر کے پہلے اذیت ناک اور مابعد جان لیوا ثابت ہوئے۔ سارے قادیانی حکیم اور قادیانیت کے سرپرست انگریز ڈاکٹرز تک اس بدبخت حکیم کا علاج کرنے میں ناکام رہے۔ اور یوں مرزا قادیانی کا پہلا جانشین، خلیفہ اول بسترِ مرگ پر انتہائی دردناک حالت میں ایڑیاں رگڑتے، دنیا میں ہی جہنم اور عذاب الٰہی جھیلتے ہوئے اپنے کاذب نبی مرزا غلام قادیانی کے ابدی ٹھکانہ ہاویہ کو سدھار گیا۔

حکیم نورالدین کے اس ہولناک انجام کے بعد ممکنہ جانشین مولوی محمد علی لاہوری کو خلافت نہ ملی۔ مرزا قادیانی کی شاطر بیوی نے اپنے بیٹے مرزا البشیر الدین محمود کو زبردستی خلیفہ بنوا دیا۔ یہ مردود ابن مردود اپنے ملعون باپ کی تقلید میں انبیائے اکرام، شان رسالت مآب، حرمتِ صحابہ و اہل بیت اور اسلامی نظریات و عقائد کے بارے ہرزہ سرائی کرنے میں آج کے یہودی اور مغربی گستاخین سے

بھی دو ہاتھ آگے تھا۔ اکھنڈ بھارت کیجو اب دیکھنے والا یہ ملعون ابلیس، ایک بدترین گستاخ قرآن ورسالت، جنسی تعلقات کا دلدادہ اور انتہائی عیاش جوان تھا، جسے خلافت ملنے پر مرزا قادیانی کے وفادار ساتھی مولوی محمد علی لاہوری نے جماعت قادیان چھوڑ کر اپنا لاہوری مرزائی فرقہ بنالیا۔ مرزا البشیر نے خلیفہ بنتے ہی ایسی گھناؤنی حرکتیں کیں کہ خود شرم بھی شرما گئی۔ اس کی قصر خلافت نامی رہائش گاہ دراصل قصرِ جنسی جرائم تھی جہاں عینی شاہدین کے مطابق صرف عقیدتوں کا خراج ہی بھینٹ نہیں چڑھا بلکہ مختلف حیلے بہانوں سے یہاں عصمتیں بھی لٹتی رہیں۔ ربوہ کے قصر محمود میں اس عیاش خلیفہ نے صرف قادیانی نوجوان لڑکیوں کی عصمتیں ہی برباد نہیں کیں بلکہ یہ ملعون ایک ایسا پلید ترین جنسی بھیڑیا تھا جس کی basheer جنسی ہوس سے اس کی اپنی چودہ سالہ سگی بیٹی امت الرشید تک بھی محفوظ نہ رہی۔ اس سیکس ڈان خلیفہ کے جنسی جرائم کے بارے قادیانی جماعت کے منحرف لوگوں کے تبصرے، حلفیہ بیانات، مباہلے اور قسمیں موجود ہیں۔ اللہ سبحان وتعالی ایسے ظالم انسان کو بھی معاف نہیں کرتے چنانچہ اس خلیفہ ثانی کی زندگی کا خاتمہ بھی ایسے دردناک حالات میں ہوا کہ اس فالج زدہ ابلیس کو زندگی کے آخری بارہ سال بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑتے اور مرتے دیکھ کر قادیانی بھی کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اس ملعون کی شکل وصورت پاگلوں کی سی بن چکی تھی اور وہ سر ہلاتا منہ میں کچھ ممیاتا رہتا تھا۔ اکثر یہ مجنون اپنے بال اور داڑھی نوچتا رہتا اور اپنی ہی غلاظت ونجاست ہاتھ منہ پر مل لیا کرتا تھا۔ بہت سارے لوگ ان سب حالات وواقعات کیعینی شاہد ہیں۔ ایک عرصہ ایسی اذیت ناک زندگی بستر مرگ پر گزارنے کے بعد جب یہ گستاخ، جہنم کو سدھارا تو اس کا جسم بھی عبرت کا اک عجب نمونہ تھا۔ ایک لمبیعرصہ تک بستر مرگ پر رہنے کی وجہ سے لاش مرغ کے چرغے کی طرح اس قدر اکڑ چکی تھی کی ٹانگوں کو رسیوں سے باندھ کر بمشکل سیدھا کیا گیا۔ چہرے پر پڑی لعنتیں چھپانے کیلئے خصوصی میک اپ کروایا گیا۔ اور پھر عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے مرکری بلب کی تیز روشنی میں لاش کو اس طرح رکھا گیا کہ چہرے پر لعنت زدہ سیاہی نظر نہ آئے۔ لیکن تمام قادیانی ساری اصل حقیقت سے بخوبی آشنا تھے

مرزا البشیر کی دردناک موت کے بعد موروثی وراثت اور چندوں کے نام پر لوٹ مار کا روایتی سلسلہ جاری رکھنے کی خاطر اسی کا بڑا بیٹا مرزا ناصر احمد گدی نشین ہوا۔ یہ ٹھرکی خلیفہ گھوڑوں کی ریس اور جوابازی کا شوقین ہونے کے ساتھ ساتھ، زانی وفاسق باپ کی طرح نوجوان مٹیاروں سے معاشقوں کا انتہائی دلدادہ تھا۔ جنسی ہوس اور شہوت پرستی اسے اپنے دادا مرزا غلام احمق اور زانی باپ سے وراثت میں nair ملی تھی۔ اس کے گھڑ سواری کے شوق نے ربوہ میں گھڑ دوڑ کے دوران ایک غریب کی جان بھی لی۔ قادیانی حضرات بھی گواہ ہیں کہ ان کے اس خلیفہ کی موت، ایک بوڑھے جنسی مریض کی داستان صد ہوس عبرت ہے۔ اس شہوت زدہ خیلفہ نے اڑسٹھ سال کی بوڑھی عمر میں فاطمہ جناح میڈیکل کی ایک ستائیس سالہ طالبہ کو یہ کہتے ہوئے اپنے عقد میں لے لیا کہ آج یہ مقدس دولہا اپنا نکاح خود ہی پڑھائے گا۔ اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ خود قادیانی کلٹ کی قیادت کو بھی تھا۔ خود سے چوالیس برس چھوٹی بیوی سے ازدواجی تعلقات میں جسمانی طور پر کلی ناکام ٹھہرنے پر اس ٹھرکی بوڑھے دولہا نے اپنے ناکارہ وناقابل مرمت اعضاء میں نئی جوانی بھرنے کیلیے دیسی کشتوں کا بے دریغ استعمال کیا۔ اور ان کشتوں کے راس نہ آنے پر آخر کار خود ہی بھنا ہوا کشتہ ہوگیا۔ مرنے سے پہلے اس تیسرے قادیانی خلیفہ کا جسم پھول کر کپا ہوگیا۔ سونے چاندی کے کشتوں کا زہریلا ناگ ایسا ڈسا کہ یہ

زندیق، مختصر سے عرصے ہی میں خدائے قہار کے قہر کی گرفت میں، کشتوں ہی کی آگ میں جھلس کر، محمدی بیگم کے ناکام افیونی عاشق، اپنے دادا مرزا غلام قادیانی کے پاس ملک عدم کو سدھار گیا۔

مرزا ناصر احمد کی موت کے بعد مرزا طاہر احمد گدی نشین ہوا تو اس کا سوتیلا بھائی مرزا رفیع احمد خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہوئے میدان میں آ گیا۔ جب اسکی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنے حواریوں سمیت سڑکوں پر آ گیا۔ لیکن ان باغیوں کو بزور قوت گھروں میں دھکیل دیا کر خلافت پر قبضہ کرلیا گیا۔ جماعت قادیان کا یہ چوتھا خلیفہ مرزا طاہر احمد انتہائی آمرانہ مزاج کا حامل تھا۔ اس کی فرعونی عادات نے نہ صرف اسے بلکہ پوری قادیانی جماعت کو دنیا بھر میں ذلیل وخوار کیا۔ اپنی زبان درازی ہی کی وجہ سے وہ پاکستان سے بھاگ کر لندن میں اپنے گورے آقاؤں کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ اس کے دور خلافت میں اس کے ہاتھوں غیر تو کیا کسی قادیانی کی بھی عزت محفوظ نہیں تھی۔ اس نے نظریں ملا کر بات نہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ مرزا طاہر ہومیو پیتھک ڈاکٹر کہلوانے کے شوقین تھا اور اس کا یہی شوق انسانوں کے لیے مصیبت کا باعث بن گیا۔ مرزا طاہر کی خواہش تھی کہ قادیانی عورتیں صرف لڑکے ہی پیدا کریں جن میں ذات پات یا نسل کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ مرا طاہر قادیانیوں کو نرنسل پیدا کرنے کی گولیاں تو دیتا رہا مگر یہ ڈاکٹر اپنی بیوی کو لڑکا نہ دے سکا اور اس کے اپنے ہاں تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اس خبطی کے ذہنی توازن کا یہ حال تھا کہ امامت کے دوران عجیب وغریب حرکتیں کرتا، کبھی باوضو تو کبھی بے وضو ہی نماز پڑھا دیتا۔ رکوع کی جگہ سجدہ اور سجدہ کی جگہ رکوع اور کبھی دوران نماز ہی یہ کہتے ہوئے گھر کو چل دیتا کہ ٹھہرو، میں ابھی وضو کر کے آتا ہوں۔ غرضیکہ اپنے بدبخت پیشروؤں کی طرح مرزا طاہر کی جان بھی بھی بڑی مشکل سے نکلی۔ اس کے انجہانی ہونے پر لاش پرستاروں کے دیدار کیلیے رکھی گئی تو چہرہ سیاہ ہونے کے ساتھ ساتھ لاش سے اچانک ایسا بدبودار تعفن اٹھا کہ سب پرستاروں کو فوراً کمرے سے باہر نکال دیا گیا اور لاش بند کر کے تدفین کیلیے روانہ کر دی گئی۔ یاد رہے کہ لوگوں نے یہ عبرتناک مناظر براہِ راست قادیانی ٹی وی پر بھی دیکھے۔ لندن سے تازہ ترین اطلاعات کے مطابق موجودہ خلیفہ مرزا مسرور بھی ایک پراسرار بیماری میں مبتلا ہو چکا ہے اور قادیانی کلٹ کی انگریز غلام قیادت نے اندرون خانہ اپنے اگلے بدبخت خلیفہ کی تلاش شروع کر دی ہے۔ مرزا مسرور کا ہولناک انجام بھی اپنے ملعون باپ دادا جیسا ہونا ایک یقینی امر ہے کہ مسلمہ بن کذاب اور مرزا قادیانی جیسے ختم نبوت کے ڈاکوؤں اور تمام گستاخین قرآن ورسالت کا عبرت ناک وعبرت انگیز انجام تو دراصل قدرت کی طرف سے طے شدہ ہے۔ (قادیانی فتنے)

صدقہ کرنے والے اور بخیل کی مثال کا بیان

3-وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ أَوْ جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ إِلَى ثَدْيَيْهِمَا أَوْ إِلَى تَرَاقِيهِمَا، فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِشَيْءٍ ذَهَبَتْ عَنْ جِلْدِهِ حَتَّى تُجِنَّ بَنَانَهُ وَيَعْفُوَ أَثَرُهُ، وَجَعَلَ الْبَخِيلُ كُلَّمَا أَنْفَقَ شَيْئًا أَوْ حَدَّثَ بِهِ نَفْسَهُ، عَضَّتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَكَانَهَا فَيُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَّسِعُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال دو آدمیوں کے مانند ہے جن پر دو لوہے کے جبے یا دو زرہ بکتر۔ جوان کے سینوں یا ہنسلی کی ہڈیوں تک ہوں۔ جیسے جیسے صدقہ دینے والا شخص کوئی چیز صدقہ دیتا ہے تو وہ اس کے جسم سے دور ہوتا جاتا ہے اور اس کی انگلیوں کو چھپا دیتا ہے اور اثر مٹ جاتا ہے۔ اور بخیل جب کبھی کوئی چیز خرچ کرتا ہے یا اپنے دل میں اس کا خیال کرتا ہے تو زرہ کا ہر ایک حلقہ اپنی جگہ کاٹنے لگتا ہے وہ اس کو کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ کشادہ نہیں ہوتا۔

(حدیث أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أخرجہ مسلم فی "کتاب الزکاۃ" "باب مثل المنفق والبخیل" حدیث رقم (1021)، وأخرجہ البخاری فی "کتاب الزکاۃ" "باب مثل المتصدق والبخیل" حدیث (1443) وأخرجہ النسائی فی "کتاب الزکاۃ" "باب صدقۃ البخیل" حدیث (2547)

شرح

اس ارشاد گرامی کا معنی یہ ہے کہ سخی انسان جب اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس جذبہ صدق کی بنا پر اس کا سینہ کشادہ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کے قلب و احساسات کے تابع ہوتے ہیں بایں طور کہ وہ مال خرچ کرنے کے لئے دراز ہوتے ہیں اس کے برخلاف ایسے مواقع پر بخیل انسان کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ سمٹ جاتے ہیں۔ اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ جب سخی انسان خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے بایں طور کہ اس کے لئے خیر و بھلائی اور نیکی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے اور بخیل کے لئے نیکی و بھلائی کا راستہ دشوار گزار ہو جاتا ہے۔

سخی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے پوری زرہ پہنی اور وہ اس کے جسم پر پھیلتی رہی حتیٰ کہ اس نے پورے بدن کو چھپا لیا اور زرہ نے اس کو محفوظ کر لیا اور بخیل کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے دونوں ہاتھ طوق بنے ہوئے ہیں جو اس کے سینہ کے سامنے ابھرے ہوئے ہیں جب وہ زرہ پہننے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ درمیان میں حائل ہو جاتے ہیں اور اس زرہ کو بدن پھیلنے نہیں دیتے اور وہ اس کی گردن میں اکٹھی ہو کر اس کی ہنسلیوں سے چمٹ جاتی ہے اور اس کے لیے وبال جان اور بوجھ بن جاتی ہے اور اس کے بدن کی حفاظت نہیں کرتی خلاصہ یہ ہے کہ سخی جب خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کی موافقت کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ فراخ ہو جاتے ہیں اور بخیل جب کچھ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ کوتاہ ہو جاتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صدقہ کرنے سے مال بڑھنے اور بخل سے مال کم ہونے کی مثال ہو اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سخی پر اللہ دنیا اور آخرت میں پردہ رکھتا ہے جس طرح یہ زرہ اس کے جسم کو چھپا لیتی ہے اور بخیل کے عیوب دنیا اور آخرت میں کھل جاتے ہیں جس طرح یہ زرہ اس کے گلے میں سکڑ کر اکٹھی ہو جاتی ہے اور اس کا باقی جسم برہنہ ہو جاتا ہے۔

امام خرائطی متوفی ۳۲۷ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخی کی لغزش سے درگزر کرو کیونکہ وہ جب بھی لڑکھڑاتا ہے تو اللہ اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتا ہے۔

(مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۵۹۰ مطبوعہ دار الکتب المصریہ مصر ۱۴۱۱ھ)

مال خرچ کرنا اور اسوہ نبوی ﷺ کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو مجھے یہ گوارانہ ہوتا کہ تین راتیں گزر جاتیں اور وہ تمام سونا یا اس کا کچھ حصہ علاوہ بقدر ادائے قرض کے میرے پاس موجود رہتا۔ (بخاری، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 357)

مطلب یہ ہے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو میرے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ ہوتی کہ میں تمام سونا تین رات کے اندر اندر ہی لوگوں میں تقسیم کر دیتا، اس میں سے اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتا ہاں اتنا سونا ضرور بچا لیتا جس سے میں اپنا قرض ادا کر سکتا کیونکہ قرض ادا کرنا صدقہ سے مقدم ہے۔ اس ارشاد گرامی سے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی سخاوت فیاضی کا وصف سامنے آتا ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ اپنے مال و زر کی خیرات نکالتے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اپنی آسائش و راحت کے ذرائع مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً عالیشان بلڈنگیں بناتے ہیں کوٹھیاں تعمیر کرتے ہیں یا اسی قسم کی دوسرا آسائش زندگی کے لئے بے تحاشا مال خرچ کرتے ہیں مگر ان کے اوپر دوسرے لوگوں کے حقوق ہوتے ہیں وہ ان کے حقوق کی ادائیگی تو کیا کرتے ان کی طرف ان کا دھیان بھی کبھی نہیں جاتا تو یہ کوئی اچھی اور پسندیدہ بات نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر انتہائی غلط ہے۔

شریعت و اخلاق ہی نہیں بلکہ محض عقل و دانش اور انسانی ہمدردی کے نقطہ نظر سے بھی کیا یہ بات گوارا کی جاسکتی ہے کہ ایک شخص تو دولت و حرص و ہوس کا پتلا بن کر اپنی تجوریاں بھرے بیٹھا ہوا بے مصرف مال و زر کے انبار لگائے ہوئے ہو اور سونے چاندی کے خزانے جمع کئے مگر ایک دوسرا شخص اس کے آنکھوں کے سامنے نان جویں کے لئے بھی محتاج ہو اور اس کی تجوری کا منہ نہ کھلے، ایک غریب بھوک و افلاس کے مارے دم توڑ رہا ہو مگر اس کے اندر اتنی بھی ہمدردی نہ ہو کہ اس غریب کو کھانا کھلا کر اس کی زندگی کے چراغ کو بجھنے سے بچائے؟ جی ہاں! آج کے اس دور میں بھی جب کہ سوشلزم، مساوات اور انسانی بھائی چارگی و ہمدردی کے نعرے ہمہ وقت فضا میں گونجتے رہتے ہیں کون نہیں دیکھتا کہ مال و زر کے بندے اپنی ادنیٰ سی خواہش کے لئے تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں اپنی دنیاوی آسائش و راحت کی خاطر مال و زر کے تختے بچھا دیتے ہیں مگر جب بھوک و پیاس سے بلکتا کوئی انہیں جیسا ان کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تو ان کی جبین پر بل پڑ جاتے ہیں۔

اور ان کے منہ سے نفرت و حقارت کے الفاظ ابلنے لگتے ہیں وہ شقی القلب یہ نہیں سوچتے کہ اگر معاملہ برعکس ہوتا تو ان کے جذبات و احساسات کیا ہوتے؟ لہٰذا جنگ زرگری کے موجودہ دور میں مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانی برادری کے لئے یہ ارشاد گرامی ایک دعوت عمل اور مینارہ نور ہے۔

صدقہ کرنے کے فضائل و برکات کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھجور برابر (خواہ صورت میں خواہ

قیمت میں) حلال کمائی میں خرچ کرے (اور یہ جان لو کہ) اللہ تعالیٰ صرف مال حلال قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر اس صدقہ کو صدقہ دینے والے کے لئے اسی طرح پالتا ہے۔ جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا بچھڑا پالتا ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ یا اس کا ثواب) پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔

(بخاری و مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 387)

کسب کے معنی ہیں جمع کرنا یہاں "کسب طیب" سے مراد وہ مال ہے جسے حلال ذریعوں سے جمع کیا جائے یعنی شرعی اصولوں کے تحت ہونے والی تجارت وصنعت زراعت و ملازمت اور وراثت یا حصہ میں حاصل ہونے والا مال۔ "ولا یقبل اللہ الا الطیب" (اللہ تعالیٰ صرف حلال مال قبول کرتا ہے) میں اسی طرف اشارہ ہے کہ بارگاہ الوہیت میں صرف وہی صدقہ قبول ہوتا ہے جو حلال مال کا ہو، غیر حلال مال قبول نہیں ہوتا نیز اس سے یہ نکتہ بھی پیدا ہوا کہ حلال مال اچھی اور نیک جگہ ہی خرچ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جانے والا حلال مال بارگاہ الوہیت میں کمال قبول کو پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ حلال مال خرچ کرنے والے سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اسی مفہوم کو یہاں "داہنے سے لینے" سے اس لئے محاورۃ اور عرفاً تعبیر کیا گیا ہے کہ پسندیدہ اور محبوب چیز داہنے ہاتھ ہی سے لی جاتی ہے۔ "پالتا" ہے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقے کے ثواب کو بڑھاتا جاتا ہے تاکہ وہ قیامت کے روز میزان عمل میں گراں ثابت ہو۔

حلال مال کا اچھی جگہ پر خرچ ہونے کا بیان

حلال مال اچھی جگہ ہی خرچ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک سبق آموز حکایت سنیے شیخ علی متقی عارف باللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک متقی و صالح شخص کسب معاش کرتے تھے اور ان کا معمول تھا کہ جو کچھ کماتے پہلے تو اس میں ایک تہائی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے پھر ایک تہائی اپنی ضروریات پر صرف کرتے اور ایک تہائی اپنی کسب معاش کے ذریعے میں لگا دیتے ایک دن ان کے پاس ایک دنیا دار شخص آیا اور کہنے لگا کہ شیخ! میں چاہتا ہوں کہ کچھ مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں، لہٰذا آپ مجھے کسی مستحق کا پتہ دیجیے انہوں نے کہا پہلے تو حلال مال حاصل کرو اور پھر اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو، وہ مستحق شخص ہی کے پاس پہنچے گا۔ دنیا دار شخص نے اسے مبالغہ پر محمول کیا، شیخ نے کہا اچھا تم جاؤ تمہیں جو شخص بھی ایسا ملے جس کے تمہارے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہو اسے صدقہ کا مال دے دینا، چنانچہ وہ شخص جب شیخ کے پاس سے اٹھ کر آیا تو اس نے ایک بوڑھے اندھے کو دیکھا جس کے لئے اس کے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہوا اور یہ سمجھ کر کہ صدقہ کے مال کا اس بے چارے سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے؟ اپنے کمائے ہوئے مال میں سے اسے کچھ حصہ خیرات کر دیا۔

جب دوسرے دن وہ ضعیف و نابینا شخص کے پاس سے گزرا تو اس نے سنا کہ وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک دوسرے شخص سے کل کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ کل میرے پاس سے ایک مالدار شخص گزرا اس نے مجھ پر ترس کھا کر اتنا مال مجھے دیا جسے میں نے فلاں بدکار شخص کے ساتھ شراب نوشی میں لٹا دیا۔ وہ دنیا دار یہ سنتے ہی شیخ کے پاس آیا اور ان سے پورا ماجرا بیان کیا، شیخ نے یہ واقعہ سن کر اپنی کمائی میں سے ایک درہم اسے دیا اور کہا کہ اسے رکھو اور یہاں سے نکلتے ہی سب سے پہلے تمہاری نظر جس پر پڑے اسے یہ

درہم بطور خیرات دے دینا چنانچہ وہ شیخ کا دیا ہوا درہم لے کر گھر سے باہر نکلا تو اس کی نظر سب سے پہلے ایک اچھے شخص پر پڑی جو بظاہر کھاتا پیتا معلوم ہو رہا تھا پہلے تو وہ دیتے ہوئے جھجکا مگر چونکہ شیخ کا حکم تھا اس لئے مجبوراً وہ درہم اس شخص کو دے دیا۔

اس شخص نے وہ درہم لے لیا اور اپنے پیچھے مڑ کر چل دیا، اس کے ساتھ ساتھ وہ مالدار بھی چلا اس نے دیکھا وہ شخص ایک کھنڈر میں داخل ہوا اور وہاں سے دوسری طرف نکل کر شہر راہ پکڑی، مالدار بھی اس کے پیچھے کھنڈر میں داخل ہوا وہاں اسے کوئی چیز نظر نہ آئی البتہ اس نے ایک مرا ہوا کبوتر دیکھا وہ پھر اس شخص کے پیچھے پیچھے ہو لیا، پھر اسے قسم دے کر پوچھا کہ بتاؤ تم کون ہو؟ اور کس حال میں ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک غریب انسان ہوں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں وہ بہت بھوکے تھے جب مجھ سے ان کی بھوک کی شدت نہ دیکھی گئی اور انتہائی اضطراب و پریشانی کے عالم میں میں ان کے لئے کچھ انتظام کرنے کی خاطر گھر سے نکل کھڑا ہوا تو میں سرگرداں پھر رہا تھا کہ مجھے یہ مرا ہوا کبوتر نظر آیا مرتا کیا نہ کرتا؟

میں نے یہ کبوتر اٹھا لیا اور اسے لے کر اپنے گھر کی طرف چلا تا کہ اس کے ذریعے بھوک سے بلکتے بچوں کو کچھ تسکین دلاؤں مگر جب اللہ نے تمہارے ذریعے یہ درہم مجھے عنایت فرما دیا تو یہ کبوتر جہاں سے اٹھایا تھا وہیں پھینک دیا۔ اب اس مالدار کی آنکھ کھلی اور اسے معلوم ہوا کہ شیخ کا وہ قول مبالغہ پر محمول نہیں تھا بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حلال مال اچھی جگہ اور حرام مال بری جگہ خرچ ہوتا ہے۔

جنت کے دروازے باب صدقہ کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی چیزوں میں دوہری چیز اللہ کی راہ میں (یعنی اس کی رضاء وخوشنودی کی خاطر) خرچ کرے گا تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اور جنت کے کئی یعنی آٹھ دروازے ہیں چنانچہ جو شخص اہل نماز (یعنی بہت زیادہ نماز پڑھنے والا) ہوگا اسے جنت کے باب الصلوۃ سے بلایا جائے گا جو اہل نماز ہی کے لئے مخصوص ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ اے بندے اس دروازے کے ذریعے جنت میں داخل ہو جاؤ اور جو شخص جہاد کرنے والا یعنی اللہ کی راہ میں بہت زیادہ لڑنے والا ہوگا اسے باب الجہاد سے بلایا جائے گا۔ جو شخص صدقہ دینے والا ہوگا اسے باب الصدقہ سے بلایا جائے۔ اور جو شخص بہت زیادہ روزے رکھنے والا ہوگا اسے باب الریان (یعنی باب الصیام سے کہ جنت میں روزہ کے دروازے کا یہی نام ہے) بلایا جائے یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگرچہ جو شخص ان دروازوں میں سے کسی ایک دروازے سے بھی بلایا جائے گا اس کو تمام دروازوں سے بلائے جانے کی حاجت نہیں ہے کیونکہ ایک دروازے سے بلایا جانا بھی کافی ہوگا بایں طور کہ مقصد تو جنت میں داخل ہونا ہوگا اور یہ ایک ہی دروازے سے بھی حاصل ہو جائے گا۔ پھر بھی میں صرف علم کی خاطر جاننا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی ایسا خوش نصیب و باسعادت شخص بھی ہوگا، جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم انہیں لوگوں میں سے ہوگے۔ (جنہیں تمام دروازوں سے بلایا جائے گا) (بخاری و مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 390)

دوہری چیز مثلاً دو درہم، دو روپے، دو غلام، دو گھوڑے اور یا دو کپڑے وغیرہ۔ "دعی من ابواب الجنہ (تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا) کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے دیان میں دوہری چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کی تھیں جب جنت

میں داخل ہونے جائے گا تو جنت کے تمام دروازوں کے داروغہ اسے بلائیں گے اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوگی کہ یہ خوش نصیب شخص اس کے دروازے سے جنت میں داخل ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک عمل ان اعمال کے برابر ہے جن کے سبب جنت کے تمام دروازوں میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ "ریان" کے معنی ہیں سیراب۔ چنانچہ منقول ہے کہ باب الریان کہ جس کے ذریعے زیادہ روزے رکھنے والے جنت میں داخل ہوں گے وہ دروازہ ہے جہاں روزہ دار کو جنت میں اپنے مستقر پر پہنچنے سے پہلے شراب طہور پلائی جاتی ہے گویا جو شخص یہاں دنیا میں اللہ کی خوشنودی کی خاطر روزے رکھ کر پیاسا رہا وہ اس عظیم فعل کے بدلے میں مذکورہ دروازے سے سیراب ہونے کے بعد جنت میں داخل ہوگے۔

ایک روایت میں منقول ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جنت کا ایک دروازہ ہے جسے باب الضحی کہا جاتا ہے، چنانچہ قیامت کے دن پکارنے والا فرشتہ پکارے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو نماز ضحیٰ یعنی چاشت یا اشراق کی نماز پر مداومت کرتے تھے؟ سن لو یہ دروازہ تمہارے ہی لیئے ہے لہٰذا تم لوگ اللہ کی رحمت کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ ایک حدیث میں منقول ہے کہ جنت کے ایک دروازے کا نام باب التوبۃ ہے کہ توبہ کرنے والے اس دروازے کے ذریعے جنت میں داخل ہوں گے ایک دروازہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو غصہ کو ضبط اور دوسروں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے ہوں گے ایسے لوگ اس دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے اسی طرح ایک دروازہ ایسا ہوگا جس کے ذریعے اللہ کی رضا پر راضی رہنے والوں کا داخلہ ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں فہل یدعی سے ماقبل جملہ ماعلی من دعی ان کے سوال فہل یدعی الخ کی تمہید کے طور پر ہے۔ آخر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امتیازی شان کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ چونکہ ان میں یہ تمام اوصاف اور خوبیاں پائی جاتی تھیں اس لئے انہیں جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ، بتصرف)

بخیل کی مذمت کا بیان

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔(آل عمران ۱۸۰)

اور جو بخل کرتے ہیں۔ اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے، عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔ اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ (کنزالایمان)

امام تفسیر امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

(۱) ابن جریر و ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتٰھم اللہ من فضلہ سے وہ اہل کتاب مراد ہیں کہ انہوں نے لوگوں کے سامنے بیان اللہ کی کتاب کے ساتھ بخل کیا (پھر فرمایا) سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ یعنی عنقریب ان کو اس چیز کا طوق پہنایا جائے گا جس کے ساتھ وہ بخل کرتے تھے کیا تو نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں لفظ آیت یبخلون ویامرون الناس بالبخل (آیت ۳۷) یعنی اہل کتاب کہتے ہیں اور وہ خود بھی (اللہ کے احکام) چھپاتے ہیں اور لوگوں کو بھی چھپانے کا حکم دیتے ہیں۔

(۲) ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ عنہ سے لفظ آیت: ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ کے بارے میں روایت کیا کہ اس سے یہودی مراد ہیں۔

(۳) ابن جریر وابن ابی حاتم نے سدی رحمۃ اللہ عنہ سے لفظ آیت ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے بخل کیا اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی۔

(۴) ابن ابی حاتم نے حسن بصری رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ کافر اور مومن دونوں مراد ہیں جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔

(۵) بخاری احمد وعبد بن حمید اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا وابن ماجہ ونسائی وابن جریر وابن خزیمہ وابن المنذر وابن ابی حاتم اور حاکم نے اس کو صحیح کہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کے مال کو گنجا سانپ بنا دیا جائے گا اس کے سر پر دو نشان ہوں گے اس کو اس (سانپ) کا طوق پہنایا جائے گا قیامت کے دن تو وہ اس کے جبڑوں کو پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی لفظ آیت: ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ ۔

زکوٰۃ نہ دینے پر وعید

(۶) الفریابی وسعید بن منصور وعبد بن حمید وعبد اللہ بن احمد نے زوائد الزھد میں وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وطبرانی اور حاکم نے اس کو صحیح کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ سے مراد ہے کہ جس کے پاس مال ہے اور اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کیا تو قیامت کے دن طوق پہنایا جائے گا اسے گنجے سانپ کا اس کے منہ پر دو زہر کے چھالے ہوں گے اور اس کے سر کو مارے گا یہاں تک کہ اس کے دماغ تک پہنچ جائے گا۔ اور حاکم کے یہ الفاظ ہیں کہ وہ اس کو قبر میں ڈسے گا اور وہ کہے گا میرا تیرے ساتھ کیا تعلق ہے؟ تو سانپ کہے گا میں تیرا وہ مال ہوں کہ جس کے ساتھ تو بخیلی کرتا تھا۔

(۷) عبد بن حمید نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ قیامت کے دن یہ مال اپنے مالک کے لیے گنجا سانپ کی صورت میں مسلط ہوگا جب اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی ہوگی سانپ اس کا پیچھا کرے گا تو وہ اس سے پناہ مانگے گا۔

(۸) ابن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں وابن جریر نے حجر بن بیان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی رشتہ دار ایسا نہیں ہے کہ اس کے پاس اس کا رشتہ دار آئے گا اور اس سے بچے ہوئے مال کا سوال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمایا تو وہ اس میں (یعنی مال دینے میں) بخیلی کرے گا تو قیامت کے دن اس کے لیے جہنم میں سے ایک سانپ نکلے گا جو ادھر ادھر زبان مار رہا ہوگا یہاں تک کہ اس کی گردن میں طوق بن جائے گا پھر یہ آیت (آپ نے) پڑھی لفظ آیت ولا یحسبن الذین

یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ ۔

(۹) عبد بن حمید وابوداؤد اور ترمذی نے اس کو حسن کہا و نسائی و ابن جریر و بیہقی نے شعب الایمان میں معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت لیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی آدمی اپنے مولیٰ کے پاس آتا ہے اور اس سے اس بچے ہوئے مال کا سوال کرتا ہے جو اس کے پاس ضرورت سے زائد (موجود) ہے مگر وہ اس کو منع کر دیتا ہے تو قیامت کے دن ایک سانپ کو لایا جائے گا جو مال اس نے روکا تھا اسے چٹ کر جائے گا۔

(۱۰) الطبرانی نے عبد بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس اس کا کوئی (غریب) رشتہ دار آئے اور اس سے بچے ہوئے مال کا سوال کرے جو اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اور وہ اس پر بخیلی کرے (اور غریب رشتہ دار کو نہ دے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک سانپ نکالیں گے جس کو شجاع کہا جائے گا وہ زبان ادھر ادھر مار رہا ہو گا وہ اس کی گردن میں طوق بن جائے گا۔

(۱۱) سعید بن منصور و بیہقی نے شعب الایمان میں ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اس مال والے لایا جائے گا جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہوگی اور اس کا مال اس کے آگے ہوگا جب وہ پل صراط پر لڑکھڑائے گا تو اس کا مال اس سے کہے گا چلا جا تو نے اللہ تعالیٰ کا حق میرے بارے میں ادا کر دیا تھا پھر اس مال والے کو لایا جائے گا جس نے اس مال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کی ہوگی جب وہ بھی پل صراط کے پاس لایا جائے گا تو اس کا مال اس سے کہے گا افسوس اسی طرح رہے گا یہاں تک کہ مال اس کے لیے ہلاکت کی بددعا کرتا رہے گا۔

(۱۲) سعید بن منصور و ابن جریر و ابن المنذر نے مسروق رحمۃ اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کے مال میں بنا دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک سانپ بنا دیں گے جو اس کی گردن میں طوق بن جائے گا اور وہ سانپ اس سے کہے گا کیا ہے میرے لیے اور تیرے لیے؟ (یعنی میرے ساتھ تیرا کیا تعلق ہے؟) تو وہ کہے گا میں تیرا مال ہوں۔

(۱۳) عبد الرزاق و سعید بن منصور و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا لفظ آیت سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ سے مراد ہے کہ اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق ہوگا۔

(۱۴) عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت سیطوقون ما بخلوا بہ سے مراد ہے کہ قیامت کے دن ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ لے آئیں اس مال کو جو انہوں نے دنیا میں بخل کیا۔

(تفسیر در منثور، سورہ آل عمران ۱۸۰، بیروت)

بخیل قوم کی کنجوسی کے سبب برائی کا بیان

اس کے بارے روایت کیا گیا ہے۔ کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری کو فرمایا: تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے عرض کی جد بن قیس اس بنا پر کہ اس میں بخل ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور کون سی بیماری (عیب) ہے جو بخل سے

بڑھ کر ہو(یعنی جو بخل سے زیادہ قبیح ہو) انہوں نے عرض کی: وہ کیسے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ نے فرمایا: ایک قوم ساحل سمندر کے قریب اتری پس وہ اپنے بخل کے سبب اپنے پاس مہمانوں کے آنے سے تنگ اور مجبور ہوگئے تو انہوں نے یہ تدبیر کی کہ ہم میں سے مردوں کو چاہیے کہ وہ عورتوں سے دور فاصلے پر رہیں تا کہ مرد عورتوں کے دور ہونے کے سبب مہمانوں کے سامنے معذرت کریں، اور عورتیں مردوں کے دور ہونے کے سبب ان سے معذرت کریں، پس انہوں نے ایسا کرلیا اور اسی طرح ان پر طویل وقت گزر گیا نتیجتاً مرد مردوں کے ساتھ اور عورتیں عورتوں کے ساتھ (استمتاع کے لئے) مشغول ہوگئے۔

(المستدرک، معرلہ الصحابۃ جلد ۳، صفحہ ۲۴۲، حدیث نمبر ۴۹۶۵)

اسے الماوردی نے کتاب ادب الدنیا والدین میں ذکر کیا ہے۔

ابووائل بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اپنے قرابت داروں کو اس کا حق دینے سے منع کرے جو اللہ نے اس کے مال میں ان کا حق رکھا ہے پھر اس مال کو سانپ بنا کر اس کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا وہ شخص کہے گا تیرا مجھ سے کیا واسطہ ہے وہ سانپ کہے گا میں تیرا مال ہوں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۲۸۔۱۲۷ مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔ محمد بن یوسف فریابی متوفی ۲۱۲ھ (یہ امام احمد اور امام بخاری کے اصحاب میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں میں اپنے اصحاب کے ساتھ ابوسنان رحمۃ اللہ عنہ کی زیارت کے لیے گیا جب ہم ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا چلو ہم اپنے پڑوسی کی تعزیت کے لیے جائیں اس کا بھائی فوت ہو چکا ہے جب ہم اس کے پاس پہنچے تو وہ اپنے بھائی پر زاروقطار رو رہا تھا ہم نے اس کو تسلی دی اور تعزیت کی لیکن اس کو قرار نہیں آیا ہم نے اس سے کہا تم کو معلوم ہے کہ موت سے کسی کو رستگاری نہیں ہے اس نے کہا یہ ٹھیک ہے میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے بھائی کو صبح و شام عذاب ہوتا ہے ہم نے کہا کیا تم کو اللہ نے غیب پر مطلع کر دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں! جب میں نے اس کو دفن کیا اور اس پر مٹی برابر کی اور لوگ چلے گئے تو میں اس کے پاس بیٹھ گیا اچانک میں نے یہ آواز سنی آہ انہوں نے مجھے اکیلے بٹھا دیا ہے اور میں عذاب برداشت کر رہا ہوں حالانکہ میں نماز پڑھتا تھا اور روزے رکھتا تھا مجھے اس کے کلام نے رلا دیا میں نے قبر سے مٹی کھود کر ہٹائی تا کہ اس کا حال دیکھوں اس وقت اس کی قبر آگ سے بھڑک رہی تھی اور اس کی گردن میں آگ کا طوق پڑا ہوا تھا بھائی کی محبت سے مجبور ہو کر میں نے اس کی گردن سے طوق نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میری انگلیاں اور ہاتھ جل گیا پھر اس نے ہمیں اپنا ہاتھ نکال کر دکھایا جو جل کر سیاہ ہو چکا تھا اس نے کہا میں نے قبر پر دوبارہ مٹی ڈال دی اور لوٹ آیا ہم نے پوچھا تمہارا بھائی دنیا میں کیا عمل کرتا تھا؟ اس نے کہا وہ اپنے مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتا تھا ہم نے کہا یہ آیت کی تصدیق ہے۔ **ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتٰھم اللہ من فضلہ ھو خیر اللھم بل ھو شر لھم سیطوقون مابخلوا بہ یوم القیامۃ**۔ (آل عمران: ۱۸۰) تمہارے بھائی کو قیامت کا عذاب قبر میں جلدی دے دیا گیا۔ (الکبائر ص ۴۰۔۳۹ مطبوعہ دارالفلا العربی قاہرہ والزواجر ج ۱ ص ۳۳۲۔۳۳۱) مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

نبی کریم ﷺ کی ہدایت کا بیان

4-وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَثَلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا

حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي يَقَعْنَ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا، وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَتَقَحَّمْنَ فِيهَا فَذَاكَ مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ، أَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ عَنِ النَّارِ، فَتَغْلِبُونِي تَقَحَّمُونَ فِيهَا .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اس شخص کے مانند ہے جس نے آگ سلگائی جب اطراف کی چیزیں روشن ہوجاتی ہیں تو پروانے اور زمین پر رینگنے والے وہ (کیڑے مکوڑے) جو آگ میں گرا کرتے ہیں۔ اس میں گرنے لگتے ہیں اور وہ شخص ان کو (اس میں گرنے سے) روکنے لگتا ہے لیکن وہ اس پر غالب ہوجاتے ہیں اور اس میں گھس جاتے ہیں۔ پس یہی میری اور تمہاری مثال ہے۔ میں تم کو آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں (اور چلاتا ہوں) کہ آگ سے ہٹو۔ آگ سے ہٹو (مگر تم سنتے ہی نہیں) لیکن تم مجھ پر غالب آجاتے ہو اور آگ میں گھس جاتے ہیں۔ (الراوی: أبو ہریرۃ المحدث: البخاری۔ المصدر: صحیح البخاری۔ الصفحۃ أو الرقم: 6483 خلاصۃ حکم المحدث: صحیح)

جنت کے بڑے درخت کا بیان

وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک (اتنا بڑا) درخت ہے کہ اگر سوار اس کے سایہ میں سو (۱۰۰) برس چلتا رہے تو بھی اس کو ختم نہ کرے گا۔

جنت میں شجرۃ طوبی کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں یہ نبی صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں گھڑسوار سو برس تک بھی چلتا رہے تو وہ ختم نہیں ہوگا، اور اگر تم چاہتے ہو تو اللہ تعالی کا فرمان پڑھ لو (وظل ممدود) اور ایک لمبا سایہ) (صحیح بخاری حدیث نمبر 4502)

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طوبی جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے خوشوں سے جنتیوں کے کپڑے نکلیں گے اور اس کی مسافت سو برس کی ہے۔ اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے اور صحیح الجامع (3918) میں بھی ہے۔

عقبہ بن عبدالسلمی رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور ان سے حوض کا پوچھا اور جنت کا بھی ذکر کیا پھر اعرابی کہنے لگا: کیا اس میں پھل بھی ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا جی ہاں اور اس میں ایک ایسا درخت بھی ہے جسے طوبی کا نام دیا جاتا ہے، وہ کہنے لگا کہ ہماری زمین کے درختوں میں سے کون سا ایسا درخت ہے جو طوبی سے مشابہت رکھتا ہو؟

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے علاقے کا کوئی بھی درخت اس سے مشابہت نہیں رکھتا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے کہنے لگے کیا تو شام گیا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شام میں اس کے مشابہ درخت پایا جاتا ہے جسے

وہ جوزہ کا نام دیتے ہیں وہ صرف ایک ہی تنے پر اگتا اور اوپر سے بچھ جاتا ہے۔

اس اعرابی نے کہا کہ اس کی جڑ کتنی بڑی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو اونٹ میں سے جذعہ (جس کی عمر چار برس ہو) لے کر نکلے تو اس کی اصل کا احاطہ نہیں کر سکتا حتی کہ وبوڑھا ہو جائے۔

وہ اعرابی کہنے لگا کیا جنت میں انگور ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں اس نے کہا کہ اس کا خوشہ کتنا بڑا ہوگا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خوشہ یا گچھہ اتنا بڑا ہوگا کہ کوا ایک مہینہ بھی اڑتا رہے تو اس کی مسافت ختم نہیں ہوگی۔

اعربی نے کہا کہ انگور کا ایک دانہ کتنا بڑا ہوگا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے باپ نے کبھی بہت بڑا بکرا ذبح کیا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس کی کھال اتار کر تیری ماں کو دی اور کہا ہو کہ اس سے ڈول بنالو؟ تو اعرابی کہنے لگا جی ہاں۔

تو اعرابی یہ کہتے لگا یہ ایک دانہ مجھے اور میرے گھر والوں کو بھوک مٹا دے گا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں اور تیرے عام قبیلہ والوں کی بھی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے مسند احمد میں روایت کیا ہے۔

حسد و بدگمانی وغیرہ سے بچنے کا بیان

6 -وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم (بد) گمانی سے بچو، تم (بد) گمانی سے بچو، کیونکہ (بد) گمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور تم آپس میں خرید و فروخت میں دھوکا بازی نہ کرو اور آپس میں حسد نہ کرو اور نہ نفسانیت سے آپس میں مقابلہ کرو اور نہ آپس میں بغض رکھو اور نہ قطع تعلق کرو، اور اے اللہ کے بندو! تم آپس میں بھائی، بھائی بن جاؤ۔

(رواہ البخاری، 6064)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدگمانی قائم کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ بدگمانی باتوں کا سب سے بدتر جھوٹ ہے (اپنے سے غیر متعلق امور اور بلا ضرورت دوسروں کے احوال کی) ٹوہ میں نہ رہو کسی کی جاسوسی نہ کرو کسی کے سودے نہ بگاڑو، آپس میں حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو اور سارے مسلمان اللہ کے بندے اور ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہو اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپس میں حرص نہ کرو۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، رقم الحدیث 957)

اس حدیث میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان کا معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بھاؤ سے براہ راست تعلق ہے ان باتوں سے اگر اجتناب کیا جائے تو معاشرہ میں پھیلنے والی بہت سی خرابیوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ بدگمانی کو باتوں کا

سب سے بدتر جھوٹ فرمایا گیا ہے چنانچہ جب کوئی شخص کسی کے بارے میں بدگمانی کرتا ہے تو وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ شخص ایسا ایسا ہے اور چونکہ وہ شخص حقیقت میں ایسا نہیں ہے اس لئے اس فیصلہ کو جھوٹ ہی کہا جائے گا واضح رہے کہ باتوں سے مراد وہ باتیں جو نفس پیدا کرتا ہے اور حقیقت میں وہ شیطان کی طرف سے ہیں اسی اعتبار سے بدگمانی کو بدترین جھوٹ کہا گیا ہے یا یہ کہ اس کو بدترین جھوٹ کا نام دینا گویا اس کبیرائی کو زیادہ سے زیادہ کر کے بیان کرنا مقصود ہے قرآن کریم میں یوں فرمایا گیا ہے آیت (ان بعض الظن اثم) چنانچہ ان الفاظ میں جس ظن کو گناہ قرار دیا گیا ہے اس سے بدگمانی مراد ہے اور جیسا کہ علماء نے وضاحت کی ہے جس بدگمانی کے بارے میں ممانعت منقول ہے اس سے وہ بدگمانی منقول ہے جو ذہن میں بیٹھ جائے اور جیسا کہ علماء نے وضاحت کی ہے۔ اس سے وہ بدگمانی مراد نہیں ہے جو محض خیالی طور پر دل سے گزر جائے۔

اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ بدگمانی گناہ گار اس وقت کرتی ہے جب کہ اس کا ذکر کیا جائے اور اس کو زبان پر لایا جائے نیز بہرصورت اس بدگمانی کے موجب گناہ ہونے کی شرط یہ بھی ہے کہ اس بدگمانی کو قائم کرنے لئے کوئی معقول وجہ اور دلیل نہ ہو یا اگر بدگمانی کی بھی معقول وجہ اور دلیل ہو تو بدگمانی نہ کرنے کی بھی کوئی معقول وجہ اور دلیل ہو اور دونوں دلیلیں باہم متعارض ہوں ہاں اگر اس بدگمانی کو درست ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسا واضح قرینہ اور معقول دلیل ہو جس کو تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ ہو تو اسی بدگمانی پر مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ اس حقیقی معنی میں اس کو بدگمانی کہیں گے۔

تحسس اور تجسس یعنی ٹو اور جاسوسی بظاہر ایک مفہوم کے حامل دو الفاظ ہیں علماء نے کئی وجوہ سے ان دونوں کے درمیان فرق ظاہر کیا ہے اس سلسلے میں مختلف اقوال منقول ہیں چنانچہ صاحب قاموس نے جیم کی فصل میں لکھا ہے کہ تجسس کے معنی ہیں کہ خبروں کی تلاش میں رہنا جیسا کہ تجسس کے معنی ہیں جاسوس" وجس" اسی سے مشتق ہیں جن کے معنی ہیں ایسی پوشیدہ خبریں رکھنے والا جو اچھی نہ ہوں پھر انہوں نے حاء کی فصل میں لکھا ہے کہ حاسوس کے وہی معنی ہیں جو جاسوس کے ہیں یا یہ کہ حاسوس خاص طور پر ایسی پوچیدہ خبریں رکھنے والے کو کہتے ہیں جو اچھی ہوں بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ تجسس کے معنی ہیں اچھی خبروں کو ہوشیاری اور نرمی کے ساتھ دریافت کرنا اور تحسس کے معنی ہیں کسی شخص کی برائیوں اور عیوب کی تفتیش کرنا اور تحسس کا معنی ہے ان خبروں کو قوت حاسہ سے دریافت کرنا جیسے کوئی شخص کسی بات کو چوری چھپے سنتا اور دیکھتا ہے۔

بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ تجسس کے معنی ہیں کسی شخص کی برائیوں اور عیوب کی تفتیش کرنا اور تحسس کے معنی ہیں ان برائیوں اور عیوب کو سننا بعض حضرت یہ کہتے ہیں کہ تجسس کے معنی ہیں دوسرے کے لئے خبر کی ٹوہ میں رہنا اور تحسس کے معنی ہیں اپنے لئے کسی کی خبر کی ٹوہ لگانا۔ اور طیبی نے یہ کہا ہے کہ اس ارشاد گرامی میں تجسس مراد ہے خواہ اپنے طور پر یا کسی کی مدد سے دوسرے لوگوں کے عیوب اور ان کے پوشیدہ ذاتی احوال و معاملات کی ٹوہ لگانا اور تحسس کے معنی ہیں کسی کی مدد کے بغیر اپنے ٹوہ لگانا بہرحال اگر حدیث کی مراد لوگوں کے احوال و معاملات کی لگانے اور ایسی خبروں کی تلاش میں رہنے سے منع کرنا ہے، جن کا تعلق عیب و برائی اور کردار احوال کی کمزرویوں سے ہو تو اس کی ممانعت بالکل ظاہر ہے اور اگر اچھی خبر کی تلاش میں رہنے اور اچھے احوال معاملات کی ٹوہ میں رہنے سے بھی منع کرنا مراد ہے تو اس صورت میں اس ممانعت کی وجہ یہ بیان کیجائے گی کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کے بارے میں

کوئی خبر اچھی پانے کے بعد اپنے اندر کے حسد کا جذبہ پیدا ہو جائے یا طمع وحرص جاگ اٹھے جو کوئی اچھی چیز نہیں ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ کسی کی اچھی خبر کی ٹوہ میں بھی نہ رہا جائے۔

ولا تناجشوا ۔ اس میں اصل نجش ہے جس کے اصل معنی شکار کو برانگیختہ کرنا، بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنی عظمت ووقعت اور بڑائی کی طلب وخواہش کرنا اور بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کسی کو دھوکا دینے کے لئے بکنے والی چیز کو چڑھا چڑھا کر تعریف کرنا یا مصنوعی خریدار بن کر بکنے والی چیز کی قیمت بڑھانا تا کہ دوسرا شخص اس کے دیکھا دیکھی اس چیز کو اسی قیمت میں خرید لے یا کسی بکتی ہوئی چیز کی برائی کرنا تا کہ خریدار اس کو چھوڑ کر دوسری طرف ہو جائے عام طور پر علماء نے حدیث میں اسی لفظ کو اسی پر محمول کیا ہے یعنی مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے سودے کو بگاڑنا، بعض حضرات نے اس لفظ کے اصل معنی رعایت سے حدیث میں **ولا تناجشوا** کے یہ معنی مراد لئے ہیں کہ کسی کو کسی کی برائی اور خصومت پر نہ اکساؤ۔ **ولا تحاسدوا** ۔ کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر ظالم کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر اس کے زوال کی آرزو نہ کرو یا یہ خواہش نہ کرو کہ وہ نعمت اس کے پاس سے ہٹ کر تمہارے پاس آ جائے۔

ولا تباغضوا ۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اسباب کو پیدا کرنے سے احتراز کرنا چاہے جو بغض و نفرت کو لازم کرتے ہیں یہ وضاحت اس بناء پر ہے کہ جس طرح محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو خود بخود پیدا ہوتا ہے اسی طرح بغض و نفرت بھی پیدائشی ہیں کہ اس جذبہ کے پیدا ہونے یا نہ ہونے میں کسی شخص کا کوئی اختیار نہیں ہے البتہ انسان اپنے آپ کو ایسے اسباب سے محفوظ رکھے پر یقیناً قادر ہو سکتا ہے جن سے باہمی بغض ونفرت پیدا ہو سکتی ہے بعض حضرات **لا تباغضوا** کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ شرعی احکام ومسائل میں خواہشات نفسانی کی بناء پر آپس میں اختلاف وانتشار پیدا نہ کرو اور خود ساختہ افکار ونظریات کو دین میں شامل نہ کرو کیونکہ دین میں بدعت اختیار کرنا اور راہ مستقیم سے گمراہ ہونا وہ اسباب ہیں جو مسلمانوں کے درمیان ایک دوسرے سے بغض ونفرت کو پیدا کرتے ہیں لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حدیث میں ایک دوسرے سے بغض رکھنے کی ممانعت کا اصل مقصد باہمی محبت والفت کے حکم کو مؤکد کرتا ہے اور محبت والفت کے اسی حکم کو تعلق علی الاطلاق مسلمانوں کی پوری زندگی سے ہے البتہ جس محبت والفت سے دین میں خلل پڑتا ہو اس صورت میں محبت کو جائز قرار دینا جائز نہیں بلکہ دین کو نقصان پہنچانے والے شخص سے بغض ونفرت ہی رکھنا جائز ہوگا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے محبت واتحاد کی زنجیر میں منسلک رہیں جو ارشاد الٰہی کا بھی تقاضا ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا۔ آیت (**واعتصمو بحبل اللہ**)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محبت والفت اتحاد کی بنیاد پر ہے اور بغض ونفرت افتراق کا ذریعہ ہے لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ تم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ **لا تباغضوا** کے معنی یہ ہیں کہ تم مسلمانوں کے درمیان عداوت ودشمنی پیدا نہ کرو۔ اس صورت میں مذکورہ ممانعت کا تعلق گویا چغل خوری سے ہوگا، کیونکہ چغل خوری سے فساد کی بنیاد پڑتی ہے اور ایک دوسرے سے عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ **ولا تدابروا** ۔ کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی پیٹھ کے پیچھے برائی بیان نہ کرو۔

اور طیبی نے کہا ہے کہ تدابر سے مراد تقاطع ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ایک دوسرے سے ملنا جلنا چھوڑ دو اس معنی کو مذکورہ جملہ سے لفظی مناسبت بایں طور ہے کہ ترک ملاقات کرنے والوں میں سے ہر ایک دوسرے سے پیٹھ پھیر لیتا ہے اور اسلام کے بتائے ہوئے باہمی حقوق کی ادئیگی سے گریز کرتا ہے۔(وکونوا عباد اللہ اخوانا ۔ کا مطلب یہ ہے کہ تم سب اللہ کے بندے ہو اور عبودیت میں سب برابر ہو نیز تم سب اخوہ کی ایک زنجیر سے منسلک ہو لہٰذا تمہارا اس حیثیت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کے درمیان حسد بغض اور غیبت جیسی برائیوں کو حائل کرنے کے اپنے دلوں میں افتراق اور اپنی صفوں میں انتشار پیدا نہ کرو بلکہ اپنے مرتبہ عبودیت پر اتحاد کے ساتھ قائم رہو اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

ولاتنافسوا ۔ میں لفظ تنافس لغوی طور پر تحاسد کے معنی کے قریب ہے لیکن احتمال یہ رہے کہ تنافس کے معنی دنیا کے طرف میلان رکھنا ہو اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ مجھے خدشہ ہے کہ تم پر دنیا کے دروازے کھول دیئے جائیں اور تنافس کرنے لگو۔ یعنی تم دنیا کی طرف راغب ہو جاؤ اسی اعتبار سے ترجمہ میں تنافس کے معنی آپس میں حرص کرنا نقل کئے گئے ہیں۔

حسد کا نیکیوں کو کھا جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا حسد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح لکڑیوں کو آگ کھا جاتی ہے۔(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 968)

حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جس طرح آگ اور لکڑی کا معاملہ ہے کہ آگ لکڑی کو جلا کر اس کا وجود مٹا دیتی ہے اسی طرح حسد وہ خصلت ہے جو انسان کو اپنی گرفت میں لے کر اس کی نیکیوں کو مٹا دیتا ہے۔"معتزلہ" اس حدیث کو اپنے اس مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ ارتکاب معصیت، عمل صالح کو باطل کر دیتا ہے اور برائیاں نیکیوں کو مٹا دیتی ہیں ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کے اچھے اعمال محض اس گناہ کے ارتکاب سے ملیامیٹ ہو جاتے ہیں اور برائی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ پچھلی نیکیوں کو ختم کر ڈالتی ہے لیکن ہم اہل سنت و جماعت اس بات کو غلط قرار دیتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ برائیوں سے نیکیاں ختم نہیں ہوتیں البتہ نیکیوں کا خاصہ یہ ضرور ہے کہ وہ برائیوں کو مٹا دیتی ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے آیت(ان الحسنات یذھبن السیات)۔(بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) جہاں تک اس حدیث سے معتزلہ کے استدلال کا سوال ہے تو اہل سنت والجماعت کی طرف سے کہا جاتا ہے اس ارشاد گرامی میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے تو اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ حسد نیکیوں کے حسن و کمال کو زائل کر دیتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ الحسد یفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل ۔ یعنی حسد ایمان میں فتور پیدا کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو بدمزہ کر دیتا ہے۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ حسد نیکیوں کو کھا جانے سے مراد یہ ہے کہ حسد، حاسد کو محسود کا مال تلف کرنے اس کی زندگی تباہ کرنے اور اس کی عزت وآبرو کو نقصان پہنچانے پر اکساتا ہے اگر حاسد ان چیزوں کو عملاً پورا نہیں کرتا تو وہ ان باتوں کا ارادہ اور رجحان ضرور رکھتا ہے اور کچھ نہیں تو غیبت وغیرہ کے ذریعہ اس کی عزت وآبرو کو نقصان یقیناً پہنچاتا ہے لہٰذا حسد کی سزا یہ ملے گی

کہ قیامت کے دن حاسد کی نیکیاں محسود کو دیدی جائیں گی اور یہ محسود کے ان حقوق کا بدلہ ہوگا جو حاسد اپنی گردن پر لے کر اس دنیا سے جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ میری امت میں حقیقی مفلس شخص وہ ہے جو قیامت کے دن اپنے نامہ اعمال میں نماز، روزہ، زکوۃ اور شب بیداری کا ثواب لئے ہوئے آئے گا لیکن اس کی حالت یہ ہوگی کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر زنا کا بہتان لگایا گیا ہوگا کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون کیا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔

لہٰذا اس کی تمام نیکیاں ان لوگوں کو دیدی جائیں گی جن پر اس نے گالی اور بہتان وغیرہ کے ذریعہ زیادتی کی ہوگی لہٰذا مذکورہ بالا حدیث میں نیکیوں کے مٹائے جانے سے یہی مراد ہے یعنی قیامت کے دن اپنی نیکیوں سے محروم ہو جانا نہ کہ ان کی نیکیوں کو دیوان اعمال میں سے مٹا دینا اور ختم کر دینا مراد ہے یہ مراد یوں بھی صحیح نہیں ہوگی کہ اگر کسی کی نیکیوں کو یہیں مٹا دیا جائے اور ان کو دیوان اعمال میں سے محو کر دیا جائے تو پھر وہ وہاں قیامت کے دن کن اعمال کے ساتھ آئے گا۔ درآنحالیکہ حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جس شخص نے دنیا میں جو اعمال کئے گئے ہوں گے وہ قیامت کے دن انہی اعمال کے ساتھ میدان حشر میں حاضر ہوگا۔ ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ہر بندہ اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے نامہ اعمال میں ثواب کی تعداد بڑھتی رہتی ہے ظاہر ہے کہ جو بندہ نیکیوں کی بجائے خطاؤں کا مرتکب ہوتا ہے وہ اپنے نامہ اعمال میں نیکیوں اور ثواب کے اضافہ سے محروم ہو جاتا ہے اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ حسد، حاسد کا اچھی بات سے مٹا کر گویا ان نیکیوں سے محروم رکھتا ہے جو اس کو بری خصلت سے اجتناب کی صورت میں حاصل ہوتیں۔

جمعہ کے دن دعا کی قبولیت والی ساعت کا بیان

7 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِي الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي يَسْأَلُ رَبَّهُ شَيْئًا إِلَّا آتَاهُ إِيَّاهُ . .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اس گھڑی کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے اللہ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ ضرور اس چیز کو عطا کرتا ہے۔

(رواہ موطا امام مالک وابوداؤد والترمذی والنسائی وروی احمد بن حنبل الی قولہ صدق کعب)

شرح

حضرت ابی بردہ ابن ابی موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم (حضرت ابوموسی) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعے (کے دن) کی ساعت قبولیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ ساعت (خطبے کے لئے) امام کے منبر پر بیٹھنے اور نماز پڑھی جانے تک کا درمیانی عرصہ ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ رقم الحدیث 1331)

جمعے کے روز قبولیت دعا کی ساعت منقول ہے اور اس کی حقیقت میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے لیکن علماء کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ وہ ساعت کونسی ہے؟ یعنی وہ کون سا وقت ہے جس میں ساعت قبولیت آتی ہے؟ چنانچہ بعض علماء کی تحقیق تو یہ ہے کہ شب قدر کی ساعت قبولیت اور اسم اعظم کی طرح جمعہ کے روز کی ساعت قبولیت بھی مبہم یعنی غیر معلوم ہے بعض حضرات کی رائے یہ

ہے کہ وہ ساعت ہر جمعے کو بدلتی رہتی ہے کسی جمعے کو تو دن کے ابتدائی حصے میں آتی ہے کسی جمعے کو درمیانی حصے میں اور اسی طرح کسی جمعے کو دن کے آخری حصے میں آتی ہے لیکن اکثر علماء کا کہنا یہ ہے کہ وہ ساعت متعین اور معلوم ہے لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ اگر وہ ساعت متعین اور معلوم ہے تو کونسی ساعت ہے۔

اور وہ کون سا وقت ہے جس میں یہ عظیم و مقدس سات پوشیدہ ہے۔ اس بارے میں پینتیس اقوال منقول ہیں: (۱) جمعے کے روز فجر کی نماز کے لئے مؤذن کے اذان دینے کا وقت۔ (۲) فجر کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک کا وقت۔ (۳) عصر سے آفتاب غروب ہونے تک کا وقت۔ (۴) خطبے کے بعد امام کے منبر سے اترنے سے تکبیر تحریمہ کہنے جانے تک کا وقت۔ (۵) آفتاب نکلنے کے بعد فوراً بعد کی ساعت۔ (۶) طلوع آفتاب کا وقت۔ (۷) ایک پہر باقی دن کی آخری ساعت۔ (۸) زوال شروع ہونے سے آدھا سایہ ہو جانے تک کا وقت۔ (۹) زوال شروع ہونے سے ایک ہاتھ سایہ آ جانے تک کا وقت۔

(۱۰) ایک بالشت آفتاب ڈھلنے کے بعد سے ایک ہاتھ آفتاب ڈھل جانے تک کا وقت۔ (۱۱) عین زوال کا وقت۔ (۱۲) جمعے کی نماز کے لئے مؤذن جب اذان کہے وہ وقت۔ (۱۳) زوال شروع ہونے سے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔ (۱۴) زوال شروع ہونے سے امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا قت۔ (۱۵) زوال آفتاب تک کا وقت۔ (۱۶) خطبے کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے سے نماز جمعہ شروع ہونے تک کا وقت۔ (۱۷) امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔ (۱۸) خطبے کے لئے امام کا منبر پر چڑھنے اور ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔ (۱۹) اذان سے ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔

(۲۰) امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز پوری ہو جانے تک کا وقت۔ (۲۱) خرید و فروخت کے حرام ہونے اور ان کے حلال ہونے کے درمیان کا وقت یعنی اذان کے وقت سے نماز جمعہ ختم ہو جانے تک۔ (۲۲) اذان کے قریب کا وقت۔ (۲۳) امام کے خطبہ شروع کرنے اور خطبہ ختم کرنے تک کا وقت۔ (۲۴) خطبے کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے اور خطبہ شروع کرنے کا درمیانی وقت۔ (۲۵) دونوں خطبوں کے درمیان امام کے منبر سے اترنے کا وقت۔ (۲۶) نماز کے لئے تکبیر شروع ہونے سے امام کے مصلے پر کھڑے ہونے تک کا وقت۔ (۲۷) خطبہ سے فراغت کے بعد امام کے منبر سے اترنے کا وقت۔ (۲۸) تکبیر شروع ہونے سے اختتام نماز تک کا وقت۔ (۲۹) جمعہ کی نماز سے فراغت کے فوراً بعد کا وقت۔

(۳۰) عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کا وقت۔ (۳۱) نماز عصر کے درمیان کا وقت۔ (۳۲) عصر کی نماز سے (غروب آفتاب سے پہلے) نماز کا آخری وقت مستحب رہنے تک کا وقت۔ (۳۳) مطلقاً نماز عصر کے بعد کا وقت۔ (۳۴) نماز عصر کے بعد کی آخری ساعت۔ (۳۵) اور وہ وقت جب کہ آفتاب ڈوبنے لگے۔

منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ الزہرا اور تمام اہل بیت نبوت رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے خادموں کو متعین کرتے تھے کہ وہ ہر جمعے کے روز آخری گھڑی کا خیال رکھیں اور اس وقت سب کو یاد دلائیں تاکہ وہ سب اس گھڑی میں پروردگار کی عبادت، اس کے فکر اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو جائیں۔ یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس کے متعلق بالیقین سے

پوچھا گیا کہ خطبے کے وقت دعا کیونکر مانگی جائے کیونکہ یہ حکم ہے کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت خاموشی اختیار کی جائے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ "دعا کے لئے تلفظ شرط نہیں ہے بلکہ اپنے مقصود و مطلوب کا دل میں دھیان رکھنا کافی ہے یعنی دعا کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ دعا کے الفاظ زبان سے ادا کئے جائیں بلکہ یہ بھی کافی ہے کہ دل ہی دل میں دعا مانگ لی جائے اس طرح مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور خطبے کے وقت خاموش رہنے کے شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہوگا۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ "یہ بات مجھے معلوم ہوئی ہے کہ جمعے کی شب میں بھی مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔

صبح اور شام کے وقت فرشتوں کے آنے جانے کا بیان

8 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَلَائِكَةُ يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ ، مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ ، وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ، ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ ، وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ ، كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ قَالُوا: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے نوبت بہ نوبت تمہارے پاس آیا کرتے ہیں اور صبح کی نماز اور عصر کی نماز میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے جنہوں نے تمہارے ساتھ رات گزاری (پروردگار) کے پاس اوپر جاتے ہیں اور وہ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے۔ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں، ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم اس حال میں ان کے پاس گئے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

نماز پڑھ کر اسی جگہ پر بیٹھے رہنے کی فضیلت کا بیان

9 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلَّى فِيهِ، وَتَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے تم میں سے ہر شخص پر اس وقت تک رحمت بھیجتے ہیں جب تک کہ وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر جہاں اس نے نماز پڑھی تھی (بیٹھا) رہے اور وہ کہتے ہیں: یا اللہ! تو اس کی مغفرت کر، یا اللہ تو اس پر رحم کر جب تک کہ اس شخص کا وضو نہ ٹوٹ جائے۔ (رواہ البخاری (477) و مسلم 649)

آمین کہنے کی فضیلت کا بیان

10 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ: آمِينَ وَالْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ: آمِينَ، فَوَافَقَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص: آمین (قبول کر) کہے اور فرشتے بھی آسمان پر آمین

کہیں ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا ساتھ دینا موافق ہو تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے۔

(رواہ البخاری، کتاب الاذان، باب فضل التامین)

قربانی کے جانور پر سوار ہونے کا بیان

11 - وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَدَنَةً مُقَلَّدَةً، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ارْكَبْهَا فَقَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَقَالَ: وَيْلَكَ ارْكَبْهَا: وَيْلَكَ ارْكَبْهَا

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک مرتبہ ایک شخص قربانی کے جانور کو اس کے گلے میں پٹہ ڈالے پیدل ہانکے چلا جا رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو قربانی کا جانور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اس پر سوار ہو جا، تجھ پر افسوس ہے اس پر سوار ہو جا۔

(بخاری و مسلم)

قربانی والے بدنہ پر سواری کی ممانعت کا بیان

جو شخص قربانی لیکر چلا پھر اس پر سواری کرنے کیلئے مجبور ہوا تو وہ سواری کر لے۔ اور اگر اس کو اس پر سواری کرنے کی ضرورت نہ ہو تو سواری نہ کرے۔ تاکہ اس کو اللہ کے لئے خاص کر لے۔ لہٰذا اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کی طرف کسی چیز کو اپنے تصرف میں لائے یا نفع حاصل کرے۔ حتیٰ کہ اس کو اپنی جگہ پر پہنچا دے۔ لیکن جس وقت وہ سواری پر مجبور ہو۔ کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو قربانی کو ہانک رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا برا ہو تو اس پر سوار ہو جا۔ اور اس حدیث کی وضاحت یہ ہے کہ وہ بندہ محتاج و عاجز تھا۔ اور اگر وہ شخص اس سواری پر سوار ہو گیا اور اسکی سواری کی وجہ سے اس میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تو وہ اس آنے والا نقص کا ضامن ہو گا۔ (ہدایہ اولین، کتاب الحج، لاہور)

ہدی پر سوار ہونے کا مسئلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ ہانکتا ہوا جا رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ یہ تو ہدی ہے (میں اس پر کیسے سوار ہو جاؤں؟ وہ یہ سمجھتا تھا کہ ہدی پر سوار ہونا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے پھر کہا کہ یہ ہدی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس پر سوار ہو جاؤ۔ افسوس ہے تم پر کہ میں تمہیں سوار ہونے کے لئے کہتا ہوں اور تم اپنی طرف سے عذر بیان کرتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات دوسری یا تیسری مرتبہ میں فرمائی۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابو زبیر (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہدی پر سوار ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تک کہ تمہیں کوئی اور

سواری نہ ملے اور تم سوار ہونے پر مجبور ہو تو اس ہدی پر (اس) احتیاط کے ساتھ سوار ہو (کہ اسے کوئی ضرر و تکلیف نہ پہنچے) (مسلم)

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں آیا ہدی پر سوار ہونا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر سوار ہونے کی صورت میں ہدی کو کوئی ضرر نہ پہنچے تو اس پر سوار ہونا جائز ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ اگر ضرورت و مجبوری ہو تو ہدی پر سوار ہوا جا سکتا ہے ورنہ نہیں، لہٰذا جن روایتوں میں ہدی پر سوار ہونے کا مطلق طور پر جواز ملتا ہے وہ روایتیں ضرورت و مجبوری پر محمول ہیں۔

جہنم کی آگ کا بیان

12 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نَارُكُمْ هَذِهِ مَا يُوقِدُ بَنُو آدَمَ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ، فَقَالُوا: وَاللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَتَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: فَإِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری یہ آگ جس کو تم بنی آدم سلگاتے ہو حرارت میں دوزخ کی آگ سے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اتنی بھی ہوتی تو ہم کو کافی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ اس سے انہتر درجے زیادہ ہے اور ان میں سے ہر ہر درجہ حرارت میں اتنا ہی ہے۔ (بخاری)

شرح

دنیا کی آگ کا دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی آگ جو درجہ حرارت رکھتی ہے دوزخ کی آگ اس سے ستر درجہ حرارت زیادہ گرم ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ستر کے عدد سے مراد دنیا کی آگ کا مقابلہ پر دوزخ کی آگ کی گرمی کی شدت و زیادتی کو بیان کرنا ہو نہ کہ یہ خاص عدد ہی مراد ہے گویا اصل مفہوم یہ ہوگا کہ دوزخ کی آگ تمہاری دنیا کی آگ کے مقابلہ پر بہت زیادہ درجہ حرارت رکھتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوال کیا گیا، اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ گویا از راہ تاکید اسی جملہ کی تکرار تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں فرمایا تھا اور اس سے جواب کا حاصل یہ نکلا کہ بیشک کسی کو جلانے کے لئے یہ دنیا کی آگ ہی بہت ہے کہ اگر تم کسی انسان کو عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے اس آگ میں ڈال دو تو وہ جل کر کوئلہ ہو جائے گا مگر دوزخ کی آگ جس عذاب الٰہی کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اس کا تقاضا ہے کہ اس کی حرارت و گرمی اس دنیا کی آگ کی حرارت و گرمی سے بہت زیادہ ہوتا کہ اللہ کا عذاب دنیا والوں کے عذاب سے ممتاز رہے اور دوزخ کی اس آگ میں جلنے والوں کو معلوم ہو کہ ان کے اللہ کا عذاب اتنا شدید اور اتنا سخت ہے کہ اگر دنیا میں کوئی شخص انہیں وہاں کی آگ میں جلاتا تو وہ عذاب اس عذاب الٰہی کے مقابلے پر ہیچ ہوتا حاصل یہ کہ دوزخ کی آگ دراصل عذاب الٰہی ہے جیسا کہ اس کا اضافہ عذاب میں ذکر ہوتا ہے اس لئے اس کو دنیا کی بہ نسبت کہیں زیادہ درجہ حرارت رکھنا ہی چاہیے۔

دوزخ کولائے جانے کابیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن (یعنی قیامت کے دن) دوزخ کو (اس جگہ سے کہ جہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے) لایا جائے گا اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے متعین ہوں گے جو اس کو کھینچے ہوئے لائیں گے۔ (رواہ مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 231)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کو لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لائیں گے اور ایسی جگہ رکھ دینگے کہ وہ اہل محشر اور جنت کے درمیان حائل ہو جائے گی اور جنت تک جانے کے لئے اس پل صراط کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوگا جو دوزخ کی پیٹھ پر رکھا ہوگا دوزخ جو ستر ہزار باگیں ہوں گی۔

ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ جب لائی جائے گی تو اہل دوزخ پر اپنی غضب نا کی کا اظہار کر رہی ہوگی اور چاہے گی سب وہ نگل لے اور ہڑپ کر جائے پس نگہبان فرشتے اس کو انہیں باگوں کے ذریعہ روکیں گے اگر اس کی باگیں چھوڑ دی جائیں اور اس کو حملہ آور ہونے سے باز نہ رکھا جائے تو وہ مومن اور کافر سب کو چٹ کر جائے۔

آگ کی جوتیوں کا بیان

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ دوزخیوں میں سے جو شخص سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن کے اوپر آگ کے دو تسمے ہوں گے (یعنی ان جوتیوں کے تلوے بھی آگ کے ہوں گے جو پیروں کے نیچے کے حصے میں ہوں گے اور ان کے تسمے بھی آگ کے ہوں گے جو پیروں کے اوپر کے حصے پر ہوں گے) اور ان دونوں (یعنی جوتیوں کے تلوؤں اور تسموں کی تپش و حرارت سے ان کا دماغ اس طرح جوش مارے گا جس طرح دیگ جوش کھاتی ہے۔ وہ شخص چونکہ دوسرے دوزخیوں کی حالت و کیفیت سے بے خبر ہوگا اس لئے) یہ خیال کرے گا کہ اس سے زیادہ سخت عذاب میں کوئی مبتلا نہیں ہے حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 232)

اس حدیث سے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کے اعتبار سے اہل دوزخ متفاوت ہوں گے کہ کوئی سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا اور کوئی ہلکے عذاب میں۔

رحمت کا غضب پر غالب آنے کا بیان

13 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ، كَتَبَ كِتَابًا عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ، إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے خلقت کو پیدا کیا تو یہ عبارت لکھ دی اور یہ اس کے پاس عرش کے اوپر (موجود) ہے کہ یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ (بخاری و مسلم)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق یعنی زمین آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب لکھی اس میں یہ درج ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے اور وہ کتاب یا مذکورہ عبارت اللہ تعالیٰ کے پاس عرش کے اوپر لکھی ہوئی موجود ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 265)

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کو تمام خلائق سے پوشیدہ رکھا گیا ہے کہ اس کے مندرجات اللہ تعالیٰ کا ایسا راز ہیں جن کو کسی پر کھولا نہیں گیا ہے اور نہ کسی کے علم وادراک کو اس قابل بنایا گیا ہے کہ اس کتاب میں لکھی ہوئی باتوں کو جان اور سمجھ سکے۔ تورپشتی نے لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ اس کتاب سے مراد لوح محفوظ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک ارشاد فہو مکتوب عندہ کے معنی یہ ہوں کہ مذکورہ عبارت لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ نہ ہو بلکہ قضا یعنی فیصلہ الٰہی ہو جس کو حق تعالیٰ نے جاری فرمایا ہے، بہر حال دونوں صورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عندہ فوق العرش میں یہ آگاہی ہے کہ وہ کتاب لکھی گئی اور تمام خلائق کے احاطہ ادراک سے ماوراء رکھی گئی ہیں کہ اس کے مندرجات تک کسی کا علم وفہم نہیں پہنچ سکتا۔

رحمت الٰہی کے غضب الٰہی پر سبقت لے جانے کے معنی یہ ہیں، رحمت کے آثار ومظاہر بہت زیادہ ہیں کہ کیا مؤمن کیا کافر اور کیا متقی کیا گنہگار سب ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے زیر سایہ ہیں جب کہ اس کا غضب بہت کم ظاہر ہوتا ہے اور کبھی کبھی اور کوئی ہی اس کا مورد بنتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شیء۔ میں اپنے عذاب میں ان ہی لوگوں کو مبتلا کرتا ہوں جن کو چاہتا ہوں لیکن میری رحمت نے ہر چیز کو اپنے دامن میں لے رکھا ہے۔

زیادہ رونے اور کم ہنسنے کا بیان

14 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میں جو کچھ جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے ہوتے تو یقیناً روتے زیادہ اور ہنستے کم۔ (بخاری، مسلم)

سورج گرہن کے وقت صدقہ وخیرات کرنے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے (بھی) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایت کی طرح روایت منقول ہے چنانچہ انہوں نے یہ (بھی) فرمایا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو بڑا طویل سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو (آفتاب) روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں کے سامنے) خطبہ ارشاد فرمایا: چنانچہ (پہلے) آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، نہ تو کسی کی موت کی

وجہ انہیں گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے چنانچہ جب تم گرہن دیکھو تو اللہ سے دعا مانگو، تکبیر کہو اور نماز پڑھو نیز اللہ کی راہ میں خیرات کرو۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! قسم ہے پروردگار کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ جب کہ اس کا کوئی بندہ زنا کرتا ہے یا اس کی کوئی بندی زنا میں مبتلاء ہوتی ہے اور اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! قسم ہے خدا کی، اگر تم لوگ وہ چیز جان لو جو میں جانتا ہوں (یعنی یوم آخرت کی ہولناکی اور پروردگار کا غضب) تو اس میں کوئی شک نہیں تمہارا ہنسنا کم اور تمہارا رونا زیادہ ہو جائے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1457)

اس روایت میں سجدہ کی طوالت، خطبہ، دعا، تکبیر، نماز اور خیرات کرنے کا ذکر وحکم اور حدیث کے آخری الفاظ مزید منقول ہیں جب کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ "غیرت" کے اصل معنی ہیں "اپنے حق میں کسی غیر کی شرکت کو برا جاننا۔" اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا مطلب ہے "اپنے احکام میں بندوں کی نافرمانی اور امر ونہی کے خلاف کرنے کو برا جاننا۔" ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی بندی جب زنا میں مبتلا ہوتی ہے تو اس معاملہ میں تمہیں جتنی غیرت محسوس ہوتی ہے اور ان دونوں سے تمہیں جتنی نفرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت اس سے کہیں زیادہ شدید اور اس کی نفرت تمہاری نفرت سے کہیں زیادہ سخت ہوتی ہے۔

روزہ ڈھال ہے

15 –وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصِّيَامُ جُنَّةٌ، فَإِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يَوْمًا صَائِمًا، فَلَا يَجْهَلْ وَلَا يَرْفُثْ فَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ , إِنِّي صَائِمٌ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ ایک ڈھال ہے اگر تم میں سے کوئی شخص کسی دن روزہ رکھے تو اس کو نہ تو جہالت سے پیش آنا چاہیے اور نہ فحش کلامی کرنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص اس لڑائی کرے یا اس کو گالی دے تو یہ کہنا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں، میں روزہ دار ہوں۔ (ترمذی ابن ماجہ)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات کو قید کر دیا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر اس کا کوئی دروازہ بند نہیں رہتا اور اعلان کرنے والا فرشتہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اے بھلائی (یعنی نیکی وثواب) کے طلب گار! اللہ کی طرف متوجہ ہو جا اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے برائی سے باز آ جا کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آگ سے آزاد کرتا ہے یعنی اللہ رب العزت اس ماہ مبارک کے وسیلے میں بہت لوگوں کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ تو بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائے۔

اور یہ اعلان رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔ (ترمذی ابن ماجہ، امام احمد نے بھی اس روایت کو ایک شخص سے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ، رقم الحدیث 465)

ماہ رمضان کے شروع ہوتے ہی شیاطین کو اس لئے قید کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ روزہ داروں کو نہ بہکائیں اور ان کے دلوں وسوسوں اور گندے خیالات کا بیج نہ بوئیں چنانچہ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے ماہ رمضان میں اکثر گناہ گار گناہوں سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں البتہ بعض بد بخت ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس ماہ مبارک میں بھی گناہ و معصیت سے باز نہیں آتے تو اس کی وجہ وہ اثرات ہوتے ہیں جو رمضان سے قبل ایام میں شیطان کے بہکانے کی وجہ سے ان کے طبائع بد میں راسخ ہو جاتے ہیں یعنی چونکہ ان کے ذہن وفکر اور ان کی عملی قوت پہلے ہی سے شیطان کے زیر اثر ہوتی ہے اور ان کا نفس اس کا عادی ہو چکا ہوتا ہے اس لئے ایسے لوگ اپنی عادت سے مجبور ہو کر رمضان میں بھی گناہ و معصیت سے نہیں بچ پاتے۔ اللہ کی طرف متوجہ ہو جا۔ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بندگی اس کی عبادت اور اس کی رضا و خوشنودی کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہنے کی کوشش کر کیونکہ یہ وقت ایسا ہے کہ اگر تھوڑا بھی نیک عمل کیا جائے گا تو اس کا ثواب ملے گا اور معمولی درجہ کی نیکی بھی سعادت و نیک بختی کے اونچے درجے پر پہنچائے گی۔ اسی طرح برائی سے باز آجا۔ کا مطلب یہ ہے کہ گناہ و معصیت کے راستے کو چھوڑ دے، نیکی و بہتری کی راہ اپنا لے اپنے کئے ہوئے گناہوں سے توبہ کر اور اللہ کی طرف اپنی توجہ لگا دے کیونکہ قبولیت دعا اور مغفرت کا یہ بہترین وقت ہے۔

روزے کی جزاء کا بیان

16 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، يَذَرُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ جَرَّاىَ، فَالصِّيَامُ لِى وَأَنَا أَجْزِى بِهِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ یقیناً روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے پاس مشک کی بو سے زیادہ اچھی ہے (اللہ کہے گا) کہ وہ اپنی خواہش، اپنا کھانا اور پینا میری خاطر چھوڑ دیتا ہے پس روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

شرح

روزہ اور اس کے ثواب کی اس فضیلت کے دو سبب ہیں اول تو یہ کہ روزہ دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے، دوسری عبادتوں کے برخلاف کہ ان میں یہ وصف نہیں ہے جتنی بھی عبادات ہیں وہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آتی ہیں جب کہ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے سوا صرف روزہ دار ہی کو ہوتا ہے۔ لہٰذا روزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوتا ہے کہ اس میں ریاء اور نمائش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد فانہ لی کے ذریعے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ روزہ خاص میرے ہی لئے ہے کیونکہ روزہ تو صورۃ اپنے لئے وجود نہیں رکھتا جب کہ دوسری عبادتیں صورتا اپنے لئے وجود رکھتی ہیں۔

دوم یہ کہ روزہ میں نفس کشی اور جسم و بدن کا ہلکان ونقصان ہے نیز روزہ کی حالت میں انتہائی کرب و تکلیف کی صورتیں بھوک و پیاس پیش آتی ہیں اور ان پر صبر کرنا پڑتا ہے جب کہ دوسری عبادتوں میں نہ اتنی تکلیف و مشقت ہوتی ہے اور نہ اپنی خواہش و طبیعت پر اتنا جبر چنانچہ باری تعالیٰ نے اپنے ارشاد یدع شہوتہ کے ذریعے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ روزہ دار اپنی خواہش کو چھوڑ دیتا ہے یعنی

روزہ کی حالت میں جو چیزیں ممنوع ہیں وہ ان سب سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔لفظ شہوتہ کے بعد لفظ طعامہ کا ذکر کیا تو تخصیص بعد تعمیم کے طور پر ہے یا پھر شہوت سے مراد تو جماع ہے اور طعام سے جماع کے علاوہ دوسری چیزیں مراد ہیں جو روزہ کو توڑنے والی ہوتی ہیں۔

افطار کے وقت روزہ دار کو خوشی دو وجہ سے ہو سکتی ہے یا تو اس لئے کہ وہی وہ وقت ہوتا ہے جب کہ روزہ دار اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے حکم اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ محسوس کرتا ہے، یا پھر یہ کہ وہ عبادت کی توفیق اور اس کی نورانیت کی وجہ سے اپنے آپ کو مطمئن و مسرور محسوس کرتا ہے، جو ظاہر ہے کہ خوشی کا سبب ہے اس کے علاوہ دنیاوی اور جسمانی طور پر بھی یوں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ دن بھر کی بھوک و پیاس کے بعد اسے کھانے پینے کو ملتا ہے۔

حدیث کے آخری جملے کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ دار کو برا بھلا کہے یا اس سے لڑنے کا ارادہ کرے تو وہ اس شخص کو انتقاما برا بھلا نہ کہے اور نہ اس سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو جائے بلکہ اس شکص سے یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں اور یہ بات یا تو زبان سے کہے تا کہ دشمن اپنے ناپاک ارادوں سے باز رہے کیونکہ جب روزہ دار اپنے مقابل سے یہ کہے گا کہ میں روزہ دار ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں چونکہ روزہ دار ہوں اس لئے میرے لئے تو یہ جائز نہیں کہ میں تم سے لڑوں جھگڑوں اور جب میں خود لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں تو تمہارے لئے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ ایسی صورت میں تم مجھ سے لڑائی جھگڑے کا ارادہ کرو کیونکہ یہ اصول و مروت کے خلاف ہے ظاہر ہے کہ یہ انداز اور پیرایہ دشمن کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنے غلط ارادوں سے باز رہے۔
یا اس کے یہ معنی ہوں کہ میں چونکہ روزہ دار ہوں اس لئے اس وقت تمہارے لئے زبان درازی مناسب اور لائق نہیں کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اس کی حفاظت میں ہوں۔ یا پھر یہ کہ ایسے موقع پر روزہ دار اپنے دل میں یہ کہہ لے کہ میں روزہ دار ہوں میرے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ میں روزہ حالت میں کسی سے لڑائی جھگڑا کروں یا کسی کو اپنی زبان سے برا کہوں۔

لفظ "الا الصوم" کے سلسلے میں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے لکھا ہے کہ حدیث کے بعض شارحین اس موقع پر کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ روزہ کی یہ خصوصیت کس وجہ سے ہے؟ تاہم ہمارے اوپر یہ بات واجب اور لازم ہے کہ بغیر کسی شک وشبہہ کے اس کی تصدیق کرے ہاں بعض محققین علماء نے اس خصوصیت کے کچھ اسباب بیان کئے ہیں چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ روزہ ہی وہ عبادت ہے جو ایام جاہلیت میں بھی اہل عرب کے یہاں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص تھی یعنی جس طرح کفار و مشرکین سجدہ وغیرہ اللہ کے علاوہ دوسری چیزون کے لئے بھی کرتے تھے اسی طرح وہ روزہ میں بھی اللہ کے علاوہ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے بلکہ روزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے رکھتے تھے۔

اس طرح اس نکتہ کے ذریعے بھی اس کی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ درحقیقت جو شخص روزہ رکھتا ہے اور اس طرح وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضاء کی خاطر اپنا کھانا پینا اور دوسری خواہشات کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ ایک طرح کی لطافت و پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور گویا وہ اس بارے میں باری تعالیٰ کے اوصاف و خلق کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے بایں طور کہ جس طرح اللہ رب العزت کھانے پینے سے منزہ اور پاک ہے اس طرح بھی دن میں اپنے آپ کو دنیاوی خواہشات و علائق سے منزہ

رکھتا ہے لہٰذا اس سبب سے روزہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے۔عبرت خیز وعبرت آموز! ابھی آپ نے اوپر پڑھا ہے کہ عرب کے مشرکین تک روزہ میں کسی کو اللہ کا شریک نہیں کرتے تھے ان کا روزہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص قرار دیتے تھے لیکن اب روزہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں رہ گیا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اب بعض بزرگوں کے نام پر اوران کے لئے بھی روزہ رکھا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو گمراہی وضلالت کے اس راستے سے بچائے اور صرف اپنی مرضیات تابع و پابند بنائے آمین۔

چیونٹیوں کو جلانے کی ممانعت کا بیان

17 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَزَلَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ تَحْتَ شَجَرَةٍ، فَلَدَغَتْهُ نَمْلَةٌ فَأَمَرَ بِجَهَازِهِ فَأُخْرِجَ مِنْ تَحْتِهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَأُحْرِقَتْ فِي النَّارِ، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ: فَهَلَّا نَمْلَةً وَاحِدَةً

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نبیوں میں سے ایک نبی ایک درخت کے نیچے اترے تو ایک چیونٹی نے انہیں کاٹا، اس پر انہوں نے اپنا سامان وہاں سے نکلوایا اسے آگ لگوا کر جلا ڈالا اس پر (اللہ نے) ان کی طرف وحی کی کہ کیا (قصور) صرف ایک چیونٹی کا نہ تھا؟

جہاد کی اہمیت کا بیان

18 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، وَلَكِنْ لَا أَجِدُ سَعَةً فَأَحْمِلَهُمْ، وَلَا يَجِدُونَ سَعَةً فَيَتَّبِعُونِي، وَلَا تَطِيبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَقْعُدُوا بَعْدِي

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔اگر مومنوں پر دشواری کا احتمال نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والی کسی جماعت کے پیچھے نہ بیٹھتا لیکن میں اتنی گنجائش نہیں پاتا کہ ان سب کے لئے سواری کا انتظام کروں، اور وہ بھی اتنی گنجائش نہیں پاتے کہ میرے ساتھ ساتھ آئیں اور ان کا جی خوش نہیں ہوتا کہ میرے پیچھے بیٹھے رہیں۔

انبیائے کرام کی خاص دعاؤں کا بیان

19 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ تُسْتَجَابُ لَهُ فَأُرِيدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَنْ أُؤَخِّرَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ایک نبی کی، ایک منہ مانگی دعا ضرور قبول کی جاتی ہے (اوروں نے اس کو اس دنیا ہی میں پورا کرالیا) ان شاء اللہ میرا ارادہ ہے کہ اسے امت کی شفاعت کے لئے قیامت کے دن تک ملتوی کروں۔(ترمذی، ابوداؤد)

شرح

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری شفاعت صرف امت کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی۔ (ترمذی، ابوداؤد، رقم الحدیث 166)

اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ مطلب یہ کہ کبیرہ گناہوں کی معافی میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے حق میں مخصوص ہوگی، دوسری امتوں کے لوگوں کے لئے نہیں ہوگی۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ یہاں جس شفاعت کا ذکر ہے اس سے وہ شفاعت مراد ہے عذاب سے نجات اور خلاصی دلانے کے لئے ہوگی، ورنہ وہ شفاعت جو درجات کی بلندی واعزاز واکرامات میں اضافہ کے لئے ہوگی اتقیاء "اولیاء اور صلحاء کے حق میں بھی ثابت ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک قیامت کے دن شفاعت وسفارش کا ہونا اس آیت سے ثابت ہے۔ (يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ، طہ:109)" اس دن کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔" نیز اس بارے میں اتنی زیادہ احادیث منقول ہیں کہ وہ سب مل کر حد تواتر کو پہنچتی ہیں اس لئے تمام سلف صالحین (صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین وغیرہ) اور تمام اہل سنت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے، ہاں خوارج اور معتزلہ کے بعض طبقے اس کے منکر ہیں اور وہ قیامت کے دن شفاعت کے قائل نہیں ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ " شفاعت " کی پانچ قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے مخصوص ہے، اس شفاعت کا حق واذن کسی اور کو حاصل نہیں ہوگا اور یہ شفاعت وہ ہوگی جس کا تعلق تمام لوگوں کو موقف (میدان حشر میں کھڑے رہنے، کی ہولناکیوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا دلا کر حساب وکتاب جلد شروع کرانے سے ہوگا۔ دوسری قسم وہ ہے جو کچھ لوگوں کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دینے کے لئے ہوگی اور اس شفاعت کا ثبوت بھی صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منقول ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں دوزخ کا مستوجب قرار دیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی شفاعت ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے چوتھی قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈالا جا چکا ہوگا، پس ان لوگوں کی شفاعت کے سلسلے میں جو حدیثیں منقول ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، فرشتوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی جانب سے کی جانے والی شفاعت کے نتیجہ میں دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچائے جائیں گے اور پھر آخر میں خود اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت کے تحت ان لوگوں کو عذاب دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا، جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہوگا اور پانچویں قسم وہ ہے جس کا تعلق جنت میں اہل جنت کے درجات میں بلندی اور اعزاز وکرامات میں اضافہ سے ہوگا۔

اللہ سے ملاقات پسند کرنے کا بیان

20 – وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ، وَمَنْ لَمْ

يُحِبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ لَمْ يُحِبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے ملاقات پسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملاقات پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملاقات پسند نہیں کرتا تو اللہ بھی اس سے ملاقات پسند نہیں کرتا۔ (بخاری، مسلم، جامع ترمذی)

شرح

حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا ہے" (یہ سن کر) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی اور زوجہ مطہرہ نے عرض کیا کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ مراد) نہیں بلکہ (مراد یہ ہے کہ) جب مؤمن کی موت آتی ہے تو اس بات کی خوشخبری دی جاتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے اور اسے بزرگ رکھتا ہے چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی اللہ کے ہاں اپنے اس فضیلت و مرتبہ سے) زیادہ کسی چیز (یعنی دنیا اور دنیا کی چمک دمک) کو محبوب نہیں رکھتا، اس لئے بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کو موت آتی ہے تو اسے (قبر میں) اللہ کے عذاب اور (دوزخ کی سخت ترین) سزا کی خبر دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی عذاب وسزا) سے زیادہ کسی اور چیز کو ناپسند نہیں کرتا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (یعنی اسے اپنی رحمت اور مزید نعمت سے دور رکھتا ہے) اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں منقول ہے کہ موت اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 80)

مشہور تو یہی ہے کہ لقاء مولیٰ (یعنی اللہ کی ملاقات) سے مراد موت ہے، لیکن اس بارہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ لقاء مولیٰ سے "موت" مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آخرت کی طرف متوجہ ہونا حق تعالیٰ کی رحمت ومغفرت اور اس کی رضا وخوشنودی کا طالب ہونا، دنیا کی طرف مائل نہ ہونا اور دنیا وآخرت کی محبت میں گرفتار نہ ہونا۔ لہٰذا جس شخص نے دنیا ترک کی اور دنیا اور اس کی چیزوں کو ناپسند کیا اس نے گویا لقاء مولیٰ کو پسند کیا! اور جس شخص نے دنیا کو اختیار کیا، دنیا کی چیزوں کی محبت میں گرفتار ہوا اور دنیا کی طرف اپنا میلان رکھا اس نے گویا لقاء مولیٰ کو ناپسند رکھا! یہی وجہ ہے کہ لقاء مولیٰ کا اشتیاق موت کی محبت اور اس کے اشتیاق کو لازم ہے یعنی جو شخص لقاء مولیٰ کو پسند کرے گا وہ موت کو بھی پسند کرے گا کیونکہ لقاء مولیٰ کے لئے موت وسیلہ ہے۔ ام المؤمنین چونکہ یہی سمجھیں تھیں کہ لقاء مولیٰ سے مراد موت ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد "لیس الامر کذالک" کے ذریعہ وضاحت فرمائی کہ لقاء مولیٰ سے مراد موت نہیں ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ بتقاضائے جبلت طبعی موت سے محبت ہو اور بالفعل موت کی آرزو کرنی چاہئے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو شخص رضاء حق کا طالب ہو اور لقاء مولیٰ کا شائق ہوتا ہے، وہ لقاء مولیٰ کے لئے وسیلہ ہونے کی وجہ سے موت کو ہمیشہ عقلی طور پر محبوب رکھتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب زندگی کا وقت پورا ہونے لگتا ہے اور موت کا وقت قریب آتا ہے

اور اسے حق تعالیٰ کی رضاو خوشنودی کی خوشخبری دیدی جاتی ہے تو پھر اس وقت وہ موت کو طبعی طور پر پسند کرتا ہے اور لقاء مولیٰ کا اشتیاق اس کی طبعی خواہش کی آواز بن جاتا ہے چنانچہ حدیث کے الفاظ ولکن المؤمن الخ (یعنی جب مؤمن کو موت آتی ہے تو اس بات کی خوشخبری دی جاتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے الخ) اس بات کی وضاحت کررہے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ "موت اللہ کی ملاقات سے پہلے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار موت سے پہلے ممکن نہیں ہے بلکہ موت کے بعد ہی یہ شرف حاصل ہوتا ہے یا پھر یہ مراد ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے وہ موت کو بھی پسند کرتا ہے کیونکہ اس عظیم شرف و سعادت کا حصول موت کے ذریعہ سے ممکن ہے اور یہ کہ لقاء الٰہی کا وجود موت کے وجود سے پہلے متصور نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ لقاء الٰہی اور موت دنوں ایک چیز نہیں ہیں بلکہ دونوں الگ الگ مفہوم کے حامل ہیں۔

امیر المؤمنین کی اطاعت کرنے کا بیان

21 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ يَعْصِنِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری اطاعت کی گویا اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی اور جس شخص نے میری نافرمانی کی تو گویا اس نے اللہ ہی کی نافرمانی کی، اور جس شخص نے (میرے مقرر کردہ) امیر کی اطاعت کی گویا اس نے میری ہی اطاعت کی اور جس نے (میرے) امیر کی نافرمانی کی تو گویا اس نے میری ہی نافرمانی کی۔

(بخاری و مسلم)

شرح

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری فرمانبرداری کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس شخص نے میری نافرمانی کی اس شخص نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس شخص نے اپنے امیر (سردار) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس شخص نے اپنے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی! اور یاد رکھو، امام یعنی سربراہ مملکت (مسلمانوں کے لئے) ڈھال کی مانند ہے جس کے پیچھے سے (یعنی اس کی طاقت کے بل بوتہ پر) جنگ کی جاتی ہے اور جس کے ذریعہ (دشمنوں کی آفات و بلیات سے) حفاظت حاصل کی جاتی ہے! پس (اگر وہ (امام) اللہ سے ڈر کر (اس کے قانون کے مطابق) فیصلہ کرے اور عدل و انصاف سے کام لے تو اس کی وجہ سے وہ امام بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر وہ ایسا نہ کرے۔ (یعنی اس کے احکام و فیصلے، اللہ کے خوف، قانون الٰہی کی روح اور عدل و انصاف سے خالی ہوں) تو اس کی وجہ سے وہ سخت گنہگار ہوگا۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ، رقم الحدیث 803)

امام (سربراہ مملکت) کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے یہ ہے کہ جس طرح ڈھال جنگ میں (دشمن کے تیر و تلوار سے بچاتی ہے اسی طرح امام کا وجود، مسلمانوں کو دشمنان دین کے حملوں اور ان کی آفات و بلاؤں سے بچانے کا باعث ہے۔

قرب قیامت قتل کے عام ہونے کا بیان

22 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيضَ حَتّٰى يُهِمَّ رَبُّ الْمَالِ مَنْ يَتَقَبَّلُ مِنْهُ صَدَقَتَهُ . قَالَ: وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيَقْتَرِبُ الزَّمَانُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ، قَالُوا: الْهَرْجُ مَا هُوَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ تم میں مال کی کثرت نہ ہو جائے، وہ بہا بہا پھرے گا یہاں تک کہ مالدار کو اس بات کی فکر ہوگی کہ اس سے اس کا صدقہ (زکوٰۃ) کون قبول کرے گا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور علم اٹھا لیا جائے گا، اور زمانہ (قیامت سے) قریب تر ہو جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے اور ہرج کثرت سے ہوگا (لوگوں نے کہا) یا رسول اللہ! ہرج کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل، خونریزی۔ (بخاری ومسلم)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ وقت بھی آنے والا ہے جب زمانے ایک دوسرے کے قریب ہوں گے علم اٹھا لیا جائے گا، فتنے پھوٹ پڑیں گے بخل ڈالا جائے گا اور ہرج زیادہ ہوگا۔ صحابہ نے یہ سن کر عرض کیا کہ ہرج کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ رقم الحدیث 1321)

زمانے ایک دوسرے کے قریب ہوں گے" کا مطلب یا تو یہ ہے کہ کہ اس وقت دنیا کا زمانہ اور آخرت کا زمانہ ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے، اس صورت میں قیامت کا قریب ہونا مراد ہوگا یا اس جملہ سے مراد زمانہ والوں میں سے بعض کا بعض کے ساتھ برائی اور بدی کے تعلق سے قریب ہونا ہے۔ یعنی اس زمانہ میں جو برے اور بدکار لوگ ہوں گے وہ ایک دوسرے کے قریب ونزدیک آ جائیں گے، یا یہ مطلب ہے کہ خود زمانہ کے اجزاء بدی و برائی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب اور مشابہ ہوں گے یعنی ایک زمانہ برائی اور بدی کا ماحول لئے ہوئے آئے گا اور اس کے بعد پھر دوسرا زمانہ بھی اسی طرح آئے گا، یا یہ مطلب ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں حکومتیں دیرپا نہیں ہوں گی اور مختلف انقلابات اور عوامل بہت مختصر مختصر عرصہ میں حکومتوں کو بدلتے رہیں گے۔

اور بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا کہ آخر میں جو زمانہ آئے گا اس میں لوگوں کی عمریں بہت چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ جملہ دراصل گناہوں کے سبب زمانہ سے برکت کے ختم ہو جانے سے کنایہ ہو، یعنی آخر زمانہ میں جب کہ گناہوں کی کثرت ہو جائے اور لوگ دین شریعت کے تقاضوں اور اللہ وآخرت کے خوف سے بے پرواہ ہو کر عیش وعشرت اور راحت وغفلت میں پڑ جائیں گے تو زمانہ سے برکت نکل جائے گی اور اس کے شب و روز کی گردش اتنی تیز اور دن رات کی مدت اتنی مختصر محسوس ہونے لگے گی کہ سالوں پہلے گزرا ہوا کوئی واقعہ کل کی بات معلوم ہوگا اور ہر وقت کی کمی کا شکوہ رنج نظر آئے گا۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ آخر زمانہ میں وقت اس طرح جلدی گزرے گا کہ ایک سال ایک مہینے کے برابر اور ایک مہینہ ایک ہفتہ کے برابر اور ایک ہفتہ ایک دن کے برابر معلوم ہوگا۔

"علم اٹھالیا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں مخلص، باعمل اور حقیقی علم کے حامل اٹھالئے جائیں گے اور اس طرح حقیقی علم مفقود ہو جائے گا نیز مختلف علمی فتنوں کا اندھیرا اس طرح پھیل جائے گا کہ علماء سو کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوگا اور ہر طرف ایسا محسوس ہوگا جیسے علم کا چراغ گل ہو گیا ہے اور جہالت و نادانی کی تاریکی طاری ہوگئی ہے۔ "بخل ڈالا جائے گا" مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں لوگوں میں بخل کی خصلت نہایت پختہ ہو جائے گی اور یہ چیز یعنی بخل کی برائی ایک عام وبا کی طرح پھیل جائے گی، نیز لوگ اس بخل کے یہاں تک تابع ہو جائیں گے کہ صنعت وحرفت والے اپنی صنعتی اشیاء کو بنانے اور پیدا کرنے میں بخل و تنگی کرنے لگیں گے اور مال کی تجارت ولین دین کرنے والے لوگ اپنے مال کو چھپا کر بیٹھ جائیں گے یہاں تک کہ ضروری اشیاء کو بھی فراہم کرنے اور دینے سے انکار کرنے لگیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بخل ڈالا جائے گا سے لوگوں میں اصل بخل کا پایا جانا مراد نہیں ہے کیونکہ اصل بخل تو انسان کی جبلت میں پڑا ہوا ہے اور اس اعتبار سے یہ بات پہلے زمانہ کے لوگوں کے بارے میں بھی نہیں کی جاسکتی کہ ان میں سرے سے بخل کا وجود نہیں تھا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ نہیں کیا جا سکتا چونکہ اصل بخل انسان کی جبلت میں پڑا ہوا ہے اس لئے کوئی بھی شخص نہ پہلے زمانوں میں اس خصلت سے کلیۃً محفوظ رکھ سکتا ہے اور جیسا کہ اس آیت (وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ،التغابن: 16) سے واضح ہوتا ہے ایسے پاک نفس انسان سے پہلے بھی گزرے ہیں اب بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی موجود رہیں گے یہ اور بات ہے کہ زمانہ کے اثرات کی وجہ سے ایسے پاک نفسوں کی تعداد ہر آنے والے زمانہ میں پہلے سے کم ہوتی جائے۔ "ہرج" کے معنی ہیں فتنہ اور خرابی میں پڑنا۔

قاموس میں لکھا ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہرج الناس تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں لوگ فتنے میں پڑ گئے اور قتل واختلاط یعنی خونریزی اور کاموں کے خلط ملط ہو جانے کی وجہ سے اچھے برے کی تمیز نہ کر سکنے کی آفت میں مبتلا ہو گئے پس اس ارشاد گرامی " ہرج" سے مراد خاص طور پر وہ قتل وخونریزی ہے جو مسلمانوں کے باہمی افتراق وانتشار کے فتنہ کی صورت میں اور اچھے برے کاموں کی تمیز مفقود ہونے کی وجہ سے پھیل جائے۔

علامات قیامت کا بیان

23 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيمَتَانِ تَكُونُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ وَدَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک دو بڑی جماعتیں آپس میں جنگ نہ کریں، ان دونوں کے درمیان بڑی جنگ ہوگی اور ان دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔

قیامت سے پہلے تیس جھوٹے دجالوں کے آنے کا بیان

24 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ

قَرِیبٌ مِنْ ثَلَاثِینَ كُلُّهُمْ یَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ تقریباً تیس (۳۰) جھوٹے دجال نہ نکلیں، ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، ذکر الفتن ودلائلہا، آفتاب عالم پریس، لاہور (2) صحیح البخاری، کتاب الفتن، قدیمی کتب خانہ، کراچی، مسلم، ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل)

قربِ قیامت سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا بیان

25 -وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ، وَذَلِكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک آفتاب اپنے مغرب سے نہ نکلے۔ (پھر اس کے بعد) جب آفتاب طلوع ہوگا اور لوگ اس کو دیکھیں گے تو سب کے سب ایمان لائیں گے لیکن یہ اس وقت ہوگا جب کہ کسی شخص کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہ پہنچائے گا کہ اس سے پہلے نہ تو ایمان لایا تھا اور نہ ہی اپنے ایمان سے کوئی بھلائی حاصل کی تھی۔ (بخاری، مسلم وغیرہ)

شرح

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن جب کہ آفتاب غروب ہو رہا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے لگے، جانتے ہو یہ آفتاب کہاں جا رہا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آفتاب جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے، پھر حضور رب العزت میں حاضری کی اجازت مانگتا ہے، اس کو اجازت عطا ہوتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مشرق کی طرف لے جائے اور وہاں سے طلوع کرے اور یاد رکھو وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب آفتاب (اپنے معمول کے مطابق سجدہ کرے گا لیکن اس کا سجدہ قبول نہیں ہوگا اور اجازت چاہے گا لیکن اس کو اجازت عطا نہیں ہوگی اور یہ حکم دیا جائے گا کہ جس طرف سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ والشمس تجری لمستقر لها (یعنی آفتاب اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (آفتاب کے مستقر کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ آفتاب کا مستقر یعنی اس کے ٹھہرنے کی جگہ عرش کے نیچے ہے۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 34)

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث میں فانها تذهب حتى تسجد تحت العرش کے الفاظ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں ہیں جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حتى بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب في عين حمية کیونکہ اس آیت کی

مراداصل حدنظر کو بیان کرنا ہے، جب کہ یہاں حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سورج ڈوبنے کی جو بات فرمائی گئی ہے اس کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آفتاب عرش کے نیچے پہنچ کر مستقر ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے مستقر ہونے کی کیفیت وحقیقت کیا ہوتی ہے تو اس کا ادراک اظہار انسانی علم کے احاطہ سے باہر ہے۔ لفظ تستاذن میں استیذان سے مراد " حضور حق میں حاضری کی اجازت چاہنا۔" لیا گیا ہے، لیکن اس لفظ کا زیادہ واضح مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ آفتاب عرش کے نیچے سجدہ ریز ہونے کے بعد اپنے معمول کے مطابق طلوع کرنے کی اجازت چاہتا ہو اور اس کو وہ اجازت ہوتی ہے۔ آفتاب کا مستقر عرش کے نیچے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں سجدہ کرتا ہے پھر وہ اجازت طلب کرتا ہے جس پر اس کو اجازت دی جاتی ہے واضح رہے کہ مذکورہ آیت (وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَ ، یس:38) کی تفسیر میں بیضاوی نے مستقر" کے کئی معنی بیان کئے ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے "مستقر" کی اس وضاحت کو قطعاً ذکر نہیں کیا ہے جو بخاری و مسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے اور جس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ "مستقر" سے کیا مراد ہے۔

شیطان اذان نہ سننے کیلئے دور بھاگتا ہے

26 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا نُودِیَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّیْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ حَتَّی لَا یَسْمَعَ التَّأْذِینَ، فَإِذَا قُضِیَ التَّأْذِینُ أَقْبَلَ حَتَّی إِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ حَتَّی إِذَا قُضِیَ التَّثْوِیبُ أَقْبَلَ، یَخْطِرُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ وَیَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا اذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ یَكُنْ یَذْكُرُ مِنْ قَبْلُ؛ حَتَّی یَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ یَدْرِی كَیْفَ صَلَّی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تا کہ اذان سنائی نہ دے۔ جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو وہ پھر آ جاتا ہے یہاں تک کہ جب نماز کے لئے اقامت کہی جاتی ہے تو پیٹھ پھیر کر پھر چلا جاتا ہے پھر جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو آدمی اور اس کے نفس کے درمیان خطرہ ڈالنے کے لئے چلا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر جو اس سے پہلے یاد نہیں آتی تھی۔ یہاں تک آدمی یہ جاننے کے قابل نہیں رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی۔

خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

27– وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: یَمِینُ اللّٰهِ مَلْأَی لَا یَغِیضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ، أَرَأَیْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ یَنْقُصْ مِمَّا فِی یَمِینِهِ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَی الْمَاءِ، وَبِیَدِهِ الْأُخْرَی الْقَبْضُ یَرْفَعُ وَیَخْفِضُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا سیدھا ہاتھ بھرا ہوا ہے، دن رات کے مسلسل خرچ کرنے سے بھی وہ خالی نہیں ہوتا۔ دیکھو تو کہ جب سے کہ اس نے آسمان اور زمین پیدا کیے کیا کچھ نہیں خرچ کیا؟ مگر اس کے سیدھے ہاتھ میں

جو کچھ ہے وہ کم نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عرش (تکت) پانی پر ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں روک لینے کی قابلیت ہے، وہی بلند کرتا ہے اور وہی پست کرتا ہے۔

عرش کے پانی پر ہونے کا بیان

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ (مشہور اور عظیم قبیلہ) بنوتمیم کے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ بنوتمیم کے لوگوں بشارت حاصل کرو، انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دین کی تعلیمات کی صورت میں) بشارت تو ہمیں عطا فرمادی، اب کچھ اور بھی عنایت فرما دیجئے۔ پھر کچھ دیر بعد یمن کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ (یمن کے لوگوں تم بشارت حاصل کرلو، بنوتمیم کے لوگوں نے تو بشارت حاصل نہیں کی، یمن والوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بشارت حاصل کی اور ہم اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی معلومات اور دینی شعور وفہم حاصل کریں، چنانچہ ہم آپ سے ابتدائے آفرینش اور مبداء عالم کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس (کائنات کے وجود میں آنے اور مخلوقات کی پیدائش) سے پہلے کیا چیز موجود تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صرف اللہ کی ذات موجود تھی (ازل الازال میں) اس کے ساتھ اور اس کے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھا۔ (حدیث کے راوی حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہیں تک سن پایا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ عمران جاؤ اپنی اونٹنی کو تلاش کرو وہ بھاگ گئی ہے (یہ سنتے ہی میں اپنی اونٹنی کو تلاش کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا اور اب میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کاش میں اس وقت مجلس نبوی سے اٹھ کر نہ جاتا بھلے ہی میری اونٹنی جاتی رہتی۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 263)

اس موقع پر بنوتمیم کے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کا مطمح نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتساب دین اور حصول معرفت سے زیادہ کوئی دنیاوی طلب وخواہش تھی، اس لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ بشارت حاصل کرو، یعنی مجھ سے ایسی چیز حاصل کرو اور وہ بات قبول کرو جو جنت کی نعمتوں اور دونوں جہان کی سعادتوں کے حصول کی بشارت کا موجب ہے جیسے دین کے عقائد واحکام سیکھنا اور مذہبی معلومات حاصل کرنا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ بشارت ہمارے سرآنکھوں پر، دینی عقائد واحکام سیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہمیں تسلیم، لیکن اس وقت ہمارا اصل مقصد کچھ دنیاوی چیزوں کا حاصل کرنا ہے آپ تو ہماری وہ دنیاوی طلب وخواہش پوری فرما دیجئے پس ان لوگوں نے چونکہ فانی دنیا کو زیادہ اہم جانا اور اس کو مذہبی تعلیمات اور دینی فہم وشعور حاصل کرنے پر کہ جو آخرت کے اجر وثواب اور دارین کی فلاح وسعادت کا باعث ہے، فوقیت دی۔

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو ان کی عدم لیاقت اور یقین واعتماد میں ان کے ضعف وکمزوری پر محمول

فرمایا اور از راہ غصہ ان کی طرف سے وہ بشارت کو قبول کیے جانے کی نفی فرمادی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے لوگوں سے فرمایا کہ بنوتمیم کے لوگوں نے تو بشارت حاصل کی نہیں، تم ہی لوگ اس بشارت کو حاصل کرلو۔ بنوتمیم کے لوگوں کے بعد یمن کے لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ان کی نیت چونکہ بالکل اور سچی تھی اور ان کی آمد کا اصل مقصد ہی یہ پاک جذبہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دین کی باتیں سیکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے اپنے عقیدہ وایمان کو تازگی بخشیں نہ کہ وہ دنیا کی چیز حاصل کرنے یا کسی پست مقصد کے لئے حاضر ہوئے تھے لہٰذا ان کو بشارت حاصل ہوئی طاعت وقبول کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔ علم وعمل ان کا نصیب بنا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے جب کہ بنوتمیم کے لوگ دنیا طلبی کے چکر میں پڑ کر ان سعادتوں اور نعمتوں سے محروم رہے اور ان کی کم نظری اور پست ہمتی نہ ان کو نیچے گرادیا اس سے معلوم ہوا کہ بندہ مؤمن کو ہمیشہ بلند نظر عالی ہمت اور پاک مقصد ہونا چاہیے کیونکہ بلند نظری عالی ہمتی اور مقصد کی پاکی بڑے سے بڑے درجہ ومرتبہ کو پہنچادیتی ہے اور دارین کی فلاح وسعادت سے نوازتی ہے۔

ایک بزرگ حضرت شیخ ابوالعباس مرصی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک دن حضرت امیر حمزہ کی تربت کی زیارت کے ارادے سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ایک شخص بھی ان کے ساتھ ہولیا جو وہ حضرت امیر حمزہ کے مقبرہ پر پہنچے تو خلاف معمول حضرت شیخ ابوالعباس کے لئے خاص طور پر مقبرہ کا دروازہ کھولا گیا وہ اندر داخل ہوئے اور تربت پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ عالم غیب کے کچھ لوگوں کی ایک جماعت کسی بھی طرح کی کمی اور عیب سے پاک اپنے اجسام کے ساتھ موجود ہے حضرت شیخ ان کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ ساعت قبولیت ہے یہاں پروردگار سے جو کچھ بھی طلب کیا جائے حاصل ہوگا چنانچہ انہوں نے پروردگار سے دنیا وآخرت میں عفو وعافیت کی دعا مانگی اور پھر از راہ ہم دردی اور شفقت اپنے ساتھی سے کہا کہ میرے عزیز اللہ تعالیٰ سے جو کچھ چاہتے ہو مانگ لو، کیونکہ یہ دعا کی قبولیت اور فضل ربی حاصل ہونے کا وقت ہے اس شخص نے بڑی پست ہمتی دکھائی اور ایک دینار کی دعا مانگی (کہ پروردگار مجھے ایک دینار عطا کردے) نہ تو اس نے آخرت کا کوئی ذکر کیا اور نہ جنت ودوزخ کے بارے میں کچھ عرض مدعا کیا۔ اس کے بعد وہ دونوں مقبرہ سے نکلے اور واپسی کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑے اور مدینہ شہر میں داخل ہوئے تو اہل مدینہ میں سے کسی نے اس شخص کے ہاتھ میں ایک دینار تھمادیا پھر شہر میں پہنچ کر وہ دونوں اس زمانے کے مشہور قطب وولی حضرت سید ابوالحسن شاذلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت شاذلی پر ان دونوں کا پورا قصہ منکشف ہوگیا انہوں نے بڑے تأسف کے ساتھ اس شخص سے کہا کہ ارے پست ہمت تجھے قبولیت دعا کا وقت نصیب ہوا اور تو نے ذلیل دنیا کا ایک حقیر ٹکڑا مانگنے پر اکتفا کیا؟ آخر تو نے ابوالعباس کی طرح عفو وعافیت کی دعا کیوں نہیں مانگی یہ تو وہ نعمت ہے جو تجھے حاصل ہوجاتی تو تیری دنیا بھی تیرے قدموں میں آجاتی اور تیری عاقبت بھی سنور جاتی صرف اللہ کی ذات موجود تھی یعنی جس طرح اس کی پاک ذات ابدالاباد تک رہنے والی ہے اسی طرح ازل الازال میں بھی صرف اسی کی ذات تھی کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے موجود ہے اور اس سے پہلے کسی بھی چیز کا وجود نہیں تھا، جس طرح اس کے لئے کوئی انتہا واختتام نہیں ہے اسی طرح اس کے لئے کوئی ابتدا نہیں ہے، اس کی ذات اور اس کا وجود تغیر وحدث سے پاک ومبرا ہے جو اس کے بندوں اور اس

کی مخلوق کا خاصہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نہ پہلے کبھی اس کی ذات عدم میں تھی اور نہ آئندہ کبھی وہ عدم میں ہوگا کیونکہ جو ذات ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے قائم وباقی ہے اس کا عدم محال ہے۔

"اللہ تعالیٰ سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں تھا یہ پہلے جملہ کی وضاحت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے علاوہ ہر چیز حادث ہے تو اس واجب الوجود سے پہلے کسی اور چیز کے وجود کا تصور تک نہیں ہوسکتا اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق وموجد ہے اس لئے جو بھی چیز وجود میں آئی ہے اسے کے بعد اور اسے کی قدرت تخلیق سے وجود پذیر ہوئی ہے اور اس کا عرش پانی پر تھا الخ، اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے عرش اور پانی کی تخلیق زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے ہوئی ہے نیز شروع میں عرش کے نیچے پانی کے علاوہ زمین وآسمان کی کوئی بھی چیز نہیں تھی پس عرش کا پانی پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عرش اور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی یہ مطلب نہیں ہے کہ عرش پانی کی سطح پر قائم تھا نیز اس پانی سے مراد وہ پانی نہیں ہے جو سمندروں اور دریاؤں میں موجود ہے بلکہ عرش کے نیچے کا وہ پانی قدرت ومشیت الٰہی کا مظہر کوئی اور ہی پانی تھا۔

ابن ملک نے مذکورہ جملہ کی تشریح میں لکھا ہے عرش پانی پر تھا پانی ہوا کی پشت پر تھا اور ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم تھی۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہم کہ عرش اور پانی کی تخلیق آسمان اور زمین کی تخلیق سے پہلے ہوئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پانی سے پیدا فرمایا اس طرح کہ پانی اپنی تجلی ڈالی، تو وہ موجیں مارنے لگا اور اس میں زبردست اتھل پتھل ہوئی جس کے سبب سے اس میں جھاگ پیدا ہوا اور وہ جھاگ جمع ہو کر اس جگہ قائم ہوا جہاں خانہ کعبہ ہے اور اس طرح زمین کا سب سے پہلا ٹکڑا عالم وجود میں آیا اور پھر اسی ٹکڑے سے چاروں طرف زمین پھیلائی گئی اور اس کائنات کا تختہ ارض قائم ہوا، پھر اس تختہ ارض پر پہاڑوں کو پیدا کیا گیا تا کہ زمین ہلنے اور ڈولنے نہ پائے اور پہاڑوں کے دباؤ سے ساکن وجامد رہے اور جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، سب سے پہلے جو پہاڑ پیدا کیا گیا وہ جبل ابوقبیس ہے نیز اس پانی میں تموج اور اضطراب سے دھوئیں کی شکل میں جو بخارات اوپر کی طرف بلند ہوئے ان سے آسمان پیدا ہوئے۔

اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہر چیز کے متعلق لوح محفوظ میں ہر وہ بات لکھ دی ہے جو اس کو پیش آنے والی ہے اور اسی کے مطابق دنیا میں ظہور ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کے لکھنے سے کیا مراد ہے؟ تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حروف والفاظ پیدا فرمائے ہوں جو اس لوح محفوظ میں مرتسم ہو گئے ہوں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس حکم کے مطابق ہر چیز لوح محفوظ میں لکھ دی! یہ واضح رہے کہ لوح محفوظ میں ہر چیز کا لکھا جانا عرش کی بھی تخلیق سے پہلے ہو گیا تھا۔

روایت کے آخری الفاظ کے ذریعہ حضرت عمران ابن حصین نے اپنے تاسف کا اظہار کیا کہ وہ اپنی اونٹنی کے چکر میں پڑ کر ایسے موقع پر مجلس نبوی سے اٹھ گئے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا سلسلہ جاری تھا اور وہ آگے کے ملفوظات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ سن سکے صورت حال یہ ہوئی کہ حضرت عمران مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی اونٹنی دروازے کے باہر باندھ دی تھی، اس دوران کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یمن کے لوگوں کو اس کائنات کے ابتدائے آفرینش اور

مبدء عالم کے بارے میں بتا رہے تھے، کسی شخص نے آ کر حضرت عمران سے کہا کہ تمہاری اونٹنی کھل کر بھاگ گئی ہے جلدی جاؤ اور اس کو پکڑ و اور وہ یہ سنتے ہی مجبوراً اٹھ گئے اور اپنی اونٹنی کو پکڑنے کے لئے چلے گئے پھر بعد میں پشیمان ہوئے کہ میں کیوں اٹھ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت اور ان حقائق وعلوم سے محروم رہ گیا جو اس وقت بیان فرمائے جا رہے تھے۔

28 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أَحَدِكُمْ يَوْمٌ لَا يَرَانِي، ثُمَّ لَأَنْ يَرَانِي أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مِثْلِ أَهْلِهِ وَمَالِهِ مَعَهُمْ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کسی پر ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ مجھے نہ دیکھے گا، اس وقت مجھ کو دیکھنا اسے اس سے زیادہ پسند ہوگا جتنا اپنے اہل وعیال اور مال ومنال کو دیکھنا۔

شرح حدیث شفاعت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن (میدان حشر میں) مؤمنین کو روک دیا جائے گا (یعنی سب کو کسی ایک جگہ اس طرح محصور کر دیا جائے گا کہ کوئی شخص بھی کسی طرح کی نقل وحرکت نہیں کر سکے گا اور ہر شخص سکتے کی سی کیفیت میں ٹھہرا رہے گا) یہاں تک کہ سارے لوگ اس (محصور ہو جانے) کی وجہ سے سخت فکر وتردد میں پڑ جائیں گے، پھر وہ آپس میں تذکرہ کریں گے کہ کاش ہمیں کوئی ایسا شخص مل جاتا جو ہمارے پروردگار سے ہماری شفاعت کرتا اور ہمیں اس سختی وپریشانی سے چھٹکارا دلاتا اور پھر (کچھ لوگ سب کی نمائندگی کرتے ہوئے) حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ آدم علیہ السلام ہیں، تمام لوگوں کے باپ، آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے (بلا کسی واسطہ وسیلہ کے) اپنے ہاتھ سے (یعنی اپنی قدرت کاملہ سے) پیدا کیا، آپ علیہ السلام کو جنت کی سکونت عطا فرمائی اپنے فرشتوں سے (تحیہ کا) سجدہ آپ علیہ السلام کو کرایا اور آپ علیہ السلام کو ہر چیز کے نام سکھائے: براہ کرام آپ علیہ السلام اپنے پروردگار سے (کہ جس نے آپ علیہ السلام کو اتنی زیادہ فضیلتیں اور اعزاز بخشے ہیں) ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ ہم کو اس (سخت ہولناک اور پریشان کن) جگہ سے نکال کر راحت واطمینان بخشے حضرت آدم علیہ السلام (یہ سن کر کہیں گے) کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں (یعنی میں یہ مرتبہ (درجہ نہیں رکھتا کہ آج کے دن بارگاہ کبریائی میں شفاعت کرنے کا حوصلہ کروں) پھر حضرت آدم علیہ السلام اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو انہوں نے (گیہوں کا) درخت کھانے کی صورت میں کی تھی درآنحالیکہ ان کو اس درخت کے قریب جانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا، (اس کے بعد وہ کہیں گے کہ) تم لوگوں کو نوح علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے (وہ تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں) کیونکہ وہ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا تھا) وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کے لئے درخواست کریں گے) حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں! اور وہ اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو انہوں نے بے جانے بوجھے اللہ تعالیٰ سے (اپنے بیٹے کو غرق ہونے سے بچانے کی درخواست کرنے کی صورت میں کی تھی (پھر وہ مشورہ دیں گے کہ) تم لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کے پاس "جو اللہ تعالیٰ کے خلیل

(دوست ہیں، جانا چاہئے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ (یہ سن کر) ابراہیم خلیل اللہ کے پاس آئیں گے (اوران سے شفاعت کی درخواست کریں گے) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوارنہیں ہوں اور وہ دنیا میں تین مرتبہ اپنے توریہ بولنے کا ذکر کریں گے (پھر وہ مشورہ دیں گے کہ) تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جواللہ کے ایسے بندے ہیں جن کواللہ نے (اپنی عظیم الشان کتاب) توریت عطا کی) اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کوان کا تابع بنایا اور جن کو اللہ نے براہ راست اپنی ہمکلامی کے شرف سے نوازا اوران کواپنا کمال قرب عطا فرما کر اپنا محرم اسرار بنایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ (یہ سن کر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اوران سے شفاعت کے لئے درخواست کریں گے) حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوارنہیں ہوں! اور وہ اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جوایک قبطی کوقتل کرنے کی صورت میں سرزد ہوگئی تھی (یعنی انہوں نے طیش میں آکر ایک قبطی کومکا ماردیا تھا جس سے اس کا کام تمام ہوگیا تھا۔ پھر وہ مشورہ دیں گے کہ تمہیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے جواللہ کے بندے اور رسول علیہ السلام ہیں۔ وہ سراسر روحانی ہیں (کہ جسمانی مادہ کے بغیر محض اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ (یہ سن کر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئینگے (اوران سے شفاعت کے لئے کہیں گے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوارنہیں ہوں! البتہ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جواللہ کے ایسے بندے ہیں جن کے سبب اگلوں پچھلوں کے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں (یقیناً وہی تم لوگوں کی شفاعت کریں گے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تب لوگ (شفاعت کی درخواست لے کر) میرے پاس آئیں گے اور میں (ان کی شفاعت کے لئے تیار ہوجاؤں گا اور مقصد کی خاطر) دررب العزت پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے اپنی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت مرحمت فرمائے گا! میں جب اس کے حضور میں پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو اس کی ہیبت وخوف کے مارے اوراس کی تعظیم کرنے کے لئے) سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جتنا عرصہ مناسب سمجھے گا اتنے عرصہ کے لئے مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سراٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، تم (جس کے حق میں چاہو) شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی، اس کے بعد میں (درگاہ رب العزت سے) باہر آؤں گا اوراس (متعینہ) جماعت کودوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا پھر (دوسری جماعتوں کے حق میں شفاعت کرنے کے لئے) میں دوبارہ دررب العزت پر حاضر ہوکر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں اس کے حضور میں پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑونگا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہتے رہ، مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دے گا، پھر فرمائے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سراٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی شفاعت کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد وثنا بیان کروں گا پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کردی جائے گی، اس کے بعد میں (درگاہ رب العزت سے) باہر آؤں گا اور اس متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا اور پھر میں تیسری مرتبہ بارگاہ رب العزت پر حاضر ہوکر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب

کروں گا، مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں پروردگار کے حضور پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دے گا۔ پھر فرمائے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی۔ شفاعت کرو میں قبول کروں گا اور مانگو میں دوں گا۔" (یہ سن کر) میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد وثنا بیان کروں گا پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ اس کے بعد میں (درگاہ رب العزت سے) باہر آؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا، یہاں تک کہ دوزخ میں ان کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہ جائے گا جن کو قرآن نے روکا ہوگا (یعنی اس آخری شفاعت کے بعد دوزخ میں وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے بارے میں قرآن نے خبر دی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

چنانچہ حدیث کے اس جملہ کی وضاحت حضرت انس کے نیچے کے روای حضرت قتادہ جو جلیل القدر تابعی ہیں ان الفاظ میں کی ہے کہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ بس وہ لوگ دوزخ میں باقی رہ جائیں گے جو (قرآن کے حکم کے بموجب) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب دوزخ کے مستوجب قرار پا چکے ہیں (اور وہ کفار ہیں) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یا حضرت انس یا حضرت قتادہ نے اس بات کو مستند کرنے کے لئے) قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی (عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا 17۔ الاسراء:79) امید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ اور پھر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت انس نے یا حضرت قتادہ نے) یہ فرمایا کہ (یہی وہ مقام محمود ہے، جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 144)

وہ پہلے نبی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے۔۔ الخ۔ کے سلسلہ میں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تین نبی حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام دنیا میں آچکے تھے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام دنیا والوں کی طرف آنے والے پہلے نبی کیونکر ہوئے!؟ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں نبی جب دنیا میں آئے تو تمام روئے زمین صرف اہل کفر کی آماجگاہ نہیں تھی بلکہ اس دنیا میں اہل ایمان بھی موجود تھے اور گویا ان تینوں نبیوں کے مخاطب اہل ایمان اور اہل کفر دونوں تھے، ان کے برخلاف جب حضرت نوح علیہ السلام دنیا والوں میں آئے تو تمام روئے زمین پر صرف کافر ہی کافر تھے اہل ایمان کا وجود نہیں تھا، اس اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں آنے والے پہلے نبی ہیں جن کا واسطہ صرف کافروں سے تھا، اس اشکال کے کچھ اور جواب بھی علماء نے لکھے ہیں لیکن وہ زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ اس مقام پر خاص نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے یہ جو فرمایا گیا ہے کہ جب تمام لوگ ابتدائی اور سب سے پہلے حضرت آدم کے پاس اور پھر یکے بعد دیگرے ایک ایک نبی کے پاس جائیں گے یہاں تک کہ آخر میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی درخواست قبول کرلیں گے تو سوال یہ ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا کہ وہی ان لوگوں کے دلوں میں کسی شفاعت کرنے والے کے پاس جانے کا خیال ڈالے گا اور پہلا خیال حضرت آدم علیہ السلام کے بارے

میں ہوگا کہ وہی ان کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ڈال دے اور وہ ایک ایک نبی کے پاس جانے کے بجائے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر شفاعت کی درخواست کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت کر دیں تو یہ احتمال باقی رہے گا کہ دوسرے بھی شفاعت کرنے جرأت رکھتے ہوں گے اور اگر کسی اور نبی سے بھی شفاعت کی درخواست کی جاتی تو وہ بھی شفاعت کر دیتا، لیکن جب وہ لوگ ایک ایک نبی کے پاس جا کر ان سے شفاعت کی دراخوست کریں گے اور ہر ایک شفاعت سے انکار کر دے گا اور پھر آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی جائے گی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول کر کے ان کا مقصد پورا کر دیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے عالی مرتبہ ہونا اور بارگاہ کبریائی میں کمال قرب رکھنا واضح طور پر ثابت ہو جائے گا اور ہر ایک پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و درجہ کا کوئی اور نہیں ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق، حتیٰ کہ انسانوں فرشتوں اور تمام انبیاء تک پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ شفاعت جو اتنا بڑا درجہ اور اتنا اہم کام ہے کہ کوئی بھی، خواہ وہ فرشتہ یا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس کی جرأت وحوصلہ نہیں کرے گا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی جس لغزش کا ذکر کیا، اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نوح کو مسلسل جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی سزا میں دنیا والوں پر پانی کا عذاب نازل ہوا اور تمام روئے زمین پر ہلاکت خیز پانی ہی پانی پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے گھر والوں اور اپنے ماننے والوں کی ایک مختصر تعداد کو لے کر ایک کشتی میں بیٹھ گئے تا کہ وہ سب طوفانی سیلاب کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہیں، اس وقت انہوں نے اپنے بیٹے کو جو کافروں کے ساتھ تھا، بلایا اور کہا کہ کافروں کے ساتھ وہ بھی غرق ہو گیا، اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے اس بیٹے کے حق میں غرقابی سے نجات کی دعا مانگی تھے اور بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا تھا کہ۔ رب ان ابنی من اہلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین۔ "میرے پروردگار! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، (اس کو نجات دے) بے شک آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔"

اللہ تعالیٰ سے حضرت نوح علیہ السلام کی یہ درخواست چونکہ ایک ایسا امر تھا جس کو انہوں نے جانے بوجھے بغیر ظاہر کیا تھا اور اس بات کی تحقیق نہیں کر لی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا مانگنی چاہئے یا نہیں، اس لئے ان پر بارگاہ الٰہی سے عتاب نازل ہوا کہ نوح ہم سے وہ چیز نہ مانگو جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں ہے اور جس کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ وہ چیز مانگی جانی چاہئے یا نہیں۔' اور وہ دنیا میں تین مرتبہ جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے "حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی جن باتوں کو "جھوٹ" سے تعبیر کریں گے حقیقت میں ان پر "جھوٹ" کا اطلاق نہیں ہو سکتا، گو ظاہری حیثیت کے اعتبار سے وہ جھوٹ کی سی صورت رکھتی ہوں، لیکن انبیاء جس عالی مرتبہ کے ہوتے ہیں اور ان کا جو اونچا مقام ہوتا ہے اس کے پیش نظر ان کی اس طرح کی باتوں کو بھی جو ان کے مقام سے فروتر ہوں، بارگاہ رب العزت میں نظر انداز نہیں کیا جاتا اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ **حسنات الا برار سیئات المقربین** (بعض باتیں نیکوں کے حق میں تو نیکیاں ہوتی ہیں لیکن مقربین کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں۔" رہی یہ بات کہ وہ تین باتیں کیا تھیں جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام "جھوٹ" کے طور پر اپنی لغزش بتائیں گے، تو ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ

السلام کی قوم اپنے کسی میلہ میں تماشہ دیکھنے آبادی سے باہر جانے لگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا اور جب یہ سب لوگ چلے جائیں گے تو ان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ان کے بت توڑ دوں گا جن کو یہ پوجتے ہیں اور میری بار بار کی تلقین وتنبیہ کے باوجود بت پرستی سے باز نہیں آتے، چنانچہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں کو جانا ہو تو جاؤ میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا کیونکہ میں بیمار ہوں، ظاہر ہے کہ وہ دیکھنے میں جسمانی طور پر بیمار نہیں تھے اور ان کا یہ کہنا کہ " میں بیمار ہوں " بظاہر جھوٹ سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کی یہ بات " جھوٹ " میں شمار نہیں کی جاسکتی کیونکہ جب انہوں نے یہ بات کہی تھی تو یہ مراد رکھ کر کہی تھی کہ تمہارے کفر وشرک اور تمہاری غلط حرکتوں نے میرے دل کو دکھی کر دیا ہے اور میں تمہارے غم میں اندرونی طور پر بیمار ہوں، دوسری بات یہ تھی کہ قوم کے لوگوں کے میلے میں چلے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور جب ان لوگوں نے واپس آکر دیکھا کہ آپ نے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ ان کا یہ جواب بھی اپنی ظاہری حیثیت میں ایک جھوٹ نظر آتا ہے، لیکن یہاں بھی وہی صورت حال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اس مراد کے ساتھ کہی تھی کہ یہ جو بڑا بت ہے یہ تمہاری عبادات وتعظیم کے لئے ایک ممتاز ومنفرد حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کا وجود اس بات کا باعث بنا کہ میں دوسرے چھوٹے چھوٹے بتوں کو توڑ دوں یا اس بات سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد ان لوگوں کا مذاق اڑانا اور ان کو شرمندہ کرنا تھا کہ جس بت کو تم سب سے بڑا مانتے ہو اور سب سے زیادہ اس کی عبادت کرتے ہو، اس کی لاچاری اور بے وقعتی کا یہ عالم ہے کہ اس کے ساتھی بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا گیا مگر وہ کسی بت کو بچا نہیں سکا ایسی صورت میں کیا یہ بت تمہاری پرستش کا مستحق ہو سکتا ہے! اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص تو بہت زیادہ خوشخط ہو اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص بہت زیادہ بدخط ہو اور وہ بدخط شخص خوشخط شخص کی کسی لکھی ہوئی تحریر کو دیکھ کر کہے کہ کیا یہ تحریر تم نے لکھی ہے اور خوشخط شخص اس کے جواب میں کہے کہ جی نہیں، یہ تو تم نے لکھی ہے، ظاہر ہے کہ اس جواب کے ذریعہ وہ یہی واضح کرتا ہے کہ تم تو اتنی اچھی تحریر ہرگز نہیں لکھ سکتے، پھر یہاں میرے علاوہ اور کون لکھنے والا ہو سکتا ہے! تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی یعنی حضرت سارہ کو ایک بدکار کافر کے ہاتھوں سے بچانے کے لئے کہا تھا کہ یہ عورت میری بہن ہے یہ بات بھی بظاہر " جھوٹ " کے دائرہ میں آتی ہے، لیکن اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ ایک مؤمن کی مؤمنہ بیوی بہر حال اس کی دینی بہن ہوتی ہے اور یہ بات کہنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد بھی یہی تھی کہ یہ عورت میری دینی بہن ہے، تو اس پر جھوٹ کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے، ویسے یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد بہن بھی تھیں، اس اعتبار سے بھی ان کا سارہ کو بہن کہنا کوئی جھوٹ نہیں تھا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف آئیے، دوسرے انبیاء کے برخلاف حضرت عیسیٰ شفاعت کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے اپنے کسی عذر کو بیان نہیں کریں گے اور نہ اپنی کسی لغزش کا ذکر کریں گے، اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰ اس وقت اپنا عذر بیان کرنے میں توقف شاید اس لئے کریں گے کہ وہ اس تہمت کی وجہ سے جو عیسائیوں کی طرف سے ان کو اللہ کا بیٹا کہے جانے کی صورت میں ان پر تھوپی گئی ہے، اس درجہ شرمندہ ونادم ہوں گے کہ وہ اپنی خاموشی ہی کو زبان حال سے عذر بنالیں گے ویسے بعض روایتوں میں ان کے کچھ عذر نقل بھی کئے گئے ہیں، بہر حال اصل بات یہ ہے کہ شفاعت کا درجہ صرف ہمارے حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا جو سید المرسلین اور امام النبیین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے تمام انبیاء اور رسول صلوت اللہ علیہم اجمعین شفاعت کے مقام پر کھڑا ہونے اور بارگاہ رب العزت میں شفاعت کرنے سے عاجز و قاصر ہیں، ان کو یہ بلند بالا مرتبہ عطا ہی نہیں ہوا ہے، لہٰذا شفاعت کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے انہیں کوئی عذر بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی اور وہ سب یا ان میں سے کچھ انبیاء کوئی عذر بیان کئے بغیر یہی کہیں گے کہ ہم اس عظیم الشان امر کے اہل نہیں ہیں۔ "جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں۔" اس جملہ کے سلسلہ میں واضح رہے کہ تمام ہی انبیاء معصوم عن الخطا یعنی گناہوں سے محفوظ ہیں چہ جائیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بدرجہا اولی اس سے پاک ومنزہ ہیں کہ کسی گناہ کی نسبت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو، پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا کہ "ان کے سارے اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں۔" یہ معنی رکھتا ہے؟ اس کے بارے میں علماء نے مختلف باتیں کہی ہیں اور اس جملہ کی متعدد تاویلیں منقول ہیں، لیکن زیادہ واضح تاویل یہ ہے کہ یہ جملہ دراصل بارگاہ رب العزت کی جانب سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم اعزاز اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برتر فضیلت کے اظہار کا ذریعہ ہے قطع نظر اس امر کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اس کی بخشش کی جائے! اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جب کوئی امر مطلق اور بادشاہ اپنے کسی خاص مصاحب کو ہر حالت میں اپنا مطیع وفرمانبردار پر کھ لیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے تو اپنے دوسرے مصاحبوں اور رعایا کے لوگوں کے درمیان اس خاص مصاحب کی امتیازی اور مخصوص حیثیت کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں معاف کیا خواہ تم نے کچھ ہی کیا ہو اور آئندہ تم جو کرو وہ بھی معاف، تم پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں۔ "اور میں در رب العزت پر پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔" یہ جملہ حدیث کی اس عبارت۔" کا آزاد ترجمہ ہے اگر اس عبارت کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو وہ یوں ہوگا کہ پس میں اپنے پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔" اس صورت میں کہا جائے گا کہ "اس کے مکان" سے مراد اس کی طرف سے عطا ہونے والے اجر وثواب کی جگہ یعنی جنت ہے۔" لیکن یہ مراد نگلک ہے، زیادہ واضح تاویل وہ ہے جو علامہ توریشتی نے بیان کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ "پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے" سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یہ اجازت مانگیں گے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام میں داخل ہونے کی اجازت عطا کرے جہاں کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے جہاں پہنچ کر جو بھی عرض ودعا کی جائے، اس کا منظور ومقبول ہونا یقینی ہے اور جہاں پہنچ کر کھڑے ہونے والے اور پروردگار کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہے اور یہ وہ مقام ہے جس کو مقام محمود" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی کو مقام شفاعت" بھی کہتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ پروردگار تو مکان ولامکان کی قید سے پاک ہے۔ اس کو جہاں بھی پکارا جائے اور جس جگہ بھی اس سے عرض ودعا کی جائے وہ وہیں موجود ہے اور وہیں سنتا اور دیکھتا ہے تو پھر اس کی کیا ضرورت ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان حشر میں جس جگہ لوگوں کی شفاعت کی درخواست قبول کریں گے وہاں سے چل کر اس مقام خاص پر بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کریں گے اور پھر عرض ومعروض کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مؤقف (یعنی میدان

حشر کہ جہاں لوگ ٹھہرے ہوں گے) دراصل ایک ایسے ملکی نظام کی طرح ہوگا جو کسی با قاعدہ اور مہذب حکومت کے تحت ہو، جہاں ہر شخص کے مرتبہ و درجہ کے مطابق طریق کار اور نظم عمل کا (اصول کار فرما ہو، چنانچہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "شافع" کی حیثیت رکھیں گے اور "شافع" کا یہ حق ہے کہ وہ اعزاز و اکرام کی جگہ آ کر کھڑا ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ بات ڈالے گا کہ وہ اس جگہ سے چل کر جو خوف و ہولناکی اور وحشت و گھبراہٹ سے گھری ہوگی، اس جگہ آئیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کا مقام ہے، تا کہ آپ وہاں اطمینان اور دلجمی کے ساتھ عرض و معروض کر سکیں۔ اور اس حمد و تعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا۔ الخ۔ سے حضور نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس وقت میں جن الفاظ، جس اسلوب اور جس انداز میں اللہ رب العزت کی تعریف و توصیف بیان کروں گا وہ کیا ہوگا۔ اس وقت اس کا علم مجھے بھی نہیں ہے وہ سب کچھ مجھے اسی وقت سکھایا اور بتایا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف اس موقع اور اس مقام کی مناسبت سے جس قدر وسعت و گہرائی رکھ سکتی ہے اس کا ادراک یہاں کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی اعتبار سے اس مقام کو "مقام حمد" اور مقام محمود کہتے ہیں۔ حدیث کے اس جزو سے یہ بات ہوئی کہ جو شخص کسی سے سفارش کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اس (اس سفارش قبول کرنے والے کی تعریف و توصیف کرے تا کہ اس کا قرب اور اس کی توجہ حاصل کر سکے اور قبول سفارش سے نوازا جائے۔ "پھر میں شفاعت کروں گا" کے ضمن میں قاضی نے لکھا ہے کہ حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خوب خوب حمد و ثنا کریں گے اور پھر اس حمد و ثناء کے بعد شفاعت کی اجازت پا کر امتی امتی کہنا شروع کریں گے۔ "اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے یہ متعین فرما دے گا کہ ایسے ایسے گنہگاروں کی شفاعت کرو، مثلاً وہ فرمائے گا کہ اپنی امت کے ان لوگوں کی شفاعت کرو جو زنا کار تھے، یا جو بے نمازی تھے اور یا جو شراب نوش تھے، چنانچہ میں اسی تعین کے ساتھ شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے زانیوں کے حق میں تمہاری سفارش قبول کی، پھر فرمائے گا کہ میں نے بے نمازیوں کے حق میں تمہاری شفاعت قبول کی۔ اسی پر دوسرے طبقوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اور اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا اس موقع پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث کے شروع میں تو یہ مذکور ہے کہ شفاعت کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کو میدان حشر میں محصور کیا گیا ہوگا اور وہاں کی تنگی و سختی اور کرب و ہولناکی سے تنگ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش چاہیں گے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس جگہ کی پریشانیوں اور ہولناکیوں سے نجات دلائیں لیکن یہاں حدیث کے اس جزو میں جب بارگاہ الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول ہونے کا ذکر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسے شفاعت کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جنہیں دوزخ میں بھیجا جا چکا ہوگا! ؟ اس کے دو جواب ہیں، ایک تو یہ کہ شاید اہل ایمان کے دو طبقے ہونگے ایک طبقہ کو تو (جو اپنے گناہوں کے سبب سزا کا مستوجب ہوگا) میدان حشر میں محصور کئے بغیر دوزخ میں بھیج دیا جائے گا اور یہی طبقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرے گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے ذریعہ اس طبقہ کو

اس بدترین حالت سے کہ جس میں وہ گرفتار ہوگا نجات دلا کر جنت میں پہنچوائیں گے اور پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طبقہ کے حق میں جماعت جماعت کر کے شفاعت فرمائے گے جو دوزخ میں ڈالا جا چکا ہوگا اور متعدد دفعوں میں ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کروائیں گے !اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہاں صرف اسی ایک طبقہ کا ذکر فرمایا اور اختصار کلام کے طور پر دوسرے طبقہ کے ذکر کو حذف فرما دیا کیونکہ اس ایک طبقہ کو نجات دلانے کے ذکر سے دوسرے طبقہ کو نجات دلانے کے ذکر سے دوسرے طبقہ کو نجات دلانا بطریق اولی مفہوم ہو جاتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہاں "نار" (یعنی آگ) کا لفظ منقول ہے جس کا ترجمہ "دوزخ" کیا گیا ہے" لیکن ہوسکتا ہے کہ "نار" یعنی آگ سے مراد" دوزخ"نہ ہو بلکہ وہ سخت حبس، تپش اور گرمی مراد ہو جو میدان حشر میں سورج کے بہت قریب آجانے کی وجہ سے وہاں محسوس کی جائے گی اور " نکلوانے" سے مراد اس سخت تپش اور گرمی سے لوگوں کو چھٹکارا دلانا ہو، اس صورت میں حدیث کی اس عبارت فاخرجہم من النار وادخلہم الجنۃ کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں شفاعت قبول ہونے کے بعد درگاہ رب العزت سے باہر آ ؤں گا اور لوگوں کو سخت ترین تپش اور گرمی سے چھٹکارا دلا کر جنت تک پہنچواؤں گا یہ جواب اگرچہ ایک ایسی وضاحت ہے جس پر مجازی اسلوب کا اطلاق ہوسکتا ہے، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی جواب حقیقت امر کے بہت قریب ہے اور حدیث کے اصل موضوع کے نہایت مناسب ہے، کیونکہ اس ارشاد گرامی میں جس شفاعت کا ذکر ہو رہا ہے اس سے " شفاعت عظمی " مراد ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد ادم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ ۔ کے بموجب مقام محمود اور لوائے ممدود سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس شفاعت عظمی کا اصل مقصد تمام مخلوق کو میدان حشر کی پریشانیوں اور ہولناکیوں سے چھٹکارا دلانا، جہاں وہ حساب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے اور ان کا حساب جلد کرنا ہوگا، نیز یہی وہ شفاعت ہے جو صرف آنحضرت کے لئے مخصوص ہے، اس کے بعد پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، دوسرے انبیاء، اولیاء علماء، صلحا، شہدا اور فقراء کی طرف سے متعدد شفاعتیں ہوں گی جن کی تفصیل ابتدائے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ یہی وہ مقام محمود ہے۔۔ الخ۔ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں حضور کے لئے جس "مقام محمود" کا وعدہ کیا ہے وہ اسی **"شفاعت عظمی"** کا مقام ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو عطا نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ اس مقام کی صفت لفظ " محمود" کے ساتھ یا تو اس اعتبار سے ہے کہ اس مقام پر کھڑا ہونے والا اس کی تعریف کرے گا اور اس کو پہچانے گا، یا اس اعتبار سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر کھڑے ہو کر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کریں گے اور یا اس اعتبار سے ہے کہ وہ مقام عطا ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف تمام اولین وآخرین مخلوق کی زبان پر ہوگی۔

شاہ ایران کسریٰ کی ہلاکت کا بیان

29 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَهْلِكُ كِسْرَى ثُمَّ لَا كِسْرَى بَعْدَهُ، وَقَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا يَكُونُ قَيْصَرُ بَعْدَهُ، وَلَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، وَسَمَّى الْحَرْبَ خُدْعَةً

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسریٰ (ایران کا بادشاہ) ہلاک ہو جائے گا پھر اس کے بعد کوئی کسری نہ ہوگا اور قیصر (روم کا بادشاہ) بھی ہلاک ہو جائے گا پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، اور تم ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں

خرچ کرو گے اور آپ نے کہا کہ جنگ ایک دھوکہ ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1357)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسریٰ ہلاک ہو گیا، اس کسریٰ کے بعد اور کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور یقیناً قیصر یعنی روم کا بادشاہ بھی ہلاک ہوگا جس کے بعد کوئی اور قیصر نہیں ہوگا، نیز ان دونوں بادشاہوں کے خزانے اللہ کی راہ میں تقسیم کیے جائیں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کا نام دھوکہ اور فریب رکھا۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1357)

کسریٰ ہلاک ہو گیا" یہ جملہ خبریہ ہے، جس سے یہ مفہوم مراد ہے کہ عنقریب کسریٰ کا ملک تباہ و پامال ہو جائے گا۔ اس بات کو ادا کرنے کے لئے ماضی کا صیغہ اس اعتبار سے استعمال فرمایا گیا ہے کہ اس بات کا وقوع پذیر ہونا ایک یقینی امر تھا یا ماضی کا صیغہ استعمال فرمانا دعا اور نیک فالی کے طور پر تھا۔ " کوئی اور کسریٰ نہیں ہوگا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو کسریٰ تھا اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بس یہ آخری کسریٰ ہے اس کے بعد کسی اور کو کسریٰ بننا نصیب نہیں ہوگا۔
واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام پر مشتمل اپنا جو مکتوب گرامی کسریٰ کو ایک قاصد کے ذریعے بھیجا تھا اس کو اس کسریٰ نے از راہ نخوت پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ "وہی الحرب خدعۃ " (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کا نام دھوکہ اور فریب رکھا) یہ جملہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ پر عطف ہے یعنی راوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرنے کے بعد یہ کہا کہ وہی الحرب خدعۃ حاصل یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت بیان فرمائی کہ مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر فتح حاصل ہو جائے گی اور وہ ان کے اموال و جائیداد اور خزانوں پر قبضہ و تسلط پالیں گے تو سب کے ذہن میں یہی بات آئی ہوگی کہ یہ چیزیں جنگ کے بغیر حاصل نہیں ہوں گی اور جنگ ایسی چیز ہے جو زیادہ تر دھوکہ اور فریب کی محتاج ہوتی ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو آگاہ فرمایا کہ جنگ کے موقع پر اس وہم میں نہ پڑ جانا کہ جنگی دھوکہ اور فریب عہد شکنی اور خیانت اور بد دیانتی کی قسم سے ہے، بلکہ اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا کہ دشمنوں کے ساتھ برسر جنگ ہونے کی صورت میں حکمت عملی کے طور پر ایسے فریب اور حیلوں کو اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے جو جنگ کے جیتنے اور طاقت و مدد حاصل کرنے میں بڑا دخل رکھتے ہیں۔
مثلاً دشمن پر رعب ڈالنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کے ذہن پر اپنی طاقت کی زیادتی اور اسلحہ جات کی برتری کا سکہ جما دیا جائے اس مقصد کے لئے فرضی کارروائیوں اور جھوٹے سچے بیانات کا سہارا لیا جا سکتا ہے، یا میدان جنت میں دشمن کی آنکھ میں دھول جھونکنے کے لئے میدان سے ہٹ جانا اور پیچھے لوٹ آنا تا کہ دشمن یہ سمجھے کہ مقابل لڑنے کی تاب نہ رکھنے کی وجہ سے میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور جب دشمن اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر غافل ہو جائے تو کسی طرف سے اچانک اس پر ٹوٹ پڑنا یہ اور اس طرح کی دوسری کارروائیاں ایسے حیلے ہیں جن کو جنگی حکمت عملی کے طور پر اختیار کرنے کی اجازت ہے۔
لیکن واضح رہے کہ عہد شکنی کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے جو عہد و اقرار ہو جائے اس پر عمل کرنا بہر صورت ضروری ہے کسی

معاہدہ کو توڑنا ہرگز درست نہیں۔ لفظ "خدعۃ" اگرچہ خ کے پیش کے ساتھ نقل کیا ہے اور زبر کے ساتھ بھی، اس طرح دال کے جزم اور پیش کے ساتھ بھی نقل کیا جاتا ہے اور زبر کے ساتھ بھی، لیکن یہ لفظ خ کے زبر اور دال کے جزم کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔

جنت کی نعمتوں کا بیان

30 — وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں ان کا خطرہ گزرا۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کر رکھی ہے کہ (آج تک) نہ کسی آنکھ نے اس (جیسی کسی چیز) کو دیکھا ہے نہ کسی کان نے (اس جیسی خوبیوں کا) سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں (اس کی ماہیت کا تصور تک آیا ہے اگر تم اس بات کی تصدیق چاہو تو یہ آیت پڑھو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ، (السجدہ: 17) (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 179)

کوئی بھی شخص نہیں جانتا (جو بندے شب بیداری کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں) ان کے لئے کیا چیز چھپا رکھی گئی ہے جو آنکھ کی ٹھنڈک کا سبب ہے۔ نہ کسی آنکھ نے الخ کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ اس چیز (یعنی جنت) کے مظاہر شکل وصورت آوازیں اور خاطر داریاں مراد ہوں، مطلب یہ کہ وہاں جو اعلی مناظر ہوں گے اور وہاں جو نظر افروز شکلیں اور صورتیں دکھائی دیں گی ان جیسے مناظر اور جیسی شکلیں اور صورتیں اس دنیا میں نہ دیکھی گئی ہیں اور نہ کبھی دیکھیں جا سکتی ہیں، اسی طرح وہاں کی آوازوں میں جو مٹھاس، نغمگی اور دلکشی ہوگی، ایسی میٹھی، نغمیہ ریز اور دلکش آوازیں اس دنیا میں آج تک نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کبھی سنی جا سکتی ہیں اور ایسے ہی وہاں جو خاطر ومدارت ہوں گی، جو نعمتیں اور لذتیں حاصل ہوں گی، ان کا تصور بھی اس دنیا میں آج تک کسی انسان کے دل میں نہیں آیا ہوگا اور نہ کبھی اس کا کوئی تصور کیا جا سکتا ہے۔ آیت میں جس چیز کو آنکھ کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے فرحت وشادمانی، چین وراحت اور مقصود ومراد پانا ہے! واضح رہے کہ (آنکھ کی ٹھنڈک) میں لفظ قرۃ دراصل قر سے نکلا ہے جس کے معنی ثبات وقرار کے ہیں۔

چنانچہ آنکھ جب اپنی محبوب چیز کو دیکھتی ہے تو قرار پا جاتی ہے اور اس طرح مطمئن ہو جاتی ہے کہ کسی اور طرف مائل نہیں ہوتی اس کے برخلاف جب آنکھ کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز کو دیکھتی ہے اور اس کی محبوب شی سامنے نہیں ہوتی تو وہ پریشان اور کھوئی سی رہتی ہے اور کسی ایک سمت قرار پانے کے بجائے ادھر ادھر بھٹکنا شروع کر دیتی ہے ایسے ہی فرحت وسرور اور راحت واطمینان کی حالت میں آنکھوں کو عجیب طرح کا کیف وسکون اور آرام ملتا ہے۔

جب کہ خوف وغم کی حالت میں وہ متحرک ومضطرب ہو جاتی ہیں۔ یا یہ کہ "قرۃ" کے لفظ "قر" سے مشتق ہے جس کے معنی

ٹھنڈک اور خشکی" کے ہیں اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنکھ کی ٹھنڈک سی مراد وہ مخصوص لذت وکیف ہے جو محبوب اور پسندیدہ چیز کو دیکھ کر اور اپنا مقصود و مطلوب پا کر آنکھ محسوس کرتی ہے، اس کے برخلاف آنکھ جب کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز اور دشمن کو دیکھتی ہے اور مطلوب و مقصود کے انتظار میں ہوتی ہے تو گویا اس وقت وہ ایک خاص جلن اور سوزش محسوس کرتی ہے ! اسی مناسبت سے پیاری اولاد " کو قرۃ العین یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا جاتا ہے ! نیز ایک حدیث میں جو یوں آیا ہے کہ **جعلت قرة عيني في الصلوة**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز رکھی گئی ہے تو اس میں بھی لفظ قرۃ کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

کثرت سوالات کی ممانعت کا بیان

31 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس وقت تک چھوڑے رکھ، جب تک کہ میں تمہیں چھوڑے رکھوں کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے وہ اپنے پیغمبروں سے سوال کر کے اور پھر ان کو نہ ماننے کے باعث ہلاک ہو گئے۔ پھر جب میں کسی چیز سے منع کروں تو اس چیز سے بچو، اور جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو تم سے جتنا ہو سکے اس پر عمل کرو۔

حالت جنابت میں روزہ رکھنے کا بیان

32 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَأَحَدُكُمْ جُنُبٌ فَلَا يَصُومُ يَوْمَئِذٍ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب صبح کی نماز کے لیے اذان دی جائے اور تم میں سے کوئی شخص جنابت کی حالت میں ہو تو اس دن روزہ نہ رکھے۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنابت (ناپاکی) کی حالت میں صبح کرتے اور یہ جنابت احتلام کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی چنانچہ (ایسی صورت میں) آپ نہاتے اور روزہ رکھتے۔

(بخاری و مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 512)

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احتلام کی وجہ سے نہیں بلکہ جماع کی وجہ سے نہانے کی ضرورت ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں روزہ رکھتے اور پھر نہاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جنابت کی حالت میں طلوع فجر سے پہلے نہانا ضروری نہیں ہے بلکہ ایسی حالت میں روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے اور پھر صبح اٹھ کر نہانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور چونکہ جماع

کے سبب ناپا کی اختیار ہوتی ہے۔

لہٰذا جب ایسی صورت میں بغیر نہائے روزہ رکھنا جائز ہے تو احتلام کے سبب ناپا کی کی حالت میں روزہ رکھنا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا بلکہ اگر روزہ کی حالت ہی میں احتلام ہوجائے تو روزہ پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ من غیر حلم (اور یہ جنابت احتلام کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی) کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کو احتلام نہیں ہوتا تھا کیونکہ یہ خواب میں شیطان کے آنے کا اثر ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اس سے قطعی محفوظ تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں کو یاد رکھنے والے کیلئے فضیلت کا بیان

33 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْمًا مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ، إِنَّهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ننانوے نام ہیں: ایک کم سو، جو شخص ان کو یاد رکھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ طاق ہے، طاق (عدد عبادت) کو پسند کرتا ہے۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو شخص ان ناموں کو یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا وہ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اسم ذات اللہ کے علاوہ ننانوے نام یہ ہیں۔ (۱) الرحمٰن (۲) الرحیم (۳) الملک (۴) القدوس (۵) السلام (۶) المومن (۷) المہیمن (۸) العزیز (۹) الجبار (۱۰) المتکبر (۱۱) الخالق (۱۲) الباری (۱۳) المصور (۱۴) الغفار (۱۵) القہار (۱۶) الوہاب (۱۷) الرزاق (۱۸) الفتاح (۱۹) العلیم (۲۰) القابض (۲۱) الباسط (۲۲) الخافض (۲۳) الرافع (۲۴) المعز (۲۵) المذل (۲۶) السمیع (۲۷) البصیر (۲۸) الحکم (۲۹) العدل (۳۰) اللطیف (۳۱) الخبیر (۳۲) الحلیم (۳۳) العظیم (۳۴) الغفور (۳۵) الشکور (۳۶) العلی (۳۷) الکبیر (۳۸) الحفیظ (۳۹) المقیت (۴۰) الحسیب (۴۱) الجلیل (۴۲) الکریم (۴۳) الرقیب (۴۴) المجیب (۴۵) الواسع (۴۶) الحکیم (۴۷) الودود (۴۸) المجید (۴۹) الباعث (۵۰) الشہید (۵۱) الحق (۵۲) الوکیل (۵۳) القوی (۵۴) المتین (۵۵) الولی (۵۶) الحمید (۵۷) المحصی (۵۸) المبدی (۵۹) المعید (۶۰) المحی (۶۱) الممیت (۶۲) الحی (۶۳) القیوم (۶۴) الواجد (۶۵) الماجد (۶۶) الواحد (۶۷) الاحد (۶۸) الصمد (۶۹) القادر (۷۰) المقتدر (۷۱) المقدم (۷۲) المؤخر (۷۳) الاول (۷۴) الآخر (۷۵) الظاہر (۷۶) الباطن (۷۷) الوالی (۷۸) المتعال (۷۹) البر (۸۰) التواب (۸۱) المنتقم (۸۲) العفو (۸۳) الرؤف (۸۴) مالک الملک (۸۵) ذوالجلال والاکرام (۸۶) المقسط (۸۷) الجامع (۸۸) الغنی (۸۹) المغنی (۹۰) المانع (۹۱) الضار (۹۲) النافع (۹۳) النور (۹۴) الہادی (۹۵) البدیع (۹۶) الباقی (۹۷) الوارث (۹۸) الرشید (۹۹) الصبور۔ اس روایت کو ترمذی نے اور بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیا۔ نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

(شیخ ولی الدین عراقی، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 809)

لفظ اللہ کی فضیلت و برکت کا بیان

باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے اس کے معنی ہیں وہ ذات عبادت کے لائق ہے۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اسماء باری تعالیٰ میں یہ نام سب سے بڑا ہے نیز کہا گیا ہے کہ عوام کو چاہئے کہ وہ اس نام کو اپنی زبان پر جاری کریں اور خشیت و تعظیم کے طور پر اس نام کے ساتھ ذکر کریں خواص کو چاہئے کہ وہ اس نام کے معنی میں غور و فکر کریں اور یہ جانیں کہ اس نام کا اطلاق صرف اسی ذات پر ہو سکتا ہے جو صفات الوہیت کی جامع ہے اور خواص الخواص کو چاہئے کہ وہ اپنا دل اللہ میں مستغرق رکھیں اور اس ذات کے علاوہ اور کسی بھی طرف التفات نہ کریں اور صرف اسی سے ڈریں کیونکہ وہی حق اور ثابت ہے اس کے علاوہ ہر چیز فانی اور باطل ہے جیسا کہ بخاری میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاعروں کے کلام میں سب سے صحیح کلام شاعر لبید کا یہ مصرعہ ہے کہ۔ الاکل چیز ماخلا اللہ باطل۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ خاصیت جو شخص اس اسم ذات (اللہ) کو ہزار بار پڑھے وہ صاحب یقین ہو اور جو شخص اس کو نماز کے بعد وافر پڑھے اس کا باطن کشادہ ہو اور وہ صاحب کشف ہو۔

الرحمٰن، الرحیم کی فضیلت و برکت کا بیان

بخشنے والا "ان دونوں ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے (یعنی صفات باری تعالیٰ کو اپنانے کے سلسلہ میں ان اسماء کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف کامل توجہ ہو، اسی ذات پر توکل و بھروسہ کیا جائے اپنا باطن اس کے ذکر میں مشغول رکھا جائے غیر اللہ سے بے پرواہی برتی جائے بندگان اللہ پر رحم کیا جائے چنانچہ مظلوم کی حمایت و مدد کی جائے اور ظالم کو بطریق نیک ظلم سے باز رکھا جائے اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر سے غفلت برتنے والوں کو خبردار کیا جائے گنہگار کی طرف رحمت کی نظر کی جائے نہ کہ اسے نظر حقارت سے دیکھا جائے اپنی طاقت کے بقدر شرع امور کے استیصال میں کوشش صرف کی جائے اور اپنی وسعت و ہمت کے مطابق محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجتوں کو پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ خاصیت جو شخص ہر نماز کے بعد سو بار الرحمٰن الرحیم کہے حق تعالیٰ اس کے دل سے غفلت، نسیان اور قساوت دور کرے گا اور تمام مخلوق اس پر مہربان و مشفق ہو گی۔

الملک کی فضیلت و برکت کا بیان

حقیقی بادشاہ۔ یعنی وہ زمین و آسمان اور تمام عالم کا حقیقی بادشاہ ہے دونوں جہاں اسی کے تصرف اور قبضہ میں ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج لہٰذا جب بندہ نے اس کی یہ حیثیت و صفت جان لی تو اس پر لازم ہے کہ اس کی بارگاہ کا بندہ و غلام اور اسی کے در کا گدا بنے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ اسی کے آستانہ عزت و جاہ کی طلب کرے۔ نیز بندہ پر لازم ہے کہ اس کی بارگاہ قدرت و تصرف سے تعلق پیدا کرے اس کے علاوہ ہر ایک سے کلیۃً بے نیازی اختیار کرے۔ نہ کسی سے اپنی ضرورت و حاجت بیان کرے اور نہ کسی سے ڈرے نہ امید رکھے اپنے دل اپنے نفس اور اپنے قالب کی دنیا کا حاکم بنے اور اپنے اعضاء اور اپنے قویٰ کو قابو میں رکھ کر اس کی اطاعت و عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں لگا دے تا کہ صحیح معنی میں اپنے وجود کی دنیا کا حاکم کہلائے۔ خاصیت جو شخص اس اسم کو القدوس کے ساتھ (یعنی ملک القدوس) پابندی کے ساتھ پڑھتا رہے تو اگر وہ

صاحب ملک اور سلطنت ہوگا تو اس کے ملک اور سلطنت کو اللہ تعالیٰ قائم و دائم رکھے گا اور جو صاحب سلطنت نہ ہوگا تو اس کی برکت سے اس کا اپنا نفس مطیع و فرمانبردار رہے گا اور جو شخص اسے عزت و جاہ کے لئے پڑھے تو اس کا مقصود حاصل ہوگا اور اس بارہ میں یہ عمل مجرب ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحمٰن نے اس کی خاصیت یہ لکھی ہے کہ جو شخص اس اسم "الملک" کو روزانہ نوے بار پڑھے تو نہ صرف یہ کہ روشن اور تونگر ہوگا بلکہ حکام و سلاطین اس کے لئے مسخر ہو جائیں گے اور عزت و احترام اور جاہ کی زیادتی کے حصول کے لئے مجرب ہے۔

القدوس کی فضیلت و برکت کا بیان

نہایت پاک۔ قشیری رحمہ اللہ نے کہا کہ جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نہایت پاک ہے تو اب اس کو چاہئے کہ اس بات کی آرزو کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر حالت میں عیوب اور آفات سے دور اور گناہوں کی نجاست سے پاک رکھے۔

خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو ہر روز زوال آفتاب کے وقت پڑھے اس کا دل صاف ہو اور جو شخص نماز جمعہ کے بعد اس اسم واسم السبوح کے ساتھ (یعنی القدس السبوح) روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر کھائے تو فرشتہ صفت ہو اور بھگدڑ کے وقت دشمنوں سے حفاظت کے وقت اس اسم کو جتنا پڑھا جا سکے پڑھا جائے اور مسافر اس کو برابر پڑھتا رہے اور کبھی ماندہ اور عاجز نہ ہو اور اگر اس کو تین سو انیس بار شیرنی پر پڑھ کر دشمن کو کھلا دے تو وہ مہربان ہو۔

السلام کی فضیلت و برکت کا بیان

بے عیب و سلامت۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ بتایا ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ و سلامت رہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادہ شفقت کا معاملہ کرے جب وہ کسی ایسے مسلمان کو دیکھے جو اس سے عمر میں بڑا ہو تو یہ کہے کہ یہ مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اس نے میری نسبت زیادہ عبادت و اطاعت کی ہے اور ایمان و معرفت میں مجھ پر سبقت رکھتا ہے اور اگر کسی ایسے مسلمان کو دیکھے جو عمر میں اس سے چھوٹا ہو تو بھی یہی کہے یہ مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اس نے میری بہ نسبت گناہ کم کئے ہیں۔ نیز اگر کسی مسلمان بھائی سے کوئی قصور ہو جائے اور وہ معذرت کرے تو اس کی معذرت قبول کر کے اس کا قصور معاف کر دیا جائے۔

خاصیت اگر کوئی شخص اس اسم مبارک کو کسی بیمار پر ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے تو انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے صحت و شفا عطا فرمائے گا اور اگر کوئی شخص اس کو برابر پڑھتا رہے تو خوف سے نڈر رہو گا۔

المؤمن کی فضیلت و برکت کا بیان

امن دینے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ مخلوق اللہ کو نہ صرف اپنے شر اور اپنی برائی سے بلکہ دوسروں کی برائی اور شر سے بھی امن میں رکھے۔ خاصیت جو شخص اس اسم کو بہت پڑھتا رہے یا اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حق تعالیٰ اس کو شیطان کے شر سے نڈر رکھے گا اور کوئی شخص اس پر حاوی نہیں ہوگا نیز اس کا ظاہر اور اس کا باطن حق تعالیٰ کی امان میں رہے گا اور جو شخص اس کو

بہت زیادہ پڑھتا رہے گا مخلوق اللہ اس کی مطیع اور فرمانبردار ہوگی۔

المہیمن کی فضیلت و برکت کا بیان

ہر چیز کا اچھی طرح محافظ نگہبان۔ اس اسم سے عارف کا نصیب یہ ہے کہ بری عادتوں، برے عقیدوں اور بری چیزوں مثلاً حسد اور کینہ وغیرہما سے اپنے دل کی نگہبانی کرے اپنے احوال درست کرے اور اپنے قوی اور اپنے اعضا کو ان چیزوں میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھے جو دل کو اللہ کی طرف سے غفلت میں ڈالنے والی ہوں۔

خاصیت جو شخص غسل کے بعد اس اسم کو ایک سو پندرہ مرتبہ پڑھے وہ غیب اور باطن کی باتوں پر مطلع ہو اور جو شخص اس کو برابر پڑھتا رہے وہ تمام آفات سے پناہ پائے اور جنتیوں کی جماعت میں شامل ہو۔

العزیز کی فضیلت و برکت کا بیان

غالب و بے مثل کہ کوئی اس پر غالب نہیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنے نفس، اپنی خواہشات اور شیطان پر غالب رہے علم و عمل اور عرفات میں بے مثل بنے اور مخلوق اللہ کے آگے ہاتھ نہ پھیلا کر اپنی ذات کو عزت بخشے اور غیر اللہ کے آگے دست سوال دراز کر کے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ ابوالعباس مرسی کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! عزت تو میں نے مخلوق اللہ سے بلند ہمتی اختیار کرنے (یعنی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے ہی میں دیکھی ہے)۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کو عزیز و غالب و بے مثل تو اسی نے جانا جس نے اس کے احکام اور اس کی شریعت کو عزیز یعنی (اپنے اوپر غالب) کیا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں بے مثل بنا اور جس نے ان چیزوں میں سہل پسندی اور بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا اس نے اللہ کی عزت نہیں پہچانی یعنی اسے عزیز نہیں مانا۔ اور ارشاد ربانی ہے۔ آیت (واللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لایعلمون)۔ اور اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے عزت ہے اور لیکن منافق اسے نہیں جانتے۔

خاصیت جو شخص اس اسم کو فجر کی نماز کے بعد اکتالیس بار پڑھے وہ دنیا اور آخرت میں کسی کا محتاج نہ ہو اور بعد خواری کے عزیز ہو اس کے علاوہ بھی اس اسم مبارک کی بڑی عجیب وغریب خاصیتیں مذکور ہیں۔

الجبار کی فضیلت و برکت کا بیان

بگڑے کاموں کو درست کرنے والا۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں، بندوں کو اس چیز کی طرف لانے والا جس کا ارادہ کرتا ہے۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ فضائل و کمال حاصل کر کے اپنے نفس کی خرابیوں کو درست کرے اور تقویٰ و پرہیزگاری اور طاعت پر مداومت اختیار کر کے اپنے نفس پر غالب ہو اور اس طرح درجہ کامل کو پہنچے۔

قشیری کہتے ہیں کہ بعض کتابوں میں یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے! کسی چیز کا تو بھی ارادہ کرتا ہے اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں (یعنی اس چیز کے بارے میں تیری خواہش کچھ ہوتی ہے اور میری مشیت کچھ اور) ہوتا وہی ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں لہٰذا تو اگر اس پر راضی ہو جائے جس کا میں ارادہ کرتا ہوں (یعنی اس چیز کے بارہ میں میری طرف جو فیصلہ صادر ہو

جائے تو اپنی خواہش کے علی الرغم اس کو بلا چوں و چرا مان لے اور اس پر راضی ہو جائے) تو تو جو ارادہ کرتا ہے میں اس پر تجھ سے کفایت کروں گا۔ (یعنی اس کا نعم البدل عطا کروں گا) اور تو اگر اس پر راضی نہ ہو ہوا۔ جس کا میں ارادہ کرتا ہوں تو پھر میں اس میں تجھ سے کفایت نہیں کروں گا جس کا تو ارادہ کرتا ہے (یعنی تجھے نعم البدل عطا نہیں کروں گا۔ اور پھر ہو گا وہی جو میں ارادہ کرتا ہوں اور تو محروم کا محروم رہ جائے گا)۔

خاصیت جو شخص مسبعات عشر کے بعد اس اسم کو اکیس بار پڑھے وہ ظالموں کے شر سے امن میں رہے گا جو شخص اس اسم کو پڑھنے پر ہیشگی اختیار کرے گا وہ غیب اور مخلوق کی بدگوئی سے نڈر اور امان میں رہے گا اور اہل دولت و سلطنت میں سے ہو گا اور اگر کوئی شخص اس اسم کو انگوٹھی پر نقش کرا کے پہنے تو لوگوں کے دل میں اس کی ہیبت اور شوکت بیٹھ جائے گی۔

المتکبر کی فضیلت و برکت کا بیان

نہایت بزرگ۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اسے حق تعالیٰ کی یہ بزرگی معلوم ہوئی تو اب اسے چاہئے کہ وہ خواہشات نفسانی کی طرف میلان ورلذات شہوانی کی طرف رغبت سے تکبر یعنی پرہیز کرے کیونکہ ان چیزوں کی طرف رغبت کرے گا تو جانور کا شریک ہو گا۔ بلکہ ہر اس چیز سے تکبر کرنا چاہئے جو باطن کو حق سے باز رکھے اور حق تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے علاوہ ہر چیز کو حقیر جاننا اور تواضع و تذلل کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور اپنی ذات سے تکبر کے تمام دعوؤں کو زائل کرنا چاہئے تا کہ نفس صاف ہو اور اس میں اللہ کی محبت جاگزیں ہو اور اس طرح نہ نفس کا اختیار باقی رہے اور نہ غیر اللہ کے ساتھ قرار۔

خاصیت جو شخص اپنی بیوی سے مباشرت کے وقت دخول سے پہلے اس مبارک اسم کو دس مرتبہ پڑھے تو انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے پرہیز گار فرزند خلف عطا فرمائے گا اور جو شخص اپنے ہر کام کی ابتداء میں یہ اسم مبارک بہت پڑھے تو اللہ نے چاہا وہ اپنی مراد کو پہنچے گا۔"

الخالق کی فضیلت و برکت کا بیان

مشیت و حکمت کے موافق پیدا ہونے والی چیز کا اندازہ کرنے والا۔ خاصیت جو شخص اس اسم مبارک کو برابر پڑھتا رہتا ہے حق تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے تا کہ وہ اس کی طرف سے قیامت کے دن تک عبادت کرتا رہے نیز حق تعالیٰ اس اسم مبارک کی برکت سے اس شخص کا دل اور منہ، روشن و نورانی کر دیتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ جو شخص رات میں یہ اسم بہت زیادہ پڑھے گا اس کا دل اور منہ روشن و منور ہو گا اور وہ تمام کاموں پر حاوی رہے گا۔

الباری کی فضیلت و برکت کا بیان

پیدا کرنے ولا۔ خاصیت جو شخص اس اسم کو ہفتہ میں سو بار پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اس کو قبر میں نہیں چھوڑے گا بلکہ ریاض قدس میں لے جائے گا اور جو حکیم و معالج اس اسم کو مستقل طور پر پڑھتا رہے وہ جو بھی علاج کرے گا کامیاب رہے گا۔

المصور کی فضیلت و برکت کا بیان

صورت بنانے والا۔ مذکورہ بالا ان تینوں ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ جب کوئی چیز دیکھے اور جب بھی کسی چیز کا تصور کرے تو اللہ کی قدرتوں اور عجائبات میں غور و فکر کرے جو اس چیز میں موجود ہیں۔

خاصیت اگر کوئی عورت بانجھ ہو اور اولاد کی دولت سے محروم ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سات دن روزے رکھے اور ہر روز افطار کے وقت اکیس بار المصور پڑھ کر پانی پر دم کرے اور اسے پی لے انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے فرزند نیک عطا فرمائے گا جو شخص کسی دشوار اور مشکل کام کے وقت اس اسم کو بہت پڑھے وہ کام اسان ہو جائے گا۔

الغفار کی فضیلت و برکت کا بیان

بندوں کے گناہوں کو بخشنے والا اور ان کے عیوب کو ڈھانکنے والا " اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ گناہوں کو اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں بخشتا نیز اسے چاہئے کہ وہ لوگوں کے عیوب کو چھپائے کسی سے کوئی قصور و خطا ہو جائے تو اس سے درگزر کرے اور اپنے اوپر ہمہ اوقات خصوصاً سحر کے وقت استغفار کو لازم کرے جو شخص جمعہ کی نماز کے بعد سو بار یہ کہتا ہے۔ یا غفار اغفرلی ذنوبی۔ اے بخشنے والے! میرے گناہ بخش دے۔ تو حق تعالیٰ اسے ان لوگوں میں سے قرار دیتا ہے جن کی بخشش ہو چکی ہوتی ہے۔

القہار کی فضیلت و برکت کا بیان

غالب کہ اس کی قدرت کے سامنے سب عاجز و مغلوب ہیں۔ اس اسم مبارک سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے دشمنوں پر غالب ہو کر انہیں اپنے سامنے عاجز اور اپنا مغلوب بنا دے اور وہ بڑے دشمن نفس اور شیطان ہیں۔

خاصیت جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھتا ہے حق تعالیٰ اس کے دل سے دنیا کی محبت دور کر دیتا ہے اور اس کا خاتمہ بخیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دل میں شوق و محبت پیدا کرتا ہے اور جو شخص اس اسم کو اپنی کسی بھی مہم کے لئے سو بار پڑھے تو اس کی مہم آسان ہو جائے گی اور جو کوئی اس کو پڑھنے میں ہمیشگی اختیار کرے گا اس کے دل سے دنیا کی محبت جاتی رہے گی اور اگر کوئی شخص سنت و فرض نمازوں کے درمیان اس اسم کو سو بار بہ نیت مقہوری پڑھے تو بڑے سے بڑا دشمن مقہور و مغلوب ہو۔

الوہاب کی فضیلت و برکت کا بیان

بغیر بدلہ کے بہت دینے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنا مال بغیر کسی غرض اور بلا کسی عوض کے لالچ کے خرچ کرے۔ خاصیت جو کوئی فقر و فاقہ کی تکلیف و مصیبت جھیل رہا ہو تو اسے چاہئے کہ اس اسم پاک کو پڑھنے پر ہمیشگی اختیار کرے حق تعالیٰ اسے اس مصیبت سے اس طرح نجات دے گا کہ وہ حیران رہ جائے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ اس کا ایسا ہی اثر پائے گا اور جو شخص نماز چاشت کے بعد سجدہ کی کوئی آیت پڑھے۔ اور پھر سجدہ میں سر رکھ کر سات بار یہ اسم پاک پڑھے تو مخلوق سے بے نیاز و بے پرواہ ہو جائے گا اور اگر کسی کو اپنی کوئی حاجت پوری کرانی ہو تو وہ آدمی رات کو اپنے مکان یا

مسجد کے صحن میں تین بار سجدہ کرے اور پھر ہاتھ اٹھا کر اسم کو سو بار پڑھے انشاء اللہ اس کی حاجت ضرور پوری ہوگی۔

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فراخی رزق کے لئے چاشت کے وقت چار رکعت نماز پڑھی جائے نماز سے فراغت کے بعد سجدہ میں جا کر ایک سو چار مرتبہ یا وہاب پڑھا جائے اور اگر اتنا وقت نہ ہو تو پچاس مرتبہ پڑھ لیا جائے انشاء اللہ رزق میں وسعت و فراخی ہوگی۔

الرزاق کی فضیلت و برکت کا بیان

رزق پیدا کرنے والا اور مخلوقات کو رزق پہنچانے والا۔ رزق اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے فائدہ اٹھایا جائے پھر اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں ظاہری اور باطنی باطنی وہ ہے جس سے نفس کو اور دل کو فائدہ پہنچے جیسے علوم معارف وغیرہ اور ظاہری وہ ہے جس سے بدن کو فائدہ پہنچے مثلاً کھانے پینے کی چیزیں اور اسباب یعنی کپڑا وغیرہ۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اس بات پر کامل یقین واعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی بھی ذات رزق دینے کے قابل نہیں ہے لہٰذا وہ رزق کی توقع صرف اللہ تعالیٰ سے ہی رکھے اور اپنے تمام امور اسی کی طرف سونپے نیز اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے لوگوں کو جسمانی اور روحانی رزق پہنچاتا رہے یعنی جو محتاج وضرورت مند ہوں ان پر اپنا مال خرچ کرے۔ جو کہ کم علم اور گمراہ ہوں انہیں تعلیم دے اور ان کی ہدایت کرے اور ہر مسلمان کے لئے دعائے خیر کرتا رہے وغیرہ وغیرہ کسی عارف سے پوچھا گیا کہ آپ کے کھانے پینے کا انتظام کیسے ہوتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب سے مجھے اپنے خالق کا عرفان حاصل ہوا میں نے کبھی بھی اپنے رزق کا فکر نہیں کیا اسی طرح ایک عارف سے پوچھا گیا کہ قوت غذا کیا ہے؟ انہوں نے کہا حی الذی لا یموت (وہ پاک ذات یعنی اللہ ایسا زندہ ہے جس کے لئے موت نہیں ہے) کا ذکر خاصیت جو شخص صبح صادق کے طلوع کے بعد اور نماز فجر سے پہلے اپنے گھر کے چاروں کونوں میں اس اسم پاک کو دس دس مرتبہ پڑھے اس طرح کہ داہنی طرف سے پڑھنا شروع کرے اور منہ قبلہ کی طرف سے نہ پھیرے تو اس گھر میں رنج و مفلسی کا گزر نہیں ہو گا۔

الفتاح کی فضیلت و برکت کا بیان

حکم کرنے والا۔ اور بعضوں نے کہا ہے رزق رحمت کے دروازے کھولنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان صلح وصفائی اور انصاف کے لئے فیصلہ کرنے کی سعی وکوشش کرتا رہے اور مظلوموں کی مدد کرے نیز لوگوں کی دنیاوی اخروی حاجتوں کو پورا کرنے کا ارادہ رکھے۔

قشیری نے فرمایا کہ جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ رزق ورحمت کے دروازے کھولنے والا۔ اسباب میسر کرنے والا اور تمام چیزوں کو درست کرنے والا ہے تو اب وہ اللہ کے علاوہ کسی اور میں اپنا دل نہیں لگائے گا۔

خاصیت جو شخص نماز فجر کے بعد اپنے سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر ستر بار اس اسم کو پڑھے تو اس کے دل کا میل جاتا رہے گا اور اسے قلب وباطن کی بہت زیادہ صفائی حاصل ہوگی۔

العلیم کی فضیلت وبرکت کا بیان

ظاہر وباطن کا جاننے والا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرا حال خوب جانتا ہے تو اب اس کے لئے ضروری ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے کسی مصیبت وبلا میں مبتلا کرے تو وہ اس پر صبر کرے اور جو کچھ عطا کرے اس کا شکر ادا کرے اور اس سے اپنی خطاؤں کی بخشش ومعافی کا خواستگار رہو۔

بعض کتابوں میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ (بندوں سے) فرماتا ہے اگر تم یہ نہیں جانتے کہ ہر حالت میں تم پر میری نظر رہتی ہے اور میں تمہیں دیکھتا ہوں تو پھر تمہارے ایمان میں کمی ہے اور اگر تم یہ جانتے ہو کہ میں تمہیں ہر وقت دیکھتا رہتا ہوں تو پھر کیوں تم مجھے دیکھنے والوں میں سب سے حقیر سمجھتے ہو؟ یعنی (دوسروں سے تو تم ڈرتے ہو اور شرم کرتے ہو کہ کہیں وہ تمہیں برائی اور تمہارے کسی جرم کو دیکھ نہ لیں لیکن کسی بھی برائی اور جرم کے وقت مجھ سے نہ ڈرتے ہو اور نہ شرم کرتے ہو جب کہ تمہاری ایک ایک حرکت میری نظر رہتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) میرے مقابلہ پر تم دنیا والوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہو۔

خاصیت جو شخص اس اسم کو بہت زیادہ پڑھتا ہے حق تعالیٰ اسے اپنی معرفت بہت زیادہ عطا کرتا ہے اور جو شخص نماز کے بعد یا عالم الغیب سو مرتبہ کہے حق تعالیٰ اسے صاحب کشف بنائے گا اور اگر کوئی چاہے کہ اسے کسی پوشیدہ چیز کا علم ہو تو اسے چاہئے کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں یہ سو مرتبہ کہہ کر سوئے انشاء اللہ اس پر اس چیز کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔

القابض کی فضیلت وبرکت کا بیان

بندوں کی روزی یا دل تنگ کرنے والا اور اس کی روح قبض کرنے والا۔ خاصیت اگر کوئی شخص اس نام پاک کو چالیس دنوں تک روزانہ (روٹی وغیرہ) چار نوالوں پر لکھ کر کھایا کرے تو انشاء اللہ وہ بھوک اور قبر کے عذاب سے امن میں رہے گا۔

الباسط کی فضیلت وبرکت کا بیان

بندوں کی روزی میں وسعت اور فراخی پیدا کرنے والا یا ان کا دل کشادہ کرنے والا۔ ان دونوں ناموں (یعنی القابض اور الباسط) سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ نہ تو کسی بلاء ومصیبت کے وقت ناامید ہو اور نہ اس کی بخشش عطاء کے وقت بے فکری اختیار کرے اور تنگی کو اس کے عدل کا نتیجہ جانے اور اس پر صبر کرے اور فراخی ووسعت کو اس کے فضل کا ثمرہ سمجھے اور اس پر شکر گزار ہو۔!

قشیری کہتے ہیں کہ یہ دونوں کیفیت یعنی دل کا تنگ اور کشادہ ہونا۔ عارفوں کے دل پر طاری ہوتی ہے کہ جب خوف اللہ غالب ہوتا ہے تو ان کے دل تنگ ہوتے ہیں اور جب رحمت کی امید غالب ہوتی ہے تو ان کے دل کشادہ ہوتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا خوف میرے دل کو تنگ کر دیتا ہے امید میرے دل کو کشادہ کر دیتی ہے حق مجھے جمع کرتا ہے (یعنی حق تعالیٰ کی یاد سے مجھے خاطر جمعی حاصل ہوتی ہے) اور مخلوق مجھے منتشر کرتی ہے (یعنی مخلوق کی صحبت سے میں پراگندہ خاطر اور متواحش ہوتا ہوں) اور بندہ کی شان کا تقاضہ یہ ہے کہ تنگی اور پریشانی کی حالت میں بے قراری سے پرہیز کرے اور وسعت فراخی کے وقت بے جا خوشی اور بے ادبی سے اجتناب کرے کہ ان چیزوں سے بڑے بڑے لوگ ڈرتے

رہے ہیں۔

خاصیت جو شخص سحر کے وقت ہاتھ اٹھا کر اس اسم پاک کو دس بار پڑھے اور پھر اپنے ہاتھوں کو منہ پر پھیرے تو اسے کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں ہوگی کہ وہ کسی سے اپنی کوئی حاجت پوری کرنے کی درخواست کرے۔ "الخافض" کافروں کو ذلیل وخوار کرکے یا ان کو اپنی درگارہ سے دور رکھ کر پشت کرنے والا۔

خاصیت جو شخص تین روزے رکھے اور چوتھے روز ایک نشست میں اس اسم پاک کو ستر ہزار بار پڑھے وہ دشمنوں پر فتح پائے گا۔ نصیب یہ ہے کہ وہ اپنی کسی بھی حالت پر اعتماد نہ کرے اور نہ اپنے علوم اعمال میں سے کسی چیز پر بھروسہ کرے اور اس چیز کو پست و مغلوب کرے جس کو اللہ نے پست کرنے کا حکم دیا ہے مثلاً نفس وخواہش، اس چیز کو بلند کرے جس کو اللہ نے بلند کرنے کا حکم دیا ہے جیسے دل اور روح۔

منقول ہے کہ ایک شخص کو لوگوں نے ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تم اس مرتبہ پر کیونکر پہنچے؟ اس نے کہا کہ میں نے اپنی ہوا یعنی اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے فضا کی ہوا کو میرے لئے مسخر کر دیا۔ خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو آدھی رات کے وقت یا دوپہر میں سو مرتبہ پڑھے حق تعالیٰ اسے مخلوق میں برگزیدہ اور تونگر اور بے نیاز بنائے گا۔

المعز کی فضیلت و برکت کا بیان

عزت دینے والا۔ خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو دوشنبہ کی شب میں یا جمعہ کی شب میں ایک سو چالیس مرتبہ پڑھے گا مخلوق کی نظر میں اس کی ہیبت وشوکت پیدا ہوگی اور وہ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی کے خوف میں مبتلا نہیں ہوگا۔

المذل کی فضیلت و برکت کا بیان

ذلت دینے والا۔ ان دونوں ناموں (المعز اور المذل) سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو عزیز رکھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم ومعرفت کی وجہ سے عزیز رکھا ہے اور ان لوگوں کو ذلیل وخوار سمجھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کفر ضلالت کے سبب سے ذلیل وخوار قرار دیا ہے۔

خاصیت اگر کوئی شخص کسی ظالم وحاسد سے ڈرتا ہو اسے چاہئے کہ وہ اس اسم پاک کو پچھتر بار پڑھے اس کے بعد سجدہ کرے اور بارگاہ حق میں یوں عرض کرے۔ اے اللہ! فلاں ظالم وحاسد کے شر سے مجھے امن دے۔ حق تعالیٰ اسے امان دے گا۔"

السمیع کی فضیلت و برکت کا بیان

سننے والا۔ "البصیر" دیکھنے والا۔ ان ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ خلاف شرع چیزوں کے کہنے سننے اور دیکھنے سے پرہیز کرے اور اللہ کو اپنے اقوال وافعال پر حاضر ناظر جانے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس نے غیر اللہ سے اس چیز کو چھپایا جس کو وہ اللہ سے نہیں چھپاتا اس نے گویا اللہ کی نظر کو حقیر جانا لہٰذا جس شخص نے یہ جانتے ہوئے کوئی گناہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے تو اس نے بڑی جرات کی اور کیا ہی بڑی جرات کی؟ اور

جس نے اس گمان کے ساتھ کوئی گناہ کیا کہ اسے اللہ نہیں دیکھتا ہے تو پھر اس نے بڑا کفر کیا اور کیا ہی بڑا کفر کیا؟ اس لئے بطور تعلیق بالمحال کہا جاتا ہے کہ اگر تم اپنے اللہ کا کوئی جرم کرو تو ایسی جگہ کرو جہاں وہ تمہیں نہ دیکھے مطلب یہ ہے کہ ایسی کون سی جگہ ہے کہ اللہ کی نظر سے پوشیدہ ہو اور جب ایسی کوئی جگہ بھی ممکن نہیں جہاں اللہ گناہ کرتے نہ دیکھے تو پھر گناہ نہ کرو۔

خاصیت جو شخص اس اسم پاک السمیع کو پنجشنبہ کے دن نماز چاشت کے بعد پانچ سو بار ایک قول کے مطابق ہر روز نماز چاشت کے بعد ایک سو بار پڑھے اور پڑھنے کے درمیان کوئی کلام نہ کرے تو اس کے بعد جو دعا مانگے قبول ہو گی۔ اور اگر کوئی شخص فجر کی سنت و فرض نماز کے درمیان اسم پاک البصیر کو کامل اور صحیح اعتقاد کے ساتھ ایک سو ایک بار پڑھا کرے تو انشاء اللہ وہ حق تعالیٰ کی نظر عنایت کے ساتھ مختص ہو گا۔

الحکم کی فضیلت و برکت کا بیان

حکم کرنے والا کہ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اس نے یہ جان لیا کہ حق تعالیٰ ایسا حاکم ہے کہ اس کے حکم اور اس کے فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا تو اب اسے چاہئے کہ وہ اس کا ہر حکم مانے اور اس کی مشیت و قضا کا تابعدار ہو، لہٰذا جو بندہ اس کی مشیت اور اس کی قضا و قدر پر قصداً راضی نہ ہو گا تو حق تعالیٰ اس پر اپنی مشیت اور اپنا فیصلہ زبردستی جاری کرے گا جو شخص برضا و رغبت اور دل کے ساتھ بخوشی اسے مان لے گا۔ حق تعالیٰ اسے اپنی رحمت اور اپنے کرم سے نوازے گا وہ خوشی اور اطمینان کی زندگی گزارے گا اور وہ غیر اللہ کے سامنے اپنی فریاد لے کر جانے کا محتاج نہیں ہو گا۔

خاصیت جو شخص اس اسم مبارک کو شب جمعہ میں اور ایک قول کے مطابق آدھی رات کے وقت اتنا پڑھے کہ بے ہوش ہو جائے تو حق تعالیٰ اس کے باطن کو معدن اسرار بنا دے گا۔

العدل کی فضیلت و برکت کا بیان

انصاف کرنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ یہ جاننے کے بعد کہ اللہ انصاف کرنے والا ہے بندہ کو چاہئے کہ اس کے احکام اور اس کے فیصلوں سے اپنے اندر گھبراہٹ اور تنگی پیدا نہ کرے بلکہ یہ یقین رکھے کہ اس نے میرے بارہ میں جو فیصلہ فرمایا ہے وہ عین انصاف ہے لہٰذا اس پر توکل اور اعتماد کے ذریعہ راحت و اطمینان پیدا کرنے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اسے دے اس کو اس جگہ خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے جہاں خرچ کرنا از راہ شروع و عقل مناسب ہے اور اس کے عدل سے ڈرے اس کے فضل و کرم کا امیدوار رہے اور تمام امور میں افراط و تفریط سے پرہیز کرتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرے۔

خاصیت یہ جو شخص اس اسم پاک کو شب جمعہ میں روٹی کے بیس لقموں پر لکھ کر کھائے حق تعالیٰ تمام مخلوق کو اس کے لئے مسخر کر دے گا۔

اللطیف کی فضیلت و برکت کا بیان

اپنے بندوں پر نرمی کرنے والا اور باریک بیں کہ اس کے لئے دور و نزدیک یکساں ہیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ

وہ امور دین و دنیا میں غور وفکر کرے اور نرمی کے ساتھ لوگوں کو راہ حق کی طرف بلائے۔ خاصیت جس شخص کو اسباب معیشت مہیا نہ ہوں اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہتا ہو، یا غربت میں کوئی غمخوار نہ ہو یا بیمار ہو اور کوئی اس کی تیمارداری نہ کرتا ہو یا اس کے لڑکی ہو کہ اس کا رشتہ وغیرہ نہ آتا ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس اسم پاک کو اپنے مقصد کی نیت کے ساتھ سو بار پڑھے انشاء اللہ حق تعالیٰ اس کی مشکل کو آسان کرے گا اسی طرح لڑکیوں کا نصیب کھلنے کے لئے، امراض سے صحت یابی کے لئے اور مہمات کی تکمیل کے لئے کسی خالی جگہ میں اس اسم کی دعا کی شرائط کے ساتھ سولہ ہزار تین سو اکتالیس مرتبہ پڑھا جائے انشاء اللہ مراد حاصل ہوگی۔

الخبیر کی فضیلت و برکت کا بیان

دل کی باتوں اور تمام چیزوں کی خبر رکھنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرے بھیدوں پر مطلع ہے اور میرے دل کی باتیں تک جانتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ بھی اس کو یاد رکھے اور اس کی یاد کے آگے اس کے ماسوا کو بھول جائے۔ ضلالت کے راستوں سے پرہیز کرے۔ اپنی ذات پر ریاکاری کے ترک اور تقویٰ کے اختیار کو لازم کرے باطن کی اصلاح میں مشغول رہے اس سے غفلت نہ برتے اور دین و دنیا کی بہترین کھلی باتوں کی خبر رکھنے والا ہو۔ خاصیت جو شخص نفس امارہ کے ہاتھوں گرفتار ہو وہ اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا رہے اللہ نے چاہ تو اس سے نجات پائے گا۔

الحلیم کی فضیلت و برکت کا بیان

بردبار کہ مومن کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ توبہ کر کے فلاح پائیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ بدطینت لوگوں کی ایذاء پر تحمل کرے، زبردستوں کو سزا دینے پر تامل کرے اور غیض و غضب اور غصہ سے دور رہے اور حلم کے اس مرتبہ کمال کو پہنچنے کی کوشش کرے کہ اگر کوئی شخص اس کے ساتھ برائی کرے گا تو وہ اس کے ساتھ نیکی کرے۔ خاصیت اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو کاغذ پر لکھ کر دھوئے اور اس کا پانی کھیتی و درخت میں ڈالے نقصان سے محفوظ رہے گا، ان میں برکت ہو گی۔ اور ان سے پورا پورا ثمرہ حاصل ہوگا۔

العظیم کی فضیلت و برکت کا بیان

ذات پاک میں فہم و شعور کی رسائی سے بھی زیادہ بزرگ و برتر۔ یعنی اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے اس کی بزرگی و بڑائی اور عظمت اتنی زیادہ ہے کہ انسان کی عقل اور اس کی فہم و شعور اس کی عظمت و بڑائی کا ادراک بھی نہیں کر سکتا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ عظمت الٰہی کے آگے کونین کو بھی حقیر جانے، دنیا کے لئے کسی کے آگے اپنا سر نہ جھکائے۔ اپنے نفس کو حقیر جانے اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو کرنے کا حکم کیا ہے ان کو اختیار کرکے اور جن چیزوں سے بچنے کا حکم کیا ہے ان سے اجتناب کرے اور جو چیزیں اللہ کو محبوب ہیں ان میں مشغول رہ کر اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ تاکہ اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو۔ خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو پڑھنے پر مداومت و ہمیشگی اختیار کرے وہ مخلوق اللہ کی نظروں میں عزیز و مکرم ہوگا۔

الغفور کی فضیلت و برکت کا بیان

بہت بخشنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ رات و دن کے اکثر اوقات میں خصوصاً سحر کے وقت استغفار کو اپنے اوپر لازم کرے اور اس شخص کو بخشش و معافی دے جو اسے تکلیف وایذاء پہنچائے۔

خاصیت جس شخص کو کوئی بیماری ہو مثلاً بخار اور دردسر وغیرہ یا کوئی رنج وغم اس پر غالب ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس اسم پاک کو کاغذ پر لکھے اور اس کے نقش کو روٹی پر جذب کر کے اسے کھالے حق تعالیٰ اسے شفا و نجات عطا فرمائے گا اور اگر کوئی شخص اس کو بہت پڑھتا رہے اس کے دل کی ظلمت جاتی رہے گی۔

ایک حدیث میں منقول ہے کہ جو شخص سجدہ کرے اور سجدہ میں یارب اغفرلی اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے۔ تین مرتبہ کہے حق تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے گا۔ جس شخص کو دردسر کا عارضہ لاحق ہو یا کسی اور بیماری اور غم میں مبتلا ہو تو اسے چاہئے کہ یا غفور کے مقطعات تین مرتبہ لکھ کر کھالے انشاء اللہ شفا پائے گا۔

الشکور کی فضیلت و برکت کا بیان

قدردان اور تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب دینے والا۔ منقول ہے کہ کسی شخص کو جو مر چکا تھا خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ حق تعالیٰ نے کیسا معاملہ؟ اس شخص نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حساب کیا تو میری نیکیوں کا پلڑا اٹھ گیا۔ اور گناہوں کا پلڑا غالب ہو گیا کہ اچانک نیکیوں کے پلڑے میں ایک تھیلی آ کر پڑی جس سے وہ پلڑا جھک گیا۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو مجھے بتایا گیا کہ یہ ایک مٹھی بھر مٹی ہے جو تو نے اپنے ایک مسلمان بھائی کی قبر میں ڈالی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا فضل و کرم کتنے معمولی عمل پر بھی بندہ کو بے انتہا ثواب و رحمت سے نوازتا ہے اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے بایں طور کہ تمام نعمتوں کو اسی کی عطا جان کر اپنے ہر عضو کو اسی کام میں مشغول رکھے جس کے لئے حق تعالیٰ نے اسے پیدا کیا لے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے اور ان کا شکر ادا کرتا رہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ حدیث (لایشکر اللہ من لایشکر الناس)۔ وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا۔

خاصیت جس شخص کی معیشت تنگ ہو یا اس کی آنکھ کی روشنی اور قلب کے نور میں کمی پیدا ہو گئی ہو تو وہ اس اسم پاک کو اکتالیس بار پانی پر پڑھ کر پیئے اور آنکھوں پر ملے انشاء اللہ تونگری حاصل ہو گی اور شفا پائے گا۔

العلی کی فضیلت و برکت کا بیان

بلند مرتبہ۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اللہ کی ظاہری اور باطنی طاعات اور عبادات کے ذریعہ اپنے نفس کو ذلیل کرے اور اپنی تمام تر توانائی علم و عمل کے حصول میں صرف کرے یہاں تک کہ وہ انتہائی کمالات اور مراتب عالی کو پہنچے۔

حدیث شریف میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ امور کو پسند کرتا (کیونکہ اس کی وجہ سے بندہ اعلیٰ مراتب اور بلند درجات کو پہنچتا ہے) اور ادنیٰ امور کو ناپسند کرتا ہے اسی لئے حضرت علی کرام اللہ وجہہ کا یہ مقولہ ہے کہ علو ہمتی ایمان ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

خاصیت جو شخص اس اسم پاک پر مداومت کرے یا اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اگر وہ کمتر اور بے قدر ہو تو بزرگ و بلند مرتبہ ہو جائے گا فقر وافلاس میں مبتلا ہو تو تونگری حاصل ہوگی اگر سفر کی صعوبتوں میں مبتلا ہو تو وطن مالوف لوٹنا نصیب ہوگا۔

الکبیر کی فضیلت و برکت کا بیان

بڑا اور ایسا بڑا کہ اس کی بڑائی میں کوئی اس کا ہمسفر نہیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اس کی بڑائی کو ہمیشہ یاد رکھے یہاں تک کہ اس کے ماسوا کی بڑائی کو بالکل فراموش کر دے علم و عمل کے حصول کے ذریعہ اپنے نفس کو کامل بنانے کی کوشش کرے تا کہ اس کے کمال اور اس کے فیض سے دوسرے مستفید ہوں۔ تواضع وانکساری اختیار کرنے میں مبالغہ کرے اور خدمت مولیٰ کو اپنے اوپر لازم قرار دے کر بے اعتنائی او بے ادبی سے احتراز کرے۔

خاصیت اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھنے والا بزرگ مرتبہ اور عالی قدر ہوتا ہے اور اگر حکام و فرمانروا اس اسم پاک پر مداومت کریں تو لوگوں پر ان کو خوف و دبدبہ غالب ہو اور ان کے تمام امور بحسن خوبی انجام پائیں۔

الحفیظ کی فضیلت و برکت کا بیان

عالم کو آفات ونقصانات سے محفوظ رکھنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو گناہوں سے اور باطن کو ملاحظہ اغیار سے محفوظ رکھے اور اپنے تمام امور میں اللہ کے فیصلوں اور اس کی مشیت پر اکتفا کرے اور اس کی قضا و قدر پر راضی ہو۔ ایک بزرگ کا یہ قول منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کے اعضاء محفوظ رکھے اس کا دل محفوظ رکھا اور جس کا دل محفوظ رکھا اس کے بھیدوں کو محفوظ کیا۔

منقول ہے کہ ایک دن اتفاق سے ایک بزرگ وصالح کی نظر کسی ممنوع چیز پر پڑ گئی فوراً وہ بارگاہ الٰہی میں عرض رساں ہوئے الہ العالمین! مجھے اپنی بینائی کی بقاء کی صرف اسی لئے تمنا تھی تا کہ تیری عبادت میں کام آئے اب جب کہ تیرے حکم کی مخالفت کا سبب بن گئی ہے تو پروردگار! اسے مجھ سے چھین لے۔ چنانچہ ان کی بینائی جاتی رہی اور وہ اندھے ہو گئے وہ رات میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ بینائی جانے کے بعد رات میں انہیں پریشانی ہوئی یہاں تک کہ وہ طہارت اور وضو کے لئے پانی لینے سے بھی محتاج ہو گئے اب جب پانی ان کے ہاتھ نہ لگا اور نماز و عبادت میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو پھر اللہ کے حضور عرض کیا پروردگار! میں نے خود ہی کہا تھا کہ میری بینائی مجھ سے چھین لے لیکن اب رات میں تیری عبادت کے لئے مجھے اس کی ضرورت ہے اس کے بعد اللہ نے ان کی بینائی واپس کر دی اور وہ ٹھیک ہو گئے۔

خاصیت اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو لکھ کر اپنے دائیں بازو پر باندھ لے تو وہ ڈوبنے، جلنے، آسیب اور نظر بد وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔

المقیت کی فضیلت و برکت کا بیان

بدن وروح کے لئے قوت (غذا) پیدا کرنے والا اور انہیں قوت دینے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اس

نے یہ جان لیا کہ وہی قوت پیدا کرنے والا ہے اور قوت دینے والا ہے تو اب اسے چاہئے کہ وہ اس کے ذکر (یعنی یادالٰہی) کے سامنے اپنے قوت کا ذکر (یعنی اپنی غذا کا فکر) بھول جائے کیونکہ حقیقی قوت تو اسی کا ذکر اور اسی کی یاد ہے جیسا کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان سے جب قوت کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ حی الذی لا یموت (ایسا زندہ جو نہیں مرتا) کا ذکر ہے۔ نیز بندہ کو چاہئے کہ وہ قوت اور قوت اپنے مولیٰ کے علاوہ اور کسی سے نہ مانگے ارشاد ربانی ہے۔ آیت (وان من شیء الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم)۔ ایسی کوئی چیز نہیں ہے ہمارے پاس جس کے خزانے نہ ہوں اور ہم اسے اپنے اندازہ مقرر کے مطابق ہی اتارتے ہیں۔ نیز بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر متعلق کو قوت دے جس کا وہ مستحق ہے تاکہ دوسروں کو نفع پہنچانا گمراہوں کی ہدایت کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا اس کا طرہ بن جائے۔

قشیری فرماتے ہیں کہ قوت مختلف نوع کے ہوتے ہیں ایک تو یہی ظاہری غذا اور خوراک کہ جس پر انسان کی زندگی کا مدار سمجھا جاتا ہے لیکن بعض بندے تو ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عبادات کی توفیق کو ان کے نفس کا قوت، مکاشفات کے صدور کو ان کے دل کا قوت اور مداومت مشاہدات کو ان کی روح کا قوت بنا دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی نیک بندہ کو اپنی طاعت وعبادات میں مشغول کرتا ہے اور طرح کہ وہ اپنی خواہشات نفس سے بالکل قطع نظر کر کے پورے حضور اور صدق واخلاص کے ساتھ صرف اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کسی ایسے شخص کو مقرر فرما دیتا ہے جو اس کی خبرگیری اور خدمت کرتا ہے اور اس کے ذریعہ اس کی ضروریات زندگی خود بخود پوری ہوتی رہتی ہیں لیکن جب کوئی بندہ اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی خواہش کی تکمیل کو اسی کے بل بوتہ پر چھوڑ دیتا ہے اور اس کے اوپر سے اپنی عنایت ومدد کا سایہ اٹھا لیتا ہے۔ خاصیت اگر کوئی شخص کسی کو غربت زدہ دیکھے یا خود غربت میں مبتلا ہو، یا کوئی بچہ اپنی بدخوئی سے باز نہ آتا ہو یا بہت روتا ہو تو کسی خالی پیالہ وغیرہ پر سات بار اس اسم پاک کو پڑھ کر دم کرے اور پھر اس پیالہ میں پانی ڈال کر پی لے یا جس کو ضرورت ہو اسے پلا دے۔ اسی طرح اگر کسی روزہ دار کو ہلاکت کا خوف ہو تو وہ اس اسم پاک کو کسی پھول پر پڑھ کر سونگھے انشاء اللہ اسے قوت وتقویت حاصل ہوگی اور روزے رکھنے کے قابل ہو جائے گا۔

الحسیب کی فضیلت وبرکت کا بیان

ہر حال میں کفایت کرنے والا یا قیامت کے دن حساب لینے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ محتاجوں کو کفایت کرنے والا یعنی ان کی حاجتوں کو پورا کرنے والا ہو اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔ قشیری نے اس موقع پر جو بات کہی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندوں کو اللہ کا کفایت کرنا یہ ہے کہ وہ اس کے ہر حال میں اور ہر کام میں مددگار ہوتا ہے اور اس کا ہر کام پورا ہوتا ہے لہٰذا جب بندہ نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی اور میری ہر مراد اور میرے ہر کام کو پورا کرنے والا ہے تو اب اس کو چاہئے کہ وہ کسی بھی دنیاوی سہارے پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اگر اسے اپنے مقصد کے حصول میں کسی بھی دنیاوی سہارے سے بوقت ضرورت فائدہ نہ پہنچے جب کہ اسے اس سہارے پر اعتماد بھی رہا ہو تو اس سے بددل اور پریشان خاطر نہ ہو بلکہ یہ یقین رکھے کہ اللہ نے میرے مقدر میں جو طے فرما دیا ہے بہر صورت وہی ہوگا اگر قسمت میں حصول مقصد لکھا جا چکا ہے تو وہ ضرور حاصل ہوگا چاہے وہ

دنیاوی سہارا کتنا ہی مایوس کن کیوں نہ ہو اور اگر قسمت میں مقصد کا حصول نہیں لکھا ہے تو وہ حاصل نہیں ہوگا چاہے وہ دنیاوی سہارا کتنا ہی زور کیوں نہ لگا لے اور پھر یہ کہ جو شخص اللہ کی طرف سے پیش آنے والی چیز پر جو کہ اگر چہ اس کا مطلب نہیں ہے اکتفا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس چیز پر راضی و مطمئن کر دے گا جو اس نے اس شخص کے لئے طے فرما دی ہوگی چنانچہ اس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا بندہ اپنے اسی وصف (یعنی راضی برضاء ہو جانے کی) بناء پر اپنے مطلوب کے عدم حصول کو اس کے حصول کے مقابلہ میں فقر کو غنا کے مقابلہ میں برضا و رغبت اختیار و قبول کرے گا اور بسبب مشاہدہ و تصرف مولیٰ حصول مقصد کے اسباب و ذرائع مہیا نہ ہونے ہی پر مطمئن ہو جائے گا۔

خاصیت جو شخص کسی چور یا حاسد یا ہمسایہ بد اور دشمن کے شر سے ڈرتا ہو یا چشم زخم سے پریشان ہو تو وہ ایک ہفتہ تک ہر صبح و شام ستر بار حسبی اللہ الحسیب (کفایت کرنے والا اللہ میرے لئے کافی ہے) پڑھ لیا کرے اللہ تعالیٰ اسے ان چیزوں کے شر اور پریشانی سے محفوظ رکھے گا۔

الجلیل کی فضیلت و برکت کا بیان

بزرگ قدر۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ صفات کمال کے ذریعہ اپنے نفس کو آراستہ کر کے بزرگ مرتبہ بنے۔

خاصیت اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو مشک و زعفران سے لکھ کر اپنے پاس رکھے یا کھائے تو تمام لوگ اس کی تعظیم و توقیر کرنے لگیں گے۔ "الکریم" بڑا سخی اور بہت دینے والا کہ اس کا دینا نہ کبھی بند ہوتا ہے نہ اس کے خزانے خالی ہوتے ہیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ مخلوق اللہ کو بغیر وعدہ کے مال و زر دیتا رہے اور ان کی ہر طرح کی مدد کرتا رہے نیز برے اخلاق اور برے فعل سے پرہیز کرے۔

خاصیت جو شخص اپنے بستر پر پہنچ کر اس اسم پاک کو اتنا پڑھے کہ پڑھتے پڑھتے سو جائے تو اس کے لئے فرشتے دعا کریں اور کہیں اکرمک اللہ اللہ تجھے بزرگ مرتبہ کرے اور تو مکرم و معزز ہو۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس اسم کو بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے اسی وجہ سے انہیں کرم اللہ وجہہ کہا جانے لگا۔"

الرقیب کی فضیلت و برکت کا بیان

ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بندوں کے احوال افعال جاننے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت اور ہر حال میں اللہ ہی پر نظر رکھے اس کے علاوہ کسی اور سے سوال نہ کرے کہ ماسوا اللہ کی طرف التفات ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے جن کی نگہبانی اور دیکھ بھال پر مقرر فرمایا ہے ان کی نگہبانی اور دیکھ بھال میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہ کرے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم سب راعی یعنی نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارہ میں محاسبہ کیا جائے گا یعنی جن کی نگہبانی اور خبر گیری پر تمہیں متعین کیا گیا ہے ان کی نگہبانی اور خبر گیری کا حال تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنا فرض کہاں تک ادا کیا؟

قشیری کہتے ہیں کہ اس طائفہ یعنی اولیاء اللہ کی جماعت کے نزدیک مراقبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ پر دل کے ساتھ۔۔۔ اللہ کی

یاد غالب ہو اور یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے حال پر مطلع ہے لہٰذا وہ ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہر دم اس کے عذاب سے ڈرے چنانچہ صاحب مراقبہ اللہ تعالیٰ کی حیاء اور اس کی ہیبت کی وجہ سے خلاف شرع باتیں اس شخص سے زیادہ چھوڑتا ہے جو عذاب الٰہی کے ڈر سے گناہ چھوڑتا ہے اور جو شخص اپنے دل کی رعایت کرتا ہے یعنی ضمیر کے صحیح تقاضے پر ہی عمل کرتا ہے تو اس کا کوئی لمحہ اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت سے خالی نہیں رہتا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل کا حساب لے گا خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا عمل ہو یا بڑے سے بڑا۔

ایک ولی کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کے انتقال کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور مجھ پر اپنا احسان فرمایا لیکن پورا حساب لیا یہاں تک مجھ سے اس عمل کا بھی مواخذہ کیا کہ ایک دن میں روزے سے تھا جب افطار کا وقت ہوا تو میں نے اپنے ایک دوست کی دکان سے گیہوں کا ایک دانہ اٹھا لیا اور پھر سے توڑا، معاً مجھے خیال آیا کہ گیہوں کا یہ دانہ میری ملکیت میں نہیں ہے یہ خیال آتے ہی میں نے اس دانے کو اس جگہ ڈال دیا چنانچہ اب جب کہ میرا حساب لیا گیا تو اس گیہوں کے توڑنے کی بقدر نیکی میری نیکیوں سے لی گئی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسے ایک دن اللہ کی بارگاہ میں اتنی چھوٹی سے چھوٹی باتوں کا بھی حساب دینا ہے تو کیا وہ گوارا کرے گا کہ اپنی عمر عزیز باطل چیزوں میں ضائع کرے۔ اور اپنے وقت کو تاہیوں اور غفلتوں کی نذر کر دے؟

حدیث شریف میں منقول ہے کہ تم اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے۔

خاصیت جو شخص اپنی بیوی، اپنی اولاد اور اپنے مال پر اس اسم پاک کو سات مرتبہ پڑھ کر ان کے چاروں طرف دم کرے وہ تمام دشمنوں اور تمام آفات سے بے خوف ہو جائے گا۔

المجیب کی فضیلت و برکت کا بیان

عاجزوں کی دعا قبول کرنے والا اور پکارنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے اور حاجتمندوں کی حاجتوں کو پورا کرے۔

خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو بہت پڑھے اور پھر دعا کرے تو اس کی دعا جلد قبول ہوگی اور اگر اسے لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حق تعالیٰ کی امان میں رہے گا۔

الواسع کی فضیلت و برکت کا بیان

وسیع علم والا اور اپنی نعمتوں سے سب کو نوازنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنے علم میں اپنی سخاوت میں اور معارف و اخلاق میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش کرے سب ہی سے چہرہ کی بشاشت اور کشادگی کے ساتھ پیش آئے اور دنیاوی مقاصد کے حصول میں فکرمند نہ رہا کرے۔

خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو بہت پڑھے اور اس پر ہمیشگی اختیار کرے حق تعالیٰ اسے قناعت اور برکت کی دولت سے

نوازے گا۔

الحکیم کی فضیلت و برکت کا بیان

دانا اور استوار کار۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں مذکور صفات حمیدہ کو اپنائے اور کمال تعلق اس سے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنے تمام امور میں استوار پیدا کرے نیز اسے چاہئے کہ وہ سفاہت یعنی بے وقوفی سے پرہیز کرے اور کوئی کام بغیر باعث حقانی اور بغیر داعیہ ربانی نہ کرے تا کہ اس کی ذات اسم "حکیم" کا پرتو ثابت ہو۔

حضرت ذوالنون مصری کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب میں نے سنا کہ مغرب کے علاقہ میں ایک شخص اپنے علم وحکمت کی بناء پر بہت مشہور ومعروف ہیں تو میں ان کی زیارت کے لئے ان کے پاس پہنچا میں چالیس دن تک ان کے دروزے پر پڑا رہا اور میں یہ دیکھتا تھا کہ وہ نماز کے وقت مسجد میں آتے اور حیران و پریشان پھرنے لگتے اور میری طرف قطعاً کوئی توجہ والتفات نہ فرماتے اس صورت حال سے میں تنگ آ گیا تو ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ جناب! چالیس دن سے میں یہاں پڑا ہوں لیکن نہ تو آپ میری طرف التفات کرتے ہیں اور نہ مجھ سے کلام کرتے ہیں؟ آپ مجھے کوئی نصیحت کیجئے اور کچھ باحکمت باتیں بتائیے کہ اسے میں یاد رکھو۔ انہوں نے کہا کہ تم اس پر عمل کرو گے یا نہیں؟ میں نے کہا ہاں اگر اللہ نے توفیق دی تو ضرور عمل کروں گا۔ پھر انہوں نے حکمت وموعظت سے بھرپور یہ بات مجھ سے کہی کہ دنیا کو دوست نہ رکھو، فقر کو غنیمت جانو، بلا کو نعمت سمجھو، منع یعنی نہ ملنے کو عطا جانو، غیر اللہ کے ساتھ نہ انس اختیار کرو اور نہ ان کی صحبت میں اپنے کو مشغول رکھو، خواری کو عزت سمجھو، موت کو حقیقی حیات جانو، طاعت وعبادت کو اپنی عزت کا ذریعہ سمجھو اور توکل کو اپنی معاش قرار دو۔ از سینہ محو کن ہمہ نام ونشان غیر الا کسے کہ می دہد از وے نشان ترا۔

خاصیت اگر کسی شخص کو اپنے کسی کام میں پریشانی ہو اور وہ پورا نہ ہو رہا ہو تو اسے چاہئے کہ اس اسم پاک پر مداومت اور ہمیشگی اختیار کرے انشاء اللہ تعالیٰ اس کا کام پورا ہو جائے گا۔

الودود کی فضیلت و برکت کا بیان

فرمانبردار بندوں کو دوست رکھنے والا یا اولیاء اللہ کے قلوب میں محبوب۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ مخلوق اللہ کے لئے وہی چیز پسند کرے گا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ان پر اپنی بساط بھر احسان کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ بندوں کو اللہ تعالیٰ کا دوست رکھنا یہ ہے کہ وہ بندوں پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے۔ ان کی تعریف کرتا ہے ان کو خیر وبھلائی پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندوں کا دوست رکھنا یہ ہے کہ وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور اپنے قلوب میں اس کی ہیبت وبڑائی رکھتے ہیں۔

حدیث میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے دوستوں میں بڑا دوست وہ ہے جو غیر عطا کے لئے میری عبادت کرتا

ہے یعنی وہ عطاؤ بخشش کی امید سے نہیں بلکہ صرف میری رضا اور خوشنودی کی خاطر ہی عبادت کرتا ہے۔
خاصیت اگر میاں بیوی کے درمیان نا چاقی پیدا ہو جائے اور تعلقات انتہائی کشیدہ ہو جائیں تو اس اسم پاک کو کسی کھانے کی چیز پر ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھ کر دونوں میں سے اس کو کھلا دیا جائے جس کی طرف سے نا چاقی پیدا ہوتی ہو انشاء اللہ ان دونوں کے درمیان اتفاق والفت کی فضا بحال ہو جائے گی۔

المجید کی فضیلت و برکت کا بیان

بزرگ وشریف ذات۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم مبارک العظیم کے بارہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ خاصیت جس شخص کو آبلہ یا، یا باد فرنگ (آتشک) یا برص اور یا جذام کا مرض لاحق ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ایام بیض میں روزے رکھے اور افطار کے وقت اس اسم پاک کو بہت پڑھے اور دم کر کے پی لے اللہ نے چاہا تو یقیناً شفا پائے گا اور جس شخص کو اپنے ہم عصروں اور ہم جنسوں میں عزت واحترام کی نظر سے نہ دیکھا جاتا ہو تو وہ ہر صبح اس اسم پاک کو ننانوے مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے اسے عزت واحترام حاصل ہوگا۔

الباعث کی فضیلت و برکت کا بیان

مردوں کی قبروں سے اٹھانے والا اور زندہ کرنے والا غافلوں کا دل خواب غفلت سے بیدار کرنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ جاہل نفسوں کو تعلیم دے کر اور نصیحت کر کے انہیں دیکھے سب رنبی کا احساس دلا کر اور آخرت کی نعمتوں کا راغب بنا کر جہالت وغفلت کے خواب سے انہیں بیدار کرے اور ان کے مردہ قلوب کو زندہ کرے۔ چنانچہ وہ اپنے نفس سے اس کی ابتدا کرے اس کے بعد دوسروں کی طرف متوجہ ہو۔ خاصیت اگر کوئی یہ چاہے کہ اس کے قلب کو حقیقی زندگی ملے تو سوتے وقت اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اس اسم پاک کو ایک سو ایک بار پڑھے۔ حق تعالیٰ اس کے دل کی مردنی کو دور کرے گا اور اسے حیات بخش کر انوار کا مسکن بنائے گا۔

الشہید کی فضیلت و برکت کا بیان

حاضر اور ظاہر و باطن پر مطلع۔ قشیری کہتے ہیں کہ اہل معرفت اللہ سے اس کی ذات کے علاوہ اور کسی مونس کی خواہش نہیں کرتے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ صرف اسی ذات پر خوش اور مطمئن رہتے ہیں کیونکہ صرف اللہ ہی ان کے تمام احوال پر نظر رکھتا ہے اور وہی ان کے تمام امور وافعال کو جانتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آیت (اولم یکف بربک انہ علی کل چیز شہید)۔ کیا تمہارا پروردگار تمہارے لئے اس بات میں کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر مطلع ہے۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اس بات کا دھیان رکھے کہ اس کا پروردگار اس کو کسی ایسی جگہ نہ دیکھے جو اس کے لئے پروردگار کی طرف سے ممنوع ہے یعنی برائی کی جگہ اور اس کو کسی بھی ایسی جگہ سے غیر موجود نہ دیکھے جہاں اس کو موجود رہنے کا اس نے حکم دیا ہے (یعنی بھلائی کی جگہ) اور اس یقین کی بناء پر کہ اللہ تعالیٰ میرے حال کو مجھ سے اچھی طرح جانتا ہے اور وہ میری حالت کو بخوبی دیکھتا ہے، غیر اللہ کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنے اور غیر

اللہ کی طرف بنظر امید رغبت و میلان رکھنے سے باز رہے نیز بندہ پر اس اسم کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ صرف سچائی کا گواہ بنے اور سچائی ہی کی رعایت کرے۔

خاصیت اگر کسی شخص کا لڑکا نافرمان ہو یا اس کی لڑکی غیر صالح ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ہر روز صبح کے وقت اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھے اور اس کا منہ آسمان کی طرف اٹھوا کر یا شہید اکیس بار پڑھے حق تعالیٰ اسے فرمانبردار اور صالح بنائے گا۔

الحق کی فضیلت و برکت کا بیان

شہنشاہی کے ساتھ قائم اور خدائی کے لائق۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اس نے جان لیا کہ اسی کی ذات حق ہے تو اب وہ اس کے مقابلہ میں مخلوق کی یاد اور مخلوق کی طلب بھول جائے۔ نیز اس اسم کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام اقوال وافعال اور احوال میں حق بات اور حق چیز ہی کو اپنے اوپر لازم کرے۔

خاصیت اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی تو ایک کاغذ کے چوروں کونوں پر اس اسم پاک کو لکھے اور کاغذ کے بیچ میں اس چیز کا نام لکھے اور پھر آدھی رات کے وقت اس کاغذ کو ہتھیلی پر رکھ کر اور آسمان کی طرف نظر کر کے حق تعالیٰ سے اس اسم پاک کی برکت اور اس کے وسیلہ کے ذریعہ اس چیز کے حصول کی دعا کرے۔ انشاء اللہ یا وہ چیز جوں کی توں مل جائے گی یا اس کا کچھ حصہ حاصل ہو جائے گا اور اگر کوئی قیدی آدھی رات کے وقت ننگے سر ہو کر اس اسم پاک کو ایک سو آٹھ مرتبہ پڑھے تو حق تعالیٰ اسے رہائی نصیب کرے گا۔"

الوکیل کی فضیلت و برکت کا بیان

کارساز۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے آیت (وکفی باللہ وکیلا) (یعنی کارساز ہونے میں اللہ کفایت کرتا ہے) اور آیت (وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین) اگر تم مومن ہو تو اپنا ہر کام اللہ ہی کی طرف سونپو آیت (ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ) (جو شخص اللہ ہی پر بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے اور اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے) اور آیت (وتوکل علی الحی الذی لایموت) (یعنی ایسے زندہ پر بھروسہ اور اعتماد کرو جو غالب اور مہربان ہے۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ضعیف اور لاچار لوگوں کا مددگار و معاون بنے اور ان کے کام کاج کرتا رہے ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں اس طور پر سعی و کوشش کرے کہ گویا وہ ان کا وکیل ہے۔

خاصیت اگر بجلی گرنے کا خوف ہو یا پانی اور آگ سے کسی نقصان کا خطرہ ہو تو اس اسم پاک کا ورد کیا جائے تو انشاء اللہ امان ملے گی اور اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو کسی خوف و خطر کی جگہ بہت پڑھے تو وہ بے خوف و بے خطر ہو گا۔

القوی المتین کی فضیلت و برکت کا بیان

قوت والا اور تمام امور میں استوار۔ ان سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ خواہشات نفسانی پر غالب اور قوی ہو دین کے معاملہ میں سخت و چست رہے اور شرعی احکام کو نفاذ کرنے اور پھیلانے میں کسی سستی اور کمزوری کو راہ نہ دے۔

خاصیت اگر کسی کا دشمن قوی ہو اور وہ اس کے دفاع میں عاجز اور لاچار ہو تو وہ تھوڑا سا آٹا گوندھے اور اس کی ایک ہزار ایک

سو گولیاں بنا لے۔ پھر ایک ایک گولی اٹھاتا جائے اور یا قوی پڑھتا جائے اور اس گولی کو بہ نیت دفاع دشمن مرغ کے آگے ڈالتا رہے حق تعالیٰ اس کے دشمن کو مغلوب و مقہور کر دے گا اور اگر اس اسم پاک کو جمعہ کی شب میں بہت زیادہ پڑھا جائے تو نسیان کا مرض جاتا رہے گا اگر کسی بچہ کا دودھ چھٹایا گیا ہو اور وہ بچہ اس کی وجہ سے صبر و قرار نہ پاتا ہو تو اس اسم پاک کو لکھ کر اس بچہ کو پلا دے اسے صبر وقرار آ جائے گا، اسی طرح اگر کسی دودھ والی کے دودھ میں کمی ہو تو اس اسم پاک کو لکھ کر اس کو پلا دیا جائے اس کے دودھ میں فراوانی آ جائے گی اور اگر کوئی شخص ملک و حکومت کے کسی منصب یا کام پانے کی خواہش رکھتا ہو تو وہ اس کو اتوار کے روز اول ساعت میں اپنے مقصد کی نیت سے اس اسم المتین کو تین سو ساٹھ بار پڑھے۔ انشاء اللہ اس کو وہ منصب حاصل ہوگا۔

الولی کی فضیلت و برکت کا بیان

مددگار اور مومنوں کو دوست رکھنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ میل ملاپ اور دوستی رکھے اور دین کی تائید و حمایت میں کوشش کرے اور مخلوق اللہ کی حاجتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔

قشیری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی علامات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ کو دوست رکھتا ہے اسے ہمیشہ خیر و برکت بھلائی کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بندہ اگر بتقاضائے بشریت کسی برائی کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ارتکاب سے اسے بچاتا ہے اور اگر وہ ناگہاں اس برائی میں مبتلا ہو بھی جاتا ہے تو اسے اس میں مبتلا نہیں رہنے دیتا بلکہ جلد ہی توبہ و انابت کے ساتھ اس برائی سے نکال لیتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے کہا گیا ہے کہ۔ اذا احب اللہ عبدا لم یضرہ ذنب ۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کو گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ اور اگر طاعت و عبادت میں کوتاہی و قصور کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اسے طاعت و عبادت میں مشغول ہونے ہی کی توفیق عطا فرماتا ہے اور یہی بات بندہ کی سعادت کی علامت قرار پاتی ہے جب کہ اس کا عکس بندہ کی شقاوت و سیاہ بختی کی علامت ہے نیز اللہ تعالیٰ کی دوستی کی ایک اور علامت اور اس کا اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اولیا کے قلوب میں ایسے بندہ کی محبت جاگزیں کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اولیاء اللہ اس بندہ سے کمال تعلق اور مہربانی سے پیش آتے ہیں۔

خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا ہے وہ مخلوق اللہ کی دل کی باتوں پر آگاہ ہو اور اگر کسی شخص کی بیوی یا لونڈی ایسی سیرت و عادت کی حامل ہو کہ اس کے لئے باعث کوفت اور باعث اذیت ہو تو اسے چاہئے کہ جب وہ اس بیوی یا لونڈی کے سامنے جانا چاہے تو اس اسم پاک کو بہت پڑھے حق تعالیٰ اسے صلاحیت و درستی کی راہ پر لگائے گا۔

الحمید کی فضیلت و برکت کا بیان

اپنی ذات صفات کی تعریف کرنے والا یا تعریف کیا ہوا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ ہمیشہ حق کی تعریف کرنے والا رہے۔ صفات کمالیہ کے ساتھ اپنی ذات کو آراستہ کرے یا اپنے اعمال حسنہ اور اخلاق حمیدہ کی بناء پر اللہ اور اللہ کی مخلوق دونوں کی نظروں میں ایسا ثابت ہو کہ اس کی تعریف کی جائے۔

خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھے اس کے افعال پسندیدہ ہوں گے اور اگر کسی شخص پر فحش گوئی اور بدزبانی غالب ہو کہ اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے پر قادر نہ ہو تو اسے چاہیے کہ اس اسم پاک کو کسی پیالہ پر لکھے یا بعض حضرات کے قول کے مطابق اس اسم پاک کو اس پیالہ پر نوے بار پڑھے ور ہمیشہ اسی پیالہ میں پانی پیتا رہے انشاء اللہ فحش گوئی اور بدزبانی سے محفوظ رہے گا۔

المحصی کی فضیلت و برکت کا بیان

اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کے نزدیک تمام مخلوقات کی تعداد ظاہر ہے۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ خواہ حرکت کی حالت میں ہو یا سکون کی حالت میں یعنی کسی بھی لحظہ اور کسی بھی لحہ غفلت میں مبتلا نہ وہ اور اس کا ایک ایک سانس یاد الٰہی کے ساتھ باہر آئے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اہل جنت اس لحہ پر حسرت وافسوس کریں گے جو یاد الٰہی کے بغیر گزرا ہو گا۔ نیز اس بات کی کوشش کرے کہ اپنے اعمال اور باطنی احوال پر مطلع رہے۔ اور اس اسم کا تقاضہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کو شمار کرتا رہے تا کہ وہ ان کا شکر ادا کرے کے اللہ کے سامنے اپنے آپ کو عاجز و محتاج سمجھے اور اپنے گناہوں کو شمار کرے۔ ان کی وجہ سے شرمندہ و شرم سار و معذرت خواہ ہو اور ان ایام اور لمحات کو یاد کر کے حسرت وافسوس کرے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کی یاد سے خالی رہے ہوں۔

خاصیت جو شخص شب جمعہ میں اس اسم پاک کو ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اسے عذاب قبر اور عذاب قیامت سے محفوظ رکھے گا۔

المبدیء۔ المعید کی فضیلت و برکت کا بیان

پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا اور دوبارہ پیدا کرنے والا۔ ان ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ہر معاملہ اور ہر چیز میں اللہ رب العزت کی طرف اول بار بھی اور دوبارہ بھی رجوع کرے۔ نیکیاں پیدا کرنے میں سعی وکوشش کرے اور جو نیک عمل کرنے سے رہ گیا ہو یا جس عمل میں کوئی کمی اور کوتاہی ہوگئی ہو اس کا اعادہ کرے یعنی ان کو دوبارہ کرے۔

خاصیت جس کی بیوی کو حمل ہو اور اسقاط حمل کا خوف ہو یا ولادت میں غیر معمولی تاخیر ہو رہی ہو تو خاوند کو چاہئے کہ وہ اس اسم پاک المبدی کو نوے بار پڑھے اور شہادت کی انگلی اسے پیٹ کے چاروں طرف پھیرے انشاء اللہ حمل ساقط ہونے کا خوف نہیں رہے گا اور ولادت سے باطمینان اور بلا کسی ضرر جلد فراغت حاصل ہوگی اور جو شخص اس اسم پاک پر مداومت کرے یعنی اس کو پڑھنے پر ہمیشگی اختیار کرے تو اس کی زبان سے وہی بات نکلے گی جو صحیح اور باعث ثواب ہوگی۔

اگر کسی شخص کا کوئی عزیز وغیرہ غائب ہو گیا ہو اور اس کی آمد یا خیریت کی طلب کا خواہش مند ہو تو اس وقت جب کہ اس کے گھر والے سو گئے ہوں اس اسم پاک کو گھر کے چاروں کونوں میں ستر بار پڑھے اور اس کے بعد کہے یا معید فلاں شخص کو میرے پاس واپس بلادے یا اس کی خیریت معلوم کرادے، سات دن بھی گزرنے نہ پائیں گے کہ یا تو غائب آجائے گا یا اس کی خیریت معلوم ہو جائے گی۔ اور اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہوئی ہو تو وہ اس اسم المعید کو بہت زیادہ پڑھتا رہے انشاء اللہ اس کی وہ چیز مل جائے گی۔

المحی ۔ الممیت کی فضیلت و برکت کا بیان

زندہ کرنے والا اور مارنے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نور ایمان کے ذریعہ قلوب کو زندہ کرتا ہے اور جسم میں زندگی پیدا کرتا ہے نیز وہی جسم کو موت دیتا ہے اور قلوب کو غفلت و نادانی کے ذریعہ مردہ کرتا ہے۔ ان دونوں ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ علم سے نفع پہنچا کر مخلوق اللہ کو اور مغفرت الٰہی کی شمع جلا کر قلب کو زندگی و تازگی کی دولت بخشے اور نفسانی خواہشات اور شیطانی خطرات و وساوس کو موت کے گھاٹ اتارے، نیز یہ حیات کی تمنا کرے اور نہ موت کی آرزو بلکہ قضاء وقدر الٰہی کا تابعدار بنے اور یہ دعا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے پڑھتا رہے۔ دعا (اللّٰھم احینی ما کان الحیوۃ خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی واجعل الحیوۃ زیادۃ فی کل خیر واجعل الموت راحۃ من کل شر)۔ اے اللہ مجھے زندگی دے کہ جب تک کہ زندگی میرے لئے بہتر ہو اور مجھے موت دے جب کہ موت میرے لئے بہتر ہو اور میری زندگی کو ہر خیر و بھلائی میں زیادتی کا سبب اور موت کو ہر برائی سے راحت کا باعث بنادے۔

خاصیت جو شخص کسی درد، رنج و تکلیف اور کسی عضو کے ضائع ہو جانے کے خوف میں مبتلا ہو تو وہ اس اسم پاک المحی کو سات بار پڑھے حق تعالیٰ اسے خوف سے نجات دے گا نیز درد ہفت اندام کو دور کرنے کے لئے سات روز تک یہ اسم پڑھا کرے اور ہر روز پڑھ کر دم کیا جائے اور جو شخص اس اسم پاک کے پڑھنے پر ہمیشگی اختیار کرے تو اس کے دل کو زندگی اور بدن کو قوت حاصل ہوگی جو شخص اپنے نفس پر قادر نہ ہو کہ اتباع شریعت کے معاملہ میں اس کا نفس اس پر غالب ہو یعنی اسے اتباع شریعت سے باز رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سوتے وقت سینہ پر ہاتھ رکھ کر اسم پاک الممیت اتنا زیادہ پڑھا کرے کہ پڑھتے ہوئے سو جائے تو حق تعالیٰ اس کے نفس کو مطیع و فرمانبردار بنادے گا۔

الحی کی فضیلت و برکت کا بیان

ازل سے ابد تک زندہ رہنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے ذریعہ زندہ رہے اور اپنی جان اس کی راہ میں قربان کر دے۔ یعنی اللہ کے راستہ میں شہید ہو کر ابدی حیات حاصل کرے۔

خاصیت اگر کوئی شخص بیمار ہو تو اس اسما پاک کو بہت پڑھتا رہے یا کوئی دوسرا شخص اس بیمار پر اور بعض حضرات کے قول کے مطابق آنکھ سامنے کر کے اسے بہت پڑھے تو حق تعالیٰ اسے صحت عطا فرمائے گا اور جو شخص ہر روز ستر بار اس اسم کو پڑھ لیا کرے تو اس کی عمر دراز ہوگی اور اس کی قوت روحانیہ میں اضافہ ہوگا۔

القیوم کی فضیلت و برکت کا بیان

خود بھی قائم اور مخلوقات کا قائم رکھنے والا اور خبر گیری کرنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ماسوا اللہ سے بالکل بے پرواہ ہو جائے۔

قشیری فرماتے ہیں کہ جس نے یہ جانا اللہ تعالیٰ قیوم ہے تو اس نے تدبیر و اشتغال سے نجات پائی اور راحت و تفویض کے

ساتھ اپنی زندگی گزاری لہٰذا اب نہ تو بخل کرے گا اور نہ دنیا کی کسی بھی بیش قیمت چیز کو کوئی اہمیت دے گا۔

خاصیت جو شخص بوقت سحر اس اسم کو بہت زیادہ پڑھا کرے تو لوگوں کے قلوب میں اس کا تصرف ظاہر ہوگا یعنی تمام لوگ اسے محبوب و دوست رکھیں گے اور اگر کوئی شخص اس اسم کو بہت زیادہ پڑھے تو اس کے تمام امور بحسب دلخواہ پورے ہوں گے۔

الواجد کی فضیلت و برکت کا بیان

غنی کہ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ ضروری کمالات عالیہ حاصل کرنے میں سعی و کوشش کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ماسوی اللہ سے مستغنی و بے پرواہ ہو۔

خاصیت اگر کوئی شخص کھانا کھاتے وقت ہر نوالے کے ساتھ یہ اسم پاک پڑھے تو وہ کھانا اس کے پیٹ میں نور ہوگا اور اگر کوئی خلوت میں اس اسم کو پڑھے تو تونگر ہوگا۔

الماجد کی فضیلت و برکت کا بیان

بزرگ نصیب۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اس سے پہلے نام کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو خلوت میں پڑھے اتنا کہ بے ہوش ہو جائے اس کے دل پر انوار الٰہی ظاہر ہوں گے اور کوئی شخص اس کو بہت پڑھتا رہے تو مخلوق اللہ کی نظروں میں بزرگ مرتبہ ہو۔

الواحد۔ الاحد کی فضیلت و برکت کا بیان

ذات و صفات میں یکتا و یگانہ۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ عبادت و بندگی میں یکتا و یگانہ بنے جیسا کہ اس کا معبود خدائی میں یکتا و یگانہ ہے۔ اور ایسے فضائل سے اپنی ذات کو آراستہ کرے کہ اس کا کوئی ہم جنس اس کے مثال نہ ہو۔

خاصیت اگر کسی کا دل خلوت سے ہراساں ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس اسم پاک کو ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھے انشاء اللہ اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا اور بارگاہ حق جل مجدہ کا مقرب ہوگا اور اگر کسی کا فرزند پیدا ہونے کی تمنا ہو تو وہ اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے اللہ تعالیٰ اسے فرزند عطا کرے گا۔

الصمد کی فضیلت و برکت کا بیان

بے پرواہ کہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنی ہر حاجت میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرے اپنے رزق سے بے فکر رہے، اس کی ذات پر توکل کرے دنیا کی حرام چیزوں سے بچے دنیا کی زینت کی چیزوں کی طرف رغبت نہ کرے، دنیا کی حلال چیزوں کے حصول کی بھی ہوس نہ کرے، مخلوق سے اپنے آپ کو بے پروا رکھے اور مخلوق اللہ کی حاجت روائی کی سعی و کوشش کرتا رہے۔

خاصیت جو شخص بوقت سحر یا آدھی رات کو سجدہ کرے اور اس اسم پاک کو ایک سو پندرہ بار پڑھے اللہ تعالیٰ اسے صادق الحال بنائے گا اور کسی ظالم کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ اور جو شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا رہے وہ بھوکا نہیں رہے گا۔ اور اگر حال وضو

میں اسے پڑھے گا تو مخلوق اللہ سے بے پرواہو۔

القادر۔المقتدر کی فضیلت و برکت کا بیان

قدرت والا۔ اور قدرت ظاہر کرنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو خواہشات ولذات سے باز رکھنے پر قادر ہو۔

خاصیت اگر کوئی شخص وضو میں وضو کے ہر عضو کو دھوتے وقت اسم پاک "القادر" پڑھ لیا کرے تو وہ کسی ظالم کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہوگا اور کوئی دشمن اس پر فتحیاب نہ ہوگا اور اگر کوئی مشکل کام پیش آئے تو اکتالیس مرتبہ یہ اسم پڑھ لیا جائے اللہ نے چاہا تو کام بحسن وخوبی انجام پذیر ہوگا۔ اگر کوئی شخص اسم پاک "المقتدر" کو پابندی کے ساتھ پڑھتا رہا تو غفلت ہوشیاری میں بدل جائے گی اور جو شخص سو کر اٹھتے وقت یہ اسم پاک بیس بار پڑھ لیا کرے تو اس کے تمام کام حق تعالیٰ کی طرف راجع ہوں۔

المقدم۔المؤخر کی فضیلت و برکت کا بیان

دوستوں کو اپنی درگاہ عزت کا قرب بخش کر آگے بڑھانے والا اور دشمنوں کو اپنے لطف وکرم سے دور رکھ کر پیچھے ڈالنے والا۔ ان دونوں پاک ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ نیکیوں میں پیش قدمی اختیار کر کے اپنے آپ کو آگے کرے یعنی دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل بنائے اور ان لوگوں کو آگے کرے جو اللہ رب العزت کی بارگاہ عزت کے مقربین میں سے ہیں یعنی ان کو عزیز رکھے اور نفس اور شیاطین کو اور ان لوگوں کو جو بارگاہ کبریائی کے ٹھکرائے ہوئے ہیں پس پشت ڈالے، نیز اپنے تمام امور واعمال کو ضابطہ وقاعدہ کے مطابق انجام دے۔ مثلاً پہلے وہ کام اور عمل کرے جو سب سے زیادہ ضروری ہو اور جسے اللہ نے سب سے مقدم کیا ہو اور سب سے بعد میں اس عمل کو اختیار کرے جو سب سے کم ضروری ہو۔

خاصیت اگر کوئی شخص معرکہ جنگ میں اس اسم پاک "المقدم" پڑھے یا اسے لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اسے کوئی گزند نہیں پہنچے گا اور جو شخص اس اسم پاک کو بہت پڑھتا رہے تو اس کا نفس طاعت الٰہی کے لئے فرمانبردار و مطیع ہو جائے گا۔

جو شخص یہ اسم پاک "الموخر" سو مرتبہ پڑھے اس کے دل کو غیر اللہ کے ساتھ قرار نہیں ملے گا۔ اور جو شخص روزانہ اس اسم پاک کو سو بار پڑھ لیا کرے تو اس کے تمام کام انجام پذیر ہوں اور جو شخص اس کو اکتالیس مرتبہ پڑھے اس کا نفس مطیع وفرمانبردار ہو۔"

الاول۔الآخر کی فضیلت و برکت کا بیان

سب سے پہلے اور سب سے پیچھے۔ ان سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اللہ کی عبادات اور اس کے احکام بجالانے میں جلدی کرے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی جان قربان کرے تاکہ حیات ابدی حاصل ہو۔

خاصیت اگر کسی کی اولاد نرینہ نہ ہوتی ہو تو اس اسم پاک الاول چالیس دن تک ہر روز چالیس مرتبہ پڑھے اس کی مراد پوری ہو گی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فرزند، غنا یا اور کسی چیز کی حاجت وتمنا ہو تو وہ چالیس جمعوں کی راتوں میں ہر رات ایک ہزار مرتبہ

یہ اسم پڑھے انشاءاللہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔ جو شخص اپنی عمر کے آخری مرحلہ میں ہو اور اس کی پوری زندگی بدعملیوں اور گناہوں میں گزری ہو تو وہ اس اسم پاک الآخر کو اپنا ورد قرار دے لے حق تعالیٰ اس کا خاتمہ بخیر کرے گا۔

الظاہر۔الباطن کی فضیلت و برکت کا بیان

اپنی مصنوعات اور مخلوقات کے اعتبار سے جو اس کے کمال صفات کی دلیل ہیں، آشکار! اور اپنی ذات کی حقیقت وکنہ کے اعتبار سے وہم وخیال سے مخفی۔ خاصیت جو شخص نماز اشراق کے بعد اسم پاک الظاہر پانچ سو مرتبہ پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اس کی آنکھیں روشن ومنور کرے گا اگر طوفان بادوباران وغیرہ کا خوف ہو تو یہ اسم پاک بہت زیادہ پڑھا جائے امن وعافیت حاصل ہوگی۔ اگر اس اسم پاک کو گھر کی دیواروں پر لکھ دیا جائے تو وہ دیواریں محفوظ وسلامت رہیں گی۔ جو شخص ہر روز یا باطن تینتیس بار کہہ لیا کرے حق تعالیٰ اسے صاحب اسرار الٰہی بنائے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس پر مداومت اختیار کرے تو اس پر جس کی بھی نظر پڑے گی اس کا دوست بن جائے گا۔

الوالی کی فضیلت و برکت کا بیان

کارساز ومالک۔ اس اسم پاک سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم پاک الوکیل کے ضمن میں نقل کیا جا چکا ہے۔

خاصیت اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کا یا اس کے علاوہ کسی اور کا گھر معمور وآباد ہو اور بارش ودیگر آفات سے محفوظ رہے تو اسے چاہئے کہ کوزہ آب نارسیدہ پر یہ اسم پاک لکھے اور اس کوزہ میں پانی ڈال کر اس کوزہ کو گھر کی دیوار پر مارے، گھر اور در ودیوار محفوظ وسلامت رہیں گے۔

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اسم پاک الوالی کو تین سو مرتبہ پڑھنے سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص کی تسخیر کی نیت سے یہ اسم پاک گیارہ مرتبہ پڑھا جائے تو وہ شخص اس کا مطیع وفرمانبردار ہو جائے گا۔

المتعالی کی فضیلت و برکت کا بیان

بہت بلند مرتبہ۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اس نام پاک العلی کے سلسلہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ خاصیت اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا ہے تو اس کو کبھی جو دشواری پیش آئے گی حل ہو جائے گی اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ جو عورت ایام حمل میں یہ اسم پاک پڑھتی رہا کرے تو وہ حمل کی تمام تکلیفوں اور پریشانیوں سے نجات پائے گی۔

البر کی فضیلت و برکت کا بیان

انتہائی احسان کرنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے ماں باپ، استاد بزرگان دین، عزیز واقارب اور تمام لواحقین ومتعلقین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

خاصیت طوفان بادوباراں اور کسی آفت کے وقت یہ اسم پاک پڑھنا چاہئے انشاءاللہ کوئی نقصان وگزند نہیں پہنچے گا۔ اگر اس اسم پاک کو سات مرتبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی امان میں دے دیا جائے تو وہ بچہ بالغ ہونے تک ہر آفت وبلا اور ہر تکلیف ومصیبت سے

محفوظ رہے گا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شراب نوشی اور زنا میں مبتلا ہو تو وہ ہر روز سات مرتبہ یہ اسم پاک پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اس کے دل کو ان معصیتوں سے پھیر دے گا۔"

التواب کی فضیلت و برکت کا بیان

توبہ قبول کرنے والا۔ توبہ کے اصل معنی ہیں، رجوع کرنا یعنی پھرنا جب اس لفظ کی نسبت بندہ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے کہ گناہ سے پھرنا، یعنی اپنے گناہ پر نادم، وشرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ اور جب حق تعالیٰ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو اس لفظ کی مراد ہوتی ہے، رحمت وتوفیق کے ساتھ پھرنا یعنی بندہ کی طرف نظر رحمت وتوفیق متوجہ ہونا۔ اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر سمجھئے کہ جب کوئی بندہ گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی توبہ کے اسباب میسر کرتا ہے اس کو توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کو گناہوں کے عواقب سے ڈرا کر، عذاب کا خوف دلا کر اور آخرت کی سزا کا احساس بخش کر اسے خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے اور اس کے قلب وشعور میں اپنے جرم کا احساس اور گناہ پر ندامت وشرمندگی کی توفیق عطا فرماتا ہے اس کے بعد وہ بندہ توبہ وندامت کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور پھر حق تعالیٰ اپنے فضل اور اپنی رحمت کے ساتھ اس بندہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے یعنی اسے بخش دیتا ہے، لہٰذا حقیقت میں حق تعالیٰ کی توبہ یعنی اس کی توجہ بندہ کی توبہ یعنی اس کے رجوع پر مقدم ہوتی ہے اگر حق تعالیٰ کی توجہ نہ ہو تو بندہ کو رجوع کی نوبت نہیں آسکتی۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آیت (تاب علیہم لیتوبوا) اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (یعنی توبہ کریں)۔ توبہ کنم بشکنم توبہ دہی نشکنم اس لئے بدہ کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہے قبولیت توبہ کا یقین رکھے، ناامیدی کے دروازہ کو بند کر دے۔ بایں طور اس کی رحمت کے نزول سے ناامید نہ ہو دوسروں کی خطائیں معاف کرے معذرت خواہ کی معذرت قبول کرے چاہے کتنی بار معذرت قبول کرنی پڑے۔ اور اگر کسی سے کوئی قصور و کوتاہی ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ اس سے درگزر کرے بلکہ انعام واکرام کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو۔ جناب باری تعالیٰ سے توبہ طلب کرے، گناہوں پر شرمندہ ونادم ہو گوش عبرت کھلے رکھے اور توبہ میں تاخیر نہ کرے تا کہ اس حکم عجلوا بالتوبۃ قبل الموت (مرنے سے پہلے توبہ میں جلدی کرو) کی بجا آوری ہو۔

اس موقع پر ایک عبرت انگیز اور سبق آموز حکایت سن لیجئے۔ کہتے ہیں کہ کس سلطنت کا ایک وزیر تھا جس کا نام عیسیٰ بن عیسیٰ تھا ایک دن وہ سواروں کی ایک جماعت کے ہمراہ چلا جا رہا تھا جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے لوگ آپس میں پوچھتے تھے کہ یہ کون ہے یہ کون ہے، راستہ میں کہیں ایک بڑھیا بھی بیٹھی ہوئی تھی اس نے جو لوگوں کو پوچھتے سنا تو کہنے لگی کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے۔ ہوتا کون! یہ ایک بندہ ہے جو نظر حق عنایت سے گرا ہوا ہے اور اس حالت میں مبتلا ہے (یعنی دنیاوی جاہ وجلال میں اس طرح مگن اور مطمئن ہے) عیسیٰ بن عیسیٰ نے یہ بات سن لی۔ بس پھر کیا تھا فوراً اپنے مکان کو لوٹا وزارت پر لات ماری اور توبہ کی دولت سے مشرف ہوا اس طرح وہ تمام دنیاوی جاہ حشم کو پس پشت ڈال کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوا اور وہیں مجاور ہو گیا۔ خاصیت اگر کوئی شخص نماز چاشت کے بعد اس اسم پاک کو تین سو ساٹھ مرتبہ پڑھے تو حق تعالیٰ اسے توبہ نصوح ایسی پختہ توبہ کہ اس کے بعد گناہ سرزد نہ ہو، کی سعادت سے نوازے گا اور اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا رہے تو اس کے تمام امور انجام وصلاح پذیر ہوتے رہیں

گے اور نفس کو طاعت عبادت کے بغیر سکون وقرار نہیں ملے گا اور جو شخص نماز چاشت کے بعد یہ پڑھا کرے۔ آیت (اللّٰھم اغفر لی وتب علی انك انت التواب الرحیم تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

المنتقم کی فضیلت و برکت کا بیان

کافروں اور سرکشوں سے عذاب کے ذریعہ بدلہ لینے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے دشمنوں سے کہ وہ نفس اور شیطان ہیں بدلہ لیتا رہے اور سب سے بڑا دشمن نفس امارہ ہے اس کی سزا یہ ہے کہ وہ جب بھی کسی گناہ میں مبتلا ہو یا عبادت میں کوتاہی کرے تو اس سے انتقام لے بایں طور کہ اسے عقوبت وسختی میں مبتلا کرے۔

حضرت بایزید بسطامی کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ راتوں میں اوراد و وظائف میں مشغول رہا کرتا تھا کہ ایک رات میرے نفس نے تکاسل کیا اس کی سزا میں نے اس کو یہ دی کہ ایک برس تک اپنے نفس کو پانی سے محروم رکھا۔ خاصیت جو شخص اپنے دشمن کے ظلم وجور پر صبر اور اس کا دفاع نہ کر سکے وہ تین جمعوں تک اس اسم پاک کو پابندی سے پڑھتا رہے اس کا دشمن دوست ہو جائے گا اور اس کے ظلم سے نجات مل جائے گی۔ نیز اگر کسی بھی مقصد کے حصول کے لئے اس مقصد کی نیت کے ساتھ اس اسم پاک کو آدھی رات کے وقت پڑھا جائے تو وہ مقصد حاصل ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ایک اور صحابی سے منقول ہے اس موقع پر باری تعالیٰ کا ایک اسم المنعم بھی نقل کیا گیا ہے جو اس اسم پاک المنعم پر مداومت کرے کبھی کسی کا محتاج نہ ہوگا۔

العفو کی فضیلت و برکت کا بیان

گناہوں اور تقصیرات سے درگزر کرنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو الغفور کے ضمن میں نقل کیا گیا حضرت شیخ عبدالحق شرح اسماء حسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ العفو جس کے معنی ہیں سیئات کو محو کرنے والا اور گناہوں کو معاف کرنے والا۔ اگرچہ معنی ومفہوم کے اعتبار سے غفور کے قریب ہے لیکن عفو، غفور سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ غفران کے معنی ہیں ستر وکتمان، اس لئے غفار کے معنی ہوں گے گناہوں کو چھپانے والا جب کہ عفو مشعر بمحو ومعدوم کر دینے کے ہے، جس کا مطلب ہے گناہوں کو معاف کر کے ختم ومعدوم کر دینے والا۔ لہٰذا بندہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی شان عفو کے پیش نظر اس کی طرف سے معافی وبخشش کا پوری طرح امیدوار ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی بھی گنہگار کے ساتھ تحقیر وتذلیل کا برتاؤ نہ کیا جائے کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے حدود شرع اور احکام دین کی پابندی کی بنا پر بخش دے اور اس کے گناہوں کو یکسر محو کر دے۔ ردمکن بدرا، چہ دانی درازل نام و در نامہ نیکاں بود ورود و برجائے نی کا ایں گمان برتو روز جازتا واں بود اس اسم پاک کا بندہ پر تقاضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی تقصیرات اور ان کی خطاؤں سے چشم پوشی کر کے انہیں معاف کر دے تاکہ آیت (الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس)۔ (غصہ کو نگل جانے والوں اور لوگوں کو معاف کرنے والوں) کے زمرہ میں داخل ہو۔

خاصیت جو شخص زیادہ گنہگار ہو اسے چاہئے کہ وہ اس اسم پاک کو اپنا ورد قرار دے لے انشاء اللہ اس کے تمام گناہ معاف ہو

جائیں گے۔

الرؤف کی فضیلت و برکت کا بیان

بہت مہربان۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم پاک الرحیم کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے۔ منقول ہے کہ ایک شخص کا ہمسایہ بہت برا تھا جب اس کا انتقال ہوا تو اس شخص نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بعد میں اس کو کسی اور شخص نے خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اس شخص نے کہا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے لیکن وہ ذرا ان صاحب سے جنہوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی یہ ضرور کہہ دینا کہ آیت (لو انتم تملکون خزائن رحمة ربی اذا لامسکتم خشیة الانفاق)۔ (اگر میرے رب کی رحمتوں کے خزانے تمہاری ملکیت میں ہوتے تو تم انہیں خرچ ہو جانے کے خوف سے ضرور دبا کر بیٹھ جاتے) یہ گویا اس نے نماز جنازہ نہ پڑھنے والے پر طعن کیا کہ میرا رب تو بہت مہربان ہے اس نے مجھے بخش دیا ہے اگر کہیں تمہارا بس چل جاتا تو نہ معلوم تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

خاصیت اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی مظلوم کو ظالم کے ہاتھوں سے بچالے تو وہ اس اسم اعظم کو دس بار پڑھے ظالم اس کی سفارش قبول کرے گا اور اپنے ظلم سے باز آ جائے گا۔ اگر کوئی شخص اس اسم پاک پر مداومت کرے تو اس کا دل نرم رہے گا۔ وہ سب کو دوست رکھے اور سب اسے دوست رکھیں گے۔

مالک الملک کی فضیلت و برکت کا بیان

سارے جہان کا مالک اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم پاک الملک کے ضمن بہت گزر چکا ہے۔ شاذلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے شخص ایک دروازہ پر ٹھہر یعنی صرف اللہ کے دروازہ پر آ، تاکہ تیرے لئے بہت سے دروازے کھولے جائیں اور صرف ایک بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی گردن جھکا تاکہ تیرے سامنے بہت سی گردنیں جھکیں ارشاد ربانی ہے آیت (وان من شی ء الا عندنا خزائنہ)۔ (ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کے خزانے نہ ہوں ہمارے پاس) خاصیت جو شخص اس اسم پاک پر مداومت اختیار کرے تو نگر ہو اور اس کے دنیا و آخرت کے تمام امور اور تمام مقاصد نیک ثمرہ و انجام پذیر ہوں اس کے بعد ذکر کئے جانے والے اسم پاک "ذوالجلال والاکرم کی بھی یہی خاصیت ہے۔

ذوالجلال والاکرام کی فضیلت و برکت کا بیان

بزرگی اور بخشش کا مالک۔ جس نے اللہ کا جلال جانا تو اس کی بارگاہ میں تذلل اختیار کرے اور جس نے اس کا اکرام دیکھا تو اس کا شکر گزر رہو پس نہ تو غیر اللہ کی اطاعت فرمانبرداری کی جائے نہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے اپنی حاجت بیان کی جائے۔ اس اسم بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے نفس کے لئے بزرگی کے حصول کی کوشش کرے اور بندگان اللہ سے اچھا سلوک کرے۔

المقسط کی فضیلت و برکت کا بیان

عدل کرنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم پاک العدل کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے خاصیت جو شخص اس

اسم پاک کو سو بار پڑھے وہ شیطان کے شر اور اس کے وسوسوں سے محفوظ رہے گا اور اگر سات سو بار پڑھے تو اس کا جو بھی مقصد ہوگا حاصل ہوگا۔

الجامع کی فضیلت و برکت کا بیان

قیامت میں لوگوں کو جمع کرنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ علم وعمل اور کمالات نفسانیہ وجسمانیہ کا جامع بنے اور اللہ کی ذات میں محویت استغراق اور غور وفکر، ذکر اللہ کے ذریعہ تسکین قلب وخاطر جمع، ذات وصفات باری تعالیٰ کا عرفان جیسی صفات حمیدہ کی سعادتیں اپنے اندر جمع کرے۔ در جمعیت کوش تا ہمہ ذات شوی ترسم کہ پراگندہ شوی مات شوی

خاصیت جس شخص کے عزیز واقارب اور اہل خانہ منتشر اور تتر بتر ہوں وہ چاشت کے وقت غسل کرے اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر اس اسم پاک کو دس مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر مرتبہ ایک انگلی بند کرتا جائے اور پھر اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے انشاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ سب جمع ویکجا ہو جائیں گے۔

الغنی کی فضیلت و برکت کا بیان

ہر چیز سے بے پروا۔ خاصیت جو شخص حرص وطمع کی بلا میں مبتلا ہو وہ اپنے جسم کے ہر عضو پر ہاتھ رکھ کر اسم پاک الغنی پڑھے اور ہاتھ کو اس عضو کے اوپر نیچے کی طرف لائے حق تعالیٰ اسے اس بلا سے نجات دے گا۔ اور جو شخص یہ اسم پاک ہر روز ستر بار پڑھے اس کے مال میں برکت ہوگی اور وہ کبھی محتاج نہ ہوگا۔

المغنی کی فضیلت و برکت کا بیان

جس کو چاہے بے پروا کرنے والا۔ ان ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے مکمل استغناء اور بے پرواہی برتے اور اللہ کے علاوہ کسی کو حاجت روا قرار نہ دے۔

خاصیت جو شخص مسلسل دس جمعہ تک اس اسم پاک کو پڑھنے میں باقاعدگی اختیار کرے بایں طور کہ ہر جمعہ کے روز ایک ہزار بار پڑھے تو مخلوق سے بے پروا ہو جائے گا۔

المانع کی فضیلت و برکت کا بیان

اپنے بندوں کو دین ودنیا کی ہلاکت ونقصان سے باز رکھنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی طبیعت کو خواہشات نفسانی سے باز رکھ کر اپنے آپ کو دینی ودنیاوی ہلاکت ونقصان سے محفوظ رکھے۔

خاصیت اگر شوہر بیوی کے درمیان ناچاقی ہو تو بستر پر جاتے وقت اس اسم پاک کو بیس بار پڑھ لیا جائے تا کہ حق تعالیٰ غصہ وناچاقی کی بدمزگی سے بچائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح اسماء حسنی میں اس پاک المانع سے پہلے اس پاک المعطی بھی نقل کیا ہے اور انہوں نے ان دونوں ناموں کی ترجمانی کی وضاحت یوں کی ہے کہ وہ جس کو جو کچھ چاہے دے اور جو چاہے نہ دے۔ لا مانع لما اعطی ولا

معطی لما منع (جان لو جس کو وہ دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو نہ دے اس کو کوئی دینے والا نہیں) لہٰذا جب بندہ نے جان لیا کہ حق تعالیٰ ہی معطی دینے والا اور مانع نہ دینے والا ہے تو اس کی عطا کا امیدوار اور اس کے منع سے خائف رہے! بندہ پر اس اسم کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندوں اور مستحقین کو اپنے عطا سے نوازے اور فاسقوں ظالموں کو عطا کرنے سے باز رہے یا یہ کہ اپنے قلب و روح کو حضور طاعت کے انوار عطا کرے اور اپنے نفس وطبیعت کو خواہشات و ہوس سے باز رکھے۔

حضرت شیخ اس پاک المعطی کی خاصیت یہ لکھتے ہیں کہ جو شخص المعطی کو اپنا ورد بنالے اور یا معطی السائلین بہت پڑھتا رہا کرے تو کسی سے سوال کا محتاج نہیں ہوگا۔

الضار۔النافع کی فضیلت و برکت کا بیان

جس کو چاہے ضرر پہنچانے والا اور جس کو چاہے نفع پہنچانے والا۔ قشیری کہتے ہیں کہ ان اسماء میں اس طرف اشارہ ہے کہ ضرر و نفع اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر سے ہے لہٰذا جو شخص اس کے حکم یعنی اس کی قضاوقدر کا تابعدار ہو وہ راحت وسکون کی زندگی پائے گا اور جو شخص اس کا تابعدار نہ ہو وہ آفت ومصیبت میں پڑے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **من استسلم لقضائی و صبر علی بلائی وشکر علی نعمائی کان عبدی حقا ومن لم یستسلم لقضائی ولم یصبر علی بلائی ولم یشکر علی نعمائی فلیطلب ربا سوائی** ۔ جس شخص نے میری قضاوقدر کو تسلیم کیا میری بلا پر صبر کیا اور میری نعمتوں پر شکر کیا وہ میرا سچا بندہ ہے اور جس شخص نے میری قضاوقدر کو تسلیم نہ کیا۔ میری بلاء پر صبر نہ کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا تو وہ میرے علاوہ کوئی اور رب ڈھونڈ لے۔

حضرت شیخ نے شرح اسماء حسنیٰ میں ان دونوں اسماء الضار اور النافع کی وضاحت کے سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ خیر وشر اور نفع وضرر کا صرف اللہ تعالیٰ مالک ہے اور گرمی سردی خشکی اور تری میں درد و تکلیف، رنج و پریشانی اور شفا کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ یہ قطعاً گمان نہ کیا جائے کہ دوا بذات خود فائدہ دیتی ہے زہر بذات خود ہلاک کرتا ہے کھانا بذات خود سیر کرتا ہے اور پانی بذات خود سیراب کرتا ہے بلکہ یہ تمام اسباب عادی ہیں بایں معنیٰ کہ یہ عادت قائم کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسباب بنادیا ہے کہ مذکورہ بالا چیزیں ان کے واسطہ سے پیدا کرتا ہے اگر وہ چاہے تو ان چیزوں کو ان واسطوں اور اسباب کے بغیر بھی پیدا کرسکتا ہے اور اگر چاہے تو ان کے باوجود بھی ان چیزوں کو پیدا نہ ہونے دے۔ اسی طرح عالم علویات وسفلیات کی تمام چیزیں اور تمام اجزا محض واسطے اور اس باب کے درجہ میں ہوتی ہیں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے زیر اثر ہیں اور ان تمام کی حیثیت بہ نسبت قدرت ازلیہ وہی ہے جو لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم کی ہوتی ہے لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ تمام نقصانات اور تمام فائدہ کو حق تعالیٰ کے فیصلے جانے، عالم اسباب کو اس قدرت کے زیر اثر سمجھے اور حکم وقضاء الٰہی کا تابعدار ہو کر اپنے تمام امور اسی کے سپرد کرے تاکہ وہ ایک ایسی زندگی کا حامل بن جائے جو مخلوق سے محفوظ اور مطمئن ہو۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دانتوں کے درد سے پریشان ہو کر بارگاہ حق میں فریاد کی تو وہاں سے حکم ہوا کہ فلاں گھاس دانتوں پر ملو تاکہ آرام ہو حضرت موسیٰ نے وہ گھاس دانتوں پر ملی تو آرام ہوگیا۔ ایک مدت کے بعد پھر ایک دانت

میں درد ہوا تو انہوں نے وہی گھاس استعمال کی، اس مرتبہ درد کم تو کیا ہوتا اور بڑھ گیا بارگاہ حق میں عرض رساں ہوئے۔ الہ العالمین! یہ تو وہی گھاس ہے جس کو استعمال کرنے کا آپ نے حکم فرمایا تھا مگر اب اس کے استعمال سے درد اور بڑھ گیا ہے! بارگاہ حق سے عتاب کے ساتھ یہ ارشاد ہوا کہ اس مرتبہ تم نے ہماری طرف توجہ کی تھی تو ہم نے شفا دی اور اس مرتبہ تم نے گھاس کی طرف توجہ کی اس لئے ہم نے درد میں اضافہ کر دیا تا کہ تم یہ جان لو کہ شفا دیتے تو ہم ہی ہیں نہ کہ گھاس۔ بندہ پر ان اسماء کا تقاضہ یہ ہے کہ امر الٰہی اور حکم شریعت کے ذریعہ دشمنان دین کو ضرر پہنچائے اور انہیں متنبہ کرے اور بندگان اللہ کو نفع پہنچائے اور ان کی مدد کرتا رہے۔

خاصیت اگر کسی شخص کو کوئی حال اور مقام میسر ہو تو وہ اسم پاک الضار کو جمعہ کی راتوں میں سو بار پڑھا کرے حق تعالیٰ اسے اس مقام پر استقامت عطا فرمائے گا اور وہ مرتبہ اہل قرب کو پہنچے گا۔

اگر کوئی شخص کشتی یا پانی کے جہاز میں سفر کرے تو وہ روزانہ اسم پاک النافع کو اکتالیس بار پڑھے انشاء اللہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اپنے ہر کام کی ابتداء میں النافع اکتالیس بار پڑھ لیا کرے تو اس کے تمام کام حسب خواہش انجام پذیر ہوں گے۔"

النور کی فضیلت و برکت کا بیان

آسمان کو ستاروں کے ساتھ، زمین کو انبیاء و علماء وغیرہ کے ذریعہ اور مسلمانوں کے قلوب کو نور معرفت و طاعت کے ذریعہ روشن کرنے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ایمان و عرفان کے نور سے اپنی ذات کو روشن و منور کرے۔

خاصیت جو شخص جمعہ کی شب میں سورت نور ساتھ مرتبہ اور یہ اسم پاک ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھے حق تعالیٰ اس کے دل میں نورانیت پیدا فرمادے گا اور جو شخص روزانہ صبح اس اسم پاک کو پڑھنے کا التزام رکھے تو اس کا دل منور ہو گا۔

الہادی کی فضیلت و برکت کا بیان

ہدایت دینے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ بندگان اللہ کو اللہ کی راہ دکھائے۔ اس بات کو حضرت شیخ نے شرح اسماء حسنیٰ میں وضاحت کے ساتھ یوں بیان کیا ہے۔ کہ ہدایت کا مطلب ہے راہ دکھانا اور منزل مقصود تک پہنچانا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ تمام راہ رووں کا رہنما ہے۔ اگر کوئی دنیا کی راہ پر ہوتا ہے تب بھی رہنما ہے اور اگر کوئی آخرت کی راہ پر چلتا ہے تو بھی راہبر اسی کی ذات ہوتی ہے۔ گر نہ چراغ لطف تو راہ نماید از کرم قافلہائے شب رواں پے نبرد بمنزلے حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ انواع ہدایت کی کوئی حد وشمار نہیں ہے۔ آیت (الذی اعطی کل شیء خلقه ثم هدا)۔ (وہ ایسی ذات ہے جس نے ہر چیز کو وجود بخشا اور پھر اس کی راہ بتائی) چنانچہ یہ حق تعالیٰ ہی ہے جو بچہ کو پیٹ سے باہر آتے ہی ماں کی چھاتیوں سے دودھ پینے کی راہ بتاتا ہے۔ چوزہ کو انڈے سے نکلتے ہی دانہ چننے کی راہ پر لگاتا ہے اور شہد کی مکھی کو کیا عجیب وغریب گھر بنانے کی راہ دکھاتا ہے، حاصل یہ ہے کہ کائنات کا ایک ایک فرد اپنے ایک ایک لمحہ اور اپنے ایک ایک فعل میں اسی کی ہدایت و رہنمائی کا مرہون منت ہوتا ہے۔ لیکن سب سے افضل اور سب سے عظیم الشان ہدایت وہ راستہ دکھانا ہے جو بارگاہ حق جل مجدہ تک اور دیدار باری تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ تک پہنچاتا ہے اور خواص کے باطن میں توفیق الٰہی اور اسرار تحقیق کا وہ نور پیدا کرتا ہے جو ہدایت معرفت اور طاعت کا سبب بنتا ہے۔ بندوں میں اس اسم پاک الہادی سے سب سے زیادہ بہرہ مند انبیاء اولیاء اور علماء ہیں جو مخلوق اللہ کو صراط مستقیم کی طرف راہ دکھانے والے ہیں۔

سید انبیاء اور ختم رسل دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس اسم پاک کی حقیقی پرتو ہے جو اس دنیا میں پوری انسانیت اور پوری کائنات کے سب سے بڑے اور سب سے بلند مرتبہ راہنما اور راہبر ہیں۔ آیت (اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين)

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا عارفین کی صفات عالیہ میں شمار ہوتا ہے (۱) تنگدل اور غمزدوں کو کشادگی اور فرحت کی طرف لانا۔ (۲) غافلین کو حق تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا۔ (۳) زبان توحید سے مسلمانوں کو حق کی راہ دکھانا یعنی ان کے قلوب کی توجہ دنیا سے دین کی طرف اور معاش سے معاد کی طرف پھیرنا۔ خاصیت جو شخص ہاتھ اٹھا کر اور اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھا کر اس اسم پاک الہادی کو بہت زیادہ پڑھا کرے اور پھر ہاتھوں کو آنکھوں اور منہ پر پھیر لیا کرے تو حق تعالیٰ اسے اہل معرفت کا مرتبہ بخشے گا۔

البدیع کی فضیلت و برکت کا بیان

عالم کو بغیر مثال کے پیدا کرنے والا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو شخص قول و فعل میں اپنے نفس پر سنت کو امیر (حاکم) بناتا ہے وہ حکمت کی باتیں کرتا ہے یعنی اس کا ذہن اس کی فکر اس کی زبان حکمت و شریعت ہی کے ڈھانچے میں ڈھل جاتی ہے اور جو شخص قول و فعل میں اپنے نفس پر خواہش کو امیر بناتا ہے وہ بدعت ہی کی باتیں کرتا ہے۔ اس کا ذہن اس کی فکر اور اس کی زبان بدعت ہی کے چکر میں پڑی رہتی ہے۔

قشیری فرماتے ہیں کہ ہمارے مسلک کے تین اصول ہیں (۱) اخلاق و افعال میں اور کھانے پینے کہ وہ حلال ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا۔ (۲) ہمیشہ سچ بولنا۔ (۳) تمام اعمال میں نیت کو خالص کرنا۔

خاصیت جس شخص پر کوئی غم پڑے یا کوئی دشوار کام پیش آئے تو وہ یا بدیع السماوات والارض ستر ہزار بار اور ایک قول کے مطابق ایک ہزار بار پڑھے انشاء اللہ وہ غم دور ہو جائے گا اور اس کا کام پورا ہو گا اور اگر کوئی شخص باوضو ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ اتنا پڑھے کہ سو جائے تو وہ خواب میں جس چیز کے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو گا دیکھ لے گا۔

الباقی کی فضیلت و برکت کا بیان

ہمیشہ باقی رہنے والا خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو جمعہ کی شب میں سو بار پڑھ لیا کرے اس کے تمام اعمال قبول ہوں گے اور کوئی رنج و غم اسے نہ ستائے گا۔

الوارث کی فضیلت و برکت کا بیان

موجودات کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا اور تمام مخلوقات کا مالک جیسا کہ بتایا گیا۔ وارث سے مراد ہے موجودات کے فنا ہو جانے کے بعد باقی تمام املاک اپنے مالکوں کے فنا ہو جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کریں گی، لیکن یہ مطلب وارث کے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے ہے ورنہ تو حقیقت میں کائنات کی ایک ایک چیز کا علی الاطلاق ازل سے ابد تک ملکیت میں بغیر کسی

تبدل وتغیر کے وہی مالک ہے۔تمام ملک وملکوت بالشرکت غیرے اسی کے لئے ہیں اور وہی سب کا حقیقی مالک ہے چنانچہ ارباب بصائر ہمیشہ یہ نداء آیت (لمن الملك اليوم لله الواحد القهار) (گوش ہوش سے سنتے ہیں) لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنے مال ومیراث کے فکر میں نہ رہے بلکہ یہ جانے کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے جانا ہے اسی لئے کہا جاتا کہ موتوا قبل ان تموتوا عارفوں کا شعار ہے دل بریں منزل فانی چہ نہی رخت بہ بند بندہ پر اس اسم پاک کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ان اعمال میں اپنی زندگی صرف کرے جو باقیات صالحات میں سے ہیں جیسے تعلیم وتعلم اور صدقہ جاریہ وغیرہ۔نیز دین کے علوم معارف کو پوری سعی وکوشش کے ساتھ زیادہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرے۔تاکہ صحیح معنی میں انبیاء کا وارث قرار پائے۔خاصیت جو شخص طلوع آفتاب کے وقت اس اسم پاک کو سو بار پڑھا کرے اس کو کوئی رنج وغم نہیں پہنچے گا اور جو شخص اس اسم کو بہت زیادہ پڑھتا رہے اس کے تمام کام بحسن وخوبی انجام پذیر ہوں گے۔"

الرشید کی فضیلت وبرکت کا بیان

عالم کا رہنما" بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اپنے بندہ کو اللہ کا راہ دکھانا یہ ہے اور وہ اس کے نفس کو اپنی طاعت وعبادت کی راہ دکھاتا ہے اس کے قلب کو اپنی مغفرت کی راہ دکھاتا ہے اور اس کی روح کو اپنی محبت کی راہ دکھاتا ہے اور جس بندہ کا نفس سنوارنے کے لئے حق تعالیٰ اس کو راہ دکھاتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام امور میں توکل وتفویض الہام فرماتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم بن ادہم کو بھوک لگی تو انہوں نے ایک شخص کو ایک چیز دی جوان کے پاس موجود تھی اور اس سے کہا کہ اس کو گروی رکھ کر کھانے کا انتظام کرو، جب وہ شخص وہ چیز لے کر وہاں سے نکلا تو اچانک اس کو ایک اور شخص ملا جو ایک خچر کے ساتھ چلا آرہا تھا اس خچر پر چالیس ہزار دینار لدے ہوئے تھے اس نے اس شخص سے حضرت ابراہیم بن ادہم کے بارہ میں پوچھا اور کہا کہ یہ چالیس ہزار دینار ابراہیم کی میراث ہیں جو ان تک ان کے والد کے مال سے پہنچی ہے میں ان کا غلام ہوں میراث کا یہ مال میں ان کی خدمت میں لایا ہوں۔اس کے بعد وہ شخص حضرت ابراہیم کے پاس پہنچا اور چالیس ہزار دینار ان کے حوالہ کئے۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ اگر تم سچ کہتے ہو کہ تم میرے غلام ہو اور یہ مال بھی میرا ہی ہے تو میں تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے آزاد کرتا ہوں اور یہ چالیس ہزار دینا بھی میں تمہیں بخشتا ہوں۔بس اب تم میرے پاس سے چلے جاؤ جب وہ شخص وہاں سے چلا گیا تو ابراہیم نے کہا کہ پروردگار میں نے تو تیرے سامنے صرف روٹی کی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ تو نے مجھے اتنی مقدار میں دنیا دے دی پس قسم تیری ذات کی اب اگر مجھے بھوک سے مار بھی ڈالے گا تو تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔

خاصیت اگر کوئی شخص اپنے کسی کام کے بارہ میں کچھ طے نہ کر پارہا ہو تو وہ عشاء کی نماز اور اپنے سونے کے درمیان اس اسم پاک کو ایک ہزار مرتبہ پڑھے گا اس کام کے بارہ میں جو صحیح اور مفید بات ہوگی اس پر ظاہر ہو جائے گی اور جو شخص اس اسم پاک پر مداومت کرے اس کے تمام امور بغیر سعی وکوشش کے انجام پذیر ہوں گے۔

الصبور کی فضیلت وبرکت کا بیان

بردبار کہ گنہگاروں کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔لغت میں صبر کے معنی ہیں شکیبائی کرنا اور صبور وہ کہ گنہگاروں کو پکڑنے

اوران کو سزادینے میں جلدی نہ کرے۔صبور معنی ومفہوم کے اعتبار سے حلیم کے قریب ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ صبوراس بات پر مشعر ہے کہ اگر چہ فی الوقت بردباری کی لیکن آخرت میں پکڑے گا اور عذاب دے گا جب کہ حلیم بردباری کے مفہوم میں مطلق ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ صبور کے معنی بندہ کو اس کی مصیبت وبلاء میں صبر دینے والا لہٰذا مبارک امانت کے تحمل پر صبر دینے والا،شہوات وخواہش کی مخالفت پر صبر دینے والا اور اداء عبادت میں مشقت پر صبر دینے والا وہی حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اس لئے بندہ کو چاہئے کہ وہ ہر مصیبت ورنج وآفت وبلاء میں اللہ سے صبر چاہے اور اس کی نافرمانی سے دور رہے۔نیز اس اسم پاک کا بندہ پر یہ تقاضہ ہے کہ وہ کسی کام میں سبکی اور جلدی نہ کرے بلکہ وقار وطمانیت اور تمکین اختیار کرے اور ہر رنج میں اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ طلب کرے۔آیت (ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین یا ایها الذین امنوا صبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلکم تفلحون)مشائخ میں سے ایک شخص کا یہ مقولہ کتنا ہی عارفانہ ہے۔جام صبر پیو اگر مارے جاؤ گے شہید اور اگر زندہ رہو گے تو سعید کہلاؤ گے۔

خاصیت جس شخص کو رنج ومشقت،درد وتکلیف اور کوئی مصیب پیش آئے تو یہ اسم تینتیس بار پڑھے اطمینان باطن پائے گا۔دشمنوں کی زبان بندی وپسپائی حکام کی خوشنودی اور لوگوں کے دلوں میں مقبولیت کے لئے آدھی رات کے وقت یا دوپہر میں اس اسم پاک کو باقاعدگی کے ساتھ پڑھنا بڑی خاصیت اور تاثیر رکھتا ہے۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اور احادیث میں ان ناموں کے علاوہ کچھ اور نام بھی منقول ہیں۔چنانچہ قرآن کریم میں یہ نام بھی آتے ہیں۔الرب ۔ الاکرم ۔ الاعلیٰ ۔ الحافظ الخ ۔ الق ۔ السانر ۔ الستار ۔ الشاکر العادل ۔ العلام ۔ الغالب ۔ الناظر الخ ۔ الق ۔ القدیر ۔ القریب ۔ القاهر الکفیل ۔ الکافی ۔ المنیر ۔ المحیط ۔ الملك المولی ۔ النصیر ۔ احکم الحاکمین ۔ ارحم الراحمین ۔ احسن الخالقین ۔ ذوالفضل ۔ ذوالطول ۔ ذوالقوة ۔ ذوالمعارج ۔ ذوالعرش ۔ رفیع الدرجات ۔ قابل التوب ۔ الفعال لمایرید ۔ مخرج الحی من المیت اور احادیث میں یہ نام بھی آئے ہیں۔الحنان، المنان، المغیث نیزان کے علاوہ دیگر آسمانی کتب مثلاً توریت وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے کچھ اور نام نقل کئے جاتے ہیں۔(مرآۃ،مرقات شرح مشکوٰۃ،کتب تصوف)

یہ ننانوے نام تو اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات کے ابواب کے عنوانات ہیں۔صفات الٰہی تو لامتناہی ہیں۔ہر نیا دن اور ہر نئی تخلیق صفات الٰہیہ میں سے کسی صفت کا پرتو ہوتی ہے۔انہی صفات میں سے ہر مخلوق اپنے ظرف کے مطابق فیض یاب ہوتی ہے،پھر کائنات اور انسان کی ساری سرگرمیاں انہی صفات کا مظہر ہوتی ہیں۔ان لامتناہی صفات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

صفات ثبوتیہ

وہ صفات جو باری تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی زیبائی اور جمال کی آئینہ دار ہیں،جیسے علم،قدرت۔

صفات سلبیہ

وہ صفات جن کی خدا سے نفی کی گئی ہے، جیسے جہل، عجز۔

صفاتِ فعل

وہ صفات جن کا تعلق افعال خدا سے ہے، جیسے خالق، رازق۔

قرآن کریم میں مختلف احکام کے تذکرہ کے بعد صفاتِ الٰہیہ کا بیان ہوا ہے، جو ظاہر کرتا ہے کہ احکام الٰہیہ کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہے۔ اس کا اندازہ اصمعی کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دن انہوں نے یہ آیت پڑھی: ?السارقة والسارقة ? لیکن غلطی سے واللہ غفور رحیم کہہ دیا۔ ایک اعرابی قریب تھا، اس نے پوچھا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ اصمعی نے کہا اللہ کا۔ اس نے کہا کہ یہ اللہ کا کلام کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر اللہ نے معاف کر دیا اور رحم کیا تو ہاتھ کاٹنے کا حکم کیوں دیا؟ یہ حکم تو اس لیے تھا کہ وہ قدرت وغلبہ کا مالک ہے۔ گویا اعرابی نے صفات کے ذکر میں غلطی کا اندازہ ماقبل سے لگایا۔ اسی طرح ایلاء سے رجوع کرنے والوں کے لیے غفور اور رحیم کی صفات آئیں۔ قسم اٹھا کر عورت کو پریشان کیا اور قسم توڑ کر اللہ کے نام کی عزت کا پاس نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کے لیے انہی صفات کا مژدہ ہونا چاہیے تھا، مگر جو طلاق کا عزم کر لیں ان کے لیے صفات سمیع اور علیم آئیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس ساری گفتگو کو سنتا ہے جو وہ اس سلسلہ میں عوام الناس اور اعزا واقربا سے کرتا ہے۔ وہ لوگوں سے جو چاہے کہے، مگر اس عزم طلاق کے حقیقی محرکات سے خالق کائنات آگاہ ہے۔

قرآن کریم کی سورتوں اور آیات کے باہمی نظم وربط کو زمانہ قدیم سے علما ومحققین نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے، اس نظم کی اہمیت تو ہے ہی، مگر سورتوں میں مختلف آیات کے اختتام پر آنے والے اسمائے الٰہیہ کا بھی ماقبل حکم ربی سے مناسبت اور تعلق ضرور ہے۔ یہ بھی اعجاز قرآن کا ایک پہلو ہے۔

آیات کے اختتام پر عموماً صفات الٰہیہ مرکب صورت (یعنی دو صفاتی ناموں کی صورت میں) آئی ہیں۔ صفاتی ناموں کے یہ جوڑے بھی کئی شکلوں میں ہیں۔ یقیناً ان میں بھی کوئی نظم وربط اور مناسبت ہوگی۔ یہاں چند ایسے اسماء کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

عزیز کی فضیلت وبرکت کا بیان

اصل میں عزت کا معنی روکنا ہے۔ ارض عزاز اس زمین کو کہا جاتا ہے جو بہت سخت ہو۔ حاشیہ الصاوی علی الجلالین میں ہے: **عزیز لا یعجزہ شیء عن انتقامہ منکم ای لاتفتلون منہ**

گناہوں کا انتقام لینے میں اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا اور نہ تم اپنے آپ کو اس سے چھڑا سکتے ہو۔

اسی وجہ سے عزیز کا ترجمہ غالب کیا جاتا ہے۔ امام رازی نے اس لفظ کو زیادہ جامع انداز میں بیان کیا ہے: **ان العزیز من لا یمنع عن مرادہ، وذلک انما یحصل بکمال القدرۃ، وقد ثبت انہ سبحانہ وتعالیٰ قادر علی جمیع**

الممکنات، فکان عزیزا علی الاطلاق

عزیز وہ ہے جسے کوئی بھی اس کے ارادے سے روک نہ سکے۔ یہ چیز کمال قدرت سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے، اس لیے وہ عزیز مطلق ہے۔

جمال الدین القسامی العزیز کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ھو الغالب بقدرته، المستعلی فوق عباده، یدبر امرھم بما یرید، فیقع فی ذلك مایشق علیھم ویثقل ویغم ویحزن، فلا یستطیع احد منھم رد تدبیره، والخروج من تحت قھره وتقدیره

وہ اپنی قدرت سے غالب ہے اور اپنے بندوں پر مکمل تصرف رکھتا ہے، ان کے معاملات کی جیسے چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں بندوں پر مشقت اور بوجھ بھی آتا ہے اور وہ حزن وملال کے شکار بھی ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی تدبیر رد کرنے اور اس کی تقدیر وقہر سے نکلنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: العزیز ذو العزة وھی القوة، والشدة، والغلبة والرفعة

عزیز یعنی عزت والا۔ عزت کے معنی ہیں، قوت وطاقت، غلبہ ورفعت۔

یہ اسم مبارک درج ذیل جوڑوں کی شکل میں قرآن میں استعمال ہوا ہے۔

(الف) حکیم: صفت عزیز کے ساتھ سب سے زیادہ استعمال صفت حکیم کا ہوا ہے۔ حکیم وہ ہے جو چیز کو اچھے طریقہ پر ایجاد کرے، افضل اشیاء سے بہترین طریقہ پر آگاہ ہو اور غلط کام سے روکے۔

(ب) علیم: (ج) جبار: قوت وشدت سے اصلاح کرنے والے کو جبار کہتے ہیں۔

(د) مقتدر: قدرت تامہ وکاملہ کا مالک قرآن کریم میں صفت عزیز کے ساتھ اس صفت کا ذکر سورۃ القمر: 42 میں آیا ہے۔

(ہ) غفار (و) رحیم (ز) قوی (ح) حمید

یہ استعمالات ظاہر کرتے ہیں کہ وہ پروردگار جس کو اس کائنات پر کامل غلبہ قوت واقتدار حاصل ہے وہ اس قوت وطاقت کو حکمت، علم اور رحم کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔

یہاں عزیز اور حکیم کے قرآنی استعمالات اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم ایٰتك ویعلمھم الکتٰب والحکمة ویزکیھم انك انت العزیز الحکیم ۔(البقرۃ:129)

اے ہمارے رب! انہیں میں سے ایک برگزیدہ رسول بھیج تاکہ انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اور دانائی کی باتیں سکھائے اور انہیں پاک صاف کردے بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

یہاں ان دو صفتوں کا حوالہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ جو خدا عزیز وحکیم ہے، اس کی عزت وحکمت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی اس مملکت میں سفیر بھیجے جو اس کی رعیت کو اس کے احکام وقوانین سے آگاہ کرے اور ان کو شریعت اور حکمت کی تعلیم

دے۔

فان زللتم من بعد ما جاء تکم البینٰت فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم .(البقرۃ:209)

اگر روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی تم پھسلنے لگو تو جان لو! اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

عزیز کی صفت کے ذکر سے دو حقیقتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ایک یہ کہ خدا کوئی کم زور و نا تواں ہستی نہیں ہے، بلکہ وہ غالب و توانا ہے۔جو لوگ اس کی تنبیہات کے باوجود شیطان کی پیروی کریں گے ان کو وہ اس عذاب میں ضرور پکڑے گا جو شیطان کے پیروؤں کے لیے اس نے مقدر کر رکھا ہے اور جس کی اس نے پہلے خبر دے رکھی ہے۔دوسری حقیقت یہ کہ جو لوگ ان واضح ہدایات کے بعد بھی راہِ حق کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی اختیار کریں گے وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑیں گے، بلکہ اپنا ہی بگاڑیں گے، اس لیے کہ خدا عزیز ہے، یعنی نفع و نقصان سے بالاتر۔

اسی طرح حکیم کی صفت بھی یہاں دو حقیقتوں کو نمایاں کر رہی ہے۔ایک تو یہ کہ اس دنیا کا خالق حکیم ہے اور اس کے حکیم ہونے کا بدیہی تقاضا ہے کہ وہ اپنی ہدایت پر جمے رہنے والوں اور اس سے منحرف ہو جانے والوں کے درمیان ان کے انجام کے لحاظ سے امتیاز کرے، اگر وہ ان میں کوئی امتیاز نہ کرے، بلکہ دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے یا دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ حکیم نہیں ہے اور یہ دنیا ایک پر حکمت اور با مقصد کارخانہ نہیں، بلکہ کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشا ہے۔دوسرے یہ کہ بدی اور نیکی کے نتائج کے ظہور میں جو دیر ہوتی ہے وہ سب حکمت پر مبنی ہوتی ہے، بسا اوقات شیطان کے پیروکاروں کو اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے اور بسا اوقات اہل حق کسی آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں اس سے نہ تو اہل باطل کو مغرور ہونا چاہیے اور نہ اہل حق کو مایوس۔بلکہ یہ یقین رکھنا چاہیے کہ وہ مہلت اور یہ آزمائش دونوں خدائے حکیم و دانا کی حکمت پر مبنی ہے۔

مذکورہ آیت کے مضمون سے ان صفات کے ربط و تعلق کے متعلق مفسرین نے درج ذیل واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

أن قارياً قرأ غفور رحيم، فسمه أعرابى فأنكره، وقال إن كان هذا كلام الله فلا يقول كذا، الحكيم لا يذكر الغفران عند الزلل؛ لأنه إغراء عليه

ایک قاری قرآن کی یہ آیت پڑھ رہا تھا۔اس نے بھول کر فاعلموا ان اللہ غفور رحیم پڑھ لیا۔ایک اعرابی قرآن پاک سن رہا تھا۔وہ کہنے لگا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا، کیوں کہ پہلے لغزش کا ذکر ہے، اگر اس کے بعد فاعلموا ان اللہ غفور رحیم ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ نے خود ہی گناہ پر ابھارا ہے کہ تم گناہ کرتے رہو اور میں بخشتا رہوں گا۔یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء لا الہ الا ھو العزیز الحکیم .(آل عمران:6)

وہی ہے جو (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے، تمہاری تصویریں بناتا ہے، اس کے بغیر کوئی معبود نہیں (وہی) غالب اور حکمت والا ہے۔

یعنی خدا کو قدرت ہے رحم میں جس طرح چاہے آدمی کا نقشہ تیار کر دے، خواہ ماں باپ دونوں کے ملنے سے یا صرف قوت

منفعلہ ہے، اسی لیے آگے فرمایا: هو العزيز الحكيم یعنی وہ زبردست ہے، جس کی قدرت کو کوئی محدود نہیں کر سکتا اور حکیم ہے جہاں جیسے مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔ اس نے حوا کو بدون ماں کے، مسیح کو بدون باپ کے، آدم کو بدون ماں باپ دونوں کے پیدا کر دیا۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔

علامہ بقاعی کے نزدیک بھی عزیز اور حکیم اس قدرت اور حکمت کو ظاہر کرتے ہیں جس سے باری تعالیٰ مادر رحم میں تصویر سازی کرتا ہے۔

ان تعذبهم فانهم عبادك و ان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم ۔(المائدہ:118)

اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو بخش دے تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب (اور) بڑا دانا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں عزیز اور حکیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا گناہ سے درگزر فرمانا نہ تو کمزوری کی علامت ہے اور نہ اس کی سزا ہی حکمت سے خالی ہوتی ہے۔ علامہ مہائمی نے لکھا ہے کہ یہاں عزت اور حکمت کا ایک تقاضا تو سزا ہے مگر عبودیت کا تقاضا ہے کہ اس سزا کو اٹھا لیا جائے

تغفر لهم کے الفاظ کا تقاضا تو یہ تھا کہ آیت کے آخر پر غفور اور رحیم آتا، مگر یہاں عزیز اور حکیم آیا ہے، بظاہر ان صفات کا ماقبل مضمون سے ربط و تعلق واضح نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ پر امام رازی اور علامہ میبذی نے اپنے اپنے اسلوب میں نفیس اظہار خیال کیا ہے۔

قرآن کریم میں ان دونوں صفتوں کا بالعموم اکٹھا ذکر اور اس کے قبل مضمون سے ربط و تعلق پر مولانا امین احسن اصلاحی کی یہ رائے بہت ہی جامع ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفات کا حوالہ بالعموم ایک ساتھ آتا ہے، اس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات پر پورے غلبے کے ساتھ حاوی اور متصرف ہے، لیکن اس کے غلبہ و اقتدار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس کے زور میں جو چاہے کر ڈالے، بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا کوئی کام بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔

امام رازی کے بقول یہ صفات وعید اور وعدہ کی شان لیے ہوئے ہیں۔ ایک مثال سے صفت عزیز میں وعید کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جب باپ بیٹے کو یہ کہے ان عصيتني فانت عارف لي ۔ اگر تم نے میری نافرمانی کی تو تم مجھے جانتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے مجھے تم پر قدرت و دبدبہ حاصل ہے۔ فيكون هذا الكلام في الزجر ابلغ من ذكر الضرب وغیرہ اس کلام میں زیادہ دھمکی پائی جاتی ہے جو یہ کہنے میں نہیں ہے کہ اگر تم نے میری نافرمانی کی تو میں تمہیں ماروں گا۔

حکیم میں رب تعالیٰ کے وعدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام رازی لکھتے ہیں: رب تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ نیک اور گناہ گار میں فرق کرے اور ساتھ ہی یہ واضح ہوا کہ جس طرح گناہ گار کو عذاب دینا اس کے حکیم ہونے کے مناسب ہے، اسی طرح نیک کو ثواب عطا کرنا بھی اس کی حکمت کے لائق ہے، بلکہ نیک کو ثواب عطا کرنا زیادہ ہی حکمت کے مناسب ہے اور اس کی رحمت کے زیادہ ہی قریب ہے۔

صفت عزیز انسان کی کمزوری وناتوانی کی مظہر ہے۔ یہ صفت انسان کو غرور وتکبر سے بچاتی اور عالم اسباب میں گم ہونے سے بچاتی ہے۔ عزیز کے ساتھ حکیم کی صفت انسان کو مصیبتوں پر صبر سکھاتی ہے اور نعمتوں کے ملنے پر شکر کی طرف راغب کرتی ہے۔ یہ دونوں صفات حکمران طبقے کو طاقت کے نشہ میں اختیار کے اندھے استعمال سے بھی بچاتی ہیں۔

(ب) غفور: غفر کا مفہوم ڈھانپنا ہے۔ صفات افعال میں سے غفور ظاہر کرتا ہے کہ پروردگار عالم ہماری ظاہری و باطنی نجاستوں کو محض اپنے فضل وکرم کی بناپر، چادر رحمت سے ڈھانپ کر روز محشر عذاب جہنم سے بچالیتا ہے۔ وہ پردہ پوشی ہی نہیں کرتا ہے بخشتا بھی ہے اور سیئات کو حسنات میں بھی بدل دیتا ہے۔ علامہ طیبی کے نزدیک تو فرشتوں کو ہماری بداعمالیاں بھلا دینا بھی اس کے غفور ہونے کا مظہر ہے۔

اپنے عصیاں شعار بندوں پر بے پناہ لطف وکرم کی وجہ سے ہی وہ خیر الغافرین (سورۃ الاعراف:155) ہے۔ یہ اسم مبارک قرآن کریم میں ان جوڑوں کی شکل میں آیا ہے۔

(الف) رحیم: قرآن میں اکثر مقامات پر غفور، رحیم سے پہلے آیا ہے، مگر ایک مقام پر الرحیم پہلے ہے۔ (سبا:2)

(ب) حلیم (ج) رب (د) عزیز (ہ) شکور (و) عفو (ز) ودود۔

یہ فہرست ظاہر کرتی ہے کہ غفور دیگر جن اسماء کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے وہ خالق کی طرف سے مخلوق پر محبت، رحمت، درگزر اور مخلوق کی عزت افزائی کا مظہر ہے۔

صرف غفور اور رحیم کے چند قرآنی استعمالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، تاکہ ان کے مقابل مضمون سے ربط وتعلق اور انسانی زندگی پر اثرات کا جائزہ لیا جاسکے۔

حلت وحرمت کے مسائل کے تذکرہ کے بعد حالت اضطرار میں حرام کے استعمال کی اجازت کے بعد غفور اور رحیم کا استعمال ہوا ہے۔

انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیر باغ ولاعاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۔ (البقرۃ:173)

اللہ نے تمہارے اوپر حرام قرار دیا ہے مردہ کو، خون کو، سور کے گوشت کو اور ایسے مذبوحہ کے گوشت کو جس (جانور پر ذبح کے وقت) اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ جو شخص مجبوری میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھائے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

سورۃ المائدہ: آیت:3، سورۃ الانعام، آیت:145 اور سورۃ النحل، آیت:150 میں بھی اسی طرح یہ صفات آئی ہیں۔

اس آیت مبارکہ اور اسی مضمون کی دیگر آیات کے اختتام پر غفور اور رحیم کی صفات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ حالت اضطرار میں حرام کھانے پر اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا۔ یہ اس کی صفت غفور کا تقاضا ہے اور یہ رخصت عطا کرنا اس کی صفت رحیم کا تقاضا

ہے۔

اسی طرح استغفار کا حکم دیا تو اس کے بعد بھی انہیں صفات کو بیان کیا گیا، تا کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش وعطا اور رحمت وکرم کا پتا چل سکے۔

ثم افيضوا من حيث افاض الناس واستغفروا الله ان الله غفور رحيم ۔(البقرة:199)

پھر جہاں سے اور سب لوگ پلٹے ہیں وہیں سے تم بھی پلٹو اور اللہ سے معافی چاہو، یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: **فهذا يدل قطعا على انه تعالىٰ يغفر لذلك المستغفر، ويرحم ذلك الذى تمسك بحبل رحمته و كرمه** (رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب)

اس سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مغفرت طلب کرنے والے کی مغفرت فرماتا ہے اور اس شخص پر رحم فرماتا ہے جو اس کے جبل رحمت اور دین کرم کا سہارا لیتا ہے۔

اسم اعظم کی تحقیق

اللہ عزوجل کا سب سے بڑا، سب سے بزرگ، سب سے مبارک اور سب سے مقدس ایسا نام جو فیض کا ایک سمندر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور رحمت تامہ سے ایسے عجیب وغریب اثرات رکھے ہیں کہ اسکا ورد کرنے والا کوئی بندہ فیض الٰہی سے محروم رہتا ہی نہیں ایسا پُر منفعت نام جو دونوں جہاں کی کامیابی کی کنجی ہے۔ دین ودنیا کا کوئی بھی ایسا کام نہیں جو اسم اعظم کے ذریعہ سے انجام نہ پائے ایسا بابرکت نام جو فوائد وبرکات کا مخزن ہے جس کے ورد کرنے سے پریشان لوگوں کو اطمینان، شکستہ دل لوگوں کو تسکین اور مایوس لوگوں کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ ان کی پریشانیاں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں اور ان کے دامن گوہر ہائے مراد سے ہو جاتے ہیں ایسا کثیر الخیر نام جو بے حد مجرب بہت زود اثر اور نہایت مفید ہے ہر قسم کی دینی ودنیوی روحانی وجسمانی ظاہری و باطنی امور اور ہر مشکل ودشوار کام کے حل کے لئے اکسیر اعظم اور تریاق ہے۔ ناممکن بات اس کی بدولت ممکن ہو جاتی ہے اسم اعظم کو مخصوص انداز سے پڑھنے اور مخصوص طریق پر عمل کرنے سے معجزانہ اثر پیدا ہوتا ہے۔ ہر کام میں کامیابی ہر بات میں سرخروئی اور ہر میدان میں فتح یابی نصیب ہوتی ہے۔

اسم اعظم

اللہ تعالیٰ کا وہ نام جو تمام ناموں میں سب سے بڑا ہے۔ کہ جب اس کے ساتھ کوئی دعا مانگی جاتی ہے تو وہ قبول ہو جاتی ہے اور جب اس کے ذریعہ سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو بارگاہ الٰہی میں رد نہیں کیا جاتا۔ جب اس کے واسطہ سے کوئی چیز مانگی جاتی ہے تو عطا کی جاتی ہے۔ یہ ایسا مبارک نام ہے کہ اس کے طفیل انسان کو منہ مانگی مراد یقینی طور سے مل جاتی ہے۔ اگر غور کریں تو اسم اعظم عربی زبان کے دو کلموں سے مرکب ہے دراصل عربی زبان میں اسم نام کو کہتے ہیں اور اعظم کے معنی ہے، بہت بڑا یا سب سے بڑا۔ تو اسم اعظم کے معنی ہوئے بہت بڑا نام۔

اسم اعظم کی فضیلت اور بزرگی، عظمت و بڑائی قدر و منزلت اور شرافت و کرامت بہت ہی زیادہ ہیں انسانی قلم میں یہ طاقت ہی نہیں کہ اس فضیلت کو تحریر کر سکے تاہم انسانی بساط کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام اسماء پر فوقیت و برتری حاصل ہے اس کے پڑھنے و ورد کرنے کا بے حد و بے حساب اجر و ثواب ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے کوئی دوسرا اسم اس کے برابر نہیں۔

جہاں تک خواص اسم اعظم کا تعلق ہے تو بزرگان دین کے مطابق اس کے فوائد و برکات اور اس کے نتائج و ثمرات بے انتہا اور ان گنت ہیں اس کے متعلق روایات حدیث میں بکثرت وارد ہوا ہے کہ آدمی جو دعا اس کے بعد مانگے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے طفیل دلی مرادیں اور تمنائیں قلبی آرزوئیں پوری کر دیتا ہے۔

اسم اعظم کا معلوم کرنا اور دعا کے وقت اسم اعظم پڑھ کر دعا مانگنا قبولیت دعا کا ایک بہترین وسیلہ و ذریعہ ہے اس مبارک و مقدس اسم کے طفیل غیر محال اور ناممکن بات، خلاف عادت و طبیعت کام اور خلاف عقل امور آسان اور ممکن ہو جاتے ہیں۔

اسم اعظم کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے اور اس میں پانچ اقوال آئے ہیں۔

اول: امام ابو جعفر طبری رحمتہ اللہ علیہ، ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ، اور قاضی ابو بکر باقلانی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ جیسے علماء کہتے ہیں کہ اسمائے الٰہی سب کے سب اسم اعظم ہیں ایک دو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

چنانچہ انہوں نے جہاں اسم اعظم کا ذکر کیا ہے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ اعظم بمعنی عظیم کے ہے یعنی بڑا۔

دوم: امام ابن حبان کا قول ہے کہ اخبار میں جہاں اعظمیت کا لفظ وارد ہوا ہے اس کے ذریعہ سے دعا مانگنے والے کیلئے ثواب مراد ہے۔ یعنی اس کی ذات میں بڑی زیادتی نہیں۔ بلکہ یہ ایک امر خارج کے اعتبار سے ہے اور اس میں کوئی بحث نہیں۔

سوم: بعض علماء کہتے ہیں کہ اسمائے حسنی میں سے کوئی اسم مخفی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم میں پوشیدہ رکھا ہے اور مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں فرمایا جیسے راتوں میں شب قدر۔ اور ساعات میں ساعت جمعہ (یعنی جمعہ کے دن میں دعا قبول ہونے کا خاص وقت) اور نمازوں میں صلوۃ وسطیٰ وغیرہ کو پوشیدہ و مستور فرمایا ہے۔

چہارم: حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بندہ جب دعا میں ایسا مستغرق ہو جائے کہ غیر اللہ کا خیال اس وقت نہ ہو تو کسی بھی اسم سے دعا کرے قبول ہوگی وہی اسم اعظم ہے۔

پنجم: اور اکثر علمائے کرام و صوفیائے عظام اسم اعظم کے اسم معین ہونے کے قائل ہیں پھر وہ بھی باہم مختلف رائے پیش کرتے ہیں۔ چونکہ اس کے تعین میں مختلف روایتیں آئی ہیں اس لئے علمائے مفسرین و محدثین اور فقہائے کرام اور والیائے عظام نے اسم اعظم کی تحقیق میں بے حد کوشش کر کے بہت سی روایتیں بیان کی ہیں اور اختلاف کی وجہ یہ ہوئی کہ جس کو جس اسم سے نفع ہوا اسی کو اسم اعظم سمجھ لیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اسم اعظم کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں وہ تمام اقوال ایک جامع دعا میں بیان کئے گئے ہیں جو تمام بزرگوں سے منقول ہیں۔

امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔

اللهم انی اسألك باسمك الطاهر الطيب المبارك الاحب اليك الذی . .

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ اسم بتایا جسکے ذریعہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے میں نے عرض کیا یا حضرت میں بھی یہ دعا پڑھا کروں آپ (ص) نے فرمایا یہ اسم اعظم عورتوں کے لائق نہیں۔

یعنی عورتیں بے صبر ہوتی ہیں۔ وہ اسم اعظم کا ادب نہ کرسکیں گی اور ان کو بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہوگا۔ کیونکہ اسم اعظم کے لئے بڑے تحمل و بردباری اور صبر و ضبط کی ضرورت ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سورہ بقرہ کے فضائل میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی نماز میں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی اس کے فارغ ہونے کے بعد حضرت کعب احبار (رح) نے فرمایا خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ ان (دونوں سورتوں) میں خدا تعالیٰ کا وہ نام ہے کہ جب اس نام کے ساتھ اسے پکارا جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اب وہ شخص (یہ سن کر) حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے عرض کرنے لگا کہ حضرت! مجھے بتلایئے وہ نام کون سا ہے حضرت کعب رحمۃ اللہ عنہ نے بتلانے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ اگر میں وہ نام بتادوں تو مجھے خوف ہے کہ کہیں تو اس نام کے ذریعہ سے کوئی ایسی دعا نہ مانگ لے جو میری اور تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن، میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوا تو وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نماز میں قرآن کریم پڑھ رہا ہے اور اپنی آواز بلند کررہا ہے میں نے کہا کہ یارسول اللہ! کیا اس شخص کو آپ ریاکار نہیں کہیں گے؟ (یعنی کیا یہ شخص منافق نہیں کہ دکھانے سنانے کے لئے اتنے زور زور سے قرآن کریم پڑھ رہا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ بلکہ مومن جو (غفلت سے ذکر کی طرف) رجوع کر رہا ہے۔ بریدہ کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ (یعنی وہ شخص جن کے بارہ میں اوپر ذکر ہوا کہ وہ بآواز بلند قرآن پڑھتے تھے حضرت ابوموسیٰ تھے) بآواز بلند قرآن کریم پڑھتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قرات سنتے رہے۔

پھر ابوموسیٰ (یا تو تشہد میں نماز کے بعد دعا کے لئے بیٹھے) اور بارگاہ الٰہی میں یوں عرض رساں ہوئے اے الٰہی! میں تجھ کو گواہ بنا کر تیرے حق میں یہ اعتقاد و اقرار کرتا ہوں۔ کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ایسا یکتا و بے نیاز ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے اللہ سے اس کے نام کے ساتھ سوال کیا ایسا نام کہ جب اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ وہ سوال پورا کرتا ہے۔ اور جب اس کے ذریعہ دعا مانگی جاتی ہے تو دعا قبول کرتا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ بات سنی ہے اسے ابوموسیٰ تک پہنچادوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ چنانچہ میں نے ابوموسیٰ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد رانی پہنچایا تو انہوں نے کہا کہ آج کے دن سے تم میرے سچے بھائی ہو کہ تم نے رسول کریم کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچایا ہے۔

(رزین، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 822)

اسم اعظم کے تعین کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے تو لفظ اللہ کو اسم اعظم کہا ہے۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اسم اعظم ہے کچھ لوگوں نے لفظ ہو کو اسم اعظم کہا ہے بعض حضرات نے الحی القیوم کو بعض حضرات نے مالک الملک کو بعض حضرات نے کلمہ توحید کو اور بعض حضرات نے اللہ الذی لا الہ الا ھو رب العرش العظیم کو اسم اعظم کہا ہے۔

حضرت امام زین العابدین کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی کہ مجھے اسم اعظم بتائے تو انہیں خواب میں دکھایا گیا کہ اسم اعظم لا الہ الا اللہ ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اسم اعظم اسماء حسنیٰ میں مخفی ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اللّٰھم اسم اعظم ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ جس شخص نے اللّٰھم کہا اس نے گویا اللہ سے اس کے تمام ناموں کے ذریعے (دعا مانگی اسی طرح کا قول حضرت حسن بصری سے بھی منقول ہے۔ بعض حضرات الم کو اسم اعظم قرار دیتے ہیں۔

اور بعض حضرات مثلاً امام جعفر صادق کہتے ہیں کہ جو شخص اسماء الٰہی میں سے کسی بھی اسم کے ساتھ اللہ کو اس طرح بطریق حضور استغراق یاد کرے کہ اس وقت اس کے باطن میں اس اسم کے علاوہ اور کچھ نہ ہو تو وہی اسم اعظم ہے اور اس کے ذریعہ مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابو سلیمان درانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ کامل سے پوچھا کہ اسم اعظم کون سا ہے؟ تو انہوں نے پوچھا کیا تم اپنے دل کو جانتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں! انہوں نے فرمایا کہ جب تم یہ دیکھو کہ تمہارا دل اللہ کی طرف متوجہ اور نرم یعنی ترساں ولرزاں ہو گیا ہے تو اس وقت اللہ سے اپنی حاجت مانگو یہی اسم اعظم ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابو الربیع سے کسی نے کہا کہ مجھے اسم اعظم کے بارہ میں بتائیے تو انہوں نے کہا کہ یہ لکھو اطع اللہ یطعک ،یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو وہ تمہاری ہر درخواست قبول کرے گا اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری ہی اسم اعظم ہے کیونکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ نیز فرمایا کہ عارف کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا کن کی طرح ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کن کہہ کر جو چاہتا ہے پیدا فرما دیتا ہے ایسے ہی بندہ کے لئے لئے بسم اللہ ہے کہ وہ جس کام کی ابتداء میں بسم اللہ کہتا ہے اس کی برکت سے وہ کام پورا ہو جاتا ہے۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ دعا تمام اقوال کا جامع ہے یعنی بزرگان دین نے جن جن ناموں کو اسم اعظم کہا ہے وہ سب اس دعا میں آجاتے ہیں۔ دعا (اللّٰھم انی اسألك بان لك الحمد لا اله الا انت یا حنان یا منان یا بدیع السماوات والارض یا ذالجلال والاکرم یاخیر الوارثین یا ارحم الراحمین یا سمیع الدعاء یا اللہ یا ارحم الراحمین یا عالم یا سمیع یا حلیم یا مالك الملك یا مالك یا سلام یا حق یا قدیم یا قائم یا غنی یا محیط یا حکیم یا علی یا قاهر یا رحمن یا رحیم یا سریع یا کریم یا مخفی یا معطی یا مانع یا محیی یا مقسط یا حی یا قیوم یا احمد یا حمد یا رب یا رب یا رب یا رب یا وهاب یا غفار یا قریب یا لا اله الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین انت حسبی ونعم الوکیل)۔ مذکورہ بالا دعا میں جتنے اسماء ذکر کئے گئے ہیں یہ سب اسم اعظم ہیں۔

حضرت آصف بن برخیا کا اسم اعظم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ وہ اسم اعظم جس کے ساتھ حضرت آصف بن برخیا (شاہِ جنات) نے (تخت بلقیس اٹھانے کی) دعا کی تھی یا حی یا قیوم تھی۔

اور حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دعا تھی: **يَا اِلٰهَنَا وَاِلٰهَ كُلِّ شَيْءٍ اِلٰهًا وَاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ائْتِنِي بِعَرْشِهَا** ۔ (الدرالنظیم ص:32) اے ہمارے معبود اور ہر چیز کے معبود (اور) اکیلے معبود! آپ کے سوا کوئی اس تخت کو لانے والا نہیں، اس (بلقیس کے) تختِ حکومت کو میرے پاس لا دے۔

نوٹ: اگر کوئی شخص اس اسم اعظم کو اپنے ورد میں شامل کرنا چاہے تو وہ اس کے آخری کلمہ ائْتِنِي بِعَرْشِهَا کی جگہ اپنی حاجت کا سوال کرے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسم اعظم امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں اسم اعظم کی تعلیم دیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ اسم اعظم یہ ہے۔ اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (الدرالمنظم)

اللہ، اللہ، اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو عرش عظیم کا رب ہے۔ سید التابعین حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا اسم اعظم آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں چاندنی رات میں داخل ہوا مجھے اُس وقت گمان ہو رہا تھا کہ شاید صبح ہوگئی ہے جبکہ رات اپنے زوروں پر تھی۔ میں نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا، پھر بیٹھ کر دعا مانگنے لگا تو ایک ہاتف نے مجھے پیچھے سے پکار کر کہا اے اللہ کے بندے یہ دعا کرو۔ میں نے کہا کیا کروں؟ فرمایا یوں کہو: **اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ بِاَنَّكَ مَلِكٌ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَمَا تَشَاءُ مِنْ اَمْرٍ يَكُوْنُ** (المستطرف 28/2) اے اللہ میں آپ سے اس بات کا استحضار کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ تو بادشاہ ہے اور ہر شے پر قادر و مختار ہے تو جو کام کرنا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی ان الفاظ کے ساتھ دعا کی اور جس معاملہ میں کی کامیابی حاصل ہوئی۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول اسم اعظم حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ سے اور وہ قبیلہ طیٔ کے ایک آدمی سے نقل کرتے ہیں۔ اس آدمی کی حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اچھی تعریف بھی فرمائی کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ مجھے اپنا وہ اسم دکھادیں جس کے ساتھ جب دعا کی جاتی ہے تو وہ اس کو قبول فرماتے ہیں، تو میں نے آسمان پر ایک ستارے میں یہ لکھا ہوا دیکھا: يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اے ذوالجلال والاکرام۔ (اخرجہ ابویعلی، مجمع الزوائد 159/10)

حسد کی ممانعت کا بیان

34 – وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ هُوَ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جس کو اس سے مال اور اخلاق میں

فضیلت دی گئی ہو تو اس کو چاہئے کہ ایسے آدمی کو دیکھے جو اپنے سے کم ہو نہ ایسے شخص کو جو بالاتر ہو۔ تا کہ حسد کی جگہ اللہ کا شکر کر سکے۔

شیخ سعدی کا جوتا

ایک دفعہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو حصولِ علم کی غرض سے شیراز سے بغداد کا سفر کرنا پڑا۔ بغداد، شیراز سے کافی فاصلے پر تھا، اور وہ پیدل چل رہے تھے۔ پیدل چلتے چلتے ان کا جوتا گھس کر ٹوٹ گیا اور ایسی حالت اختیار کر گیا کہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے اس جوتے کو پاؤں میں پہننا ممکن نہ رہا چنانچہ وہ ننگے پاؤں چلنے لگے۔ ننگے پاؤں چلتے چلتے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔

یہاں تک کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ تکلیف کی شدت سے کراہنے لگے۔ اب ان کے لئے مزید چلنا دشوار ہو گیا وہ ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے گلہ کرنے لگے کہ اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نے مجھے رقم دی ہوتی، میرے پاس پیسے ہوتے تو میں یوں پیدل سفر نہ کرتا، نہ ہی میرا جوتا ٹوٹتا، نہ ہی میرے پاؤں زخمی ہوتے اور نہ مجھے یہ تکلیف برداشت کرنا پڑتی۔ ابھی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے یہی سوچ رہے تھے کہ انہیں ایک معذور شخص دکھائی دیا جس کے دونوں پاؤں سرے سے تھے ہی نہیں اور وہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا، پھر بھی وہ اپنے دھڑ کی مدد سے زمین پر بیٹھ کر خود کو گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ منظر دیکھا تو خدا تعالیٰ سے معافی مانگی اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میرے دونوں پاؤں سلامت ہیں، میں کھڑا بھی ہو سکتا ہوں، چل بھی سکتا ہوں۔ کیا ہوا جو میرے پاس رقم نہیں، سواری کا جانور نہیں، یا جوتے نہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے میرے دونوں پاؤں سلامت ہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔ (حکایات سعدی)

حسد کا نیکیوں کو کھا جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا حسد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح لکڑیوں کو آگ جاتی ہے۔ (ابوداود، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 968)

حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جس طرح آگ اور لکڑی کا معاملہ ہے کہ آگ لکڑی کو جلا کر اس کا وجود مٹا دیتی ہے اسی طرح حسد وہ خصلت ہے جو انسان کو اپنی گرفت میں لے کر اس کی نیکیوں کو مٹا دیتا ہے۔ "معتزلہ" اس حدیث کو اپنے اس مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ ارتکاب معصیت، عمل صالح کو باطل کر دیتا ہے اور برائیاں نیکیوں کو مٹا دیتی ہیں ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کے اچھے اعمال محض اس گناہ کے ارتکاب سے ملیامیٹ ہو جاتے ہیں اور برائی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ پچھلی نیکیوں کو ختم کر ڈالتی ہے لیکن ہم اہل سنت و جماعت اس بات کو غلط قرار دیتے ہیں انکا کہنا یہ ہے کہ برائیوں سے نیکیاں ختم نہیں ہوتیں البتہ نیکیوں کا خاصہ یہ ضرور ہے کہ وہ برائیوں کو مٹا دیتی ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے آیت (ان الحسنات یذھبن السیات)۔ (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) جہاں تک اس حدیث سے معتزلہ کے استدلال کا سوال ہے تو اہل سنت والجماعت کی طرف سے کہا جاتا ہے اس ارشاد گرامی میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے تو اس کا مطلب دراصل

یہ ہے کہ حسد نیکیوں کے حسن و کمال کو زائل کر دیتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ الحسد یفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل۔ یعنی حسد ایمان میں فتور پیدا کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو بدمزہ کر دیتا ہے۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ حسد نیکیوں کو کھا جانے سے مراد یہ ہے کہ حسد، حاسد کو محسود کا مال تلف کرنے اس کی زندگی تباہ کرنے اور اس کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے پر اکساتا ہے اگر حاسد ان چیزوں کو عملاً پورا نہیں کرتا تو وہ ان باتوں کا ارادہ اور رجحان ضرور رکھتا ہے اور کچھ نہیں تو غیبت وغیرہ کے ذریعہ اس کی عزت و آبرو کو نقصان یقیناً پہنچاتا ہے لہٰذا حسد کی سزا یہ ملے گی کہ قیامت کے دن حاسد کی نیکیاں محسود کو دیدی جائیں گی اور یہ محسود کے ان حقوق کا بدلہ ہوگا جو حاسد اپنی گردن پر لے کر اس دنیا سے جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ میری امت میں حقیقی مفلس شخص وہ ہے جو قیامت کے دن اپنے نامہ اعمال میں نماز، روزہ، زکوۃ اور شب بیداری کا ثواب لئے ہوئے آئے گا لیکن اس کی حالت یہ ہوگی کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر زنا کا بہتان لگایا گیا ہوگا کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون کیا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ لہٰذا اس کی تمام نیکیاں ان لوگوں کو دیدی جائیں گی جن پر اس نے گالی اور بہتان وغیرہ کے ذریعہ زیادتی کی ہوگی لہٰذا مذکورہ بالا حدیث میں نیکیوں کے مٹائے جانے سے یہی مراد ہے یعنی قیامت کے دن اپنی نیکیوں سے محروم ہو جانا نہ کہ ان کی نیکیوں کو دیوان اعمال میں سے مٹا دینا اور ختم کر دینا مراد ہے یہ مراد یوں بھی صحیح نہیں ہوگی کہ اگر کسی کی نیکیوں کو یہیں مٹا دیا جائے اور ان کو دیوان اعمال میں سے محو کر دیا جائے تو پھر وہ وہاں قیامت کے دن کن اعمال کے ساتھ آئے گا۔

درآنحالیکہ حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جس شخص نے دنیا میں جو اعمال کئے گئے ہوں گے وہ قیامت کے دن انہی اعمال کے ساتھ میدان حشر میں حاضر ہوگا۔ ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ہر بندہ اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے نامہ اعمال میں ثواب کی تعداد بڑھتی رہتی ہے ظاہر ہے کہ جو بندہ نیکیوں کی بجائے خطاؤں کا مرتکب ہوتا ہے وہ اپنے نامہ اعمال میں نیکیوں اور ثواب کے اضافہ سے محروم ہو جاتا ہے اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ حسد، حاسد کا اچھی بات سے مٹا کر گویا ان نیکیوں سے محروم رکھتا ہے جو اس کو بری خصلت سے اجتناب کی صورت میں حاصل ہوتیں۔

کتے کے جوٹھے کے نجس ہونے کا بیان

35 —وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِيهِ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کے برتن میں جب کتا منہ ڈالے تو اس کو چاہیے کہ پاک کرنے کے لیے سات مرتبہ دھولے۔ (بخاری و مسلم)

(بخاری کتاب الطہارۃ باب اذا شرب الکلب فی الاناء ج ا ص ۲۹، مسلم کتاب الطہارۃ باب حکم ولوغ الکلب ج ا ص ۱۳۷)

کتے کے جوٹھے برتن کو پاک کرنے کا بیان

مسلم کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ تم میں سے جس کے برتن سے کتا پانی پی لے اس (برتن) کو پاک کرنے کی صورت یہ

ہے اسے سات مرتبہ دھوڈالے اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو بھی دوسری نجاستوں کے حکم میں شمار کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اس برتن کو صرف تین مرتبہ بغیر مٹی کے دھوڈالنا کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا جو حکم دیا جارہا ہے وہ وجوب کے طریقے پر نہیں ہے بلکہ اختیار کے طور پر ہے، یا پھر یہ کہ سات مرتبہ دھونے کا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جو بعد میں منسوخ ہوگیا! واللہ اعلم۔ تشریح اکثر محدثین اور تینوں آئمہ کے مسلک یہ ہیں کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے یا کسی برتن سے پانی پی لے اور کھائے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہیے۔

نماز جماعت سے نہ پڑھنے والوں کیلئے وعید کا بیان

36 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ فِتْيَانِي أَنْ يَسْتَعِدُّوا لِي بِحُزَمٍ مِنْ حَطَبٍ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ أُحَرِّقُ بُيُوتًا عَلَى مَنْ فِيهَا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے نوکروں کو حکم دوں کہ میرے لیے لکڑی کے گٹھے لائیں پھر میں ایک شخص کو حکم دوں کہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں لوگوں کو (جو نماز کو نہیں آتے) ان کے گھروں سمیت آگ لگا کر جلا ڈالوں۔

جماعت سے متعلق فقہی مسائل و مذاہب کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مع الرکعین، مع کا لفظ معیت اور جمعیت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کے مفسرین کی ایک جماعت نے کہا: ابتدا میں نماز کا امر جماعت کے ساتھ حاضری کا تقاضا نہیں کرتا تھا تو مع کے قول کے ساتھ جماعت کی حاضری کا حکم دیا۔ جماعت کے ساتھ حاضر ہونے کے متعلق علماء کے دو مختلف اقوال ہیں: جمہور کا نظریہ یہ ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنن موکدہ سے ہے اور جو بغیر کسی عذر کے جماعت سے پیچھے رہتا ہے اس پر سزا واجب ہے اور بعض اہل علم نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا: یہ قول صحیح ہے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ تمام مساجد کا جماعت سے خالی ہونا جائز نہیں۔ جب مسجد میں جماعت کھڑی ہوجائے تو گھر میں منفرد کی نماز جائز ہوگی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجے افضل ہے

اس حدیث کو مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے پچیس درجے افضل ہے۔

داؤد نے کہا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہر شخص پر فرض ہے جیسے جمعہ فرض ہے اور داؤد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے دلیل پکڑی ہے: **لا صلاۃ لجار المسجد الا فی المسجد** مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہی جائز ہے۔ ابو داؤد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور ابو محمد عبدالحق نے اسے صحیح کہا ہے۔

حضرات عطا بن ابی رباح، احمد بن حنبل، ابوثور وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: میں کسی شخص کو جماعت ترک کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر قادر ہو مگر عذر کی وجہ سے جماعت چھوڑ سکتا ہے یہ ابن منذر نے ان کا قول حکایت کیا ہے۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میرا کوئی قائد نہیں جو مجھے مسجد میں لے آئے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تا کہ آپ اسے رخصت دے دیں اور وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رخصت دے دی۔ جب وہ واپس چلا گیا تو اسے پھر بلایا اور فرمایا: کیا تو نماز کی اذان سنتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جواب دے۔ کہ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کر) ابوداؤد کے الفاظ اس حدیث میں یہ ہیں میں تیرے لئے رخصت نہیں پاتا اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: سائل عبداللہ بن ام مکتوم تھے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان سنی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے اسے کوئی عذر مانع نہ ہو۔۔۔ صحابہ نے پوچھا: عذر کیا ہے؟ فرمایا خوف یا مرض۔۔۔ اس کی نماز قبول نہ ہوئی جو اس نے پڑھی۔

ابو محمد عبدالحق نے کہا: اس حدیث کو مغراء العبدی نے روایت کیا ہے۔ صحیح حضرت ابن عباس پر موقوف ہے، جس نے اذان سنی اور (جماعت کے ساتھ) نہ آیا تو اس کی نماز نہیں۔ قاسم بن اصبغ نے اپنی کتاب میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان سنی اور جواب نہ دیا (یعنی جماعت کے ساتھ حاضر نہ ہوا) تو اس کی نماز نہیں مگر یہ کہ اسے عذر ہو۔

اس کے ساتھ تیرے لئے اس کی صحت کافی ہے۔ مغراء العبدی سے ابواسحاق نے روایت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم نے دیکھا کہ جماعت سے پیچھے نہیں رہتا مگر ایسا منافق جس کا نفاق معلوم ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور منافقین کے درمیان فرق عشاء اور صبح کی جماعت کی حاضری ہے۔ منافقین ان نمازوں میں حاضر ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ابن منذر نے کہا: ہم نے کئی اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: جس نے اذان سنی اور بغیر عذر کے جواب نہ دیا اس کی نماز نہیں۔ ان صحابہ میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری ہیں۔

ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنے نوجوانوں کو حکم دوں کہ وہ لکڑیوں کے گٹھے اکٹھے کریں پھر میں ان لوگوں کے پاس آؤں جنہوں نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی جبکہ انہیں کوئی بیماری بھی نہیں ہے تو میں ان پر ان کے گھر جلا دوں۔

یہ ان کی دلیل ہے جنہوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض قرار دیا یہ وجوب میں ظاہر ہے۔ جمہور علماء نے جماعت کے ساتھ نماز کی حاضری کی تاکید پر محمول کیا ہے اور صحابہ کے اقوال اور حدیث لاصلوۃ لہ (اس کی نماز نہیں) کو کمال اور فضیلت پر محمول کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن ام مکتوم کو فاجب کا امر کرنا استحباب پر محمول کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقد هممت (میں نے ارادہ کیا) یہ حتمی وجوب پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ آپ نے ارادہ فرمایا لیکن ایسا کیا نہیں۔ آپ نے یہ ارشاد غافلوں کو وعید اور تہدید کے طور پر ذکر فرمایا جو جماعت اور جمعہ سے رہ جاتے ہیں۔ اس معنی کو مسلم کی روایت بھی بیان کرتی ہے جو حضرت عبداللہ نے روایت کی ہے، فرمایا: جسے یہ بات خوش کرے کہ وہ کل اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہو کر ملے تو اسے ان نمازوں کی حفاظت کرنی چاہئے جہاں بھی ان کی ندا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لئے سنن ہدیٰ کو مشروع کیا ہے اور یہ نمازیں (جماعت کے ساتھ پڑھنا) سنن ہدیٰ میں سے ہیں۔ اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو گے جس طرح یہ شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے اور اگر تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ جو شخص اچھی طرح طہارت کرے پھر کسی مسجد کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتا ہے اور اس کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور اس کے بدلے ایک گناہ معاف فرماتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ ہم میں سے جماعت سے ایسا منافق پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق معلوم ہوتا تھا۔ ایک شخص کو لایا جاتا تھا جبکہ وہ دو شخصوں کے سہارے پر ہوتا تھا حتیٰ کہ اسے صف میں کھڑا کیا جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ نے اپنی حدیث میں بیان فرمایا کہ جماعت کے ساتھ شریک ہونا سنن ہدیٰ کے ترک پر ایک دوسرے کی مدد کرنا نہیں ختم کرنے کے مترادف ہے۔

اس بنا پر حجت قائم اور ظاہر ہو جائے تو منفرد کی نماز جائز اور صحیح ہوگی۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کی نماز جماعت کے ساتھ گھر میں اور بازار میں اس کی نماز سے بیس سے زائد درجے بلند ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر وہ مسجد میں آتا ہے اور اس کا ارادہ فقط جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہوتا ہے تو جو وہ قدم اٹھاتا ہے اس کے بدلے اس کے لئے ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور اس کے بدلے اس کا ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائے۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے جب تک اسے نماز روکے ہوئے ہوتی ہے وہ نماز میں ہی شمار ہوتا ہے اور فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اس جگہ میں ہوتا ہے جہاں سے اس نے نماز پڑھی جاتی ہے۔ فرشتے یہ کہتے رہتے ہیں: اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس پر نظر رحمت فرما، یہ دعا کا سلسلہ جاری رہتا ہے جب تک کہ وہ اس مجلس میں تکلیف نہیں دیتا (یعنی) جب تک اسے حدث لاحق نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: حدث سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: اس کی ہوا آہستہ خارج ہو یا بلند آواز سے خارج ہو۔

جماعت کی طرف جو فضیلت منسوب کی گئی ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ فقط جماعت کے لئے ہے جہاں بھی ہو یا یہ فضیلت اس جماعت کی ہے جو مسجد میں ہوتی ہے، کیونکہ یہ فضیلت ایسے افعال کے ساتھ لازم ہے جو مساجد کے ساتھ خاص ہے جیسا

کہ حدیث پاک میں بیان ہوا ہے۔ علماء کے اس کے متعلق دو قول ہیں: پہلا زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ جماعت وہ وصف ہے جس پر حکم معلق کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

مسجد کی طرف زیادہ قدم چل کر جانا، مسجد کی طرف آنا، مسجد میں بیٹھنا یہ جماعت کی فضیلت کے علاوہ زیادہ ثواب ہیں۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اختلاف ہے کہ کیا ایک جماعت دوسری جماعت سے کثرت تعداد اور امام کی فضیلت کی وجہ سے فضیلت رکھتی ہے یا نہیں؟ امام مالک نے فرمایا: نہیں۔ ابن حبیب نے فرمایا: فضیلت رکھتی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا دوسرے آدمی سے مل کر نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور ایک شخص کا دو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور جو تعداد زیادہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اس حدیث کو حضرت ابی بن کعب نے روایت کیا ہے، اور ابو داؤد نے نقل کی ہے، اس کی سند میں کمزوری ہے۔

جس نے ایک جماعت سے نماز پڑھ لی ہو وہ وہی نماز دوسری جماعت سے دوبارہ پڑھ سکتا ہے؟ اس کے متعلق بھی علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب نے فرمایا: وہ شخص جو تنہا اپنے گھر میں یا کسی اور جگہ نماز پڑھ چکا ہو وہ امام کے ساتھ نماز دوبارہ پڑھے اور جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکا ہو اگر چہ وہ جماعت تھوڑی بھی ہو وہ زیادہ تعداد والی جماعت یا کم والی جماعت کے ساتھ نماز دوبارہ نہ پڑھے۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور داؤد بن علی نے فرمایا: جو ایک دفعہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکا ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ نماز اگر چاہے تو دوسری جماعت کے ساتھ پڑھ لے کیونکہ یہ نفل اور سنت ہو جائے گی۔

یہی بات حضرات حذیفہ بن یمان، ابوموسیٰ اشعری، انس بن مالک، صلہ بن زفر، شعبی اور نخعی سے مروی ہے۔ حضرت حماد بن زید اور حضرت سلیمان بن حرب کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالک نے اس قول سے حجت پکڑی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک نماز ایک دن میں دو مرتبہ نہیں پڑھی جائے گی۔ بعض علماء نے فرمایا: دوبارہ نماز نہ پڑھو۔ یہ قول حضرت سلیمان بن یسار نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ احمد اور اسحاق نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی ایک فرض پڑھے پھر وہ کھڑا ہو اور دوبارہ اسی فرض کی نیت سے دوبارہ پڑھے، لیکن جب وہ امام کے ساتھ سنت یا نفل کی نیت سے پڑھے گا تو وہ نماز کا اعادہ نہیں ہوگا۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اعادہ کا جماعت کے ساتھ حکم دیا تھا انہیں فرمایا تھا یہ تمہارے لئے نفل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ذر وغیرہ کی حدیث میں ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابو مسعود سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، فرمایا: قوم کی امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا اچھا قاری ہو، اگر قراءت میں برابر ہوں تو جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہو، اگر سنت میں برابر ہوں تو جو ہجرت میں مقدم ہو، ہجرت میں بھی برابر ہوں تو جو اسلام لانے میں مقدم ہو۔ کوئی شخص دوسرے کی سلطنت میں امامت نہ کرائے اور اس کے بیٹھنے کی

جگہ پر نہ بیٹھے مگر یہ کہ وہ اسے اجازت دے۔

ایک روایت میں اسلام میں مقدم ہونے کی جگہ، عمر میں بڑا ہونے کا ذکر ہے، یہ حدیث ابو داؤد نے روایت کی ہے، فرمایا: شعبہ نے فرمایا: میں نے اسماعیل سے پوچھا: حدیث میں جو تکرمتہ کے الفاظ آئے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس کا بچھونا (اس کے بیٹھنے کی جگہ) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا: حضرت ابو مسعود کی حدیث حسن صحیح ہے اس پر اہل علم کا عمل ہے۔

علماء نے فرمایا: امامت کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو کتاب اللہ (قرآن) کا زیادہ قاری ہو اور سنت کو زیادہ جاننے والا ہو اور علماء نے فرمایا: گھر کا مالک امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ بعض نے فرمایا: جب گھر کا مالک دوسرے کو اجازت دے دے تو دوسرے کے امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں، بعض نے اس کو ناپسند کیا، فرمایا: سنت یہ ہے کہ گھر کا مالک امامت کرائے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ ہم نے اشعث بن قیس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک نوجوان کو امامت کے لئے مقدم کیا اور فرمایا: میں قرآن کو مقدم کرتا ہوں۔ جنہوں نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرائے جو قرآن کا بڑا قاری ہو، ان میں حضرات ابن سیرین، ثوری، اسحاق اور اصحاب الرائے ہیں۔ ابن منذر نے کہا: ہم بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ یہ قول سنت کے موافق ہے۔

امام مالک نے فرمایا: وہ شخص مقدم ہو جو زیادہ علم والا ہو جبکہ اس کی حالت اچھی ہو اور عمر کا بھی حق ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا: وہ امامت کرائے جو زیادہ فقیہ ہو، اسی طرح امام شافعی اور ابو ثور نے فرمایا جبکہ وہ قرآن پڑھ سکتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقیہ نماز میں لاحق ہونے والے حوادث کو زیادہ جانتا ہے اور انہوں نے حدیث کی اس طرح تاویل کی ہے کہ صحابہ میں سے بڑا قاری بڑا فقیہ بھی ہوتا تھا کیونکہ وہ قرآن میں سمجھ حاصل کرتے تھے اور صحابہ کے عرف میں فقہاء کو قراء کہا جاتا تھا اور انہوں نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کی حالت میں حضرت ابو بکر کو ان کے فضل و علم کی وجہ سے مقدم فرمایا۔

اسحٰق نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو اس لئے مقدم فرمایا تا کہ وہ دلیل بن جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے، یہ ابو عمر نے التمہید میں ذکر کیا ہے۔ ابو البزار نے اپنی حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سفر کرو تو تم میں سے جو بڑا قاری ہو وہ تمہاری امامت کرائے اگرچہ وہ عمر میں چھوٹا بھی ہو، جب وہ تمہاری امامت کرائے گا تو وہ تمہارے امیر ہوگا؟ فرمایا: ہم نہیں جانتے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے مگر حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اس سند کے ساتھ۔

میں نے کہا: چھوٹے کی امامت جائز ہے جب وہ قاری ہو۔ صحیح بخاری میں عمرو بن سلمہ سے مروی ہے، فرمایا: ہم ایک چشمہ پر رہتے تھے جو لوگوں کی گزرگاہ پر تھا۔ ہمارے پاس سے قافلے گزرتے تھے تو ہم ان سے پوچھتے تھے کہ لوگوں کا کیا بنا، وہ شخص (جس نے نبوت کا اعلان کیا ہے) وہ کون ہے؟ لوگ کہتے ہیں: وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مبعوث فرمایا ہے اور اس کی طرف ایسی ایسی وحی کی ہے ایسی ایسی وحی کی ہے میں وہ کلام یاد کر لیتا تھا گویا وہ میرے سینے میں کلام جم جاتا تھا۔

عرب لوگوں کے اسلام لانے کے منتظر تھے۔ وہ کہتے تھے: اس کو اور اس کی قوم کو چھوڑ دو اگر وہ اپنی قوم پر غالب آجائے گا تو وہ

سچا نبی ہوگا۔ جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں جلدی کی۔ میرے باپ نے اپنی قوم کے اسلام کے لئے جلدی کی، جب وہ آئے تو کہا: یقیناً میں تمہارے پاس اللہ کے نبی کی طرف سے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم اس وقت میں اس طرح نماز پڑھو۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان دے اور جو تم میں سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہو وہ امامت کرائے۔ پس لوگوں نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی بھی قرآن پڑھنے والا نہیں کیونکہ میں قافلوں میں ملتا تھا (اور ان سے قرآن سن کر یاد کر لیتا تھا)۔ پس لوگوں نے مجھے امامت کے لئے آگے کیا۔ جب کہ میری عمر چھ یا سات سال تھی میرے اوپر ایک چادر ہوتی تھی جب میں سجدہ کرتا تھا تو وہ اکٹھی ہو جاتی تھی۔ قبیلہ کی ایک عورت نے آواز دی: کیا تم اپنے قاری کی شرمگاہ نہیں ڈھانپو گے؟ پس لوگوں نے میرے لئے ایک قمیص خرید دی مجھے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ مجھے اس قمیص کی وجہ سے ہوئی تھی (1)۔ جن علماء کے نابالغ بچے کی امامت جائز قرار دی ہے ان میں حسن بصری اور اسحاق بن راہویہ ہیں۔ ابن منذر نے اس کو پسند کیا ہے جب کہ بچہ نماز کو سمجھتا ہو اور نماز پڑھا سکتا ہو، کیونکہ وہ بچہ بھی اس ارشاد میں داخل ہے قوم کی امامت بڑا قاری کرائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے نابالغ کی استثناء نہیں فرمائی۔ ان علماء نے حجت عمرو بن سلمہ کی حدیث کو بنایا ہے۔ امام شافعی کا ایک قول ہے: وہ باقی تمام نمازوں کی امامت کرائے لیکن جمعہ کی امامت نہ کرائے، وہ اس سے پہلے فرماتے تھے: جس کی امامت فرض نماز میں جائز ہے اس کی امامت عید میں بھی جائز ہے مگر میں اس میں غیر ولی کی امامت کو ناپسند کرتا ہوں۔ امام اوزاعی نے فرمایا: فرض نماز میں بچہ امامت نہیں کرا سکتا حتی کہ اسے احتلام ہو جائے مگر یہ کہ ایسی قوم ہو جن کے پاس قرآن نہ ہو (یعنی کسی کو قرآن یاد نہ ہو) تو پھر قریب البلوغ بچہ امامت کرا سکتا ہے۔ زہری نے کہا: اگر بچے کی امامت میں اضطرار ہو تو وہ ان کی امامت کرائے۔ مالک، ثوری اور اصحاب رائے نے بچے کی امامت سے ہر صورت میں منع فرمایا ہے۔

ہر بالغ مسلمان آزاد کا مستقل امامت کرانا جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جب وہ امام نماز کی حدود کو جانتا ہو اور الحمد شریف پڑھنے میں کوئی ایسی غلطی نہ کرتا ہو جو معنی میں غلطی کا باعث ہو مثلاً وہ ایاك نعبد میں کاف پر کسرہ پڑھ دے انعمت میں تا پر ضمہ پڑھ دے اور وہ طا اور ضاد میں فرق کر سکتا ہو، جو ان میں تفریق نہ کر سکتا ہو اس کی امامت صحیح نہیں کیونکہ ان دونوں کا معنی مختلف ہے۔ ان میں سے بعض نے ان تمام صورتوں میں رخصت دی ہے جبکہ وہ قراءت سے جاہل ہو اور جاہلوں کی ہی امامت کراتا ہو۔ عورت اور خنثیٰ مشکل، کافر اور مجنون اور ان پڑھ آدمی کی امامت جائز نہیں۔

اکثر علماء کے نزدیک ان لوگوں کا کسی صورت میں امامت کرانا جائز نہیں مگر ان پڑھ اپنے جیسوں کی امامت کرا سکتا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس ان پڑھ کی امامت صحیح نہیں جو قراءت اچھی طرح نہ کر سکتا ہو جبکہ کوئی قاری موجود ہو۔ امام شافعی کا یہی قول ہے۔ اگر ان پڑھ نے ان پڑھ کی امامت کرائی تو ہمارے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب ان پڑھ شخص کسی ایسی قوم کی امامت کرائے جن میں پڑھے ہوئے بھی ہوں اور ان پڑھ بھی ہوں تو تمام کی نماز فاسد ہے۔ امام ابو یوسف نے اس کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: امام کی نماز اور جو قرآن نہیں پڑھ سکتے ان کی نماز ہو جائے گی۔ ایک گروہ نے فرمایا: ان سب کی نماز جائز ہے کیونکہ ہر ایک اپنا فرض ادا کرنے والا ہے اور و ذلك مثل المتيمم يصلى بالمتطهرين

بالماء ، والمصلي قاعداً يصلي بقوم قيام صلاتهم مجزئة في قول من خالفنا، لأن مؤد فرض نفسه .

اس قول کی تائید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی حجت پکڑی جاتی ہے کیا نمازی نہیں دیکھتا جب وہ نماز پڑھتا ہے، کیسے وہ نماز پڑھتا ہے وہ اپنے لئے نماز پڑھتا ہے۔

مسلم نے اس حدیث کونقل کیا ہے۔ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ مربوط نہیں۔ واللہ اعلم۔ عطا بن ابی رباح فرماتے تھے: جب عورت پڑھی ہوئی ہوتو امام تکبیر کہے اور عورت قراءت کرے جب وہ قراءت سے فارغ ہو تو تکبیر کہے اور رکوع اور سجدہ کرے دراں حالیکہ عورت مرد کے پیچھے ہو اسی قسم کا مفہوم حضرت قتادہ سے بھی مروی ہے۔

اندھے، لنگڑے، اشل، ہاتھ یا پاؤں کٹے ہوئے، خصی اور غلام کی امامت میں کوئی حرج نہیں جبکہ ان میں سے ہر شخص نماز کا عالم ہو۔ ابن وہب نے فرمایا: میں نہیں دیکھتا کہ ہاتھ یا پاؤں کٹا ہوا شخص اور اشل امامت کرائے کیونکہ وہ درجہ کمال سے ناقص ہے۔ میں اس کی امامت اس کی کمی اور نقص کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں۔ جمہور علماء نے ان کی مخالفت کی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ کسی عضو کا فقدان نماز کے فروض میں سے کسی فرض سے مانع نہیں ہے۔ پس اس عضو کے نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ کی امامت جائز ہے جیسے آنکھ نہ ہوتو امامت جائز ہوتی ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا جو لوگوں کی امامت کراتے تھے حالانکہ وہ نابینا تھے۔ اسی طرح لنگڑے، ہاتھ کٹے ہوئے، اشل اور خصی کا قیاساً اور نظراً یہی حکم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نابینے شخص کے بارے میں فرمایا تمہیں اس سے کیا حاجت ہے؟ (یعنی لوگ ان کے بارے میں یہ مسئلہ کیوں پوچھتے ہیں) حضرت ابن عباس اور حضرت عتبان بن مالک دونوں امامت کراتے تھے اور دونوں نابینے تھے، اسی پر عام علماء کا فتویٰ ہے۔

ولد الزنا (حرامی) کی امامت میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: میں اس کا ہمیشہ امام ہونا ناپسند کرتا ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اس کو ناپسند کیا ہے۔ حضرت عطا ابی رباح فرماتے تھے اسے امامت کرانی چاہئے جبکہ وہ پسندیدہ (نیک) شخص ہو۔

یہ حضرات حسن بصری زہری، نخعی، سفیان ثوری، اوزاعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اصحاب رائے (احناف) کے نزدیک ولد الزنا کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن دوسرا شخص ان کے نزدیک بھی بہتر ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: میں ایسے شخص کو مستقل امام بنانا ناپسند کرتا ہوں جس کا باپ معروف نہ ہو لیکن جس نے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائز ہوگی۔ عیسیٰ بن دینار نے کہا: ولد الزنا کی امامت کے بارے امام مالک کے قول کو نہیں اپناتا اس بچے پر والدین کے گناہ میں سے کچھ نہیں ہے، ابن عبدالحکم نے اسی طرح فرمایا جب کہ اس میں امامت کی اہلیت نہ ہو۔

ابن منذر نے کہا: ولد الزنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام ارشاد میں داخل ہے: یؤم القوم اقرءھم، (1) لوگوں میں امامت ان میں سے اچھا قاری کرائے۔ ابوعمر نے کہا: امامت کی شرط میں وارد آثار میں کوئی ایسا اثر نہیں ہے جو نسب کی رعایت پر دلالت کرے، ان سب آثار میں فقہ، قراءت اور دین کی صلاح کا ذکر ہے۔

رہا غلام تو امام بخاری نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے، فرمایا: پہلے مہاجرین کا گروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے قبا کے مقام پر پہنچا تو اس کی امامت سالم کراتے تھے جو ابو حذیفہ کے غلام تھے اور انہیں قرآن زیادہ یاد تھا (2)۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے، فرمایا: سالم جو ابو حذیفہ کے غلام تھے مہاجرین اولین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی قبا کی مسجد میں امامت کراتے تھے، ان لوگوں میں حضرت ابوبکر، عمر، زید، عامر بن ربیعہ وغیرہ موجود تھے (3)۔ حضرت عائشہ کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر آپ کی امامت کراتا تھا۔

ابن منذر نے کہا: ابو سعید جو ابو اسید کے غلام تھے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت کی امامت کراتے تھے ان صحابہ میں حضرات حذیفہ اور ابو مسعود بھی تھے۔

غلام کی امامت کی رخصت نخعی، شعبی، حسن بصری، حکم، ثوری، شافعی، احمد، اسحاق اور اصحاب رائے نے دی ہے۔ ابو مجلز نے اس کو ناپسند کیا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: غلام امامت نہ کرائے مگر یہ کہ وہ قاری ہو اور اس کے ساتھ جو آزاد لوگ ہوں وہ قراءت نہ کر سکتے ہوں لیکن عید اور جمعہ کی امامت غلام نہ کرائے۔ اوزاعی کے نزدیک جائز ہے اگر وہ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ ابن منذر نے کہا: غلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں داخل ہے: یؤم القوم اقرءھم امامت وہ کرائے جو ان میں سے زیادہ قراءت جانتا ہو۔

رہی عورت تو امام بخاری نے حضرت ابوبکرہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے بنت کسریٰ کو اپنی ملکہ بنایا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جنہوں نے اپنا والی عورت کو بنایا۔

ابو داؤد نے عبد الرحمٰن بن خلاد سے انہوں ام ورقہ بنت عبد اللہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ملاقات کے لئے ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک مؤذن مقرر فرمایا تھا جو اس کے لئے اذان دیتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کرایا کرے۔ عبد الرحمٰن نے کہا: میں نے اس مؤذن ایک بوڑھا شخص دیکھا۔

ابن منذر اور شافعی نے کہا: مردوں میں سے جنہوں نے عورت کے پیچھے نماز پڑھی ان پر نماز کا اعادہ واجب ہے۔ ابو ثور نے کہا: ان پر اعادہ واجب نہیں۔ یہ مزنی کے قول کا قیاس ہے۔

ہمارے علماء نے فرمایا: عورت کی امامت، مردوں اور عورتوں کے لئے صحیح نہیں ہے۔ ابن ایمن نے عورتوں کے لئے عورت کی امامت کا جواز روایت کیا ہے۔

رہا خنثی مشکل، تو امام شافعی نے فرمایا: وہ مردوں کی امامت نہ کرائے عورتوں کی امامت کرائے۔ امام مالک نے فرمایا: وہ کسی حال میں امام نہیں بن سکتا۔ یہ اکثر فقہاء کا قول ہے۔

کافر جو شرع محمدیہ کا مخالف ہے جیسے یہودی اور نصرانی مسلمانوں کی امامت کرادے جبکہ مسلمانوں کو اس کے کفر کا علم نہ ہو تو امام شافعی اور احمد کہتے ہیں ان کی نماز جائز نہ ہوگی اور وہ نماز کا اعادہ کریں۔ یہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا قول ہے کیونکہ وہ

قربت کے اہل میں سے نہیں ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا: اسے سزادی جائے گی۔ ابوثور اور مزنی نے فرمایا: جس نے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لی اس پر اعادہ نہیں ہے اور وہ اپنی نماز کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوگا۔ یہ امام شافعی اور ابوثور کے نزدیک ہے۔ امام احمد نے فرمایا: سے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اہل بدعت جو خواہشات نفس کے پرستار ہیں جیسے معتزلہ، جہمیہ وغیرہ۔ تو امام بخاری نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ تو نماز پڑھ لے، اس کی بدعت کا وبال اس پر ہے۔ امام احمد نے فرمایا: اہل ہواء میں سے کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھے جبکہ وہ اپنی خواہش (بدعت) کی طرف دعوت دینے والا ہو۔ امام مالک نے فرمایا: ظالم ائمہ کے پیچھے نماز پڑھ لے۔ اہل بدعت قدریہ وغیرہم کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ ابن منذر نے کہا: ہر وہ شخص جس کی بدعت کفر کا موجب ہو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور جس کی بدعت ایسی نہ ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے اور ایسی صفت والے کو آگے کرنا جائز نہیں۔

اپنے اعضاء کے ساتھ فسق (گناہ) کرنے والا مثلاً زانی، شرابی اور اس جیسے شخص کی امامت میں اختلاف ہے۔ ابن حبیب نے فرمایا: جس نے شرابی کے پیچھے نماز پڑھی وہ نماز کو لوٹائے مگر یہ کہ وہ والی ہو جس کی اطاعت کی جاتی ہو۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے والے پر اعادہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ نشہ کی حالت میں ہو۔ یہ امام مالک کے ساتھیوں کا قول ہے جن سے میں ملا ہوں۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت مرد کی امامت نہ کرائے اور کوئی بدو مہاجر کی امامت نہ کرائے کوئی فاجر نیکوکار کی امامت نہ کرائے مگر یہ کہ وہ صاحب سلطنت ہو۔

ابومحمد عبدالحق نے فرمایا: یہ علی بن زید بن جدعان نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔ اکثر علماء علی بن زید کو ضعیف کہتے ہیں۔ دار قطنی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کو اپنی نمازوں کو اچھا کرنا پسند ہے تو اپنے اچھے لوگوں کو (امامت کے لئے) آگے کرو۔ اس کی سند میں ابوالولید خالد بن اسماعیل مخزومی ہے جو ضعیف ہے۔ یہ دارقطنی کا قول ہے۔ ابواحمد بن عدی نے خالد کے بارے کہا: یہ مسلمانوں میں سے ثقہ لوگوں پر احادیث وضع کرتا تھا۔ اس کی یہ حدیث اس نے یہ ابن جریج سے انہوں نے عطا سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

امام دارقطنی نے سلام بن سلیمان عن عمر بن محمد بن واسع عن سعید بن جبیر عن ابن عمر کے سلسلہ سے روایت کی ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے امام اپنے عمدہ لوگوں کو بناؤ کیونکہ وہ تمہارے اور اللہ کے درمیان وفد ہیں (1)۔ دارقطنی نے کہا: یہ عمر میرے نزدیک عمر بن یزید مدائن کا قاضی ہے اور سلام بن سلیمان بھی مدائن کا رہنے والا ہے۔ یہ قوی نہیں ہے۔ یہ عبدالحق نے کہا ہے۔

ائمہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے۔ پس اس سے اختلاف نہ کرو جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم کہو اللھم ربنا ولك الحمد اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔ جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے، جو رکوع کرے یا جھک جائے امام کے رکوع کرنے سے پہلے اور وہ یہ عمل جان

بوجھ کر کرے۔ دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز فاسد ہے اگر اس نے یہ تمام نماز میں کیا یا اکثر نماز میں کیا۔ یہ اہل ظاہر کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے، سنید نے ذکر کیا ہے، فرمایا: میں نے حضرت ابن عمر کے پہلو میں نماز پڑھی۔ میں امام سے پہلے اٹھتا اور جھکتا تھا۔ جب حضرت ابن عمر نے سلام پھیرا تو حضرت ابن عمر نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مروڑا اور اپنی طرف کھینچا۔ میں نے پوچھا: حضرت آپ کو کیا ہوا؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے پوچھا: تو کون ہے؟ میں نے کہا: فلاں ابن فلاں۔ پوچھا: تو سچے اہل بیت سے ہے تجھے صحیح نماز پڑھنے کون سی چیز مانع ہے؟ میں نے کہا: تو نے مجھے اپنے پہلو میں نماز پڑھتے دیکھا نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں نے تجھے دیکھا تو امام سے پہلے اٹھتا اور جھکتا ہے اور اس کی نماز نہیں ہوتی جو امام کی مخالفت کرے۔ حسن بن حیی نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو امام سے پہلے رکوع یا سجدہ کرے پھر امام کے رکوع یا سجدہ کرنے سے پہلے سر اٹھالے، تو اس کا رکوع و سجود شمار نہیں ہوگا اور اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔

اکثر فقہاء نے فرمایا: جس نے ایسا کیا اس نے غلط کیا اور اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں ائمہ کی اقتدا کرنا سنت حسنہ ہے۔ پس جس نے اس کی مخالفت کی، اس کے بعد کہ اس نے اپنی نماز کا فرض، اس کی طہارت، رکوع، سجود اور دوسرے فرائض کے ساتھ ادا کر دیا ہے تو اس پر اعادہ نہیں ہے اگرچہ اس نے اس کی بعض سنن کو ترک بھی کر دیا ہو کیونکہ اگر وہ چاہتا تو منفرد بھی ادا کر سکتا تھا۔ پس اس نے یہ نماز اپنے امام سے پہلے پڑھ لی ہے تو جائز ہوگئی اور اس نے جو جماعت کو ترک کیا ہے وہ اس نے برا کیا ہے۔ علماء نے فرمایا: جو امام کی نماز میں داخل ہوا پھر اس نے امام کے ساتھ رکوع و سجود کیا جبکہ وہ ایک رکعت میں امام دوسری رکعت میں نہ تھا تو اس کی اقتدا صحیح ہے اگرچہ وہ امام سے پہلے اٹھتا ہے اور امام سے پہلے جھکتا ہے کیونکہ وہ امام کے رکوع کے ساتھ رکوع کرتا ہے اور امام کے سجدہ کے ساتھ سجدہ کرتا ہے اور اوپر اٹھتا ہے جبکہ اس میں وہ اس کی تبع میں ہے مگر وہ اپنے اس فعل میں گناہگار ہے کیونکہ مقتدی کے لئے یہ متفق علیہ سنت ہے اس نے اس کے خلاف کیا۔

ابن عبدالبر نے جو جمہور علماء سے نقل کیا ہے اس سے یہ شعور ملتا ہے کہ ان کے نزدیک مقتدی کی نماز، امام کی نماز سے مربوط نہیں ہے کیونکہ اتباع حسی اور شرعی مفقود ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ اثر و نظر کے اعتبار سے پہلا قول صحیح ہے۔ امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے اور اس کے افعال کی اقتدا کی جائے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انی جاعلك للناس اماماً (البقرہ: 124) یعنی لوگ آپ کی اقتدا کریں گے، اس آیت کا بیان آگے آئے گا۔

یہ امام کی لغت اور شرع میں حقیقت ہے۔ جس نے امام کی مخالفت کی اس نے اس کی پیروی نہیں کی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو (1)۔ فا کے ساتھ ذکر فرمایا جو کسی کام کو پہلے کے بعد کیا جاتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مراد کو بیان کرنے والے ہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے سخت وعید ذکر فرمائی جو رکوع امام سے پہلے کرتا ہے یا پہلے سر اٹھاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ شخص جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے وہ ڈرتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کی طرح پھیر دے یا اس کی صورت گدھے کی صورت میں بنا دے۔

یہ حدیث مؤطا، بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ نے نقل کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں

ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر عمل جس پر ہمارا امر نہیں وہ مردود ہے۔ پس جس نے جان بوجھ کر امام کی مخالفت کی یہ جانتے ہوئے کہ اسے امام کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اسے اس کی مخالفت سے روکا گیا ہے تو اس نے نماز کو حقیری جانا اور اسے حکم دیا گیا تھا اس کی اس نے مخالفت کی۔ پس واجب ہے کہ اس کی وجہ نماز جائز نہ ہو۔

اگر بھول کر امام سے پہلے سر اٹھالیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بھولنے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ جس نے رکوع یا سجود میں ایسا کیا وہ رکوع یا سجدہ کی طرف لوٹ جائے اور امام کا انتظار کرے۔ جس نے ایسا کیا اس نے غلطی کی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس اس پر اختلاف نہ کرو۔ ابن عبد البر نے کہا: امام مالک کے اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ جو جان بوجھ کر ایسا کرے اس پر اعادہ نہیں ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا: جس نے ایسا کیا اس کی طرف سے خطا ہے اور بھولنے والے سے گناہ اٹھالیا گیا ہے۔

یہ اختلاف تکبیر تحریمہ اور سلام کے علاوہ میں ہے۔ رہا سلام تو اس پر کلام پہلے گزر چکی ہے، رہی رکبیر تحریمہ تو جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ مقتدی کی تکبیر امام کی تکبیر کے بعد ہو۔ مگر امام شافعی سے ایک قول مروی ہے کہ وہ اپنے امام سے پہلے اگر تکبیر تحریمہ کہے گا تو پھر جائز ہوگی کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف آئے جب تکبیر کہی تو واپس چلے گئے اور مقتدیوں کو اشارہ فرمایا: تم جیسے ہو اسی طرح ٹھہرے رہو۔ پھر آپ گھر چلے گئے پھر آئے جبکہ سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، جب سلام پھیرا تو فرمایا: میں جنبی تھا میں غسل کرنا بھول گیا تھا۔ اور حضرت انس کی حدیث میں ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور ہم نے آپ کے ساتھ تکبیر کہی۔ اس کا مزید بیان سورۃ نساء میں ان شاء اللہ والا جنباً کے تحت آئے گا۔

امام مسلم نے حضرت ابو مسعود سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو چھوتے تھے اور فرماتے تھے: سیدھے ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے تم میں سے میرے قریب صاحب عقل و دانش لوگ ہوں پھر وہ جو عقل و فکر میں ان کے قریب ہوں پھر وہ جوان کے قریب ہوں۔

حضرت ابو مسعود نے فرمایا: آج تم پہلے سے زیادہ اختلاف کرتے ہو (یعنی تمہاری صفیں درست نہیں ہوتی ہیں) اور تم بازاروں میں آوازیں اونچی کرنے سے بچو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سیدھے ہو جاؤ یہ صفیں سیدھی کرنے کا حکم ہے خصوصاً پہلی صف جو امام کے قریب ہوتی ہے۔

چونکہ نماز میں بیٹھنے کے متعلق آثار مختلف ہیں اس لئے علماء کا نماز میں بیٹھنے کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب نے کہا: مصلی (نمازی) اپنی سرین زمین پر رکھے اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں کو دوہرا کرے۔ اس کی وجہ وہ روایت ہے جو امام مالک نے مؤطا میں یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ قاسم بن محمد نے انہیں تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ دکھایا تو انہوں نے اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کیا اور بائیں پاؤں کو دوہرا کیا اور وہ اپنی سرین کے بائیں حصہ پر بیٹھے اور اپنے پاؤں پر نہیں بیٹھے۔ پھر فرمایا: مجھے یہ طریقہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے دکھایا اور انہوں نے مجھے بیان کیا کہ ان کے والد (حضرت عمر) ایسا

کرتے تھے۔

یہ معنی مسلم کی صحیح میں بھی آیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا آغاز تکبیر سے اور قراءت کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے اور جب رکوع کرتے تھے تو سر کو زیادہ بلند نہیں رکھتے تھے اور نہ زیادہ جھکاتے تھے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو دوسرا سجدہ نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ سیدھے بیٹھ جاتے تھے اور دو رکعتوں پر التحیات پڑھتے تھے اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے تھے اور شیطان کی طرح ایڑیوں پر بیٹھنے سے منع فرماتے تھے اور منع فرماتے تھے کہ کوئی شخص اپنے بازو (زمین پر) پھیلائے اور نماز کا اختتام سلام سے کرتے تھے۔

اس حدیث کی وجہ سے اللہ بہتر جانتا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: نماز کی سنت یہ ہے کہ دائیں پاؤں کو کھڑا کیا جائے اور بائیں کو بچھایا جائے۔ امام ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، حسن بن صالح بن حیی نے کہا: دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے ان کی دلیل حضرت وائل بن حجر کی حدیث ہے۔ اسی طرح امام شافعی، احمد اور اسحاق نے درمیانے قعدہ میں بیٹھنے کو کہا ہے اور آخری قعدہ میں ظہر، عصر، مغرب یا عشاء میں ان کا قول امام مالک کے قول کے مطابق ہے۔

اس کی وجہ حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث ہے جسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر کرتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے گھٹنوں کو پکڑتے پھر اپنی پیٹھ کو جھکاتے جب کھڑے تو سیدھے کھڑے ہوتے حتیٰ کہ ریڑھ کا ہر مہرہ اپنی جگہ پر آ جاتا اور جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ زمین پر رکھتے نہ تو بازوؤں کو زمین پر پھیلاتے اور نہ بازوؤں کو اکٹھا کرتے اور اپنے قدموں کی انگلیوں کی اطراف کو قبلہ کی طرف توجہ کرتے تھے جب (پہلی) دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرتے اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں کو آگے کرتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرتے اور اپنی سرین کے بل بیٹھتے (2)۔ طبری نے کہا: اگر اس طرح کرے تو اچھا ہے بیٹھنے کے تمام طریقے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

امام مالک نے مسلم بن ابی مریم سے انہوں نے علی بن عبدالرحمٰن المعاوی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر نے مجھے دیکھا جب میں نماز میں کنکریوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو مجھے منع فرمایا اور فرمایا: اس طرح کیا کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے کرتے تھے؟ فرمایا: جب آپ نماز بیٹھتے تھے تو اپنی دائیں ہتھیلی اپنی دائیں ران پر رکھتے تھے اور اپنی تمام انگلیوں کو بند کرتے تھے اور انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے تھے اور اپنی بائیں ہتھیلی اور اپنی بائیں ران پر رکھتے تھے اور فرمایا: آپ اسی طرح کرتے تھے۔ ابن عبد البر نے کہا: حضرت ابن عمر نے جو یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ اپنی دائیں ہتھیلی اپنی دائیں ران پر رکھتے تھے اور اپنے ہاتھ کی تمام انگلیوں کو بند کر دیتے تھے سوائے سبابہ کے اس کے ساتھ آپ اشارہ فرماتے تھے اور اپنی بائیں ہتھیلی اپنی بائیں ران پر رکھتے تھے ہاتھ کی انگلیاں کھلی ہوتی تھیں۔ یہ نماز میں بیٹھنے کا سنت طریقہ ہے اس پر اجماع ہے۔ میری معلومات کے مطابق علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور تیرے لئے یہ کافی ہے لیکن سبابہ انگلی کو حرکت دینے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: انگلی کو حرکت دینی چاہئے اور

بعض نے کہا: حرکت نہیں دینی چاہئے۔ یہ تمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح آثار کے ذریعے مروی ہیں اور ہر صورت مباح ہے۔ الحمدللہ۔

سفیان بن عیینہ نے یہ حدیث مسلم بن ابی مریم سے روایت کی ہے جو اس حدیث کے ہم معنی ہے جو امام مالک نے روایت کیا ہے اس میں کچھ زائد ہے۔ سفیان نے کہا: یحییٰ بن سعید ہمیں بیان فرماتے تھے اور وہ مسلم سے روایت فرماتے تھے پھر میں ان سے ملا تو میں نے ان سے سنا اور انہوں نے مجھے یہ زائد فرمایا: یہ انگلی کا حرکت دینا شیطان کو دور کرنا ہے تم میں سے کوئی بھولے گا نہیں جب تک وہ انگلی سے اشارہ کرتا رہے گا اور وہ اس طرح کہے گا۔

ابوداؤد نے حضرت ابن زبیر کی حدیث میں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تھے تو اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے تھے اور اسے حرکت نہیں دیتے تھے۔ یہی بعض عراقی علماء کا نظریہ ہے اور انہوں نے انگلی کو حرکت دینے سے منع کیا۔ ہمارے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ انگلی کو اٹھانا یہ ہمیشہ کی توحید کی طرف اشارہ ہے۔ امام مالک کے اصحاب وغیرہم میں سے اکثر کا نظریہ ہے کہ انگلی کو حرکت دے مگر علماء کا متواتر حرکت دینے میں اختلاف ہے۔ اس کے متعلق علماء کے دو اقوال ہیں: جو متواتر حرکت دینے کے قائل ہیں انہوں نے اس طرح تاویل کی ہے کہ یہ حرکت دینا نماز میں متواتر حضور کو یاد دلاتی ہے کیونکہ یہ شیطان کو بھگاتی ہے اور اسے دور کرتی ہے جیسا کہ سفیان نے روایت کیا ہے اور جو کلمہ شہادت کے تلفظ کے وقت انگلی کو متواتر حرکت دینے کے قائل نہیں ہیں وہ حرکت میں تاویل کرتے ہیں گویا وہ اپنی اس انگلی کے ساتھ توحید کی گواہی دے رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام نماز میں عورت کے بیٹھنے کے بارے میں اختلاف ہے، امام نے فرمایا: یہ مرد کی طرح ہے، اور یہ احرام کے بعد لباس اور بلند آواز سے تہلیل کہنے کے علاوہ کسی معاملے میں مرد سے مختلف نہیں۔ امام ثوری نے کہا: عورت ایک جانب سے اپنی چادر کا سدل کرے گی۔ انہوں نے یہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب نے فرمایا: عورت کے لئے جس طرح آسان ہوگا وہ اس طرح بیٹھے گی۔ یہ شعبی کا قول ہے: وہ بیٹھے گی جس طرح اس کے لئے آسان ہو۔ امام شافعی نے فرمایا: عورت اس طرح بیٹھے گی جس میں اس کے لئے پردہ ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت طاؤس سے روایت کیا ہے، فرمایا: ہم نے حضرت ابن عباس سے قدموں پر بیٹھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ سنت ہے۔ ہم نے حضرت ابن عباس سے کہا: ہم تو اسے آدمی کے لئے جفا دیکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے پھر علماء کا اقعا کی صفت میں اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے۔ ابوعبید نے کہا: اقعا یہ ہے کہ آدمی اپنی سیرین کے بل بیٹھے جبکہ رانیں کھڑی کئے ہوئے ہو جیسے کتا اور درندہ بیٹھتا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا: یہ اقعا مجمع علیہ ہے اس میں علماء کا اختلاف نہیں یہ اہل لغت اور فقہاء کے ایک گروہ کی تفسیر ہے۔ ابوعبید نے کہا: رہے اہل حدیث وہ اقعا یہ بتاتے ہیں کہ انسان اپنی سرین دو سجدوں کے درمیان اپنی ایڑیوں پر رکھے۔

قاضی عیاض نے کہا: میرے نزدیک بہتر اقعا کی تاویل جس کے بارے میں حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ سنت وہ ہے جس کی تفسیر فقہاء نے دو سجدوں کے درمیان ایڑیوں پر بیٹھنے سے کی ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر ملتی ہے کہ سنت یہ

ہے کہ تیری ایڑیاں تیری سرین کو چھوئیں۔ ابراہیم بن میسرہ نے طاؤس سے اور انہوں نے حضرت حضرت ابن عباس سے یہ روایت کیا ہے۔ ابو عمر نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قاضی نے فرمایا: سلف اور صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے مگر عام فقہاء نے یہ نہیں کہا ہے وہ اسے اقعا کا نام دیتے ہیں۔ عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے ابن طاؤس سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرات ابن عمر، ابن عباس اور ابن زبیر کو دیکھا کہ وہ دو سجدوں کے درمیان اقعا کرتے تھے۔

جن علماء نے سلام کے وجوب اور عدم وجوب کا قول کیا ہے ان کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ دوسرا سلام فرض نہیں ہے مگر حسن بن حیی سے مروی ہے کہ انہوں نے دونوں سلاموں کو واجب قرار دیا ہے۔ ابو جعفر طحاوی نے فرمایا: ہم نے اہل علم میں سے کسی کو نہیں پایا کہ وہ دوسرے سلام کو نماز کے فرائض سے سمجھتے ہوں۔ ابن عبدالبر نے کہا: حسن بن حیی کی دونوں سلاموں کے وجوب کی دلیل یہ ہے، فرماتے ہیں: اگر پہلے سلام کے بعد کسی کو حدث لاحق ہو جائے جبکہ ابھی دوسرا سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: نماز کی تحلیل سلام ہے پھر سلام کی کیفیت بیان فرمائی کہ وہ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرے اور ایک سلام کو واجب کہنے والوں کی حجت میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: تحلیلھا التسلیم۔ یعنی نماز کی تحلیل سلام ہے۔ علماء فرماتے ہیں: ایک سلام پر تسلیم کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہ مسئلہ اس اصل پر مبنی ہے کہ کم از کم اسم کو لیا جائے یا تمام کو لیا جائے۔ جب بالا جماع نماز میں داخل ہونا ایک تکبیر کے ساتھ ہے تو نماز سے نکلنا بھی ایک سلام کے ساتھ ہے مگر سنن ثابتہ وارد ہیں۔ مثلاً حضرت ابن مسعود کی حدیث، حضرت وائل بن حجر حضرمی کی حدیث، حضرت عمار کی حدیث، حضرات براء بن عازب کی حدیث، حضرت ابن عمر کی حدیث، حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سلام پھیرتے تھے (1)۔ ابن جریج، سلیمان بن بلال، عبدالعزیز ابن محمد دراوردی یہ تمام عمرو بن یحییٰ امازنی سے وہ محمد بن یحییٰ حبان سے وہ اپنے چچا واسع بن حبان سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: میں نے حضرت ابن عمر سے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتائیں کہ وہ کیسے تھا؟ حضرت عبداللہ بند عمر نے تکبیر کا ذکر کیا جب آپ سر اٹھاتے تھے اور جب بھی سر کو پست کرتے تھے اور دائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور بائیں طرف بھی السلام علیکم ورحمۃ کا ذکر فرمایا۔ ابن عبد البر نے کہا: یہ اسناد مدنی صحیح ہے اور مدینہ طیبہ میں مشہور عمل ایک سلام ہے۔ اہل مدینہ یہ عمل نسل در نسل کرتے آرہے ہیں۔ اس کی مثل سے ہر شہر میں عمل کے ساتھ احتجاج صحیح ہے کیونکہ ہر روز کئی مرتبہ واقع ہونے کی وجہ سے وہ عمل مخفی نہیں رہتا۔ اسی طرح کوفہ وغیرہ میں بھی دو سلاموں پر عمل ہے اور یہ ان کے نزدیک متوارث ہے ہر عمل میں جو اس طرح جاری ہو تو وہ مباح میں اختلاف ہوتا ہے جیسے اذان۔ اسی طرح حجاز، عراق، شام اور مصر کے کسی عالم سے ایک سلام اور دو سلاموں کا انکار مروی نہیں بلکہ ان کے نزدیک سلام معروف ہے۔ ایک سلام والی حدیث کو حضرات سعد بن ابی وقاص، عائشہ، انس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے مگر وہ معلول ہے محدثین اسے صحیح قرار نہیں دیتے۔

امام دارقطنی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے، فرمایا: سنت یہ ہے کہ التحیات آہستہ پڑھا جائے۔ حضرت امام مالک نے حضرت عمر کے تشہد کو اختیار فرمایا۔ وہ یہ ہے کہ التحیات للہ الزاکیات للہ الطیبات الصلوات للہ السلام علیك ایھا

النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد الصالحین، اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد محمداً عبدہ ورسولہ۔

امام شافعی اوران کے اصحاب، لیث بن سعد نے حضرت ابن عباس کا تشہد اختیار کیا ہے۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ، السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین، اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ ۔ ثوری کوفی علماء اور اکثر اہل حدیث نے حضرت ابن مسعود کا تشہد اختیار کیا ہے۔

جو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے یہ کہتے تھے: السلام علی اللہ السلام علی فلان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: بے شک اللہ ہی السلام ہے جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو اس طرح کہے: التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ۔ جب یہ کہے گا تو ہر عبد صالح کو سلام پہنچ جائے گا جو بھی آسمان اور زمین میں ہوگا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ پھر اسے اختیار ہے جو چاہے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

جوامع الکلام احادیث کی شان

37 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُوتِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رعب کے ذریعہ سے میری مدد کی گئی اور مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں۔

جامع کلام پر مشتمل چہل احادیث کا بیان

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے فائدے کے واسطے دین کے کام کی چالیس حدیثیں سنا دے گا اور حفظ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عالموں اور شہیدوں کی جماعت میں اٹھائے گا اور فرمائے گا کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

عظیم الشان ثواب کے لیے سینکڑوں علمائے امت نے اپنے اپنے طرز پر چہل حدیث لکھیں جو مقبول و مفید عام ہوئیں۔ چونکہ آج کل مسلمانوں کی اخلاقی حالت زیادہ تباہ ہوتی جارہی ہے اور بچپن میں تعلیم اخلاق موثر بھی زیادہ ہوتی ہے، اس لیے اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اکثر وہی احادیث درج ہوں گی جو اعلیٰ اخلاق اور تہذیب وتمدن کے زریں اصول ہیں۔

1 ۔اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ۔ (بخاری ومسلم)

بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

2 ۔حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَ عِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَ اِتْبَاعُ الْجَنَائِزِ وَ اِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَ تَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ ۔ (بخاری ومسلم، ترغیب)

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، مریض کی مزاج پرسی کرنا۔ جنازے کے ساتھ جانا، اس کی دعوت قبول کرنا، چھینک کا جواب (یَرْحَمُكَ اللّٰه) دینا۔

3 . لَا یَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ . (بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے۔

4 . لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ . (بخاری ومسلم)

چغل خور جنت میں نہ جائے گا۔

5 . لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ . (بخاری ومسلم)

رشتہ قطع کرنے والا جنت میں نہ جائے گا۔

6 . اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ . (بخاری ومسلم)

ظلم قیامت کے روز اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔

7 . مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِی النَّارِ . (بخاری ومسلم)

ٹخنوں کا جو حصہ پائجامہ کے نیچے رہے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔

8 . اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ یَدِهٖ . (بخاری ومسلم)

مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہے۔

9 . مَنْ یُّحْرَمِ الرِّفْقَ یُحْرَمِ الْخَیْرَ كُلَّهٗ . (مسلم)

جو شخص نرم عادت سے محروم رہا، وہ ساری بھلائی سے محروم رہا۔

10 . لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ . (بخاری ومسلم)

پہلوان وہ شخص نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے، بلکہ پہلوان وہی شخص ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

11 . اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ . (بخاری ومسلم)

جب تم حیاء نہ کرو تو جو چاہے کرو۔

12 . اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ . (بخاری ومسلم)

اللہ کے نزدیک سب عملوں میں وہ محبوب ہے جو دائمی ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔

13 . لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَیْتًا فِیْهِ كَلْبٌ اَوْ تَصَاوِیْرُ . (بخاری ومسلم)

اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے، جس میں کتا یا تصویریں ہوں۔

14 . اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَیَّ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا . (بخاری ومسلم)

تم میں سے وہ شخص میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے جو زیادہ خلیق ہیں۔

15 ۔ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ ۔ (بخاری و مسلم)

دنیا مسلمان کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

16 ۔ لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ ۔ (بخاری و مسلم)

مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے قطع تعلق رکھے۔

17 ۔ لَا يُلْدَغُ الْمَرْءُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ ۔ (بخاری و مسلم)

انسان کو ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا۔

18 ۔ اَلْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ ۔ (بخاری و مسلم)

حقیقی غناء دل کا غنا ہوتا ہے۔

19 ۔ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ ۔ (بخاری)

دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی مسافر یا رہ گزر رہتا ہے۔

20 ۔ كَفٰى بِالْمَرْءِ كِذْبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ ۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جو بات سنے (بغیر تحقیق کے) لوگوں سے بیان کرنا شروع کر دے۔

21 ۔ عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ ۔ (بخاری و مسلم)

آدمی کا چچا اس کے باپ کے مانند ہے۔

22 ۔ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ (بخاری و مسلم)

جو کسی مسلمان کے عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیب چھپائے گا۔

23 ۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَ رُزِقَ كَفَافًا وَّ قَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ ۔ (مسلم)

وہ شخص کامیاب ہے جو اسلام لایا اور جس کو بقدر کفایت رزق مل گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنی روزی پر قناعت دے دی۔

24 ۔ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ ۔ (بخاری و مسلم)

سب سے سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

25 ۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ ۔ (مسلم)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔

26 ۔ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ۔ (بخاری و مسلم)

کوئی بندہ اس وقت تک پورا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

27 ۔ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُه بِوَائِقَه ۔ (مسلم)
وہ شخص جنت میں نہ جائے گا جس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ رہے۔

28 ۔ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ ۔ (بخاری ومسلم)
میں آخری پیغمبر ہوں، میرے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔

29 ۔ لَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَ كُوْنُوْ عِبَادَ اللهِ اِخْوَانًا ۔ (بخاری)
آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے کے در پے نہ ہو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ رکھو اور اے اللہ کے بندو سب بھائی ہو کر رہو۔

30 ۔ اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَه وَ اِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَ اِنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَه ۔ (مسلم، مشکوٰۃ)
اسلام ان تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے جو پہلے کئے تھے اور ہجرت اور حج ان تمام گناہوں کو ڈھا دیتے ہیں جو اس سے پہلے کئے تھے۔

31 ۔ اَلْكَبَائِرُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللهِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَ قَتْلُ النَّفْسِ وَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ ۔ (بخاری ومسلم، از مشکوٰۃ)
کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھرانا، اور والدین کی نافرمانی کرنا اور کسی کو بے گناہ قتل کرنا اور جھوٹی شہادت دینا ہیں۔

32 ۔ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَاللهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ ۔ (مسلم از مشکوٰۃ)
جو شخص کسی مسلمان کو دنیاوی مصیبت سے چھڑائے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مصیبتوں سے چھڑاوے گا اور جو شخص کسی مفلس غریب پر (معاملے میں) آسانی کرے، اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

33 ۔ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔ (مسلم)
ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

34 ۔ اَبْغَضُ الرِّجَالِ عِنْدَ اللهِ الْاَ لَدُّ الْخَصِمُ ۔ (بخاری ومسلم)
اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض جھگڑالو آدمی ہے۔

35 ۔ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ ۔ (مسلم)

پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔

36 ۔ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا ۔ (مسلم)

اللہ کے نزدیک سب سے محبوب جگہ مسجدیں ہیں۔

37 ۔ لَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ ۔ (مسلم)

قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ۔

38 ۔ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ ۔ (مسلم)

نماز میں اپنی صفوں کو سیدھا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں اختلاف ڈال دے گا۔

39 ۔ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ۔ (مسلم)

جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔

40 ۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ ۔ (بخاری و مسلم)

سب اعمال کا اعتبار خاتمے پر ہے۔

دونوں پاؤں میں جوتی پہن کر چلنے کا بیان

38 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِ أَحَدِكُمْ أَوْ شِرَاكُهُ فَلَا يَمْشِ فِي إِحْدَاهُمَا بِنَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَالْأُخْرَى حَافِيَةٌ، لِيُحْفِهِمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سے کسی کی چپل کا تسمہ یا پٹہ ٹوٹ جائے تو دونوں پاؤں میں سے صرف ایک پاؤں میں چپل پہن کر نہ چلے اور دوسرا (پاؤں) ننگا رہے، یا تو دونوں پاؤں ننگے رکھے یا دونوں پاؤں میں چپل پہن لے۔ (صحیح بخاری، کتاب اللباس: 72، جلد: 7، حدیث: 747)

نذر ماننے کا بیان

39 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَأْتِي ابْنَ آدَمَ النَّذْرُ بِشَيْءٍ لَمْ أَكُنْ قَدَّرْتُهُ، وَلَكِنْ يُلْقِيهِ النَّذْرُ وَقَدْ قَدَّرْتُهُ لَهُ، أَسْتَخْرِجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ، وَيُؤْتِينِي عَلَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ آتَانِي مِنْ قَبْلُ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) نذر ماننے سے انسان کو کوئی ایسی چیز نہیں مل جاتی جو میں نے اس کی قسمت میں مقدر نہ کی ہو بلکہ نذر ماننے سے وہ شخص صرف ایسی چیز حاصل کرتا ہے جو میں اس کے لیے پہلے ہی سے مقدر کر رکھی ہے۔ البتہ نذر کی خاطر بخیل سے (کچھ خیرات) نکل آتی ہے اور وہ مجھے اس کی خاطر ایسی چیز دیتا

ہے جو اس سے پہلے نہیں دیتا تھا۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اور تم جو بھی نذر مانتے ہو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔ (البقرہ:۲۷۰)

نذر کا لغوی اور شرعی معنی اور نذر کی اقسام

علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے: نذر کا معنی ہے: تاوان کسی چیز کو واجب کرنا اللہ کے لیے منت ماننا۔

(قاموس ج ۲ ص ۱۹۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ راغب اصفہانی نذر کا شرعی معنی بیان کرتے ہیں: نذر یہ ہے کہ تم کسی کام کے ہونے بناء پر اپنے اوپر ایسی عبادت کو واجب کرلو جس کو تم پر واجب نہیں کیا گیا ہے۔ (المفردات ص ۷ ۴۸ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (آیت) اذقالت امرات عمرن رب انی نذرلك ما فی بطنی محررا فتقبل منی

(آل عمران:۳۵)

ترجمہ: جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو آزاد کیا ہوا ہے (وہ خالص تیرے لیے ہے) تو اس کو میری طرف سے قبول فرما۔

(آیت) فقولی انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم الیوم انسیا ۔ (مریم:۲۶)

ترجمہ: (اے مریم!) تم کہنا: میں نے رحمان کے لیے (خاموشی کے) روزہ کی نذر مانی ہے سو میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

(آیت) ولیوفوا نذورھم ۔ (الحج:۲۹)

ترجمہ: اور ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے لیے مانی ہوئی نذروں کو پورا کریں۔

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں: نذر کی دو قسمیں ہیں ایک قسم حرام ہے اور یہ ہر وہ نذر ہے جو اللہ کی اطاعت میں نہ ہو اور زمانہ جاہلیت میں زیادہ تر نذریں ایسی ہوتی تھیں اور دوسری قسم ہے مباح یہ کبھی کسی کام کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور کبھی مطلق ہوتی ہے مثلاً اگر میں فلاں مرض سے شفا پا جاؤں تو میں ایک دینار صدقہ کروں گا (یہ نذر مشروط ہے) یا میں اللہ کے لیے ایک غلام آزاد کروں گا (یہ غیر مشروط ہے) اور کبھی نذر مطلق ہوتی ہے مثلاً اگر میں صحت مند ہو گیا تو میں صدقہ کروں گا۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۱۲۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

نذر صحیح اور نذر باطل کا بیان

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں: اکثر عوام جو فوت شد بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے مزارات پر جو روپے موم بتی اور تیل کی نذر مانتے ہیں وہ بالا جماع باطل اور حرام ہے جب تک ان چیزوں کو فقراء پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے لوگ اس آفت میں بہت مبتلا ہیں خصوصاً ہمارے زمانہ میں۔

(درمختار علی ھامش ردالمختار ج ۲ ص ۱۲۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: مثلاً کوئی شخص اولیاء اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی نذر میں کہتا ہے: اے میرے سردار فلاں بزرگ! اگر میرا گم شدہ شخص واپس آجائے یا میرا بیمار صحت مند ہو جائے یا میری حاجت پوری ہو جائے تو میں آپ کے لیے اتنا سونا یا چاندی یا کھانا یا موم بتی یا تیل دوں گا۔ (البحر الرائق) یہ نذر کئی وجوہ سے باطل اور حرام ہے:

(۱) یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر باطل اور حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے۔

(۲) جس کی نذر مانی گئی ہے وہ فوت شدہ ہے اور فوت شدہ شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

(۳) اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ وہ فوت شدہ شخص اللہ کے اذن کے بغیر تصرف کرتا ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے ہاں! اگر اس نے یہ کہا کہ اے اللہ! میں تیرے لیے نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ شخص کو لوٹا دیا یا میری حاجت پوری کر دی تو میں سیدہ نفیسہ کے مزار پر بیٹھے ہوئے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا امام شافعی یا امام لیث کے مزار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا اس نے ان کی مساجد کے لیے چٹائی اور روشنی کے لیے تیل یا دیگر کاموں کے لیے روپیہ دیا جس میں فقراء کا نفع ہو یہ نذر خاص اللہ کے لیے ہو اور شیخ کا ذکر صرف نذر کو خرچ کرنے کے محل کے لیے ہوتا کہ اس مزار یا مسجد میں بیٹھنے والے فقراء اور مستحقین پر ان چیزوں کو خرچ کر دیا جائے تو اس اعتبار سے یہ نذر جائز ہے اور کسی غنی یا سید پر ان چیزوں کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور جو نذر مخلوق کے لیے مانی گئی ہو اس کو پورا کرنا حرام ہے اور مزار کے متولی کے لیے اس کا لینا جائز نہیں ہے جب تک نذر ماننے والا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے نذر نہ مانے اور فقراء پر اس کو خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ نذر عرف میں ہدیہ اور پیشکش کو کہتے ہیں اور شرع میں نذر عبادت اور قربت مقصودہ ہے اسی لیے اگر کسی نے گناہ کی نذر کی تو وہ صحیح نہیں ہوئی نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لیے نذر کرے اور کسی ولی کے آستانہ کے فقراء کو نذر کے لیے صرف کا محل مقرر کرے مثلاً کسی نے یہ کہا کہ یارب! میں نے نذر مانی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پورا کر دے کہ فلاں بیمار کو تندرست کر دے تو میں فلاں ولی کے آستانہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں یا وہاں کے خدام کو روپیہ پیسہ دوں یا ان کی مسجد کے لیے تیل یا بوریا حاضر کروں تو یہ نذر جائز ہے۔

(رد المحتار) (خزائن العرفان ص ۷۳ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

جواز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کے لیے نذر مانے اور اس عبادت کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچا دے۔

اردو لغات میں نذر کا معنی ہدیہ اور تحفہ بھی ہے اور منت اور چڑھاوا بھی ہے۔ (قائد اللغات ص ۹۵۹) لیکن عربی میں نذر کا وہی معنی ہے جس کو ہم نے قاموس کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

امام مالک امام بخاری امام داؤد امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہے وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے اس کی معصیت کی نذر مانی ہے وہ اس کی معصیت نہ کرے۔ امام مسلم امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی نذر تو صرف بخیل آدمی مانتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

(۱) عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمۃ اللہ عنہ سے لفظ آیت **وما انفقتم من نفقة او نذرتم من نذر فان الله يعلمه** کے بارے میں روایت کیا کہ **یعلمہ** سے مراد ہے اللہ تعالیٰ اس کو شمار کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کثرت عطیہ کا واقعہ

(۲) عبدالرزاق اور بخاری نے ابن شہاب کے طریق سے عوف بن حرث بن طفیل رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھتیجے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس عطیہ کے بارے میں فرمایا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عطا کیا تھا کہ اللہ قسم! حضرت عائشہ (اس سخاوت سے) باز آجائیں یا میں ان پر پابندیاں لگادوں گا (یہ بات جب ان کو پہنچی) تو انہوں نے پوچھا کیا اس نے یہ بات کہی ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اللہ کے لیے نذر مانتی ہوں کہ ابن زبیر سے کبھی بھی بات نہیں کروں گی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کے ذریعہ سفارش کرائی جب ان کا قطع تعلق لمبا ہو گیا اور فرمایا میں اس بات میں کبھی بھی کسی کی سفارش قبول نہیں کروں گی اور میں اپنی نذر کو نہیں توڑوں گی جو میں نے نذر کی قسم کھائی ہے۔ جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر وقت زیادہ گذر گیا تو انہوں نے مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود بن عبدیغوث سے بات کی وہ دونوں بنوزہرہ میں سے تھے ان سے فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم دونوں مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل کردو اس لیے کہ ان کے لیے مجھ سے قطع کلامی کی نذر ماننا حلال نہیں۔ مسور اور عبدالرحمٰن نے ان کو اپنی چادر میں چھپالیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (اندر جانے کی اجازت مانگی) انہوں نے فرمایا داخل ہو جاؤ پھر انہوں نے پوچھا کیا ہم سب داخل ہو جائیں؟ اے ام المؤمنین! فرمایا ہاں سب داخل ہو جاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں جانتی تھیں کہ ان کے ساتھ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں جب دروازے کے اندر گئے تو ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) پردہ کے اندر داخل ہو گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لپٹ گئے اور ان کو قسم دینا اور رونا شروع کردیا مسور اور عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قسمیں دینا شروع کیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات کرلیں اور ان سے (معذرت) قبول کرلیں اور دونوں حضرات کہتے رہے کہ آپ جانتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع تعلق سے منع فرمایا ہے کہ کسی آدمی کے لیے یہ حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے (یعنی اس سے قطع تعلق کرلے) جب انہوں نے بہت اصرار کیا اور نصیحت کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روتے ہوئے ان سے فرمایا کہ میں نے سخت نذر مانی ہوئی ہے وہ لوگ برابر ان کو نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ (اپنے بھانجے) سے بات کرلی اور اپنی نذر کے کفارہ کے طور پر چالیس غلاموں کو آزاد فرمایا ان غلاموں کے آزاد کرنے کے بعد بھی وہ اس (نذر) کو یاد کرکے اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔

(۳) ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن حجیرہ اکبر رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا میں نے اپنے بھائی سے نہ

بولنے کی نذر مانی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ شیطان کا ایک بچہ پیدا ہوا تھا جس کا نام اس نے نذر رکھا تھا اور جس شخص نے ان تعلقات کو ختم کرنے کی نذر مانی جس کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم فرمایا ہے تو اس پر لعنت اترتی ہے۔

(۴) مالک، ابن ابی شیبہ، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اس بات کی نذر مان لی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو اس کو چاہیے کہ اطاعت کرے اور جس شخص نے اس بات کی نذر مان لی کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا تو اس کو چاہیے نافرمانی نہ کرے۔

(۵) ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی اس کو چاہیے کہ اس کی اطاعت کرے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مان لی اس کو چاہیے کہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔

(۶) ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کی نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔

گناہ کی نذر پوری کرنا لازم نہیں

(۷) ابن ابی شیبہ، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انصار میں سے ایک عورت قید کرلی گئی اور غضباء اونٹنی بھی پکڑی گئی وہ عورت اس اونٹنی کی پشت پر بیٹھ گئی پھر اس عورت نے اس کو ڈانٹا تو وہ چل پڑی اور اس نے یہ نذر مان لی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس اونٹنی پر نجات دے دی تو میں اس کو ذبح کردوں وہ جب مدینہ منورہ آئی تو لوگوں نے دیکھا اور کہنے لگے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی غضباء ہے وہ عورت کہنے لگی میں نے تو نذر مان لی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ذریعہ نجات دی تو میں اس کو ذبح کروں گی۔ لوگ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور یہ بات ان کو بتائی تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ! اس نے کتنی جزا دی ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر اس کے ذریعہ نجات دی تو وہ اس کو ذبح کرے گی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر کو پورا نہیں کیا جائے گا اور نہ اس چیز میں نذر کو پورا کیا جائے گا جس کا انسان مالک نہیں۔

(۸) ابن ابی شیبہ، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر کا کفارہ جب وہ نام نہ لے (متعین نہ کرے) تو قسم والا کفارہ ہے۔

(۹) بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ پر اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں ہے جس کا وہ مالک نہ ہو۔

(۱۰) بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر (ماننے) سے منع فرمایا کہ نذر خیر کو نہیں لاتی اور بلاشبہ اس کے ذریعے بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔

(۱۱) مسلم، ترمذی، اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر مت

مانو کیونکہ نذر تقدیر کا ٹالنے کا فائدہ نہیں دیتی اور بلاشبہ (اس کے ذریعے) بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔

(۱۲) بخاری، مسلم، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کو نذر کوئی چیز نہیں پہنچاتی جو میں نے اس کی تقدیر میں نہیں لکھی بلکہ نذر بھی اس تقدیر سے موافقت کر جاتی ہے جو میں نے اس کے لیے لکھی ہوتی ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بخیل سے (مال) نکالتے ہیں پس وہ مال خرچ کرتا ہے جو اس سے پہلے وہ خرچ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

(۱۳) بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جو اپنے بیٹوں کے درمیان (پیدل) چل رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس کو کیا ہوا (پیدل کیوں چل رہا ہے؟) صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس نے کعبہ تک پیدل چلنے جانے کی نذر مانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو عذاب دینے سے بے پرواہ ہیں اور اس کو سوار ہونے کا حکم فرمایا۔

بلاوجہ اپنے کو مشقت میں ڈالنا درست نہیں

(۱۴) مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو اپنے بیٹوں پر سہارا لیتے ہوئے پیدل چلتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے پوچھا اس کو کیا ہوا؟ اس کے بیٹوں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے (پیدل چلنے) کی نذر مانی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بوڑھے سوار ہو جا اللہ تعالیٰ تجھ سے اور تیری نذر سے بھی بے پرواہ ہے۔

(۱۵) بخاری، مسلم، ابو داؤد، اور نسائی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میری بہن نے بیت اللہ کی طرف پیدل ننگے پاؤں جانے کی نذر مانی اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اسے پیدل بھی چلنا چاہیے اور سوار ہو کر بھی۔

(۱۶) ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے نذر مانی کہ وہ پیدل حج کرے گی حالانکہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ تیری بہن کے پیدل چلنے سے بے پرواہ ہے اس کو چاہئے کہ سوار ہو جائے اور چاہئے کہ ایک اونٹ ہدیہ دے۔

(۱۷) ابو داؤد اور حاکم (نے اس کو صحیح کہا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا یا رسول اللہ! میری بہن نے نذر مانی ہے کہ وہ پیدل حج کرے گی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ تیری بہن کو ذرا بھی مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتے اس کو چاہئے کہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔

(۱۸) ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن کی نذر کے بارے میں پوچھا کہ وہ بغیر سر ڈھانکے اور ننگے پاؤں حج کرے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو حکم کرو کہ وہ سر ڈھانکے اور سوار بھی ہو جائے اور تین دن کے روزے بھی رکھ لے۔

(۱۹) بخاری، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس درمیان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمار ہے تھے تو ایک آدمی دھوپ میں کھڑا تھا آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا یہ ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا رہے گا، نہ بیٹھے گا، نہ سایہ میں جائے، نہ بات کرے گا، اور روزہ رکھے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو حکم کرو کہ وہ بات کرے، سایہ میں بیٹھے اور اپنے روزہ کو پورا کرے۔

(۲۰) ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایسی نذر مانی کہ اس کو متعین نہیں کیا تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس شخص نے کسی گناہ کی نذر مانی اس کی وہ طاقت نہیں رکھتا تو اس کو کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی بات کی قسم کھائی کہ اس کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ نذر کو پورا کرے۔

(۲۱) نسائی نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا نذر دو قسم ہے جو نذر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سے ہو تو وہ اللہ کے لیے ہے اور اس کو پورا کرنا (لازم) ہے اور جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سے ہو تو وہ شیطان کے لیے ہے اس کو پورا کرنا نہیں ہے اس کا کفارہ دے جو قسم کا کفارہ ہوتا ہے۔

(۲۲) ابن ابی شیبہ، نسائی اور حاکم نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی خطبہ دیا اس میں آپ نے ہم کو صدقہ کا حکم فرمایا اور مثلہ (یعنی قتل کرنے کے بعد اعضاء کاٹ دینا) کرنے سے منع فرمایا اور اس کی ناک کو کاٹ دینا بھی مثلہ کرنے میں سے ہے اور پیدل حج کرنے کی نذر سے منع فرمایا پس جس شخص نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تو اس کو چاہئے کہ ہدی کا جانور (کفارہ میں) ذبح کرے اور سوار ہو جائے۔

(۲۴) سعید بن جبیر رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ایک آدمی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ قعیقعان پہاڑ پر رات تک ننگا کھڑا رہوں تو انہوں نے فرمایا شیطان نے یہ ارادہ کیا ہے کہ تیری شرمگاہ کو ننگا کر دے اور تجھ پر لوگوں کو ہنسائے اپنے کپڑے پہن لے اور حجر اسود کے پاس دو رکعت پڑھ۔

نذر کی چار قسمیں ہیں

(۲۵) عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نذر چار قسم پر ہیں جس شخص نے ایسی نذر مانی جس کو مستر د نہیں کیا تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے کسی گناہ کی قسم کھائی تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی بات کی قسم کھائی جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی نذر مانی جس کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنی نذر کو پورا کرے۔ لفظ آیت واما قولہ تعالیٰ و ما للظلمین من انصار ۔

(۲۶) ابن ابی حاتم نے شریح رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ظالم سزا کا منتظر ہوتا ہے اور مظلوم مدد کا منتظر ہوتا ہے۔

(۲۷) بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔

(۲۸) بخاری نے ادب میں، مسلم اور بیہقی نے شعب میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی صورت میں ہوگا اور کنجوسی سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اور ان کو ناحق خون بہانے پر آمادہ کیا اور ان کو حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے پر آمادہ کیا۔

(۲۹) بخاری نے ادب میں ابن حبان اور حاکم نے (اس کو صحیح کہا) بیہقی نے شعب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔ اور بری باتوں سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کرنے والے اور بدکلامی کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔ اور کنجوسی سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ان کے ناحق خونوں کے بہانے پر آمادہ کیا اور حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھا اور قطع رحمی کی۔

(۳۰) حاکم اور بیہقی نے شعب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم کرنے سے بچو کیونکہ قیامت کے دن اندھیروں کی صورت میں ہوگا اور بدکاری اور بدکلامی کرنے بچو، اور کنجوسی سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ کنجوسی سے ہلاک ہو گئے اسی کنجوسی نے ان کو قطع رحمی کا حکم دیا تو انہوں نے قطع رحمی کر لی اور ان کو بخل کا حکم دیا تو انہوں نے بخل کیا اور ان کو نافرمانی کا حکم دیا تو وہ نافرمانی کرنے لگے۔

خیانت سے بچنے کی تاکید

(۳۱) الطبرانی نے ہرماس بن زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اونٹنی پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا بچو تم خیانت سے کیونکہ وہ چھپی ہوئی بری خصلت ہے اور ظلم ہے اور ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی صورت میں ہوگا اور کنجوسی سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے خونوں کو بہایا اور قطع رحمی کی۔

(۳۲) اصبہانی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اسی کے مثل نقل کیا ہے۔

(۳۳) الطبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم نہ کرو ورنہ تم دائیں کرو گے تو تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی، بارش طلب کرو گے تو بارش نہ ہوگی، مدد طلب کرو گے تو تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔

(۳۴) الطبرانی نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں دو قسم کے ایسے لوگ ہوں گے جن کو ہرگز میری شفاعت نہ پہنچے گی انتہائی ظالم (امام بہت ظلم کرنے والا اور بہت خیانت کرنے والا) (اور) دین سے نکل جانے والا۔

(۳۵) حاکم نے (اور اس کو صحیح کہا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ آسمان کی طرف اس طرح چڑھتی ہے گویا کہ وہ ایک شعلہ ہے۔

(۳۶) الطبرانی نے عقبہ بن جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی

دعائیں قبول کی جاتی ہیں والد کی دعا (اولاد کے حق میں) مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا۔

(۳۷) احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی دعا قبول کی جاتی ہے اگر چہ وہ گناہ گار ہو کیونکہ اس کے گناہ کا وبال اس کی اپنی جان پر ہے۔

(۳۸) الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو دعائیں ایسی ہیں کہ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں مظلوم کی دعا اور کسی آدمی کی دعا اپنے بھائی کے لیے اس کی پیٹھ پیچھے۔

(۳۹) الطبرانی نے خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کیونکہ وہ بادلوں سے (اوپر) اٹھالی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری عزت اور میرے جلال کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگر چہ کچھ دیر کے بعد ہو۔

(۴۰) احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی بد دعا سے ڈرو اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ کیونکہ اس کے سامنے حجاب نہیں۔

(۴۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا غصہ تیز ہو جاتا ہے اس شخص پر جو ایسے شخص پر ظلم کرتا ہے جو میرے علاوہ کسی دوسرے کو مدد کرنے والا نہیں پاتا۔

(۴۲) ابوالشیخ ابن حبان نے کتاب التوبیخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم! میں ظالم سے ضرور بدلہ لوں گا جلدی میں یا دیر میں اور میں ضرور بدلہ لوں گا اس شخص سے بھی جو مظلوم کی مدد کرنے پر قدرت رکھتا تھا مگر پھر بھی مدد نہ کی۔

(۴۳) الطبرانی نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو وہ سب اپنے سر اٹھائے اپنے قدموں پر برابر کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے ہمارے رب! آپ کس کے ساتھ ہیں؟ تو رب تعالیٰ نے فرمایا میں مظلوم کے ساتھ ہوں تک کہ (ظالم) اس کی طرف اس کا حق ادا کردے۔

(۴۴) ابن مردویہ اور الطبرانی نے ترغیب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنے ملک میں لوگوں سے چھپ کر پھرنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک آدمی کے پاس آیا جس کی ایک گائے تھی شام کے وقت وہ گائے آئی تو اس کو دوہا گیا اچانک اس کا دودھ تیس گایوں کے برابر تھا (یعنی بہت زیادہ دودھ تھا) بادشاہ کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ یہ گائے اس آدمی سے لے لوں گا جب صبح ہوئی تو وہ گائے اپنی چراگاہ کی طرف چلی گئی پھر شام کو آئی تو اس کو دوہا گیا تو اس کا دودھ آدھا نکلا یعنی پندرہ گایوں کے برابر۔ بادشاہ نے مالک کو بلایا اور کہا مجھے اپنی گائے کے بارے میں بتاؤ کیا آج یہ گائے کل والی چراگاہ کے علاوہ کسی دوسری چراگاہ پر گئی تھی آج اس نے کسی دوسرے گھاٹ سے پانی پیا ہے؟ مالک نے کہا اس گائے نے کل والی چراگاہ سے کسی دوسری چراگاہ پر نہیں چرا اور نہ ہی اس نے کسی دوسرے گھاٹ سے پانی پیا ہے؟ تو بادشاہ نے کہا پھر اس کا دودھ کیوں آدھا ہو گیا مالک نے کہا بادشاہ نے ارادہ کیا ہے کہ اس گائے کو لے لے۔ اس لیے اس کا دودھ کم ہو گیا کیونکہ جب بادشاہ ظلم کرے یا

ظلم کا ارادہ کرے تو برکت چلی جاتی ہے بادشاہ نے کہا بادشاہ تجھے کیسے جان لے گا؟ مالک نے کہا بات اسی طرح ہے جو میں نے تجھ سے کہی ہے (اس بات پر بادشاہ نے دل میں اپنے رب سے یہ وعدہ کیا کہ وہ (کبھی) ظلم نہیں کرے گا اور نہ اس گائے کو لے گا اور نہ اس کا کبھی مالک ہے وہ گائے صبح کو چرنے چلی گئی (جب) شام کو آئی تو اس کو پھر دوہا گیا تو اس کا دودھ (پہلے کی طرح) تیس گایوں کی مقدار پر ہوا۔ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا اور عبرت حاصل کی کہ بادشاہ جب ظلم کرے یا ظلم کا ارادہ کرے تو برکت چلی جاتی ہے یقیناً میں ضرور عدل کروں گا اور ضرور بہتر عدل کرنے والوں میں سے ہوں گا۔

(۴۵) الاصبہانی نے سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس نے نیک کام کیا اس کو چاہئے کہ ثواب کی امید رکھے جس نے برا کام کیا پھر وہ سزا کو ناپسند نہ کرے جس نے بغیر حق کے عزت حاصل کی اللہ تعالیٰ اس کو حق کے ساتھ ذلت کا وارث بنائیں گے اور جس نے ظلم کے ساتھ مال جمع کیا اللہ تعالیٰ اس کو بغیر ظلم کے فقیر (یعنی محتاج یا تنگ دستی) کا وارث بنائیں گے۔

(۴۶) احمد نے زہد میں وھب بن منبہ سے روایت کیا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا جس شخص نے فقراء کے مال کے ساتھ مالداروں کو طلب کیا میں اس کو فقیر بنادوں گا اور ہر وہ گھر جو ضعیف لوگوں کی قوت سے بنے گا اس کا انجام خراب کردوں گا۔

(تفسیر درمنثور، سورہ بقرہ، بیروت)

خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

40 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَالَ: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ، وَسَمَّى الْحَرْبَ خُدْعَةً

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "خیرات کریں تجھے اور دونگا" اور آپ نے جنگ کو ایک "دھوکہ" فرمایا۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1048)

جنگ میں مکروفریب ہونے کا بیان

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ مکروفریب (کا نام) ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1048)

مطلب یہ ہے کہ جنگ میں لشکر کی زیادہ تعداد اور بہت لڑنا کارآمد و مفید نہیں جتنا مکروفریب مفید ہوتا ہے، جس کو آج کے مہذب الفاظ میں "حکمت عملی" بھی کہتے ہیں۔ اسی مکروفریب یا حکمت عملی کا کرشمہ ہوتا ہے کہ پوری جنگ ایک ہی داؤ سے ختم ہو جاتی ہے جو داؤ کھاتا ہے مارا جاتا ہے اور داؤ مارنے والا جنگ پر غالب آجاتا ہے۔ چنانچہ بہترین کمانڈر وہی کہلاتا ہے جو میدان جنگ میں اپنی تدبیر اور حکمت عملی سے دشمن کی بڑی سے بڑی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کردے۔

اگرچہ علماء اسلام نے متفقہ طور پر کفار کے ساتھ جانے والی جنگ میں مکروفریب کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس بارے میں کچھ حدود بھی مقرر کی ہیں تاکہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر کوئی حرف نہ آئے چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ مکروفریب کا رستہ اختیار کرنے

کی صورت میں پہلی بات تو یہ ملحوظ ہونی چاہئے کہ کھلا ہوا جھوٹ نہ بولا جائے اور یہ کہ کسی بھی ایسی صورت میں مکروفریب نہ کیا جائے جس میں مسلمانوں کی طرف سے دیا ہوا عہد امان توڑا جائے۔ پھر علماء نے "فریب دینے" کی کچھ صورتیں بھی متعین کر دی ہیں مثلاً اس طرح فریب دیا جائے کہ اسلامی لشکر میدان جنگ سے ہٹ جائے یا جنگ بند کر دے تا کہ دشمن غافل ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ اسلامی لشکر جنگ سے بھاگ گیا ہے اور پھر دشمن کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس یکبارگی حملہ کر دیا جائے، اس طرح کی ایسی کوئی بھی حکمت عملی اختیار کی جائے جس میں مذکورہ بالا دونوں امور کا لحاظ ہو۔ حدیث میں مذکور لفظ "خدعۃ "اصل میں تو خ کے پیش اور دال کے جزم کے ساتھ یعنی خدعۃ " ہے لیکن زیادہ فصیح خ کے زبر کے ساتھ یعنی خدعۃ ہے۔ جس کے معنی یہی ہیں کہ لڑائی ایک ہی فریب (داؤ) سے ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ لفظ خ کے زیر کے ساتھ (یعنی لفظ فریب کا اہم نوع خدعۃ اور خ کے پیش اور دال کے زبر کے ساتھ یعنی خدعۃ بھی منقول ہے، اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ "جنگ بہت دھوکے میں ڈالنے والی ہے" یعنی جو لوگ دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں ان کے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوتے ہیں لیکن جب وہ میدان جنگ میں پہنچتے ہیں اور لڑائی ہوتی ہے تو ان کے خیالات کے برعکس نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ کوئی شخص فتح پانے اور دشمن کو مار ڈالنے کا خیال لے کر جاتا ہے مگر میدان جنگ میں شکست کا سامنا کرتا ہے اور خود مارا جاتا ہے اسی طرح کوئی شخص شکست و ناکامی کے مایوس کن خیالات لے کر جاتا ہے مگر وہاں جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے اور وہ کامیاب و کامران ہو کر آتا ہے غرضیکہ جنگ اسی طرح دھوکے اور فریب میں مبتلا کرنے والی چیز ہے۔

قسم کے سبب قول کو تسلیم کر لینے کا بیان

41 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَى عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَجُلًا يَسْرِقُ، فَقَالَ لَهُ عِيسَى: سَرَقْتَ؟ فَقَالَ: كَلَّا وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، فَقَالَ عِيسَى: آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَذَّبْتُ عَيْنَيَّ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا تو نے چوری کی؟ اس نے کہا، ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھ کو جھٹلاتا ہوں۔

(مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 978)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھ لیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے کہا تم نے چوری کی ہے اس شخص نے کہا ہرگز نہیں اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے چوری نہیں کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس طرح قسم کھاتے ہوئے سنا تو کہا میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 978)

میں اللہ پر ایمان لایا یعنی تم نے اپنی ہی قسم میں اللہ کی وحدانیت کا جو ذکر کیا ہے میں اس پر اپنے ایمان و اعتقاد کا اقرار کرتا ہوں

یہ جملہ مفہوم کے اعتبار سے یوں ہے کہ تم نے اللہ کی جو قسم کھائی ہے میں اس کا اعتبار کرتا ہوں اور اپنے نفس کو اس بات کے کہنے میں جھوٹا قرار دیتا ہوں کہ تم نے چوری کی ہے اگر چہ میرا یہ کہنا ظاہری حالات میں غمازی کی بنا پر تھا یہ وضاحت اس احتمال کے پیش نظر ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس شخص نے کہیں سے کوئی چیز اس کے مالک سے پوشیدہ طور پر اٹھائی ہوگی اس بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سمجھا کہ اس شخص نے چوری کی ہے لیکن اس نے اول تو اللہ کی قسم کھا کر چوری سے انکار کیا اور دوسرے اس موقع پر ایسی کوئی شرط نہیں پائی گئی ہوگی جس کا چوری کے ثبوت کے لئے اور چوری کی سزا یعنی حد جاری کرنے کے لئے پایا جانا شرعی طور پر ضروری ہوتا ہے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کی قسم کو تسلیم کر لیا اور اپنی بات کو غلط قرار دیا۔

حضرت شیخ عبدالحق نے یہ مطلب لکھا ہے کہ میں تمہیں تمہاری قسم میں سچا مانتا ہوں اپنے اس گمان سے رجوع کرتا ہوں جو میں نے تمہارے بارے میں قائم کیا تھا اور مذکورہ بات کے کہنے میں اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر اللہ کی قسم کھائے تو اگر چہ اس کی وہ بات حقیقت کے کتنی ہی خلاف معلوم ہوتی ہو لیکن چاہیے یہی کہ اپنے گمان اور اپنی معلومات کو غلط قرار دیا جائے اور اللہ کے نام کی تعظیم کے پیش نظر اس کی قسم کا اعتبار کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ذاتی اور عطائی خزانوں کا بیان

42 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أُوتِيكُمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَا أَمْنَعُكُمُوهُ، إِنْ أَنَا إِلَّا خَازِنٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہ تو کوئی چیز تمہیں دیتا ہوں اور نہ کوئی چیز تم سے روک لیتا ہوں، میں تو صرف ایک خازن (اللہ کے خزانوں کا مالک) ہوں، مجھے جہاں رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے وہاں رکھتا ہوں۔

عالم جمادات پر تصرف

عالم جمادات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب پر قدرت و بلندی، تصرف واختیار عطا فرمایا۔ اس تناظر میں ہمیں اپنے عقائد بھی درست رکھنے چاہئیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ چونکہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بشریت میں مبعوث کیا، لہٰذا وہ عام انسانوں کی طرح انسان تھے۔ نہیں، بلکہ کل کائنات، جن وانس اور کائنات بشریت ونورانیت میں ہر شے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع بھی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف واختیار میں بھی تھی۔ یہ وہ مقام ہے کہ ساری کائنات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تصرف کی مثال نہ کبھی پہلے تھی اور نہ کبھی ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ عَلَى حِرَاءٍ هُوَ وَاَبُوْبَكْرٍ رضی الله عنه وَعُمَرَ رضی الله عنه وَعُثْمَانَ رضی الله عنه وَعَلِيَّ رضی الله عنه وَطَلْحَةَ رضی الله عنه وَالزُّبَيْرِ رضی الله عنه فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةِ وَفِي رِوَايَةٍ فَرَجَفَ بِهِمْ وَفِي رِوَايَةٍ فَتَحَرَّكَ فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ: اهْدَأ وَفِي رِوَايَةٍ اسْكُنْ

حِرَاء. فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدٌ

(مسلم فی الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، 4/1880، رقم: 2417)، (صحیح بخاری، کتاب المناقب، 3/1348، رقم: 3483)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرا پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اتنے میں پہاڑ نے حرکت کی اور ایک روایت میں ہے کہ پہاڑ کو وجد آیا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ہلنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا اے حراء ٹھہر جا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرا ساکن ہو جا۔

ایک روایت میں احد پہاڑ کا ذکر بھی آیا ہے۔ اس پہاڑ کا حرکت کرنا دراصل اس شرف پر فخر و انبساط کی وجہ سے تھا جو دنیا کی معزز ترین ہستیوں کے اس پر تشریف فرما ہونے کی وجہ سے اسے نصیب ہوا تھا۔ وہ پہاڑ وجد میں آ گیا کہ آج آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین میرے اوپر ہیں اور ان کے اصحاب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہیں۔ پس ان کی موجودگی کی وجہ سے پہاڑ بھی جوش مسرت سے وجد آ گیا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ پہاڑ کے حرکت کرنے پر آقا علیہ السلام نے دعا نہیں کی کہ باری تعالیٰ یہ پہاڑ زلزلہ کی وجہ سے حرکت کر رہا ہے، اس کی اس حرکت کو روک دے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑ پر قدم مارا اور اُسے حکم دیا کہ ٹھہر جا۔ پہاڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تصرف و اختیار کی بدولت فوری رک گیا۔

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، اس وقت وہاں کفار موجود نہیں تھے کہ ان کو نبوت کی صداقت دکھانے کی دلیل کے طور پر یا ان کے مطالبے پر پہاڑ کی حرکت کو روکا گیا کہ انہوں نے کہا ہو کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ کر کے دکھا دیں۔ خلاف عادت کام کا کفار مطالبہ کرتے ہیں اور نبی اپنی نبوت کی صداقت کی دلیل کے طور پر انہیں دکھاتا ہے۔ اب یہاں نہ ابوجہل ہے نہ ابولہب یہاں کوئی کافر و مشرک بھی نہیں۔ کسی نے مطالبہ بھی نہیں کیا صرف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ساتھ کھڑے ہیں۔ اب یہاں نبوت کی صداقت کی دلیل دکھانا مقصود نہیں بلکہ پہاڑوں پر بھی موجود تصرف کا اپنے غلاموں کے سامنے ایک اظہار ہے۔ ایک پہاڑ تو در کنار کائنات کے تمام پہاڑ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔

اسی حدیث مبارکہ سے نبی کے دوسرا معنی غیب کی خبریں بتانے والا کی ایک دلیل بھی میسر آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آپ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی خبر دی جنہیں مستقبل میں شہادت کا مرتبہ حاصل ہونا تھا۔ ابھی اُن کی شہادت نہیں ہوئی مگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم غیب کے ذریعے ان کی شہادت کی خبر بھی دی جن کی شہادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے 23 سال بعد ہوئی اور ان کی شہادت کی خبر بھی دی جن کی شہادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تقریباً 50 سال بعد ہوئی۔

حضرت عمر کی شہادت 23 ہجری میں ہوئی۔ حضرت عثمان کی شہادت 35 ہجری میں ہوئی۔ حضرت علی کی شہادت 40 ہجری

میں ہوئی۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن عوام کی شہادت 36 ہجری میں ہوئی۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی شہادت 32 ہجری میں ہوئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی شہادت 55 ہجری میں ہوئی۔ گویا اس وقت حراء/احد پر ساتھ موجود تمام صحابہ کی شہادت آقا علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد ہوئی۔

یہ آقا علیہ السلام کی شان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے آخری انجام کی بھی خبر ہے، شہادت کی بھی خبر ہے اور ہر ایک کے احوال کی بھی خبر ہے۔

عالم نباتات پر تصرف

غزوہ بدر کے دوران حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، وہ آقا علیہ السلام کے پاس آئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری تلوار ٹوٹ گئی، اب میں کیا کروں؟ آقا علیہ السلام کے قریب کھجور کے درخت کی چھوٹی سی خشک سوکھی ہوئی لکڑی پڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھا کر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور فرمایا: اس سے لڑو۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

فَإِذَا هُوَ سَيْفٌ اَبْيَضُ طَوِيْلٌ. (الواقدی فی المغازی، 1/93)

میں نے اسے ہاتھ میں لیا تو) وہ سفید رنگت کی لمبی تلوار بن گئی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف سے درخت کی ٹہنی کو تلوار میں بدل دیا اور یہ صرف اسی لڑائی کے وقت تک تلوار نہ رہی بلکہ ہمیشہ کے لئے تلوار بن گئی۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اس تلوار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دیگر غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ مرتدین کے خلاف جہاد میں شہید ہوئے اور وہ تلوار اس وقت بھی ان کے پاس تھی۔

فَلَمْ يَزَلْ عِنْدَهُ حَتّٰى هَلَكَ. (ایضاً)

یہ تلوار حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے پاس موجود رہی۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لکڑی کی ماہیت اور اس کی خلقت کو بدل دیا۔ خلقت کو بدل دینا اور لکڑی کو سالہا سال کے لئے دائماً سٹیل کی تلوار میں بدل دینا یہ شانِ تخلیق وتکوین ہے۔ آقا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اتنی بلندی دی کہ لکڑیوں کو چاہیں تو تلواریں بنا دیں اور ایک لمحے کے لئے نہیں بلکہ دائماً اس کی ماہیت کو بدل دیں۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ اس لکڑی کو صحابہ العون کا لقب دیتے تھے۔ یعنی اس لکڑی کو رسول اللہ کی مدد کے نام سے یاد کرتے۔ صرف یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ سیرت کی کتب میں ہمیں ایسے بے شمار مظاہر ملتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو درخت کی شاخ ٹہنی عطا کی تو وہ دائماً تلوار بن گئی۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قدرت حاصل تھی کہ جس شے پر توجہ کر دیں اس شے کی خلقت، ماہیت اور نیچر کو بدل کے رکھ دیں۔

کفار کے مطالبے پر معجزہ کے طور پر تو کئی دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کھجور کے درختوں کی ٹہنیاں اپنی جگہ سے ٹوٹ کر

زمین پر گرتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر سجدہ کرتیں اور واپس جا کر اپنی جگہ پر جڑ جاتیں۔ اس معجزے کو دیکھ کر کئی کفار نے اسلام بھی قبول کیا۔ ایسے واقعات بے شمار ہیں۔ اس موقع پر ان کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ میں تو یہ بیان کر رہا ہوں کہ جہاں کسی نے مطالبہ نہیں کیا، معجزہ دکھانے کی حاجت نہیں، روزمرہ کے معاملات ہیں، وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تصرفات و اختیارات صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ظاہر فرما رہے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ایک غزوہ) کے سفر پر روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم ایک کشادہ وادی میں پہنچے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ میں پانی وغیرہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اردگرد) دیکھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پردہ کے لئے کوئی چیز نظر نہ آئی، وادی کے کنارے دو درخت تھے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک درخت کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ پکڑی اور فرمایا:

انْقَادِی عَلَیَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهُ کَالْبَعِیرِ الْمَخْشُوْشِ، الَّذِی یُصَانِعُ قَائِدَهُ.

اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اطاعت کر۔ وہ درخت اس اونٹ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار ہو گیا جس کی ناک میں نکیل ہو اور وہ اپنے ہانکنے والے کے تابع ہوتا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے درخت کے پاس گئے اور اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ پکڑ کر فرمایا: اللہ کے اذن سے میری اطاعت کرو، وہ درخت بھی پہلے درخت کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو گیا یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں درختوں کے درمیان پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں درختوں کو ملا دیا اور فرمایا:

الْتَئِمَا عَلَیَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَالْتَأَمَتَا.

اللہ کے اذن سے جڑ جاؤ، سو وہ دونوں درخت جڑ گئے۔ میں وہاں بیٹھا اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا، میں نے اچانک دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت اپنے اپنے سابقہ اصل مقام پر کھڑے تھے۔

(اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الزہد والرقائق، باب: حدیث جابر الطویل، وقصۃ ابی الیسر، 4/2306، الرقم: 3012)

اسی طرح کا ایک واقعہ یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت کے لئے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو مجھ سے فرمایا:

ائْتِ تِلْكَ الْأَشَاءَتَیْنِ.

ان دو درختوں کو بلا لاؤ۔ میں ان کے پاس گیا اور ان سے کہا:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم یَأْمُرُ کُمَا أَنْ تَجْتَمِعَا فَاجْتَمَعَتَا.

تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ ایک جگہ جمع ہو جاؤ۔ وہ دونوں جمع ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذریعہ پردہ فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاجت سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا:

اِئْتِهِمَا فَقُلْ لَهُمَا لِتَرْجِعْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْكُمَا اِلٰى مَكَانِهَا. (مسند احمد بن حنبل، 4/172، الرقم: 17595)

جاؤ ان دونوں سے کہو کہ اپنی جگہ پر لوٹ جائیں۔

میں نے ان سے جا کر کہا تو وہ اپنی جگہ واپس چلے گئے۔

جنت پر تصرف

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف دنیا کے درختوں اور پہاڑوں پر ہی تصرف نہ تھا بلکہ جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تصرف حاصل ہے۔ اس کی دلیل استنِ حنانہ کا واقعہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کے لئے باقاعدہ منبر بنایا گیا تو آپ نے کھجور کے خشک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دینا چھوڑ دیا۔ کھجور کا خشک تنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جدائی کو برداشت نہیں کر پایا اور رو پڑا۔ اسے چپ کروانے کے لئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منبر سے نیچے تشریف لائے۔

حَتّٰى اَخَذَهَا فَضَمَّهَا اِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ أَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِيْ يُسَكَّتُ حَتّٰى اسْتَقَرَّتْ.

(البخاری فی الصحیح، کتاب البیوع، 2/738، رقم: 1989)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے ستون کو پکڑ کر ساتھ لگا لیا، ستون اس بچے کی طرح ہچکیاں لینے لگا جسے تھپکی دے کر چپ کرایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے قرار مل گیا۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ مردہ درخت تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک سے مس ہونے کے سبب اس مردہ درخت میں بھی جان آ گئی اور شعور آ گیا۔ اس کو بھی پتہ چل گیا کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے جدا ہو گئے ہیں اور دوسرے منبر پہ کھڑے ہیں۔ اس میں جان بھی آ گئی، زندگی بھی آ گئی، آنکھیں بھی آ گئیں، احساس بھی آ گیا اور رونا بھی آ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے جدا ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سینے سے لگایا تو سسکیاں لے لے کر چپ ہونا بھی آ گیا۔ یہ سارے حواس اور سارے شعور صرف جسم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مس نے اُسے عطا کر دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے تنے سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اِخْتَرْ اَنْ اَغْرِسَكَ فِي الْمَكَانِ الَّذِيْ كُنْتَ فِيْهِ فَتَكُوْنَ كَمَا كُنْتَ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ اَغْرِسَكَ فِي الْجَنَّةِ فَتَشْرَبَ مِنْ اَنْهَارِهَا وَ عُيُوْنِهَا فَيَحْسُنَ نَبْتُكَ وَتُثْمِرَ فَيَاْكُلَ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ مِنْ ثَمَرَتِكَ وَنَخْلِكَ فَعَلْتُ. (مسند احمد بن حنبل، رقم: 21295، جلد: 5، ص: 138)

تم چاہو تو میں تمہیں اسی جگہ دوبارہ لگا دوں جہاں تم پہلے تھے، اور تم دوبارہ ویسے ہی سرسبز و شاداب ہو جاؤ جیسا کہ کبھی تھے اور اگر چاہو تو (میری اس خدمت کے صلہ میں جو تم نے کچھ عرصہ سرانجام دی ہے) تمہیں جنت میں لگا دوں، وہاں تم جنت کی نہروں اور چشموں سے سیراب ہوتے رہو، پھر تمہاری نشو و نما بہترین ہو جائے اور تم پھل دینے لگو اور پھر اولیاء اللہ تمہارا پھل کھائیں، اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایسا کر دیتا ہوں۔

یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ملاحظہ کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا نہیں کر رہے، کسی ایک روایت میں بھی دعا کا

لفظ نہیں آیا کہ اللہ اسے ایسا کردے بلکہ براہ راست کھجور کے تنے سے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں ہی سرسبز و شاداب کردوں اور اگر چاہے تو تجھے جنت میں لگادوں۔ عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم یہ ہے کہ یہ اختیار اور قدرت اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کررکھی تھی کہ چاہے تو دنیا میں کھجور کے درخت کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں لگادیں۔ جنت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے، دنیا بھی اختیار میں ہے۔

اس درخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں آپشنز کو سنا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے جنت میں لگادیں تاکہ نبی اور ولی بھی میرا پھل کھائیں۔

فَزَعَمَ اَنَّهُ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ يَقُوْلُ لَهُ: نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ. مَرَّتَيْنِ فَسَاَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: اخْتَارَ اَنْ اَغْرِسَهُ فِي الْجَنَّةِ.

راوی کا بیان ہے کہ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دومرتبہ فرمایا: ہاں میں نے ایسا کردیا۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں عرض کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھجور کے اس تنے نے یہ اختیار کیا کہ میں اسے جنت میں لگادوں۔

یعنی صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استنِ حنانہ کو دونوں آپشنز دینے کے بعد اس کو دوبار یہ کیوں فرمایا کہ ہاں میں نے کردیا۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے میری بات سن لی اور کہا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم اب یہاں نہیں جنت میں لگادیں اور وہاں آپ بھی پھل کھائیں اور اولیاء بھی پھل کھائیں تو میں نے اس کو کہا نعم فعلت فعلت میں نے تمہیں جنت میں لگادیا۔ میں نے تمہیں جنت میں لگادیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد منانے والو! حضور کی محبت کا دم بھرنے والو، سنو! وہ کھجور کا تنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کرنے لگ گیا تو اس کے صلہ میں اس کو اتنا شعور آگیا کہ اس نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ یہ نہیں کہا کہ دنیا میں ہرا بھرا کردیں بلکہ آخرت میں اولیاء و صالحین کو ترجیح دی۔ ایک درخت آخرت کو ترجیح دے رہا ہے جبکہ ہم انسان اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہوکر بھی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیئے ہوئے ہیں۔ ہم سے کتنے ہیں جنہیں کھجور کے درخت جیسا شعور مل گیا ہو۔۔۔؟ کتنے ہیں جنہوں نے دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی نعمت پر ترجیح دے دی ہو۔۔۔؟ ہمیں بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق سے اسی طرح کا شعور حاصل کرنا ہوگا کہ ہم بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے اپنے ذاتی مفادات کو قربان کردیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَصَلّٰى قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلُ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ؟ قَالَ اِنِّي اُرِيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهُ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَابَقِيَتِ الدُّنْيَا. (البخاری فی الصحیح، کتاب صفۃ الصلاۃ، 1/261، رقم:715)

(ایک مرتبہ) رسول اللہ کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہوا اور آپ نے نماز کسوف پڑھائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے کوئی چیز پکڑی پھر ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قدر پیچھے ہٹ گئے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جنت دکھائی گئی میں نے اس میں سے ایک خوشہ پکڑ لیا۔ اگر اسے توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس سے کھاتے رہتے (یعنی وہ ختم نہ ہوتا)۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے جنت کے پھل امت کے لئے لینے کا عمل ترک فرمادیا کہ کہیں امت محنت مزدوری کرنا ترک نہ کردے اور صرف جنت کے اسی پھل پر اکتفا کر بیٹھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا کہ امت محنت، مزدوری اور مشقت کرے، کبھی کھانے کو ملے اور کبھی بھوک ملے تاکہ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اس سے مانگے اور اس کا قرب حاصل کرسکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و تصرف کا یہ عالم ہے کہ جنت کے درخت کے پھلوں کے خوشے اگر لانا چاہتے تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی لاکر دے سکتے تھے اور قیامت تک وہ پھل ہمارے اندر رہتے۔ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ بعض اہل العلم کو اس حدیث کے بارے ایک مغالطہ ہے اور وہ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت نہیں بلکہ جنت کی تصویر دکھائی گئی تھی۔ ایسی سوچ رکھنے والے لوگ توبہ کریں، یہ نادانی کی بات ہے۔ آقا علیہ السلام کی فہم پر معاذ اللہ ان لوگوں نے اتنا شک کرلیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی جنت اور جنت کی تصویر میں فرق نہ کرپائے۔ یہ فرق تو ایک عام آدمی بھی کرسکتا ہے۔ اگر تصویر نظر آئے تو جان لیتا ہے کہ یہ تصویر ہے۔ تصویر کے درخت کے پھلوں کو پکڑنے کے لئے ایک بچہ بھی ہاتھ نہیں ڈالتا، اس بچے کو بھی پتہ ہے کہ یہ تصویر ہے اور تصویر کے درخت اور پھلوں پہ ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔

یہ لوگ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم پر معاذ اللہ تہمت کے مرتکب ہوئے ہیں، انہیں اپنی اس سوچ پر توبہ کرنی چاہئے۔ اگر وہ تصویر ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے خوشوں کو پکڑنے کے لئے ہاتھ نہ بڑھاتے اور یہ نہ فرماتے کہ اگر اسے توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے (یعنی وہ ختم نہ ہوتا)۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تصویر کے لئے نہیں کہے بلکہ اصل جنت اور اصل درختوں کے پھلوں کے خوشے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے۔ امت کو بتادیا کہ میرے تصرف و اختیار کا یہ عالم ہے کہ اگر جنت کے درختوں کو بھی دنیا میں آکر لگانا چاہوں تو لگا سکتا ہوں اور قیامت تک تم اس کا پھل کھاؤ۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف و اختیار اور عظمت و رفعت کا یہ عالم ہے کہ اللہ کے بعد کائنات کی ہر شے نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع بلکہ آقا علیہ السلام کے تصرف و اختیار میں ہے۔

تخلیق الماء پر تصرف

آقا علیہ السلام کے اختیار کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق الماء پر بھی تصرف حاصل تھا۔ جب کبھی وضو کا پانی صحابہ کے پاس نہ رہتا، خواہ وہ غزوہ ہو یا کوئی سفر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین سو کی تعداد میں ہوں یا حدیبیہ کی طرح پندرہ سو کی تعداد میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جگہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لئے پینے اور وضو کے پانی کا اپنے تصرف سے بندوبست فرمایا۔ یہ

واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے اور ان میں سے کوئی ایک واقعہ بھی کفار کے مطالبے پر پیش نہیں آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر ہمارے پاس نہ پینے کا پانی تھا اور نہ وضو کا پانی تھا۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: کسی کے پاس چھاگل ہے، جس میں کوئی دو چار قطرے ہی پانی کے ہوں، ایک صحابی چھاگل لے کے آ گئے، اس میں دو چار قطرے پانی کے تھے۔

فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَثُوْرُ بَيْنَ اَصَابِعِهِ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّاْنَا قُلْتُ كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً.

(البخاری فی الصحیح کتاب المناقب 3/1310، رقم: 3383)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک چھاگل کے اندر رکھا تو فوراً چشموں کی طرح پانی انگلیوں کے درمیان جوش مار کر نکلنے لگا ہم سب نے (خوب پانی) پیا اور وضو بھی کر لیا (سالم راوی کہتے ہیں) میں نے حضرت جابر سے پوچھا: اس وقت آپ کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی سب کے لئے کافی ہو جاتا جبکہ ہم تو پندرہ سو تھے۔

یہ بات توجہ طلب ہے کہ بعض علماء آج کل اس طرح کی تمام احادیث کو تکثیر الماء کے تحت لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یہ تھا کہ تھوڑا پانی بڑھ گیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تکثیر الماء نہیں بلکہ تخلیق الماء ہے۔ تھوڑا پانی دست مبارک ڈالنے سے بذات خود بڑھ جائے اس کو تکثیر الماء پانی کا بڑھ جانا کہتے ہیں۔ یاد رکھ لیں کہ پانی بڑھ جانے کا لفظ حدیث کی کسی عبارت میں نہیں آیا۔ حدیث میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی انگلیوں سے پانی کے چشمے ابل پڑے۔ تھوڑا پانی نہیں بڑھا بلکہ پانی کے چشمے دستِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھوٹے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے پانی مانگا، آپ نے پتھر پر اپنا عصاء مارا اور پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ چشمے پتھروں سے ہی پھوٹتے ہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء سے چشموں کا پھوٹنا معجزہ اس لئے بنا کہ وہ خشک پتھر تھے جبکہ دوسری طرف آقا علیہ السلام کے تصرف کا یہ عالم تھا انسانی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انسانی جسم سے پانی کے چشمے پھوٹے ہوں۔ لیکن آقا علیہ السلام نے چھاگل پر ہاتھ رکھا اور انگلیوں سے چشمے پھوٹے اور اتنا پانی میرے آقا علیہ السلام کی انگلیوں سے نکلا کہ کہتے ہیں کہ ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو بھی کافی رہتا۔ یہ تکثیر الماء القلیل یعنی کم پانی کو بڑھا دینا نہ تھا بلکہ اپنے تصرف واختیار سے انگلیوں سے پانی کے چشمے پیدا کر دینا تھا۔

غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے قافلہ پریشان تھا۔ تیس ہزار صحابہ تھے، پندرہ ہزار اونٹ تھے، دس ہزار گھوڑے تھے۔ کل ملا کر تقریباً پچپن ہزار نفوس تھے۔ اس موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی چھاگل جس میں پانی کے چند قطرے تھے، اس پر ہاتھ رکھا۔

فَنَبَعَ الْمَاءُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهِ.

تو پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ پڑا

اتنا پانی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں میں سے نکلا کہ پچپن ہزار نفوس اس سے مستفید ہوئے۔

(صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، 2/974، رقم:2581)

یہ پانی کہاں سے پیدا ہو گیا جو پچپن ہزار نفوس پی گئے؟ یہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے حاصل تصرف تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کو بڑھاتے نہ تھے بلکہ پانی پیدا فرما دیتے تھے اور چند قطروں کو پچپن ہزار نفوس کی ضرورت کے لئے کافی رہنے والا پانی بنا دیتے۔

تخلیق الطعام پر تصرف

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کا یہ عالم بھی تھا کہ نہ صرف پانی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طعام بھی تخلیق فرما دیتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں ایک سفر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ سفر اتنا طویل تھا کہ کھانے کو کچھ نہ رہا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سینکڑوں کی تعداد میں بھوکے تھے، پریشان ہوئے اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کو کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا اَبَاهُرَيْرَة رضی الله عنه هَلْ مَعَكَ شَيْءٌ؟

اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا تمہارے پاس کھانے کیلئے کچھ ہے۔

انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس چھوٹی سی ایک تھیلی ہے، اس میں کچھ کھجوریں ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لے آؤ۔ میں اس تھیلی کو لے کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آ گیا۔ اس میں سے اکیس کھجوریں نکلیں، وہ کھجوریں آقا علیہ السلام نے دسترخوان پر رکھ دیں۔ فرمایا:

دس، دس آدمیوں کے گروہ میرے پاس آتے جائیں۔ آقا علیہ السلام بلاتے گئے، دس دس آدمی آتے گئے، کل اکیس کھجوریں تھیں۔ ہر گروہ آتا گیا اور پیٹ بھر کے کھاتے گئے۔ اس طرح سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان اکیس کھجوروں میں سے کھلا دیا۔

سوال یہ ہے وہ کھجوریں بڑھتی ہوئی نظر تو نہیں آ رہیں۔ اکیس تھیں دیکھتے ہی دیکھتے پچیس، یا چالیس، پچاس، سو نہیں بنیں۔ بڑھ نہیں رہیں بلکہ اکیس کی اکیس ہی پڑی ہیں اور سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر کھا رہا ہے۔ وہ کھجوریں کہاں سے پیدا ہو رہی ہیں؟ دراصل یہ کھجوریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق فرما رہے ہیں۔

جب سارے صحابہ اور لشکریوں نے پیٹ بھر لیا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ان کھجوروں کو اپنی تھیلی میں ڈال کر اپنے پاس محفوظ کر لو، جب زندگی میں کبھی بھی ضرورت پڑے نکال کر کھاتے رہنا، تقسیم کرتے رہنا، مہمانوں، پڑوسیوں اور محلے داروں کو کھلاتے رہنا، کبھی ختم نہ ہوں گی لیکن کھول کر کبھی نہ دیکھنا۔ صرف تھیلی سے جتنی ضرورت پڑے نکالتے رہنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اکیس کھجوریں میں نے تھیلی میں واپس ڈال دیں۔ آقا علیہ السلام کی حیات طیبہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اڑھائی سال، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دس سال، حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ سال گزر گئے۔ میں اسی تھیلی میں سے کھجوریں کھاتا رہا اور لوگوں کو کھلاتا رہا۔ تھیلی بھی اتنی چھوٹی تھی کہ میں نے اسے اپنی کمر کے ساتھ باندھ رکھا تھا پچیس سال تک کھجوریں کھاتا رہا، تقسیم کرتا رہا۔ حتیٰ کہ دوسو وسق کھجوریں ہم نے خود کھائیں، پچاس وسق کھجوریں صدقہ وخیرات کیں۔ بعدازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر ہونے والی افراتفری کے دوران وہ تھیلی گم ہوگئی۔ وگرنہ نسلوں تک، صدیوں تک وہ کھجوریں ختم نہ ہوتیں۔

(مسند احمد بن حنبل، 2/352، رقم: 8613)، (دلائل النبوۃ للبیہقی، 6/110)

ایک وسق 240 کلوگرام کے برابر ہوتا ہے۔ میں نے حساب لگایا تو یہ کل وزن جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ساڑھے اکتیس ہزار کلو قریباً 787 من بنتا ہے۔ پچیس سال میں اکیس کھجوریں تھیلی میں جوں کی توں رہیں اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف وتخلیق الطعام کے باعث 787 من کھجوریں اس چھوٹی سی تھیلی سے نکلتی رہیں۔

تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے وہ تصرف عطا کیا کہ جس شے کو اشارہ کردیتے اور جو فرمادیتے وہی چیز ہوجاتی۔ دنیا وآخرت سب کچھ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف وقدرت میں ہے۔ لوگو! آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین مبارک سے ایسی نسبت قائم کرلو جیسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قائم کی تھی۔ نتیجتاً تمہاری تقدیریں بدل جائیں گی، ان شاء اللہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ بھی ملاحظہ کریں کہ ان کو پتہ بھی ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی تو ظاہراً کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں مگر اس کے باوجود پانی نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتے۔۔۔ کھانا نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتے۔۔۔ بارش نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتے۔۔۔ قحط ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر سوال کرتے۔۔۔ ان کو پتہ تھا کہ رب کائنات نے تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا مالک ومتصرف بنایا ہے اور انہیں امرِ تکوین عطا کر رکھا ہے۔ اتنا تصرف، اختیار اور قدرت دی ہے کہ جس شے کو اشارہ کردیں، جو چاہیں وہ شے وہی بن جائے۔

زمین پر تصرف

نہ صرف عالم نباتات، جمادات، حیوانات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے بلکہ ہر شے حتیٰ کہ پوری کرۂ ارضی پر بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف ہے۔ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص مسلمان ہوا اور آقا علیہ السلام کا کاتب بن گیا، اس کو لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ اس لئے وحی کی کتابت کرتا تھا۔ بعد میں بدبخت دنیاوی مفاد میں مرتد ہوگیا اور مشرکین سے جاملا اور آقا علیہ السلام کی گستاخی کرنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والی وحی میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگا۔ آقا علیہ السلام تک بات پہنچی آقا نے ایک جملہ فرمایا:

اِنَّ الْاَرْضَ لَمْ تَقْبَلْهُ. زمین اس کو قبول نہیں کرے گی۔

اس موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ بلند نہیں کئے کہ یا اللہ اسے زمین قبول نہ کرے بلکہ واضح

انداز میں فرمادیا کہ زمین اسے ہرگز قبول نہیں کرے گی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ شخص مرا، ہم اس کو دفن کرتے تھے، زمین اٹھا کر اس کی لاش کو باہر پھینک دیتی تھی۔ پھر لوگ دوبارہ دفن کرتے تھے مگر قبر اُسے اٹھا کر باہر پھینک دیتی تھی۔

دَفَنَّاہُ مِرَارًا فَلَمْ تَقْبَلْہُ الْاَرْضُ.

ہم نے کئی بار اس کو دفنایا مگر زمین نے اس کو قبول نہیں کیا۔ (احمد بن حنبل، المسند، 3/120، رقم: 12236)

اس لئے کہ جو شخص ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگائے تو زمین کیسے گوارا کرے کہ ایسے شخص کو اپنے دامن میں لے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے وفائی کی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مالک و متصرف اور مالک و مختار ہیں۔

بادل، بارش اور ہوا پر تصرف

کائنات ارض و سماوی کی ہر شے پر حضور بلند ہیں اور ہر شے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف و اختیار میں ہے چاہے وہ ارضی ہو یا سماوی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شانِ تخلیق و تکوین کے سبب سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک دفعہ طویل قحط ہوگیا، جانور مرنے لگے، کھیتیاں تباہ ہوگئیں۔ جمعہ کا دن آیا، میرے آقا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم مرگئے، ہماری کھیتیاں اجڑ گئیں، جانور مرگئے، کچھ نہیں بچا۔ آپ نے بارش کے لئے دعا فرمائی۔ ابھی منبر سے نیچے بھی تشریف نہیں لائے تھے کہ اسی وقت بادل آگئے اور بارش شروع ہوگئی۔ صحابہ کہتے ہیں کہ بارش اس قدر جلد اور تیز ہوئی کہ ہم نے دوران خطبہ ہی بارش کے قطرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے ٹپکتے ہوئے دیکھے۔ پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی۔ اگلا جمعہ آگیا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ پھر وہ اعرابی یا کوئی اور کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے گھر گرگئے، رستے بند ہوگئے، بارش تھمنے کو نہیں آرہی۔ آقا علیہ السلام نے اس کی بات سنی اور مسکرادیئے۔ پھر (اپنے سر اقدس کے اوپر بادل کی طرف انگلی مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے اسے حکم) فرمایا:

حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا. (البخاری فی الصحیح، کتاب المناقب، 3/1313، رقم: 877)

اے بادلو ہمارے اردگرد برسو، ہمارے اوپر نہ برسو۔

صحابی کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نے بادلوں کی طرف دیکھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹتے چلے گئے اور مدینہ شہر سے ہٹ گئے اور اردگرد برستے رہے۔

تَصَدَّعَ حَوْلَ الْمَدِيْنَةِ كَاَنَّہُ اِكْلِيْلٌ.

اسی وقت بادل مدینہ کے اوپر سے ہٹ کر چاروں طرف یوں چھٹ گئے گویا وہ تاج ہیں (یعنی تاج کی طرح دائرہ کی شکل میں پھیل گئے)۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فَمَا جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُشِيْرُ بِيَدِهِ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّمَاءِ اِلَّا تَفَرَّجَتْ حَتّٰى صَارَتِ الْمَدِيْنَةُ فِي مِثْلِ الْجَوْبَةِ. (البخاری فی الصحیح، کتاب الاستقاء، 1/349، رقم: 986)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک سے آسمان پر جس طرف اشارہ فرماتے، ادھر سے بادل چھٹ جاتے یہاں تک کہ مدینہ منورہ تھالی کی طرح (صاف) ہو گیا۔

حتیٰ کہ اردگرد مہینے تک بارش برستی رہی، جو ملحقہ علاقوں سے آتا وہ اس بات کی گواہی دیتا لیکن مدینے پر بادل لوٹ کر نہ آئے۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف زمین و آسمان، دنیا و جنت، جمادات و نباتات، بادلوں و بارشوں، کنکریوں اور خشک زمینوں پر بھی ہے۔ آقا علیہ السلام کا یہ تصرف واختیار اعلان نبوت سے پہلے بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے ہی ہر شے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست تصرف میں تھی۔ امام سیوطی الخصائص الکبریٰ میں بیان کرتے ہیں کہ

جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تین سال تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی حضرت شیما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر بکریوں کو چرانے لے گئیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ پریشان ہوئیں اور کہا بیٹی شیما! میرے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دور دھوپ میں کہاں لے گئی تھی، حضرت شیما نے کہا:

يَا اُمَّهْ مَا وَجَدَ اَخِي حَرًّا رَأَيْتُ غُمَامَةً تُظِلُّ عَلَيْهِ اِذَا وَقَفَ وَقَفَتْ وَاِذَا سَارَ سَارَتْ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى هٰذَا الْمَوْضِعِ قَالَتْ: أَحَقًّا يَابُنَيَّةَ قَالَتْ: أَيْ وَاللّٰهِ. (السیوطی فی الخصائص الکبریٰ، 1/58)

امی جان! میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگی: بادل ان پر مسلسل سایہ فگن رہا، جب یہ ٹھہرتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا اور جب یہ چلتے تو وہ بھی چل پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ ہم یہاں پہنچ گئے۔

آقا علیہ السلام کے تصرف میں یہ سب کچھ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے وقت سے ہی دے دیا تھا۔

مٹی اور کنکریوں پر تصرف

غزوہ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار صحابہ کرام پر مشتمل تھی۔ اس پر بعض صحابہ کے ذہن میں خیال آیا کہ آج ہماری تعداد بہت زیادہ ہے، آج دشمن ہمیں شکست نہیں دے سکتا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں ہوا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ لا وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ لا اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ.

بے شک اللہ نے بہت سے مقامات میں تمہاری مدد فرمائی اور (خصوصاً) حنین کے دن جب تمہاری (افرادی قوت کی) کثرت نے تمہیں نازاں بنا دیا پھر وہ (کثرت) تمہیں کچھ بھی نفع نہ دے سکی اور زمین باوجود اس کے کہ وہ فراخی رکھتی تھی، تم پر تنگ ہو گئی چنانچہ تم پیٹھ دکھاتے ہوئے پھر گئے۔ (التوبۃ: 25)

مسلمانوں کا دھیان اپنی کثرت کی طرف چلا گیا اور وہ اس پر نازاں ہو گئے۔ اس ایک لمحے کے لئے مسلمانوں کا دھیان بشری کمزوریوں کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی سے ہٹ گیا، نتیجتاً وقتی طور پر نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ صحابہ کی اکثریت مخالف سمت سے کثرت سے آنے والے تیروں کے سبب پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھی، پانسہ پلٹ گیا، قدم اکھڑ گئے۔ آقا علیہ السلام اس تمام صورت حال میں ایک وقت تک خاموش رہے تا کہ اپنی کثرت اور اپنی جنگی مہارت پر ناز کرنے والے اپنی مہارت اور کثرت کا انجام دیکھ لیں۔ اللہ پاک نے بھی انتظار کیا لیکن رب چاہتا نہیں تھا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور غلاموں کو شکست ہو۔ یہ ایک عارضی وقت، لمحہ اور دورانیہ تھا جس میں مسلمانوں کو شکست ہو چکی تھی اور کفار فتح یاب ہو گئے تھے۔

ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ مِنَ الْاَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهِ وُجُوْهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ.

(مسلم فی الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، 3/1402، رقم: 1777)

(اس وقت آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے) پھر زمین سے خاک کی ایک مٹھی اٹھا کر دشمن کے چہروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے قبیح ہو گئے۔

تیس ہزار کی تعداد میں کفار کا لشکر تھا۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر مٹی و کنکریاں ان کی طرف پھینکیں۔ وہ کنکریاں تیس ہزار کفار کی آنکھوں میں اور سروں پر ضرب لگانے لگیں۔ کفار ان کنکریوں سے بچنے کے لئے بھاگنے لگے۔ جن کنکریوں کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکا تھا، وہ زمین پر نہ گرتیں بلکہ جو کنکری جس کو لگی تھی وہ کنکری اس کے بھاگنے پر اس کے پیچھے بھی دوڑنے لگی اور اس کے گھر پہنچنے تک ہتھوڑوں کی طرح اس کے سر پر برستی رہی۔ کفار کہتے ہیں:

فَمَا خُيِّلَ اِلَيْنَا اِلَّا اَنَّ كُلَّ شَجَرَةٍ وَحَجَرٍ فَارِسٌ يَطْلُبُنَا قَالَ ثَقَفِيٌّ فَاَعْجَزْتُ عَلٰى فَرَسِيْ حَتّٰى دَخَلْتُ الطَّائِفَ. (البخاری، فی التاریخ الکبیر، 6/310، رقم: 2492)

ہمیں ایسے لگا کہ ہر پتھر کنکری اور ہر درخت (کا خشک ٹکڑا) ایک گھڑ سوار ہے جو ہمیں تلاش کر رہا ہے۔ ثقفی نے کہا: میں نے خوفزدہ ہو کر گھوڑے کو تیز دوڑایا حتیٰ کہ میں طائف پہنچ گیا (لیکن وہ کنکریاں ہمارے گھروں تک ہمارا تعاقب کرتی رہیں)۔

یعلی بن عطاء روایت کرتے ہیں کہ

لَمْ يَبْقَ مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا امْتَلَاَتْ عَيْنَاهُ وَفَمُهُ تُرَابًا وَسَمِعْنَا صَلْصَلَةً بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَاِمْرَارِ الْحَدِيْدِ عَلَى الطَّسْتِ الْحَدِيْدِ. (احمد بن حنبل فی المسند، 5/286، رقم: 22520)

ہم میں سے ایک بھی آدمی ایسا نہ بچا جس کی آنکھیں اور منہ مٹی سے نہ بھر گیا ہو۔ ہم نے زمین و آسمان کے درمیان ایسی گونج سنی جیسے لوہے کو لوہے کی پلیٹ پر رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔

سبحان اللہ! ان کنکریوں کو آنکھیں کس نے دیں کہ اس ایک ایک کنکری نے ایک ایک کافر کو پہچان لیا۔ اس کنکری کو یہ شعور کس نے دیا۔۔۔؟ اس کنکری کو یہ بصارت کس نے دی۔۔۔ اور مسلسل مارنے کی طاقت کس نے دی۔ اور ان کفار کو ان کے

گھروں تک پہنچانے کا احساس کس نے دیا۔۔۔؟ مسئلہ صرف یہ نہیں کہ ان کنکریوں کے مارنے سے شکست ہوگئی بلکہ بات بہت آگے کی ہے اور وہ یہ کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک لگنے اور آپ کی توجہ ہونے سے وہ کنکریاں زندہ ہوگئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے تو مردہ انسان زندہ ہوتے تھے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اگر پتھروں، کنکریوں کو مس کر گئے تو کنکریاں باشعور زندگی پا گئیں اور ان کو آنکھیں مل گئیں۔

اس واقعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت کو بھی پیغام دے دیا کہ کوئی شخص اپنی مہارت و تعداد پر بھروسہ نہ کرے، نہ مال و دولت پر بھروسہ کرے بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ سب کچھ آقا علیہ السلام کے در سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل و تصدق سے ہی ملتا ہے۔

شرک کی بحث میں مخالفین کی کجروی

بیانِ شرک کے مسئلہ میں ہمارے مخالفین کی کجروی قابلِ ملاحظہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام و اولیائے عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے عطائی علوم غیبیہ ماننے کو بھی شرک قرار دے دیا۔ اسی طرح نفع وضرر کے اختیارات عطائے الٰہی سے کسی مخلوق کے لئے تسلیم کرنے کو بھی شرک صریح لکھ دیا اور بزرگانِ دین سے غائبانہ طور پر مافوق الاسباب امور میں عطائے الٰہی کا اعتقاد رکھتے ہوئے مدد طلب کرنے کو بھی شرک خالص بنا دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو شخص انبیائے کرام علیہم السلام کے علم غیب عطائی کو علم الٰہی کے مساوی نہ مانتا ہو وہ بھی مخالفین کے نزدیک کافر و مشرک ہے۔

اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام زمین و آسمان کے غیب یا ہمارے اعمال و افعال کا علم ہر وقت تو نہیں رکھتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ طاقت دی ہوئی ہے کہ جس وقت جس چیز کو چاہیں جان لیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہوئی ہے کہ جب چاہیں آنکھیں کھول کر دیکھ لیں۔ جب چاہیں بند کر لیں تو مخالفین کے نزدیک یہ بھی کفر و شرک ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر مخالفین نے اپنی کتابوں میں صاف لکھ دیا کہ اگر انبیائے کرام و اولیائے عظام علیہم السلام کے لئے کوئی شخص عطائی علم و قدرت بھی نہ مانتا ہو بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف شفاعت کرنے والا یعنی سفارشی سمجھتا ہو وہ بھی قطعاً کافر و مشرک ہے۔

اس بیان کے تمام اجزاء مذکورہ بالا کی دلیلیں مخالفین نے اپنی کتابوں میں حسب ذیل تفصیل کے ساتھ تحریر کی ہیں۔

: چونکہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا مملوک اور متصرف بالعرض مانتے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی نبی و ولی کو متصرف بالعرض بتملیک اللہ ماننا بھی شرک ہے۔

چونکہ مشرکین عرب کا یہ اعتقاد تھا کہ ہمارے معبود علم و قدرت میں اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں لہٰذا ان کا یہ اعتقاد اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص انبیاء و اولیاء کو علم و قدرت میں اللہ تعالیٰ کے مساوی نہ مانے تب بھی کافر و مشرک ہے۔ (جواہر القرآن)

مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو محض سفارشی سمجھ کر پکارتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول مذکور ہے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اسی طرح دوسری آیت میں ہے۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ معلوم ہوا کہ کسی نبی و ولی کو عطائی علم و قدرت سے متصف مانے بغیر

بھی انسان صرف اس وجہ سے مشرک ہو جاتا ہے کہ اس نے ان کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنا سفارشی قرار دیا۔

(جواہر القرآن)

چونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب کا یہی خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ و مریم و عزیر و ابراہیم و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نفع نقصان کے اختیارات دے دیئے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین کے لئے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات ماننا شرک ہے۔

اس پر مزید ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ بزرگانِ دین کے لئے بعطائے الٰہی علم و تصرف ماننے پر کفر و شرک کا فتویٰ لگانے والوں سے جب سوال کیا گیا کہ اگر بزرگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے دینے سے بھی علم و تصرف کا اعتقاد رکھنا کفر و شرک ہے تو معتبر کتابوں میں بالاستقلال وغیرہ الفاظ کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟

اس کے جواب میں مخالفین نے لکھا ہے کہ جن کتابوں میں بالاستقلال یا بالذات وغیرہ کی قیدیں آئی ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے پیروں فقیروں کو طاقت دے دی ہے کہ جس وقت جو چیز چاہیں جان لیں یا جس کو چاہیں نفع و نقصان پہنچا دیں۔

دعویٰ سے پہلے تفصیلِ دلائل کی نوعیت قابلِ غور ہے کہ بحث کے ہر جزو کے ثبوت کا دار و مدار مشرکین کے عقائد و اعمال کو قرار دیا ہے گویا مخالفین کے نزدیک ردِ شرک کی دلیل مشرکین کا قول و فعل ہے۔ سبحان اللہ! کیا عجیب استدلال ہے کہ چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا مملوک کہتے اور انہیں متصرف بالعرض مانتے تھے اس لئے غیر اللہ کو متصرف بالعرض سمجھنا شرک ہے اور چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کو سفارشی سمجھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی کو سفارشی سمجھنا شرک ہے۔

ان عقل کے دشمنوں سے کوئی اتنا نہیں پوچھتا کہ ارے بے وقوفو! مشرکین کا قول و فعل بھی حجت شرعیہ ہو سکتا ہے؟ پھر یہ کہ توحید جو اصل دین ہے اس کے اثبات کے لئے نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول تمہیں ملا نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، ایسے عظیم الشان دعویٰ پر دلیل لائے تو کہاں سے؟ مشرکین کے عقائد و اعمال سے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ! تمہیں شرم نہیں آتی کہ ہم بزرگان دین کا کوئی کلام یا عمل و اعتقاد اپنے مسلک کی تائید میں پیش کرتے ہیں تو تم یہ کہہ کر رد کر دیتے ہو کہ بزرگوں کے اقوال و اعمال دلیل شرعی نہیں ہو سکتے۔ حجت شرعیہ صرف قرآن و حدیث ہے لیکن اپنی خود ساختہ توحید کے ثبوت میں مشرکین کے اقوال و افعال سے استدلال کر رہے ہیں۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

مخالفین نے اپنی کجروی میں انتہا کر دی کہ بزرگانِ دین کے اقوال کو جو باب فضائل میں فی الجملہ قابلِ استدلال ہیں، رد کر دیا اور مشرکین کے عقائد و اعمال کو حجت شرعیہ قرار دے دیا۔

ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

اس بحث میں بعض معاندین کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے مشرک قرار پائے لیکن عبادت کے معنی بھی تو یہی ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنا سفارشی سمجھے یا نفع و نقصان پہنچانے کے

اختیارات اس کے لئے مانے۔ اگر چہ وہ اس کو متصرف فی الامور بالعرض بتملیك الله اعتقاد کرے اور اس کے علم وقدرت کو اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کے مساوی نہ مانے لیکن جب وہ مافوق الاسباب نفع ونقصان کا مختار جانتے ہوئے غائبانہ طور پر پکارتا ہے او راس سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے تو اس کا یہی فعل غیر اللہ کی عبادت ہے اور اس سے مستقل وبالذات سمجھنے کا مفہوم بھی یہی ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ عبادت اور استقلال ذاتی کے یہ معنی قرآن وحدیث میں قطعاً وارد نہیں ہوئے نہ سلف صالحین سے منقول ہیں بلکہ مخالفین نے امت مسلمہ کو کافر ومشرک بنانے کے لئے قرآن وحدیث کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے دل سے گھڑ لئے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حدیث میں اکثر وبیشتر ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن کے معنی اس قدر روشن اور ظاہر ہیں کہ ہر شخص انہیں جانتا اور سمجھتا ہے ان کے بیان کی کسی کے لئے حاجت نہیں اسی واسطے ان کی تفصیل قرآن وحدیث میں وارد نہیں ہوئی۔ مثلاً حمد، شکر، تعظیم، وغیرہا بکثرت الفاظ وارد ہیں مگر ان کے معانی کی تفصیل کتاب وسنت میں کہیں مذکور نہیں۔ اسی طرح عبادت بھی ایک ایسا لفظ ہے، جس کے معنی نہایت واضح اور روشن ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عبادت کے معنی بندگی ہیں۔ یعنی کسی کو حقیقی بے نیاز مان کر اس کے غیر کو اس کا حقیقی نیاز مند سمجھنا۔ اس لئے علمائے مفسرین نے عبادت کے معنی غایۃ الخضوع والخشوع کئے ہیں جن کو ہمارے مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔

مشرکین عرب اپنے بتوں کو قطعاً اور مطلقاً بے نیاز تصور کر کے اپنے آپ کو ہر طرح کلیتاً ان کا نیاز مند سمجھتے تھے اور ظاہر ہے کہ تذلّل وخضوع کی غایت یہی ہے۔ مختصر یہ کہ عبادت کے معنی صرف بندگی، غایت خشوع وخضوع ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارے مخالفین نے عبادت کی تفسیر استعانت سے کر دی حالانکہ یہ دونوں الگ الگ معنی کے لئے موضوع ہیں اور ہر ایک کا مفہوم دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہے جیسا کہ آیہ کریمہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ سے واضح ہے اور بعض مفسرین نے استعانت سے خاص استعانت علی العبادت مراد لے کر اس بات کو خوب واضح کر دیا کہ استعانت وعبادت باہم متغائر ہیں البتہ اگر کسی استعانت میں غایت اور بندگی، خشوع وخضوع کا وصف بھی پایا جائے گا تو ہم اسے بھی محض اس لئے عبادت قرار دیں گے کہ اس میں غایت تذلل کی صفت پائی جاتی ہے۔

جن آیاتِ قرآنیہ سے مخالفین کو دھوکا لگا ہے ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ کسی کے لئے نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار ماننا یا حاجات میں امداد طلب کرنا عبادت ہے بلکہ ان آیات میں اس امر کو بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین اپنے بتوں سے علی وجہ العبادت استعانت کے قائل تھے یا انہیں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ عقل سلیم کے مطابق معبود وہی ہوسکتا ہے جو فی الواقع ہر قسم کی امداد کرنے والا اور تمام حاجات برلانے والا ہو نیز مستقل بالذات، مختار ہونا اس کی صفت ہو۔

اس مقام پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہم بھی ہر استعانت کو عبادت نہیں کہتے بلکہ اسی استعانت کو عبادت قرار دیتے ہیں جس میں غایت تذلل پایا جائے مگر ایسی استعانت ہمارے نزدیک وہی ہے جو مافوق الاسباب امور میں غائبانہ نداء کے ساتھ کی جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غایتِ تذلل اور عبادت کا تعلق نہ مافوق الاسباب امور سے ہے نہ غائبانہ ندا سے، اس کا تعلق تو محض

اعتقاد سے ہے یعنی انسان اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلت اور پستی کے اس آخری درجہ میں سمجھے جس کے بعد عاجزی اور ذلت کا کوئی درجہ نہ ہوتو وہ انسان اس کا عابد قرار پائے گا جس کے سامنے اس نے اپنے آپ کو ذلت و عاجزی کے آخری درجہ میں سمجھا ہے۔

اس قسم کی عاجزی کرنے والا عابد ہے اور جس کے لئے یہ عاجزی کی گئی ہے وہ معبود ہے اور ایسی عاجزی عبادت ہے۔ اس مفہومِ عبادت کے مافوق الاسباب امور یا غائبانہ نداو غیرہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، فافہم وتدبر۔

سلسلہ کلام میں ایک آخری شبہ کا جواب دے کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ابن قیم نے مدارج السالکین میں عبادت کے حسب ذیل معنی لکھے ہیں۔

العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بان للمعبود سلطة غيبية (اى فى العلم والتصرف) فوق الاسباب يقدربها على النفع والضرر فكل دعاء وثناء وتعظيم ينشاء من هذا الاعتقاد فهى عبادة (جواہر القرآن)

یعنی اس اعتقاد اور شعور کا نام عبادت ہے کہ (علم تصرف) معبود کے لئے فوق الاسباب ایسی غیبی قوت حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع اور ضرر پر قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ دعا اور ثناء اور تعظیم جو اس اعتقاد سے پیدا ہو وہ عبادت ہے۔

یہ عبارت اس مفہوم میں صریح ہے کہ فوق الاسباب امور میں کسی کو غائبانہ طور پر پکارنا اور حاجات طلب کرنا عبادت ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اول تو ابن قیم کی عبارت ہم پر حجت نہیں۔ دوسرے یہ کہ عبادت کی یہ تعریف غلط ہے۔ اس لئے کہ للمعبود سلطۃ غیبیۃ میں لفظ معبود تعریف عبادت کا جزو ہے جو عبادت سے ماخوذ ہے۔ جب تک عبادت کے معنیٰ معلوم نہ ہوں، معبود کے معنی معلوم نہیں ہو سکتے، ایسی صورت میں دور لازم آتا ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ تعریف اپنے تمام افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ جو شخص کسی کو غایتِ تعظیم کا مستحق جان کر اس کے لئے انتہائی تذلل اختیار کرتا ہے مگر وہ اس کے حق میں قدرت غیبیہ کا قائل نہیں تو اس کا یہ فعل بالاتفاق عبادت ہے مگر ابن قیم کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

چوتھے یہ کہ مخالفین نے غائبانہ طور پر کسی کو پکارنے اور مافوق الاسباب امور میں حاجات طلب کرنے کا نام عبادت رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ طلب و ندا دونوں فعل محض ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اعتقاد نہیں حالانکہ ابن قیم نے صرف اعتقاد کو عبادت قرار دیا ہے اور مسلمہ طور پر لکھا ہے کہ کسی کے حق میں قدرت غیبیہ کے اعتقاد اور شعور کو عبادت کہتے ہیں۔ اعتقادِ مذکور کے بغیر کسی قول و فعل کو ابن قیم نے عبادت نہیں کہا اور اگر مخالفین کے قول میں طلب و نداء کے ساتھ اعتقاد کی قید کا لحاظ بھی کر لیا جائے تب بھی ابن قیم کے بیان کے ساتھ مطابقت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ مخالفین نے صرف غائبانہ نداء اور طلب حاجات کو عبادت قرار دیا اور ابن قیم کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ قول و فعل جو اعتقاد مذکور سے پیدا ہو وہ عبادت ہے خواہ وہ دعا یا تعظیم ہو یا ثناء۔

اس بحث سے تنگ آ کر مخالفین یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اچھا ہم نے مان لیا کہ مافوق الاسباب امور میں حاجات طلب کرنا اور

کسی کو غائبانہ پکارنا عبادت نہیں مگر شرک تو ضرور ہے۔لہٰذا یہ فعل شرک فی العلم والتصرف قرار پائے گا۔اس کے جواب میں مخالفین سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہاں کس چیز کو شرک سمجھتے ہیں۔

مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ کے لئے علم وقدرت کا اثبات شرک ہے۔

یا محض غائبانہ ندا کو آپ شرک کہتے ہیں۔

یا ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ شرک قرار دیتے ہیں۔

یا دونوں کے مجموعے کو شرک مانتے ہیں۔

دوسری اور تیسری صورت میں چونکہ محض ندائے غائبانہ کو شرک قرار دیا گیا ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ غائبانہ نداء کرنے والے تمام لوگ کافرومشرک ہو جائیں گے حالانکہ یہ بات ہمارے مخالفین کے نزدیک بھی بالکل غلط ہے۔چنانچہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ ندائے غائبانہ ہونے کے باوجود نہ صرف جائز بلکہ بالاتفاق واجب ہے۔اگر اسے شرک قرار دیا جائے تو معاذ اللہ عہد رسالت لے کر قیامت تک تمام نمازی مشرک قرار پائیں گے اور چوتھی صورت میں علم وقدرت کے اعتقاد اور ندائے غائبانہ دونوں کے مجموعے کو شرک مانا گیا ہے۔اس لئے اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ ان دونوں کا صرف مجموعہ شرک ہے۔اگر ان دونوں اجزاء یعنی غیر اللہ کے حق میں علم وقدرت وتصرف کے اعتقاد اور غیر خدا کے لئے ندائے غائبانہ کو ایک دوسرے سے الگ کر لیا جائے تو ان دونوں میں سے کوئی بھی شریک نہ رہے حالانکہ یہ صریح البطلان ہے ورنہ مخالفین کے نزدیک وہ تمام لوگ اصحابِ توحید قرار پائیں گے جو غیر اللہ کو غائبانہ طور پر کبھی نہیں پکارتے مگر اس کے لئے علم وقدرت اور تصرف فی الامور کے قائل ہیں۔

اب رہی پہلی صورت اور وہ یہ کہ غیر اللہ کے لئے مافوق الاسباب امور میں علم وقدرت اور تصرف کے اثبات کو آپ شرک کہتے ہیں یا غیر مستقل ذاتی غیر مقید بالاذن علم وقدرت اور تصرف کا اثبات کرنا بھی آپ کے نزدیک کفر وشرک ہے۔برتقدیر اول ہمیں آپ سے اختلاف نہیں لیکن آج تک کسی مسلمان نے کسی غیر اللہ کے لئے مستقل اور ذاتی علم وقدرت اور غیر مقید بالاذن تصرف ثابت نہیں کیا۔پھر آپ خواہ مخواہ مسلمانوں پر کفر وشرک کا الزام کیوں لگاتے ہیں اور دوسری تقدیر پر ہم عرض کریں گے کہ غیر مستقل عطائی مقید بالاذن علم وقدرت اور تصرف کا اثبات غیر اللہ کے لئے اسی وقت شرک ہوسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اسی قسم کا غیر مستقل، عطائی اور مقید بالاذن علم وقدرت اور تصرف ثابت کیا جائے کیونکہ صفات الٰہیہ کا غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا ہی شرک ہے۔اگر غیر مستقل علم وقدرت اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں تو شرک کیسے ہوگا؟ اور اگر اللہ تعالیٰ کے لئے بھی عطائی اور غیر مستقل صفت مانی جائے تو ایسا عقیدہ خود کفر وشرک ہے۔

ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اس کے بعد اس حقیقت کا انکشاف بھی ضروری ہے کہ معترض کے جواب میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کی اصل معترض کے مسلم بزرگوں اور اکابر کی کتابوں میں مذکور ہے چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی آخری تصنیف بوادر النوادر حصہ سوم میں لکھا ہے کہ مشرکین عرب اپنے الٰہہ کے لئے قدرتِ مستقلہ کے قائل تھے۔

حاصل اس اعتقادِ تاثیر وعدم اعتقادِ تاثیر کے معیار فرق کا یہ ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اس کا مقرب ہے کچھ قدرت مستقلہ نفع وضرر کی اس طرح سے عطا فرما دی ہے کہ اس کا اپنے معتقد ومخالف کو نفع وضرر پہنچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں۔ گو اگر روکنا چاہے تو پھر قدرت حق ہی غالب ہے جیسے سلاطین اپنے نائبین وحکام کو خاص اختیارات اس طرح دے دیتے ہیں کہ ان کا اجراء اس وقت سلطانِ اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں آتا، گو روکنا چاہے سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا سو یہ عقیدہ تو اعتقادِ تاثیر ہے اور مشرکین عرب کا اپنے الہہ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا۔

اس کے بعد تھانوی صاحب نے تقریر شرک کے دو مقدمے مقرر کر کے انہیں عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے وہ دو مقدمے حسب ذیل ہیں فرماتے ہیں۔

ایک یہ کہ مشرکین اس تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے۔ دوسرے یہ کہ تصرف مقید بالاذن کا قائل ہونا شرک اکبر نہیں۔

شرک کی تفصیل میں جتنی عبارات پائی جاتی ہیں ان میں ایک مفہوم کو متعدد اور مختلف عنوانات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً کہیں شرک کے معنی اعتقادِ تاثیر کئے گئے ہیں اور کسی جگہ قدرت مستقلہ کے عقیدے کو شرک کہا گیا ہے۔ بعض مقامات پر شرک کی تفصیل کے تحت تصرف غیر مقید بالاذن بولا گیا ہے۔ ان مختلف عنوانوں کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی عنوان بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے مبہم نہیں رہا لیکن بعض جہلا نے مفہوم استقلال کے بیان میں اختلالِ حواس کا ثبوت دیتے ہوئے ایسا گول مول کلام کیا ہے جس کا کوئی واضح مفہوم متعین نہیں ہوتا البتہ بطورِ احتمال اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ مستقل ہونے کا مفہوم معترض کے نزدیک صاحب اختیار ہونا ہے۔ جس کا قول علماء امت میں سے آج تک کسی نے نہیں کیا بلکہ بلغۃ الحیر ان کی عبارت کے پیشِ نظر معترض خود مشرک قرار پاتا ہے۔ اس لئے کہ بلغۃ الحیر ان ص میں صاف مذکور ہے کہ انسان خود مختار ہے۔ جب مختار ہونا استقلال کا مفہوم ٹھہرا تو ثابت ہو گیا کہ صاحب بلغہ بندے کو مستقل فی الاعمال مانتا ہے اور اس کا شرک ہونا معترض کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ اس لئے صاحب بلغۃ الحیر ان کا مشرک ہونا لازمی امر ہے۔

اب مولوی اشرف علی تھانوی کی تصریحات اسی مسئلے میں ملاحظہ فرمایئے۔ تھانوی صاحب نے کہیں قدرتِ مستقلہ کا لفظ بولا جیسا کہ ان کی عبارتِ منقولہ میں آپ ابھی پڑھ چکے ہیں اور کسی جگہ تصرف غیر مقید بالاذن تحریر فرمایا۔ اس اختلافِ تعبیر سے ہر عنوان کے معنی واضح ہو گئے یعنی اعتقادِ تاثیر اور قدرتِ مستقلہ کا عقیدہ، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تصرف غیر مقید بالاذن کا اعتقاد پایا جائے۔ معلوم ہوا کہ استقلال کے جو معنی معترض کے کلام سے مفہوم ہوتے ہیں وہ قطعاً باطل ہیں بلکہ اس کا صحیح مفہوم غیر مقید بالاذن ہونا ہے اور بس۔

لیجئے بوادر النوادر سے تھانوی صاحب کی اور عبارت بھی ہمارے بیان کی تائید اور معترض کے ردِ بلیغ میں ملاحظہ فرما لیجئے۔

تھانوی صاحب بوادر النوادر حصہ دوم میں لکھتے ہیں

اور جاہلانِ عرب کا مشرک ہونا نص سے ثابت ہے پس لا محالہ وہ تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے۔

آمدم برسر مطلب: حاضر وناظر کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت نبی کریم ﷺ کی جلوہ گاہ ہے۔

دلیل

قال اللہ تعالیٰ: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محمد ﷺ) مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے

مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھنے کے بعد آیہ کریمہ کی روشنی میں ہمارے دعویٰ کا ثبوت واضح ہو جاتا ہے۔

رحمۃ للعالمین ہونا حضور نبی کریم ﷺ کا وصف خاص ہے۔

آیہ کریمہ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ وغیرہا کے کلمہ العالمین کا عموم دلیل خصوص پائے جانے کی وجہ سے بالاجماع باقی نہیں رہا مگر آیتِ زیرِ بحث میں جو لفظ العٰلمین ہے اس کا مخصص نہیں پایا گیا۔ اس لئے وہ اپنے عموم پر ہے ومن ادعی الخصوص فعلیہ البیان لہٰذا ہر فردِ عالم کا حضور ﷺ کے دامنِ رحمت میں ہونا ثابت ہے۔

حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے معنی تفسیر روح المعانی پ ص پر اسی آیت کریمہ کے تحت مرقوم ہیں۔ ہم نے آپ کو (اے محمد ﷺ) رحمت یا ذا رحمت یا راحماً للعالمین ہونے کے حال کے سوا اور کسی حال میں نہیں بھیجا۔ اور اگر لفظ رحمۃ کو مفعول لہ کہا جائے تب بھی حضور ﷺ سببِ رحمت قرار پائیں گے۔ بہرنوع نبی اکرم ﷺ کی رحمت کا ہر فردِ عالم کے لئے عام ہونا ظاہر ہے۔ جن حضرات نے العالمین کی تفسیر الناس یا ثقلین یا ذوی العلم سے کی ہے۔ ان کے کلام سے العٰلمین کی تخصیص پر استدلال صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اشرف العالمین چونکہ یہی انواع ثلاثہ ہیں اس لئے ان کے حق میں حضور کا رحمت ہونا بقیہ عالمین کے حق میں حضور کے رحمت ہونے کو مستلزم ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تینوں اپنے ماسوا کے متبوع اور ان سب کا مجموعہ اور خلاصہ ہیں۔ لہٰذا سب کے حق میں حضور کا رحمت ہونا ثابت ہوا۔

یہ امر بھی روشن ہے کہ جب تک رسول کریم ﷺ اصل کائنات اور تمام عالم پر فیضِ خداوندی کا واسطہ نہ ہوں اس وقت تک حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ بنا بریں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم کی اصل قرار پائے تو تمام عالم کے جمیع افراد حضور کی فرع ہوئے۔ پس جس طرح درخت کی ہر شاخ ہر پتے بلکہ اس کے ہر جزو میں اصل ہی کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح تمام جہانوں یعنی ماسوی اللہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی نورانیت اور روحانیت مقدسہ جلوہ گر ہوگی اور عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت اور نورانیت نبی کریم ﷺ کی جلوہ گاہ قرار پائے گا۔ آیہ کریمہ کی تفسیر میں جلیل القدر مفسرین کرام نے اسی مضمون کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر روح المعانی پر مرقوم ہے۔

تمام جہانوں کے لئے حضور ﷺ کا رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ نبی کریم ﷺ کل ممکنات پر ان کی قابلیت و استعداد کے موافق فیض الٰہی کا واسطہ عظمیٰ ہیں اس لئے حضور ﷺ کا نور اول مخلوقات ہے (کیونکہ اصل کا وجود فرع سے پہلے ہوتا ہے) حدیث شریف میں وارد ہے اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے پہلے پیدا فرمایا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں اور حضرات صوفیاء کرام قدست اسرارہم کا کلام اس بیان میں ہمارے کلام سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔

تفسیر عرائس البیان جلد دوم مطبوعہ نول کشور لکھنو میں پر ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے محمد ﷺ) مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے اے صاحبِ فہم وخرد! اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کریمہ میں ہمیں بتایا کہ خالقِ کائنات نے اپنی کل مخلوقات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ حضرت محمد ﷺ کا نور مبارک ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک جزو سے ازعرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا۔ لہٰذا عدم سے مشاہدہ قدم کی طرف ان (محمد عربی ﷺ) کا بھیجنا جمیع مخلوقات کے لئے رحمت ہے۔ کیونکہ (مصدر خلائق وہی ہیں) سب کا صدور وظہور انہی کے نور سے ہے۔ لہٰذا ان کا ہونا مخلوق کا ہونا ہے اور ان کا موجود ہونا وجودِ خلق کا موجب ہے اور ان کا وجود مبارک جمیع خلائق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہے۔ اس لئے کہ سب کے وجود کا سبب وہی ہیں۔ لہٰذا وہ ایسی رحمت ہیں جو سب کے لئے کافی ہیں اور اسی آیت میں (اللہ تعالیٰ نے) ہمیں (یہ بھی) سمجھا دیا ہے کہ قضاءِ قدرت میں تمام مخلوقات صورتِ مخلوقہ کی طرح بے جان اور بغیر روح حقیقی کے پڑی ہوئی حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی۔ جب حضور ﷺ عالم میں تشریف لائے تو تمام عالم وجودِ محمدی سے زندہ ہوگیا۔ اس لئے کہ تمام مخلوقات کی روح حضور ﷺ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے۔

یہی مضمون تفسیر روح البیان میں مرقوم ہے۔ آیت کریمہ کی جو تفسیر ہم نے جلیل القدر علمای مفسرین سے نقل کی ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ تمام افرادِ ممکنات کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کا رابطہ اور تعلق ہے۔ جس کے بغیر وصولِ فیض ممکن نہیں اور جب سب کا ربط حضور سے ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی سے دور نہیں نہ کسی فردِ ممکن سے بے خبر ہیں۔ جب وہ رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے روحِ دو عالم ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عالم کا کوئی فرد یا جزو اس روح مقدسہ سے خالی ہو جائے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضور نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہو کر روحِ کائنات ہیں اور عالم کے ہر ذرہ میں روحانیتِ محمدیہ کے جلوے چمک رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی یہ جلوہ گری علم وادراک اور نظر وبصر سے معرّیٰ ہو کر نہیں ہو سکتی کیونکہ روحانیت و نورانیت ہی اصل ادراک اور حقیقتِ نظر وبصر ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات وممکنات کے حقائق لطیفہ پر حضور نبی کریم ﷺ حاضر وناظر ہیں۔

اس مضمون کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ امر خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ علماء عارفین اور اولیاء کاملین نے جو حقیقت محمدیہ کو تمام ذراتِ کائنات میں جاری وساری بتایا ہے جیسا کہ وہ تمام عبارات عنقریب ہدیہ ناظرین کی جائیں گی اس کی اصل یہی آیہ مبارکہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ کہنے کا حکم بھی اس امر پر مبنی ہے کہ جب حقیقتِ محمدیہ تمام ذراتِ کائنات میں موجود ہے تو ہر عبد مصلی کے باطن میں بھی اس کا پایا جانا ضروری ہے اور چونکہ حضور ﷺ باوجود تمام کائنات میں جلوہ گر ہونے کے اللہ تعالیٰ کے دربار سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے۔ اس لئے نمازی کو حکم دیا گیا کہ جب تو دربار الٰہی میں حاضر ہو تو خطاب ونداء کے ساتھ انہیں مخاطب کر کے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ کے الفاظ سے ان کی خدمت میں تحفہ سلام پیش کر،

چنانچہ قطب ربانی غوث صمدانی سیدی امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف کتاب المیزان مطبوعہ مصر پر تشہد کے بیان میں ارقام فرماتے ہیں۔

میں نے سیدی علی خواص سے سنا وہ فرماتے تھے کہ شارع (حقیقی) نے (قعدہ) تشہد میں نمازی کو رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم صرف اس لئے دیا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بیٹھنے والے غافلوں کو اس بات پر تنبیہ فرمادے کہ جہاں وہ بیٹھے ہیں اس بارگاہ میں ان کے نبی ﷺ بھی تشریف فرما ہیں۔ اس لئے کہ وہ دربارِ خداوندی سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ پس نمازی نبی کریم ﷺ کو بالمشافہ (روبرو) سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔

اس عبارت میں **شھود نبیھم فی تلک الحضرۃ** (نبی کریم ﷺ کا بارگاہِ ایزدی میں حاضر وجلوہ گر ہونا۔) اور **فانہ لا یفارق حضرۃ اللہ ابدا** نبی کریم ﷺ بارگاہِ الٰہی سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے اور **فیخا طبونہ بالسلام مشافھۃ** (نمازی بالمشافہ یعنی حضور کے روبرو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔) خاص طور پر قابلِ غور جملے ہیں۔ یہ تینوں جملے اس مقام پر مخالفین کے تمام شکوک وشبہات کا قلع قمع کر رہے ہیں۔ ایسے چمکتے ہوئے دلائل کے سامنے کسی کور باطن کا یہ کہنا کہ **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ** معاذ اللہ بعید غائب کو خطاب ہے۔ حضور کی محض خیالی صورت ہوتی ہے۔ خود حضور بارگاہِ ایزدی میں حاضر نہیں ہوتے کیسی دیدہ دلیری اور ہٹ دھرمی ہے؟ بھلا کوئی منصف مزاج ایسے روشن کلمات کے ہوتے ہوئے اس تنگ نظری اور تاریک خیالی کو قبول کرسکتا ہے۔

اسی مضمون کو تشہد کے بیان میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حسب ذیل ایمان افروز عبارت میں ارقام فرمایا ہے۔

اہل عرفان کے طریقہ پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکیت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں حی لا یموت کی بارگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی ان کی آنکھیں فرحت مناجات سے ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ بارگاہ خداوندی میں جو انہیں یہ شرف باریابی حاصل ہوا ہے یہ سب نبی رحمت کی برکتِ متابعت کا طفیل ہے۔

نمازیوں نے اس حقیقت سے باخبر ہوکر بارگاہِ خداوندی میں جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حبیب کے حرم میں حبیب حاضر ہے یعنی دربارِ خداوندی میں نبی کریم ﷺ جلوہ گر ہیں۔ حضور کو دیکھتے ہی **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہ** کہتے ہوئے حضور کی طرف متوجہ ہوئے۔ (فتح الباری)

یہی عبارت عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری اور مواہب اللدنیہ جلد ثانی، زرقانی شرح مواہب، زرقانی شرح موطا امام مالک، سعایہ جلد ثانی، فتح الملہم، اوجز المسالک پر بھی بعینہا مرقوم ہے۔ ہم نے تکرار اور اعادہ سے بچنے کے لئے صرف کتابوں کے نام مع صفحات تحریر کرنے پر اکتفا کرلیا ہے۔ **ومن شاء الاطلاع فلیر جع الیھا** ۔

مقام غور ہے کہ ان تمام کتابوں کے مصنفین اور محدثین کرام یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری، امام قسطلانی صاحب مواہب اللدنیہ امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری امام زرقانی صاحب شرح مواہب وشرح موطا، مولانا عبدالحی لکھنوی صاحب سعایہ رحمہم اللہ تعالیٰ حتیٰ کہ سرگروہ منکرین ومعاندین صاحب فتح الملہم واوجز المسالک، سب بیک زبان کہہ رہے ہیں کہ **فَاِذَا الْحَبِیْبُ فِیْ حَرَمِ الْحَبِیْبِ حَاضِرٌ** یعنی نمازی جب دربارِ الٰہی میں نظر اٹھاتا ہے تو حبیب کو حرم حبیب میں حاضر پاتا ہے، فوراً

عرض کرتا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔

یہ الگ بات ہے کہ جن لوگوں کے دِلوں میں مرض تھا انہوں نے حاضر کے معنی غائب اور اثبات کے معنی نفی سمجھ لئے۔ یہ ان کی اپنی شومیٔ قسمت اور کور باطنی ہے کہ انہیں کسی نماز میں حرم حبیب کی حاضری نصیب نہ ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور قلم سے بھی فَاِذَا الْحَبِيْبُ فِيْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ حَاضِرٌ صادر کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید اور اپنے حبیب کی تعریف وتوصیف منکرین و معاندین سے بھی کرا لیتا ہے اور جن کے قلوب انکار وعناد کی بیماری سے پاک تھے انہوں نے پوری وضاحت کے ساتھ حق کی تائید فرمائی جس کے ثبوت میں ہم مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی پوری عبارت سعایہ سے نقل کر کے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

اہل معرفت کے طریق پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ نمازیوں نے جب التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مل گئی۔ فرحتِ مناجات سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں خبردار کیا گیا کہ یہ سب کچھ بواسطہ نبی رحمت اور انہی کی برکتِ متابعت سے ہے۔ انہوں نے خبردار ہوتے ہی نظر اٹھائی تو مالک حبیب کی بارگاہ میں حبیب کو حاضر پایا فوراً اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ میرے والد علّام اور استاذ قمقام نے (اللہ تعالیٰ انہیں دارالسلام میں داخل فرمائے) اپنے رسالہ نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن میں فرمایا: خطابِ تشہد یعنی التحیات میں (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ) کہنے کا راز یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ ہر وجود میں جاری وساری اور ہر بندہ کے باطن میں حاضر وموجود ہے۔ اس حالت کا پورا انکشاف بحالتِ نماز ہوتا ہے لہٰذا محلِ خطاب حاصل ہو گیا اور بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ بندہ جب ثنائی الٰہی سے مشرف ہوا تو اسے حرمِ الٰہی کے حریم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی اور اس کی بصیرت کو خوب روشن کر دیا گیا حتیٰ کہ اس نے حرم حبیب میں حبیب کو حاضر پایا، فوراً ان کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبی ﷺ! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ (سعایہ مصنفہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی)

حقیقتِ محمدیہ کا موجوداتِ عالم میں جاری وساری ہونا اور ذواتِ مصلین میں اس کی جلوہ گری اور اسی بناء پر التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہنے کا حکم دیا جانا ایسا روشن مسئلہ ہے جس کی تصریح نہ صرف مولانا عبدالحی لکھنوی اور ان کے والد ماجد و دیگر ائمہ دین نے فرمائی بلکہ بکثرت علماء محدثین وعلماء محققین نے اس نفیس مضمون کو اپنی تصانیف میں ارقام فرما کر اہلسنّت پر احسانِ عظیم فرمایا چنانچہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔

اور حضور ﷺ ہمیشہ مومنوں کا نصب العین اور عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ تمام احوال واوقات میں خصوصاً حالتِ عبادت میں اور اس کے آخر میں کہ نورانیت اور انکشاف کا وجود اس مقام میں بہت زیادہ اور نہایت قوی ہوتا ہے۔

اور بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ تمام موجودات کے ذرات اور افراد ممکنات میں جاری وساری ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں لہٰذا نمازی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور حضور ﷺ کے اس حاضر ہونے سے غافل نہ ہو، تاکہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے روشن اور فیضیاب

ہو۔ (اشعۃ اللمعات)

بعینہٖ یہی عبارت تیسیر القاری شرح صحیح بخاری جلد اول باب التشہد فی الآ خرۃ ص مطبوعہ مطبع علوی لکھنوص ،ص میں موجود ہے اور مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ص پر نواب صدیق حسن خان بھوپالی اشعۃ اللمعات کی یہی عبارت منقولہ بالاتحریر فرما کر ایک شعر بھی لکھتے ہیں۔

در راہِ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست　　می بینمت عیاں ودعامی فرستمت

اس کے بعد ہم علامہ محقق دوانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مستند کتاب اخلاقِ جلالی سے اس مضمون کی تائید مزید نقل کرتے ہیں جسے پڑھ کر انشاء اللہ العزیز اہل ایمان کے قلوب جلوہ ہائے انوارِ محمدی سے چمک جائیں گے۔

محقق دوانی فرماتے ہیں:

اس مقام پر تحقیق کلام یہ ہے کہ تمام اصحابِ نظر و برہان اور ارباب شہود و عیاں اس بات پر متفق ہیں کہ بوسیلہ قدرت وارادہ خدائے قدوس، امر کن فیکون سے سب سے پہلے جو گوہر مقدس دریائے غیب مکنون سے ساحل شہود پر آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا جسے حکماء کے عرف میں عقل اول کہتے ہیں اور بعض احادیث میں قلمِ اعلیٰ سے اس کو تعبیر کیا گیا ہے اور اکابرائمہ کشف و تحقیق اسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ اس جوہر نورانی نے اپنے آپ کو اور اپنے خالقِ بے مثال کو اور ان تمام افرادِ موجودات کو جو بتوسط اس جوہرِ نورانی کے خالقِ بے مثال سے صادر ہوسکتے ہیں۔ جس طرح وہ افرادِ موجودات پہلے تھے اور اب ہیں اور آئندہ ہوں گے۔ سب کو جملہ کیفیات کے ساتھ بتمام و کمال جان لیا اور تمام حقائق موجودات بطور انطوائے علمی اسی جوہر بسیط نورانی (حقیقت محمدیہ) میں مندرج اور مخفی تھیں جس طرح دانہ ایک خاص طریقہ پر شاخوں پتوں اور پھلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ کل افراد موجودات اسی ترتیب کے موافق جس کے ساتھ اس جوہر بسیط نورانی میں پوشیدہ ہیں۔ کمین گاہ قوت سے جلوہ گاہِ فعل اور سراپردہ غیب سے میدان شہود میں (بصورت) مواد خارجیہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔ (اخلاقِ جلالی مطبوعہ نول کشور)

اس ایمان افروز بیان سے تصریحاتِ منقولہ بالا کی تائید کے علاوہ مندرجہ ذیل امور بھی واضح ہو گئے۔

حضور ﷺ اوّلِ خلق ہیں۔

حضور ﷺ عقلِ اول اور قلمِ اعلیٰ ہیں۔

حضور ﷺ جوہر بسیط نورانی ہیں۔

حضور ﷺ تمام کائنات کے حقائق لطیفہ کے جامع ہیں۔

حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں اور تمام موجودات و مخلوقات ان کے جمیع احوال کو بتمام و کمال جانتے ہیں، ماضی، حال، مستقبل میں کوئی شے کسی حال میں ہو حضور ﷺ سے مخفی نہیں۔

تمام موجوداتِ خارجیہ کا ظہور حقیقت محمدیہ سے ہوتا ہے حتیٰ کہ ترتیب ظہور بھی وہی ہے جو حقیقتِ محمدیہ میں مستور ہے۔

ان امور کے علاوہ یہ امر بھی اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقتِ محمدیہ کوئی امر اعتباری غیر واقعی نہیں بلکہ وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے اور موجود خارجی ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں جوہر بسیط نورانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور مراتب وجود سے مرتبہ وحدت جسے بعض صوفیائے کرام نے بر بنائے مناسبت اپنی اصطلاح خاص میں حقیقتِ محمدیہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، عباراتِ منقولہ بالا میں ہرگز مراد نہیں کیونکہ مرتبہ وحدت غیر مخلوق ہے اور حقیقتِ محمدیہ مخلوق، جیسا کہ محقق دوانی کی عبارت زیر نظر اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔

ان تمام اکابر ائمہ دین وحضرات علماء راسخین رضی اللہ عنہم اجمعین حتیٰ کہ مخالفین ومعاندین کی منقولہ بالا عباراتِ صریحہ واضحہ کی روشنی میں کسی منصف مزاج کے دل میں اس امر کے متعلق ادنیٰ تردد باقی نہیں رہ سکتا کہ آیہ کریمہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے کتب معتبرہ کے حوالہ سے نقل کی جس کی رو سے حقیقتِ محمدیہ کا ذواتِ مصلّین بلکہ تمام ذراتِ کائنات میں جاری وساری ہونا ثابت ہو گیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی کہ نماز میں حضور ﷺ کو بصیغہ خطاب پکارنا اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہنا اسی اصلِ عظیم پر مبنی ہے۔ جس پر آیہ کریمہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ صاف طور پر دلالت کر رہی ہے نیز یہ اصلِ عظیم حضور نبی کریم ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کی ایسی روشن اور قوی دلیل ہے جس کا انکار کسی گمراہ اور کور باطن کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ وللّٰہ الحمد (مقالات کاظمی۔ ملتان)

نماز میں امام کی اتباع کرنے کا بیان

43 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعِينَ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس لیے ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، اس لیے تم امام سے اختلاف نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه" (جو شخص اللہ کی حمد کرتا ہے اللہ اس کو سنتا ہے) کہے تو تم اللّٰھم ربنا لک الحمد (یا اللہ! اے ہمارے رب تیرے لیے ہی حمد ہے) کہو پھر جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، لہٰذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

(سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 819)

فاذا اکبر فکبروا کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ مقتدی تکبیر، امام کے تکبیر

کہنے کے بعد کہیں۔نہ تو اس کے ساتھ ساتھ کہیں اور نہ اس سے پہلے کہیں اور یہ حکم تکبیر تحریمہ میں تو واجب ہے البتہ دوسری تکبیرات میں مستحب ہے۔حدیث کے دوسرے جزء فاذا اقرا سے مراد مطلق ہے یعنی خواہ امام بلند قراءت کرے یا آہستہ سے پڑھے۔دونوں صورتوں میں مقتدیوں کو خاموشی سے اس کی قرات سننا چاہئے اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "فانصتوا" یعنی چپ رہو فرمایا۔ فاستمعوا یعنی سنو نہیں فرمایا ارشاد ربانی ہے۔آیت (وَاِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ) (7۔الاعراف:204)"یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو (بلند آواز سے پڑھنے کی صورت میں) اسے سنو اور آہستہ آواز سے پڑھنے کی صورت میں) خاموش رہو۔" لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کے لئے کچھ پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ نماز جہری (با آواز بلند ہو یا سری با آواز آہستہ)

سورت فاتحہ کی قراءت میں ائمہ کے مذاہب کا بیان

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورت فاتحہ پڑھنا خواہ نماز جہری ہو یا سری واجب ہے اور سورت فاتحہ کے علاوہ کوئی سورت وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔حضرت امام احمد، حضرت امام مالک اور ایک قول کے مطابق خود حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا بھی مسلک یہ ہے کہ مقتدی کے لئے سورت فاتحہ کا پڑھنا صرف سری نماز میں واجب ہے جہری نماز میں محض امام کی قرات سننا کافی ہے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں خواہ نماز سری ہو یا جہری دونوں صورتوں میں مطلقاً قرأت مقتدی کے لئے ممنوع ہے نیز صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک بھی مقتدی کو پڑھنا مکروہ ہے۔

حضرت امام محمد جو حضرت امام اعظم کے جلیل القدر شاگرد اور فقہ حنفیہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ "صحابہ" کی ایک جماعت کے قول کے مطابق امام کے پیچھے مقتدی اگر سورت فاتحہ کی قرات کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ عمل اس دلیل پر کیا جائے جو زیادہ قوی اور مضبوط ہو، چنانچہ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔الحدیث (مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهٗ)۔"یعنی (نماز میں) جس آدمی کا امام ہو تو امام کی قرات ہی اس (مقتدی) کی قرات ہوگی۔" یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ البخاری و مسلم کے علاوہ سب ہی نے اسے نقل کیا ہے اور ہدایہ میں تو یہاں تک مذکورہ ہے علیہ اجماع الصحابۃ یعنی اسی پر صحابہ کا اتفاق تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق روایت ہے کہ یہ آیت صحابہ کرام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دوران نماز آوازیں بلند کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔(زادالمسیر 3۔312،درمنثور 2۔155)

حضرت قتادہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جب شروع شروع میں نماز فرض ہوئی تو لوگ اپنی نمازوں میں گفتگو کیا کرتے تھے ایک شخص آتا اور اپنے ساتھ والے سے پوچھتا کہ کتنی رکعتیں ہوئیں وہ کہتا اتنی پڑھ لی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعز شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(طبری 9۔111،قرطبی 7۔353)

زہری کہتے ہیں کہ یہ ایک انصاری نوجوان کے متعلق نازل ہوئیں جو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرات کرتا تو یہ

آیت نازل ہوئی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرض نماز میں قرات کی آپ کے صحابہ بھی آپ کے پیچھے بلند آواز سے قرآت کرنے لگے جس سے آپ سے نماز میں خلط ہوگیا تو اس پر یہ آیت اتری۔ سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، عمرو بن دینار، اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت کریمہ جمعہ کے دن اور دوران خطبہ امام کے سامنے خاموشی اختیار کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ (طبری 9۔112، قرطبی 7۔353،)

احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں رات کو پڑاؤ ڈالنے کے بعد صبح کو فرمایا کہ میں نے اپنے اشعری رفقائے سفر کو ان کی تلاوت کی آوازوں سے رات کے اندھیرے میں پہچان لیا کہ ان کے خیمے کس طرف اور کہاں ہیں، اگرچہ دن میں مجھے ان کے جائے قیام کا علم نہیں تھا۔

اس واقعہ میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشعری حضرات کو اس سے منع نہیں فرمایا کہ بلند آواز سے کیوں قرأت کی اور نہ سونے والوں کو ہدایت فرمائی کہ جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو تم سب بیٹھو اور قرآن سنو۔

اس قسم کی روایات سے فقہاء نے خارج نماز کی تلاوت کے معاملہ میں کچھ گنجائش دی ہے، لیکن اولی اور بہتر سب کے نزدیک یہی ہے کہ خارج نماز بھی جب کہیں سے تلاوت قرآن کی آواز آئے تو اس پر کان لگائے اور خاموش رہے اور اسی لئے ایسے مواقع میں جہاں لوگ سونے میں یا اپنے کاروبار میں مشغول ہوں تلاوت قرآن بآواز بلند کرنا مناسب نہیں۔

آیت قرأت کا نماز سے متعلق ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں یہ آیت فرض نماز کے بارے میں ہے۔ طلحہ کا بیان ہے کہ عبید بن عمر اور عطاء بن ابی رباح کو میں نے دیکھا کہ واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے تو میں نے کہا تم اس وعظ کو نہیں سنتے اور وعید کے قابل ہو رہے ہو؟ انہوں نے میری طرف دیکھا پھر باتوں میں مشغول ہوگئے۔ میں نے پھر یہی کہا انہوں نے پھر میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں مشغول ہوگئے۔ میں نے پھر یہی کہا انہوں نے پھر میری طرف دیکھے اور پھر اپنی باتوں میں لگ گئے، میں نے پھر تیسری مرتبہ ان سے یہی کہا۔ تیسری بار انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا یہ نماز کے بارے میں ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں نماز کے سوا جب کوئی پڑھ رہا ہو تو کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بھی بہت سے بزرگوں کا فرمان ہے کہ مراد اس سے نماز میں ہے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز اور جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے۔ حضرت عطاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

حسن فرماتے ہیں نماز میں اور ذکر کے وقت، سعید بن جبیر فرماتے ہیں بقرہ عید اور میٹھی عید اور جمعہ کے دن اور جن نمازوں میں امام اونچی قرأت پڑھے۔ ابن جریر کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ مراد اس سے نماز میں اور خطبے میں چپ رہنا ہے جیسے کہ حکم ہوا ہے امام کے پیچھے خطبے کی حالت میں چپ رہو۔ مجاہد نے اسے مکروہ سمجھا کہ جب امام خوف کی آیت یا رحمت کی آیت تلاوت کرے تو اس کے پیچھے سے کوئی شخص کچھ کہے بلکہ خاموشی کے لئے کہا۔

حضرت حسن فرماتے ہیں جب تو قرآن سننے بیٹھے تو اس کے احترام میں خاموش رہا کر۔ مسند احمد میں فرمان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہے کہ جو شخص کان لگا کر کتاب اللہ کی کسی آیت کو سنے تو اس کے لئے کثرت سے بڑھنے والی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اسے پڑھے تو اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

مدرک رکوع کی رکعت کا عدم فاتحہ خلف الامام ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم (جماعت میں شریک ہونے کے لیے) نماز میں آؤ اور مجھے سجدے کی حالت میں پاؤ تو تم بھی سجدے میں چلے جاؤ۔

اور اس سجدے کو کسی حساب میں نہ لگاؤ ہاں جس آدمی نے (امام کے ساتھ) رکوع پالیا تو اس نے پوری رکعت پالی۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1113)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آدمی جماعت میں آکر اس حال میں شریک ہو کہ امام سجدے میں ہو اور وہ بھی سجدے میں چلا جائے تو اس کی پوری رکعت نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی آدمی اس حال میں شریک ہو کہ امام رکوع میں ہو اور اسے رکوع مل جائے تو اسکی پوری رکعت ادا ہو جاتی ہے چنانچہ اس حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی آدمی جماعت میں اس وقت شریک ہو جب امام سجدے میں ہو تو وہ سجدے میں چلا جائے۔ مگر اس سجدے کی وجہ سے وہ اس رکعت کا ادا کرنا نہ سمجھے کیونکہ جس طرح رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت مل جاتی ہے اسی طرح سجدے میں شریک ہونے پر پوری رکعت نہیں ملتی۔

دوسرے جزو کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں (۱) حدیث میں لفظ "رکعۃ" سے رکوع مراد ہے اور "صلوٰۃ" سے رکعت یعنی جس نے امام کو رکوع میں پایا اور وہ رکوع اس نے بھی پالیا تو اس کو پوری رکعت مل گئی۔ (۲) رکعۃ اور صلوٰۃ دونوں اپنے حقیقی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں۔ اس طرح حدیث کے اس جزء کا مطلب یہ ہوگا کہ جس آدمی نے جماعت میں ایک رکعت بھی پالی تو اس نے امام کے ساتھ پوری نماز کو پالیا لہٰذا اسے نماز با جماعت کو ثواب بھی ملے گا اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی۔

ان لوگوں کو اس سوال کا جواب دینا چاہیئے کہ اس حدیث کے مطابق امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے شخص کی نماز کی وہ رکعت کس طرح ہو جائے گی۔ جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے امام کو رکوع میں پایا اس نے وہ رکعت پالی۔ امید ہے امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کیلئے یہ دلیل بھی کافی ہوگی۔

نماز میں صفوں کو درست کرنے کا بیان

44 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ؛ فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں صف باندھ لیا کرو کیونکہ صف باندھنا نماز کا حسن (خوشنمائی) ہے۔

صفوں کو درست نہ رکھنے کے سبب اختلاف کا بیان

حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں (اس طرح) برابر (سیدھی) کیا کرتے تھے کہ گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاسکتا تھا یہاں تک کہ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (صفوں کی برابر کرنے کی اہمیت) سمجھ گئے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکان سے نکل کر) تشریف لائے اور (نماز کے لئے) کھڑے ہو گئے اور تکبیر (تحریمہ) کہنے ہی کو تھے کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا چنانچہ (یہ دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کر دو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔

(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1052)

عرب میں تیر کی ہمواری اور سیدھا پن اس قدر مشہور تھا کہ دوسری چیزوں کے سیدھے پن اور ہمواری کو بھی تیر سے تشبیہ دیا کرتے تھے اس طرح گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاتا تھا۔" یہ جملہ کسی چیز کی ہمواری اور سیدھے پن کے لئے مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ تیروں کے ذریعہ دوسری چیزوں کو سیدھا اور برابر کرتے ہیں اور یہاں یہ مبالغے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے کہ صفیں اس قدر سیدھی اور ہموار ہوتی تھیں کہ تیر بھی ان کے ذریعہ سیدھے کئے جاسکتے تھے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ عبارت اپنے عکس پر محمول ہے لہٰذا اس کا مطب یہ ہے کہ گویا صفیں تیروں کے ذریعہ برابر کرتے تھے" حدیث کے آخری جملے کا مطلب مولانا مظہر نے یہ بیان کیا ہے کہ ظاہری ادب وفرمانبرداری نہیں کرو گے تو تمہاری یہ ظاہری نافرمانی تمہارے باطن یعنی دلوں کے اختلاف کی طرف تمہیں پہنچائے گی۔ جو آگے چل کر آپس کے بغض وعناد اور کدورت وعداوت کا سبب بن جائے گی اور پھر قلوب کے یہ اختلاف اور یہ باطنی بری خصلتیں تمہاری ظاہری زندگی میں بھی اس طرح سرایت کر جائیں گی کہ تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا ہو جائے گی چنانچہ تم میں سے ہر آدمی ایک دوسرے سے اعراض کرے گا اور کسی کے دل میں کسی کے لئے ہمدردی کا کوئی جذبہ باقی نہ رہ جائے گا بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا اور ہموار رکھنے کی بڑی اہمیت ہے جب جماعت کھڑی ہو تو ہر آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو صف کے برابر کرلے اور ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہ کھڑا ہونا چاہیے، اگر صف سیدھا کرنے کے اس حکم کی پیروی نہیں کی جائے گی تو جان لو کہ رب قدوس اس کی سزا تمہیں یہ دے گا کہ تمہارے درمیان بغض ونفرت پیدا ہو جائے گی جس سے تمہارے معاشرتی وسماجی امن وسکون کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔

پہلی صف والوں پر رحمت ہونے کا بیان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف (والوں) پر رحمت بھیجتے ہیں" (یہ سن کر) صحابہ کرام نے عرض کیا "یا رسول اللہ! دوسری صف (والوں) پر بھی (یعنی اس طرح فرمائے کہ پہلی اور دوسری صف پر رحمت بھیجتے ہیں مگر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس مرتبہ بھی دوسری صف کا ذکر نہیں کیا بلکہ) فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں" صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری صف پر بھی فرمائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر یہی فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے

ہیں، صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ دوسری صف پر بھی فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور دوسری صف پر بھی (اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "اپنی صفوں کو برابر کو اپنے کندھوں کو ہموار رکھو (یعنی ایک سطح اور ہموار جگہ پر کھڑا ہو اور اونچا نیچا ہو کر مت کھڑے ہو) اور اپنے بھائیوں کے ہاتھ کے آگے نرم رہو۔ (یعنی اگر کوئی آدمی کندھے پر ہاتھ رکھ کر تمہیں صف میں برابر کرے تو اس سے انکار نہ کرو بلکہ برابر ہو جاؤ، نیز صفوں میں خلا پیدا نہ کرو کیونکہ شیطان خذف یعنی بھیڑ کا چھوٹا بچہ بن کر تمہارے درمیان گھس جاتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1068)

پہلی صف کی فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی دوسری صف کی فضیلت بھی بیان فرمادیجئے کہ دوسری صف پر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ دوسری صف کو بھی پہلی صف کی صف مذکورہ میں شامل فرمادیا جس سے معلوم ہو کہ فضیلت کے اعتبار سے دوسری صف کا درجہ پہلی صف سے کم تر ہے۔

حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام کی گفتگو کا بیان

45 – وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَحَاجَّ آدَمُ وَمُوسَى، فَقَالَ لَهُ مُوسَى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِى أَغْوَيْتَ النَّاسَ فَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَى الْأَرْضِ، فَقَالَ لَهُ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِى أَعْطَاهُ اللّٰهُ عِلْمَ كُلِّ شَىْءٍ وَاصْطَفَاهُ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِهِ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَتَلُومُنِى عَلَى أَمْرٍ قَدْ كُتِبَ عَلَيَّ أَنْ أَفْعَلَ مِنْ قَبْلِ أَنْ أُخْلَقَ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى ۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم اور موسیٰ علیہما السلام نے (ایک بار) آپس میں حجت کی چنانچہ موسیٰ نے ان سے کہا: کیا تم ہی وہ آدم ہو جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا اور ان کو جنت سے زمین پر نکالا؟ اس پر آدم نے ان سے کہا: کیا تم ہی وہ موسیٰ ہو جن کو اللہ نے ہر چیز کا علم دیا اور اپنا رسول بنا کر دوسرے لوگوں سے برگزیدہ بنایا؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ (آدم نے) کہا: کیا تم مجھے ایسی بات کے متعلق ملامت کرتے ہو جو میری پیدائش سے پہلے ہی لکھ دی گئی تھی کہ میں ایسا کروں گا؟ اس طرح آدم نے موسیٰ کو لاجواب کر دیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام اور سونے کی ٹڈیوں کے گرنے کا بیان

46 – وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ رِجْلُ جَرَادٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْثِى فِى ثَوْبِهِ، قَالَ: فَنَادَاهُ رَبُّهُ: يَا أَيُّوبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ، وَلٰكِنْ لَا غِنَى لِى عَنْ بَرَكَتِكَ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرتبہ جب کہ ایوب علیہ السلام غسل خانے میں برہنہ نہا رہے تھے ان پر سونے کی ٹڈیوں کا ایک دل گرنے لگا اور ایوب ان کو اپنے کپڑوں میں سمیٹنے لگے کہا: پھر ان کے رب نے ان کو آواز دی، اے ایوب! تم نے جو چیز دیکھی ہے کیا میں نے تم کو اس سے بے نیاز نہیں بنایا ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟

اے میرے پروردگار! لیکن میں تیری برکت سے بے نیاز کہاں ہوں۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 272)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" حضرت ایوب علیہ السلام (جب طویل اور سخت ترین بیماری کی آزمائش وامتحان میں سرخرو ہوئے اوران کوصحت وعافیت نصیب ہوئی توانہوں نے غسل صحت کیا اوراسی غسل صحت کے دوران وہ) برہنہ جسم نہار ہے تھے کہ (اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر پر سونے کی ٹڈیاں برسانا شروع کیا اور وہ) سونے کی ٹڈیاں ان کے اوپر (یعنی دائیں بائیں) گرنے لگیں، حضرت ایوب علیہ السلام ان ٹڈیوں کوسمیٹ کر اپنے کپڑوں میں رکھنے لگے (سونے کی ٹڈیاں میں ان کا یہ انہماک دیکھ کر) ان کے پروردگار نے ان کومخاطب کر کے کہا کہ ایوب (علیہ السلام) جو چیزتم دیکھ رہے ہو کیا ہم نے اس سے تمہیں بے نیاز نہیں کر دیا ہے؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کی! بے شک تیری عزت کی قسم تو نے مجھے اس چیز سے بے پرواہ کردیا ہے لیکن میں تیری نعمت کی کثرت اور تیری رحمت کی فراوانی سے ہرگز بے نیاز نہیں ہوں۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 272)

برہنہ جسم نہار ہے تھے۔" کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر تہبند کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں تھا اور تہبند باندھے ہوئے نہار ہے تھے، اس کی تائید آگے کی عبارت تحثی فی ثوبہ (سمیٹ سمیٹ کر اپنے کپڑے میں رکھنے لگے)، میں پوشیدہ جگہ پر بالکل ننگا نہار ہے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوشیدہ جگہ پر بالکل ننگے نہانا مذکور ہوا اور اس کے شرعی جواز میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ اپنے پروردگار سے شرم وحیا کی خاطر پوشیدہ جگہ پر بھی نہاتے وقت ستر پوشی افضل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس مکارم واخلاق کی تکمیل کے لئے دنیا میں تشریف لائے اس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ "ان ٹڈیوں کوسمیٹ سمیٹ کر اپنے کپڑے میں رکھنے لگے۔" بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام برستی ہوئی سونے کی ٹڈیوں کو ایک ہاتھ سے اٹھا اٹھا کر یا دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر انہی تہبند میں سمیٹتے جاتے تھے جوانہوں نے نہانے کے لئے باندھ رکھا تھا یا" کپڑے "سے مراد وہ پوشاک ہے جوانہوں نے نہانے کے بعد پہنی ہوگی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کپڑا مراد ہو جوانہوں نے اس وقت تک پہنا نہ ہو بلکہ ان کے قریب ہی رکھا ہوا ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا مذکورہ خطاب، ناراضگی اور عتاب کے طور پر نہیں تھا بلکہ اظہار شفقت ومحبت کے طور تھا کہ جب میں نے تمہارے گھر میں اتنا زیادہ سونا برسا دیا ہے اور تمہیں مالا مال کر دیا ہے تو کیا ضروری ہے کہ تم ان ٹڈیوں کو اٹھا اٹھا کر اپنے کپڑے میں رکھو؟ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ بے شک تو نے مجھے اس قدر مالا مال کر دیا ہے اور میرے گھر میں اتنا سونا بھر دیا ہے کہ میں ان ٹڈیوں کو جمع کرنے اوران کو اٹھا اٹھا کر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں رکھتا لیکن تیری بارگاہ میں اپنے عجز واحتیاج کے اظہار کے لئے میں تیری رحمتوں کی مزید طلب سے بے نیاز بھی نہیں ہوسکتا خواہ تو مجھے کتنا ہی مالا مال کر دے اور مجھ پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کی کتنی ہی بارش برسا دے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا ان ٹڈیوں کا اٹھانے میں انہماک ودلچسپی رکھنا، دنیا کی حرص وطمع اور مال ودولت میں اضافہ کی خواہش کی بناء پر نہ تھا بلکہ حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت سے مستفید ہونے اور تشکر وامتنان کی بنا پر تھا۔ اور

ملاّ علی قاری نے لکھا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جائز مال و دولت میں اضافہ کی حرص اس شخص کے حق میں روا ہے، جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ اس مال و دولت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی نہیں ہوگی اور اس کو انہی مقاصد و مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن سے حق تعالیٰ راضی و خوش ہوتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور تلاوت زبور کا بیان

47 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ الْقُرْآنُ، فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ تُسْرَجُ، فَكَانَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُسْرَجَ دَابَّتُهُ، وَكَانَ لَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: داؤد علیہ السلام کو قرآن پڑھنا آسان کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر زین لگانے کا حکم دیتے تھے اور گھوڑے پر زین لگنے سے پہلے ہی (پورا) قرآن پڑھ لیا کرتے تھے اور وہ سوائے اپنے ہاتھ کی کمائی کے کوئی چیز نہیں کھایا کرتے تھے۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کی تلاوت آسان کر دی گئی تھی، وہ اپنے جانوروں پر زین کسنے کا حکم دیتے اور قبل اس کے کہ زین کسنے کا کام پورا ہو، وہ زبور کی تلاوت مکمل کر لیتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کی روٹی کھاتے تھے۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 282)

حدیث سے گو یہ واضح نہیں ہوتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس کتنے جانور تھے اور ان جانوروں پر زین کسنے کا کام کتنے عرصہ میں مکمل ہوتا تھا، لیکن یہ ثابت ہوا کہ وہ عرصہ بہر حال اتنا طویل نہیں ہوتا تھا جس میں پوری زبور کی تلاوت مکمل کر لینا عام طور پر ممکن ہوتا، یہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام کا وصف تھا کہ وہ تھوڑے عرصہ میں زبور جیسی کتاب کی تلاوت کر لیتے تھے۔ حاصل یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ وصف فوق العادت کمال کے طور پر حاصل تھا اور اس خصوصی عطیہ الٰہی سے تعلق رکھتا تھا کہ رب کریم اپنے نیک اور مخصوص بندوں کے لئے زمانہ اور وقت کی طناب کھینچ بھی دیتا ہے اور ڈھیلی بھی کر دیتا ہے، کبھی ایک مختصر سا عرصہ ان بندگان خاص کے حق میں طویل عرصہ کے برابر ہو جاتا ہے اور کبھی ایک طویل عرصہ ایک مختصر عرصہ کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی سواری کے ایک رکاب میں پیر رکھتے وقت قرآن کریم پڑھنا شروع کرتے اور دوسرے رکاب میں پیر ڈالنے تک پورے قرآن کی تلاوت ختم کر لیتے تھے حدیث کے آخر میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک دوسرا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ باوجود سلطنت و حکمرانی کے اپنی روزی اپنے ہاتھ کی محنت سے حاصل کرتے تھے، زرہ سازی ان کا جز وقتی مشغلہ اور ہنر تھا، اسی کی آمدنی سے ان کا خرچ چلتا تھا۔

نیک آدمی کے خواب کی اہمیت کا بیان

48 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رُؤْيَا الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ

جُزْءٍ مِنَ النُّبُوَّةِ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صالح آدمی کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

شرح

ظاہر یہ ہے کہ یہاں رویاء صالحہ سے مراد صادقہ ہے یعنی وہ اچھا خواب جو سچا بھی ہو اس موقع پر ایک اشکال واقع ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کسی چیز کا کوئی جز وحصہ اس چیز سے جدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ہوتا ہے اس اعتبار سے کہا جائے گا کہ جب نبوت باقی نہیں رہی ہے تو نبوت کا جز وحصہ یعنی رویاء صالحہ کیوں کر باقی رہے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ارشاد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی یہ ہیں کہ رویاء صالحہ علم نبوت کے اجزاء اور حصوں میں سے ایک جز وحصہ ہے اور ظاہر ہے کہ علم نبوت باقی ہے اگر چہ نبوت باقی نہیں ہے گویا حدیث میں مذکورہ الفاظ کے ذریعہ رویاء صالحہ کی فضیلت ومنقبت بیان فرمائی گئی ہے کہ اچھا خواب حقیقت میں نبوت کا پرتو ہے اگر چہ اس کو دیکھنے والا غیر نبی ہو جیسا کہ ایک ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے نیک راہ دردش حلم گرانباری اور میانہ روی نبوت میں سے ہے۔

چھیالیس کے عدد کی تخصیص کے بارے میں اگر چہ علماء نے مختلف باتیں لکھی ہیں لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ نہ صرف اس کا بلکہ دوسری متعدد چیزوں جیسے نماز کی رکعات اور تسبیحات وغیرہ کے بارے میں اعداد مشروع و مذکور ہیں ان کی علت وحقیقت کا علم شارع السلام علیہ کو ہی ہے ایک اور روایت میں چھیالیس کے بجائے چھبیس ایک روایت میں چھہتر اور ایک روایت میں چوبیس کا عدد مذکور ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کسی بھی روایت میں کسی خاص عدد سے تحدید مراد نہیں ہے محض تکثیر مراد ہے

خواب کے معنی ومفہوم کا بیان

"خواب" کے معنی ہیں وہ بات جو انسان نیند میں دیکھے "محققین" کہتے ہیں کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں ایک تو محض خیال کہ دن بھر انسان کے دماغ اور ذہن پر جو باتیں چھائی رہتی ہیں، وہ خواب میں متشکل ہو کر نمودار ہو جاتی ہیں، دوسری طرح کا خواب وہ ہے جو شیطانی اثرات کا عکاس ہوتا ہے جیسا کہ عام طور پر ڈراؤنے خواب نظر آیا کرتے ہیں اور تیسری طرح کا خواب وہ ہے جو منجانب اللہ بشارت اور بہتری کو ظاہر کرتا ہے۔

خواب کی یہی تیسری قسم "رویاء صالحہ" کہلاتی ہے اور اس کی حقیقت علماء اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں علوم معرفت اور ادراکات واحسان کا نور پیدا کر دیتا ہے، جیسا کہ وہ جاگنے والے کے دل کو علوم ومعرفت اور ادرکات واحساسات کی روشنی سے منور کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بلا شک وشبہ اس پر قادر ہے، کیونکہ نہ تو بیداری قلب انسانی میں نور بصیرت کے پیدا ہونے کا ذریعہ ہے اور نہ نینداس سے مانع۔

واضح رہے کہ سونے والا اپنے خواب میں جن باتوں کا ادراک واحساس کرتا ہے اور جن چیزوں کو اس کا نور بصیرت دیکھتا ہے وہ دراصل وقوع پذیر ہونے والی چیزوں کی علامت واشارہ ہوتا ہے اور یہی علامت واشارہ تعبیر کی بنیاد بنتا ہے۔ کبھی یہ علامت و اشارہ اتنا غیر واضح ہوتا ہے کہ اس کو عارفین ومعبرین ہی سمجھ پاتے ہیں اور کبھی اتنا واضح ہوتا ہے کہ عام انسانی ذہن بھی اس کی مراد پا

لیتا ہے۔جیسا کہ بادل کو دیکھ کر بارش کے وجود کی طرف ذہن خود بخود چلا جاتا ہے۔

خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بیان

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"جس نے اپنے خواب میں مجھ کو دیکھا اس نے حق دیکھا یعنی اس کا خواب سچا ہے کہ اس نے مجھ کو ہی دیکھا۔(بخاری ومسلم،مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 543)

واضح رہے کہ اس مضمون کی احادیث،جو متعدد طرق واسانید سے اور مختلف الفاظ میں منقول ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا اس بارے میں دروغ خیال اور شیطانی اثرات کا قطعاً دخل نہیں ہوتا،چنانچہ علماء نے اس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل میں شمار کیا ہے اور اس کو اعجاز نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا ہے البتہ علماء کے ہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ ان احادیث کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس صورت وحلیہ میں دیکھنے سے ہے چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ ان احادیث کا تعلق اس شخص سے ہے جو اپنے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مخصوص صورت وحلیہ میں دیکھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم متصف تھے،پھر بعض حضرات نے اس بارے میں توسع کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صورت وشکل میں دیکھے جو پوری عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق رہی ہے۔یعنی خواہ جوانی کی صورت وشکل میں دیکھے خواہ کہولت اور خواہ آخری عمر کی صورت میں دیکھے۔اور بعض حضرات نے اس دائرے کو محدود کیا اور کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شکل وصورت میں دیکھنے کا اعتبار ہے جو بالوں کو بھی دیکھنے کا اعتبار کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور لحیہ مبارک میں تھے اور جو تعداد میں بیس تک بھی نہیں پہنچے تھے۔

منقول ہے کہ حضرت محمد بن سیرین جو تعبیر خواب کے فن میں امام تھے کے پاس جب کوئی شخص آکر بیان کرتا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو وہ کہتے تھے کہ بتاؤ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس شکل وصورت اور کس حلیہ میں دیکھا ہے اگر وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان نہ کرتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا تو ابن سیرین اس سے کہتے کہ بھاگ جاؤ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نہیں دیکھا ہے۔

اس بارے میں حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے بہر صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا خواہ اس نے مخصوص صورت وحلیہ میں دیکھا ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے یا کسی اور شکل وشباہت میں دیکھا ہو کیونکہ شکل وشباہت کا مختلف ہونا ذات کے مختلف کے ہونے کو ضروری قرار نہیں دیتا،علاوہ ازیں یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ شکل وشباہت میں اختلاف وتفاوت کا تعلق خواب دیکھنے والے کے ایمان کے کمال ونقصان سے بھی ہوسکتا ہے یعنی جس شخص نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی صورت وشکل میں دیکھا یہ اس کے ایمان کامل اور عقیدے کے صالح ہونے کی علامت قرار پائے گا اور جس شخص نے اس کے بر خلاف دیکھا،یہ اس کے ایمان کی کمزوری اور عقیدے کے فساد کی علامت قرار پائے گا اسی طرح ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا دیکھا ایک شخص نے جوان دیکھا

ایک شخص نے رضامند دیکھا ایک شخص نے خفگی کے عالم میں دیکھا ایک شخص نے روتے ہوئے دیکھا ایک شخص نے شادوخوش دیکھا اور ایک شخص نے ناخوش دیکھا تو یہ ساری حالتیں خواب دیکھنے والے کے ایمانی احوال کے فرق وتفاوت پر مبنی ہوں گی کہ جو شخص جس درجہ کے ایمان کا حامل ہوگا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی درجہ کی مثالی صورت میں دیکھا گا اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا گویا اپنے احوال ایمانی کو پہچاننے کا ایک معیار ہے لہٰذا یہ ایک چیز سالکین طریقت کے لئے یہ ایک مفید ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے باطن کی حالت کو پہچان کر اس کی اصلاح کریں اسی پر قیاس کرتے ہوئے بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد سنے تو اس کا حدیث وسنت سے تقابل کرے اگر وہ ارشاد حدیث وسنت کے موافق ہو تو وہ یقیناً حق ہے۔

اور اگر موافق نہ ہو، جانے کہ یہ میرے ذہن اور سامع کا خلل ہے لہٰذا خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سننا حق ہے اگر صورت مبارک اور ارشادات مقدسہ میں کوئی تفاوت ومخالفت نظر آئے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ خواب دیکھنے والے کے نقص وکوتاہی کے اعتبار سے ہے۔

حضرت شیخ متقی سے منقول ہے کہ ایک فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو شراب کے لئے فرما رہے ہیں، اس خواب کی وجہ سے اس کے ذہن میں سخت خلجان پیدا ہوا اس نے اس خلجان کو دور کرنے کے لئے علماء سے رجوع کیا اور ان سے پوچھا کہ اس خواب کی حقیقت کیا ہے کہ ہر عالم نے اس کی مختلف تعبیر وتاویل بیان کی اسی دوران یہ مسئلہ حدیث کے ایک عالم حضرت شیخ ابن عراق کے سامنے آیا جو عالم باعمل اور نہایت متبع سنت تھے انہوں نے فرمایا کہ اصل بات یوں نہیں ہے جس طرح اس نے سنی ہے بلکہ اس کا ذہن وسامعہ، خلل اور انتشار کا شکار ہوا ہے۔ حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تھا کہ لاتشرب الخمر شراب ہرگز نہ پینا مگر اس نے اس جملہ کو یوں سنا اشرب الخمر۔

اچھا یا برا خواب دیکھنے کا بیان

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جس سے وہ خوش ہو تو چاہئے کہ خواب کو صرف اس شخص کے سامنے بیان کرے جس کو وہ دوست و ہمدرد سمجھتا ہے (جیسے علماء وصلحاء اور اقرباء نیز وہ اس خواب پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی حمد وتعریف کرے جیسا کہ بخاری ومسلم کی ایک اور روایت میں منقول ہے) اور جب ایسا خواب دیکھے جس کو وہ پسند نہیں کرتا تو چاہئے کہ اس خواب کی برائی اور شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور شیطان کو دور کرنے کے قصد سے تین مرتبہ تھتکار دے نیز اس خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے (خواہ دوست ہو یا دشمن) اس لئے وہ خواب اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (بخاری، ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 545)

برا خواب شیطان کی طرف سے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اچھے اور برے دونوں طرح کے خواب کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے اور دیکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے دیکھتا ہے، لیکن برا خواب شیطانی اثرات کا عطاس ہوتا ہے اور چونکہ اس

خواب سے انسان کو پریشانی ہوتی ہے اس لئے اس پر شیطان کو بہت خوشی ہوتی ہے، حاصل یہ کہ اچھا خواب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو بشارت ہوتی ہے تا کہ وہ بندہ خوش ہو اور اس کا وہ خواب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے حسن سلوک اور امید آوری کا باعث اور شکر الٰہی کے اضافہ کا موجب بنے جب کہ غمگین اور پریشان کرنے والا جھوٹا خواب شیطانی اثرات کے تحت ہوتا ہے جس سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمان کو غمگین و پریشان کر کے ایسی واہ پر ڈال دے جس سے وہ بدگمانی اور ناامیدی اور تقرب الٰہی و تلاش حق کی راہ میں سست روی کا شکار ہو جائے۔

وہ خواب اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے صدقہ و خیرات کو مال کی حفاظت و برکت اور دفع بلیات کا سبب بنایا ہے اسی طرح اس نے مذکورہ چیزوں یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے، تین دفع تھتکارنے اور کسی کے سامنے بیان نہ کرنے کو برے خواب کے مضر اثرات سے سلامتی کا سبب قرار دیا ہے۔

سلام کرنے کا بیان

49 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوٹے کو بڑے پر، اور گزرنے والے کو بیٹھے ہوئے پر اور قلیل (جماعت) کو کثیر (جماعت) پر سلام کرنا چاہیے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 574)

شرح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرو۔ یہ سن بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے راستوں میں بیٹھنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں ہے جہاں ہم باتیں کرتے ہیں۔ (یعنی راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے ہمارے پاس چوں کہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ہم اپنی مجلس رکھا کریں اس لئے جب ہم چند لوگ کہیں مل جاتے ہیں تو وہیں راستہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے دینی و دنیاوی امور کے بارے میں باہمی رائے اور مشورہ اور مذاکرات کرتے ہیں ایک دوسرے کی حالت دریافت کرتے ہیں اگر کوئی بیمار ہوتا ہے تو اس کے لئے علاج معالجہ تجویز کرتے ہیں اگر آپ میں کوئی رنجش وعناد ہوتا ہے تو صلح وصفائی کرتے ہیں اور اپنے معاملات کو طے کرنے کی تدبیر پر غور کرتے ہیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مجبوری کی بناء پر بیٹھنے کے علاوہ دوسری صورت سے انکار کرتے ہو پھر راستہ کو اس کا حق ادا کرو۔ یعنی اگر ایسی صورت ہو کہ راستے میں بیٹھنے سے اجتناب کرنا تمہارے لئے ممکن نہ ہو اور تمہیں ایسی جگہ بیٹھنا پڑے جو راستہ پر واقع ہو تو راستے کا حق ادا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ راستے کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا آنکھوں کا بند کرنا یعنی حرام چیزوں پر نظر ڈالنا، ایذارسانی سے باز رہنا یعنی تنگ راستہ کر دینے یا کسی اور طرح گزرنے والوں کو ایذاء نہ پہنچانا، سلام کا جواب دینا اور لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 574)

سلام کا جواب دینا یہاں سلام کرنے کا حکم دینے کے بجائے سلام کو جواب دینے کی ہدایت کرنا اس مسنون امر کے پیش نظر ہے کہ چلنے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

ایمان کے سبب مال، جان اور خون کی حفاظت کا بیان

50 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا أَزَالُ أُقَاتِلُ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَإِذَا قَالُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَدْ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَنْفُسَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ وہ یہ نہ کہیں کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللہ (اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں) جوں ہی وہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللہ کے قائل ہو جائیں تو مجھ سے ان کے خون اور مال اور جانیں محفوظ ہو جائیں گی بجز ان کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح مسلم)

جنت اور دوزخ کی آپس میں بحث کرنے کا بیان

51 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالْمُتَجَبِّرِينَ، وَقَالَتِ الْجَنَّةُ: فَمَا لِيَ لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ وَغِرَّتُهُمْ. فَقَالَ اللَّهُ لِلْجَنَّةِ: إِنَّمَا أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي، وَقَالَ لِلنَّارِ: إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابِي أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْكُمَا مِلْؤُهَا، فَأَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتَّى يَضَعَ اللَّهُ فِيهَا رِجْلَهُ، فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيُزْوَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ وَلَا يَظْلِمُ اللَّهُ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا، وَأَمَّا الْجَنَّةُ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ایک مرتبہ) جنت اور آگ (دوزخ) آپس میں حجت کرنے لگے۔ دوزخ نے کہا: مجھے مغرور اور ظالم لوگوں کی قیام گاہ بننے کے لیے مجھے ترجیح دی گئی ہے اور جنت نے کہا: کیا بات ہے کہ مجھ میں ضعیفوں اور پست اور بھولے لوگوں کے سوائے اور کوئی داخل نہ ہوگا اس پر اللہ نے جنت سے کہا: تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں رحم کروں گا، اور دوزخ سے کہا: تو میرا عذاب ہے، میں تیرے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں عذاب دوں گا اور تم میں سے ہر ایک بھر جائے گی لیکن دوزخ اس وقت نہ بھرے گی جب تک کہ اللہ اس میں اپنا پاؤں نہ رکھ دے پھر (دوزخ) کہے گی: بس، بس وہ اس وقت بھر جائے گی اور اس کا ایک حصہ دوسرے سے مل جائے گا اور اللہ اپنی مخلوق میں (4/ب) کسی پر ظلم نہیں کرتا، رہی جنت تو اس کے لیے اللہ عزوجل ایک مخلوق پیدا کرے گا۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 258)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت و دوزخ نے آپس میں بحث و تکرار کی چنانچہ دوزخ نے تو یہ کہا کہ مجھے سرکش و متکبر اور ظالموں کے لئے چھانٹا گیا ہے اور جنت نے یہ کہا کہ میں اپنے بارے میں کیا کہوں میرے اندر بھی تو وہی لوگ داخل ہوں گے جو ضعیف و کمزور ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں اور جو بھولے بھالے اور فریب میں آجانے والے ہیں۔ (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت کے اظہار کا ذریعہ اور میرے کرم کی آماجگاہ کے علاوہ اپنے بندوں سے جس کو اپنی رحمت سے نوازنا چاہتا ہوں اس کے لئے تجھے ہی ذریعہ بناتا ہوں۔ اور دوزخ سے فرمایا تو میرے عذاب کا محل مظہر ہونے کے علاوہ کچھ نہیں میں اپنے بندوں میں سے جس کو عذاب دینا چاہتا ہوں اس لئے تجھے ہی ذریعہ بناتا ہوں اور میں تم دونوں ہی کو لوگوں سے بھر دوں گا البتہ دوزخ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوگا کہ وہ اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک کہ اس پر اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں نہ رکھ دے گا، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ رکھ دے گا تو دوزخ پکار اٹھے گی کہ بس، بس، بس، اس وقت دوزخ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھر جائے گی اور اس کے حصوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا جائے گا (پس وہ سمٹ جائے گی) مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا رہا جنت کا معاملہ تو (اس کے بھرنے کے لئے) اللہ تعالیٰ نئے لوگ پیدا کر دے گا۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 258)

جنت و دوزخ نے آپس میں بحث و تکرار کی" کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے گویا اپنے اپنے بارے میں ایک طرح کا شکوہ شکایت کیا دوزخ کا کہنا اگر یہ تھا کہ سرکش و ظالم لوگوں کے لئے مجھے ہی کیوں مخصوص کیا گیا تو جنت نے یہ کہا کہ میرا معاملہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے میرے اندر بھی تو انہی لوگوں کو داخل کیا جائے گا دنیا میں جن کی کوئی شان و شوکت نہیں ہے اور کمزور جسم لاغر بدن خستہ حال و مفلس اور لوگوں کی نظروں میں بے وقعت ہیں ان دونوں کا شکوہ سن کر اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کیا کہ تم میں سے کسی کا بھی اس کے علاوہ کوئی معاملہ نہیں کہ تم دونوں کو محض میری مشیت اور مصلحت کے نتیجہ میں وجود میں لایا گیا ہے کہ میں نے ایک کو اپنی رحمت اور لطف و کرم کا اور دوسری کو اپنے قہر و غضب کا محل و مظہر بنایا پس مؤمن اور کافر کی طرح تم دونوں بھی، یعنی جنت و دوزخ دراصل خدائی جمال و جلال کے مظاہر کا نقطہ کمال ہو اور تم دونوں میں سے کسی کو بھی ایسی کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے جس سے دوسرے کے مقابلہ پر اس کی فضیلت و برتری ظاہر ہو اگرچہ اتنی بات ضرور ہے کہ دوزخ کے معاملات کا تعلق عدل و انصاف سے جڑا ہوا ہے اور جنت کے معاملات "فضل و کرم" سے تعلق رکھتے ہیں۔

لوگوں کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں" یعنی وہ لوگ جو اگرچہ اپنے عقیدہ و عمل اور اخلاق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر و منزلت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں یعنی علماء و صلحاء اور ارباب باطن کی نظروں میں بھی انہیں قدر و منزلت ہی حاصل ہوتی ہے لیکن ظاہری طور پر ان کے کمزور و ضعیف خستہ حال اور غریب و نادار ہونے کی وجہ سے اکثر دنیا والے ان کو حقیر و کمتر اور ناقابل اعتناء سمجھتے ہیں نیز میرے اندر وہی لوگ داخل ہوں گے جو کمزور و ضعیف ہیں میں جو حصر ہے اس سے مراد اکثر و اغلب" ہے کہ جنت میں زیادہ تر لوگ اسی زمرہ کے ہوں گے، ورنہ جنت میں جانے والے تو انبیاء و رسول بھی ہوں گے اور سلاطین و امراء

بھی! یا یہ کہا جائے کہ ضعفاء (ضعیف وکمزور) سے مراد وہ بندے ہیں جو پروردگار کے سامنے بھی ذلت وفروتنی ظاہر کرتے ہیں، مخلوق کے ساتھ بھی تو تواضع وانکساری کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

اور خود اپنی نظر میں بھی اپنے کو گرائے رکھتے ہیں۔ " جو بھولے بھالے اور فریب میں آ جانے والے ہیں۔ " یعنی وہ لوگ فکر آخرت میں سرگرداں رہنے کی وجہ سے دنیاوی امور سے غافل اور دنیاوی معاملات میں ناتجربہ کار رہتے ہیں اس لئے دنیا ان کو بڑی آسانی کے ساتھ بیوقوف بنا دیتے ہیں اپنے مکروفریب کے جال میں پھانس لیتے ہیں اسی اعتبار سے ایک حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے کہ اہل جنت کی اکثریت دنیاوی امور سے نابلند اور نادان) لوگوں پر مشتمل ہوگی ان کے مقابلہ پر کافر ومنافق دنیاوی معاملات میں بڑے چالاک اور مکار ہوتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کے معاملات کو سب کچھ سمجھ کر اپنے فکر وعمل کی پوری توانائی ادھر ہی لگائے رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یعلمون ظاہرا من الحیوۃ الدنیا وہم عن الاخرۃ ہم غافلون وہ دوزخ اس وقت تک نہیں بھرے گی۔ یعنی جتنے لوگوں کا دوزخ میں جانا مقدر ہوگا ان سب کے دوزخ میں پہنچ جانے کے بعد بھی جب دوزخ کا پیٹ نہیں بھرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے مزید دوزخیوں کا مطالبہ کرے گی، قرآن کریم میں ہے یوم نقول لجہنم ہل امتلئت وتقول ہل من مزید لیکن اللہ تعالیٰ اس کا پیٹ بھرنے کے لئے یہ نہیں کرے گا کہ بے گناہ لوگوں کو جہنم میں بھر دے یا جو گناہ گار بخشے جانے والے ہوں گے انہیں کو دوزخ کے سپرد کر دے یا نئے لوگ اس لئے پیدا کرے کہ ان کو دوزخ کا پیٹ بھرنے کے کام میں لایا جائے، بلکہ یہ کرے گا کہ اپنا پیر دوزخ پر رکھ دے گا جس سے دوزخ کے تمام اطراف ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گی اور دوزخ کا پیٹ سمٹ کر وہاں موجود لوگوں سے بھر جائے گا، یہ جو فرمایا گیا ہے کہ " اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا تو اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کا پیٹ بھرنے کے لئے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کرے گا جس کو صورتا ظلم سے تعبیر کیا جا سکتا ہو، ورنہ اصل بات یہ ہے اگر پروردگار بے گناہ لوگوں ہی کو دوزخ میں ڈال کر اس کا پیٹ بھرے تو حقیقت میں اس کو ظلم نہیں کہیں گے کیونکہ اپنی ملکیت میں کسی طرح کے بھی تصرف کو ظلم قرار نہیں دیا جاتا مگر اللہ تعالیٰ صورۃ ظلم بھی نہیں کرے گا۔

اس ضمن میں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف " پاؤں " کی نسبت متشابہات میں سے ہے جیسا کہ اس کے لئے ہاتھ آنکھ اور چہرے کے ذکر کو متشابہات میں شمار کیا جاتا ہے اور متشابہات کے سلسلے میں قرآن وحدیث میں ہے وہ یہ ہے کہ بس یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس سے جو کچھ مراد ہے وہی درست اور حق ہے اس کی حقیقت وکیفیت کی جستجو میں نہ پڑا جائے یہی سب سے بہتر راستہ ہے اور اسی کو سلف نے اختیار کیا ہے، تاہم متاخیرین ارباب طویل میں سے بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے " پیر " سے مراد اس کی مخلوق میں سے کسی کا پیر ہے، اس کے علاوہ بعض لوگوں نے کچھ اور ایسی تاویلیں بھی کی ہیں جو ذات اقدس تعالیٰ کی شان کے مطابق ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ان کو یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

جنت کو بھرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نئے لوگ پیدا کرے گا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جمع کر کے جنت میں داخل کر دے گا جنہوں نے کبھی کوئی عمل نہیں کیا ہوگا اور جنت کے مستحق نہیں ہوں گے پس یہ رب کریم کی شان رحمت کا اظہار ہوگا کہ وہ دوزخ کو بھرنے کے لئے بے گناہ لوگوں کو تو اس میں نہیں ڈالے گا لیکن بہشت کو بھرنے کے لئے بے عمل لوگوں کو اس میں داخل

کردے گا۔

طاق مرتبہ ڈھیلے لے کر استنجاء کرنے کا بیان

52 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اسْتَجْمَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُوتِرْ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص ڈھیلہ لے تو طاق (تعداد میں) لے۔

شرح

عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ سلمان فارسی سے کہا گیا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ہر بات سکھائی یہاں تک کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی بتایا سلمان نے کہاہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قضائے حاجت کے وقت قبلہ رخ ہونے سے منع کیا داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجاء کرنے اور گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے بھی منع فرمایا اس باب میں عائشہ خزیمہ بن ثابت جابر اور خلاد بن سائب رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث مروی ہیں خلاد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں امام ابوعیسٰی فرماتے ہیں کہ سلمان کی حدیث حسن صحیح ہے اکثر اہل علم اور صحابہ کا یہی قول ہے کہ اگر پیشاب یا پاخانہ کا اثر پانی کے بغیر ختم ہوجائے تو پتھروں سے ہی استنجاء کافی ہے ثوری ابن مبارک امام شافعی احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 16)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لئے تین ڈھیلے تلاش کرو حضرت عبداللہ کہتے ہیں میں دو پتھر اور ایک گوبر کا ٹکڑا لے کر حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھیلے لے لئے اور گوبر کا ٹکڑا پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ ناپاک ہیامام ابوعیسٰی کہتے ہیں کہ قیس بن ربیع نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے ابواسحاق سے انہوں نے ابوعبیدہ سے انہوں نے عبداللہ سے حدیث اسرائیل کی طرح معمر اور عمار بن زریق بھی ابواسحاق سے وہ علقمہ سے اور وہ عبداللہ سے یہی حدیث نقل کرتے ہیں زہیر ابواسحاق سے وہ عبدالرحمٰن بن یزید سے اور وہ عبداللہ سے اسے نقل کرتے ہیں۔

اور اس روایت میں اضطراب ہے امام ابوعیسٰی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سوال کیا کہ ابواسحاق کی ان روایات میں سے کونسی روایت صحیح ہے تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور میں نے سوال کیا محمد بن اسماعیل سے انہوں نے بھی کوئی فیصلہ نہیں دیا شاید امام بخاری کے نزدیک زہیر کی حدیث اصح ہے جو مروی ہے ابواسحاق سے وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن بن اسود سے وہ اپنے والد سے اور وہ عبداللہ سے اور اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں بھی نقل کیا ہے امام ترمذی کہتے ہیں اس باب میں میرے نزدیک اسرائیل اور قیس کی روایت زیادہ اصح ہے جو مروی ہے ابواسحاق سے وہ روایت کرتے ہیں ابوعبیدہ سے اور وہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں اس لئے کہ اسرائیل ابواسحاق کی روایت میں دوسرے راویوں کی نسبت بہت اثبت ہیں اور زیادہ یاد رکھنے والے ہیں۔ قیس بن ربیع نے ان کی متابعت کی ہے میں نے ابوموسیٰ محمد بن مثنی سے سنا وہ کہتے تھے میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے سنا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے سفیان ثوری کی ابواسحاق سے منقول جو احادیث چھوٹ گئیں ان کی وجہ یہ ہے کہ

میں نے اسرائیل پر بھروسہ کیا کیونکہ وہ انہیں پورا پورا بیان کرتے تھے امام ابوعیسیٰ نے کہا زہیر کی روایت ابواسحاق سے زیادہ قوی نہیں اس لئے کہ زہیر کا ان سے سماع آخر وقت میں ہوا میں (ابوعیسیٰ) نے احمد بن حسن سے سنا وہ کہتے تھے کہ احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جب تم زائدہ اور زہیر کی حدیث سنو تو کسی دوسرے سے سننے کی ضرورت نہیں مگر یہ کہ وہ حدیث ابواسحاق سے مروی ہو۔ ابواسحاق کا نام عمرو بن عبداللہ ہے ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود نے اپنے والد سے کوئی حدیث نہیں سنی اور ابوعبیدہ کا نام ہم نہیں جانتے روایت کی ہم سے محمد بن بشار نے انہوں نے محمد بن جعفر سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے عمرو بن مرہ سے کہ عمرو نے ابوعبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود سے پوچھا کیا تمہیں عبداللہ بن مسعود سے سنی ہوئی کچھ باتیں یاد ہیں تو انہوں نے فرمایا نہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 17)

نیکی کا ارادہ کرنے کے سبب ایک نیکی کے ثواب کا بیان

53 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِي بِأَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ حَسَنَةً مَا لَمْ يَعْمَلْهَا، فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، وَإِذَا تَحَدَّثَ بِأَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَأَنَا أَغْفِرُهَا لَهُ مَا لَمْ يَعْمَلْهَا، فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ بِمِثْلِهَا .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میرا بندہ دل میں یہ کہے کہ نیک کام کرے گا تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ لیتا ہوں جب تک کہ وہ اس کو نہ کرے پھر جب وہ اس کو کرتا ہے تو میں اس کے لیے اس جیسی دس (نیکیاں) لکھ لیتا ہوں، اور جب یہ کہے کہ وہ برا کام کرے گا تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں جب تک کہ وہ برا کام نہ کرے، پھر جب وہ برا کام کرتا ہے تو میں اس کے لیے صرف ایک برائی لکھ لیتا ہوں۔

جنت کی معمولی چیز کا بھی دنیا سے بڑھ کر ہونے کا بیان

54 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَاللّٰهِ لَقِيدُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ لَهُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں ایک شخص ہے جس کے کوڑے کی ڈوری (جو جنت میں ملے گی) آسمان اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے اس سے بھی بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 180)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں ایک کوڑے کے برابر بھی جگہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 180)

سفر کا قاعدہ ہوتا تھا کہ جب سوار کسی جگہ اترنا چاہتا تو اپنا کوڑا وہاں ڈال دیتا تا کہ دوسرا شخص وہاں نہ اترے اور وہ جگہ اس کے ٹھہرنے کے لئے مخصوص ہو جائے پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جنت کی اتنی تھوڑی سی جگہ اور وہاں کا چھوٹا سا مکان بھی کہ جہاں

مسافر سفر میں ٹھہرتا ہے اس پوری دنیا اور یہاں کی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی اور زیادہ اچھا ہے کیونکہ جنت اور جنت کی تمام نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں جب کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں فنا ہو جانے والی ہیں۔

جنت میں آرزو کرنے کا بیان

55 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَدْنَى مَقْعَدِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ أَنْ هُيِّءَ لَهُ أَنْ يُقَالَ لَهُ: تَمَنَّ، فَيَتَمَنَّى وَيَتَمَنَّى فَيُقَالُ لَهُ: هَلْ تَمَنَّيْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيَقُولُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں تم میں سے کسی کا ادنیٰ ٹھکانا اگر اس کے لیے تیار کیا جائے تو اس سے کہا جائے گا: آرزو کر، پھر وہ آرزو کرے گا۔ آرزو پر آرزو کرے گا۔ اس پر اس سے کہا جائے گا: کیا تو نے یہ آرزو کر لی؟ وہ کہے گا ہاں۔ پھر اس سے کہا جائے گا: تجھ کو تیری آرزو کے موافق دیا جاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس جیسا اور۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 193)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں جو شخص سب سے ادنیٰ درجہ اور کمتر مقام کا جنتی ہوگا اس کا یہ مرتبہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا جو آرزو رکھتے ہو بیان کرو اور جو کچھ چاہتے ہو مانگو۔" وہ اپنی آرزوئیں ظاہر کرے گا اور بار بار ظاہر کرے گا یعنی وہ جنتی بھی خواہش رکھے گا بیان کرنے لگے گا اور جس قدر بھی مانگ سکتا ہوگا مانگے گا) اللہ تعالیٰ (اس کی آرزوئیں اور خواہش سن کر) فرمائے گا کہ کیا تم اپنی آرزوئیں بیان کر چکے (اور اپنے دل میں جو کچھ خواہش رکھتے ہو سب ظاہر کر چکے!) وہ عرض کرے گا کہ ہاں (میں جو کچھ مانگ سکتا تھا مانگ چکا اور اپنی ایک ایک آرزو بیان کر دی)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، "تم نے جو آرزوئیں بیان کیں اور جو کچھ مانگا نہ صرف وہ بلکہ اسی قدر مزید تمہیں عطا کیا گیا۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 193) وہ چار دریا جن کا سرچشمہ جنت میں ہے۔

انصار صحابہ کرام کی فضیلت کا بیان

56 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الْأَنْصَارِ، وَلَوْ يَنْدَفِعُ النَّاسُ فِي شُعْبَةٍ أَوْ فِي وَادٍ وَالْأَنْصَارُ فِي شُعْبَةٍ لَانْدَفَعْتُ مَعَ الْأَنْصَارِ فِي شِعْبِهِمْ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک آدمی ہوتا، اگر لوگ ایک گھاٹی یا ایک وادی میں جاتے اور انصار ایک دوسری گھاٹی میں تو میں انصار کے ساتھ ان کی گھاٹی میں جاتا۔ (بخاری)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں کا ایک

آدمی ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی میں (یعنی حسی یا معنوی راستہ پر) چلیں اور انصار کسی دوسرے راستہ پر چلیں۔ یا یہ فرمایا کہ (ا
انصار) کسی دوسرے پہاڑی درہ میں چلیں تو میں اسی راستہ پر یا اسی پہاڑی درہ میں چلوں جو جماعت انصار کا راستہ ہے۔ انصار
شعار کے مانند ہیں اور دوسرے لوگ دثار کے مانند (اے انصار)! تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقا
فضیلت دی جائے گی تو تم صبر کئے رہنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر آ کر ملو۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 867)

تو میں بھی انصار میں کا ایک آدمی ہوتا" اس سے نسب ولادی (پیدائشی نسب و نسل) میں تبدیلی کی خواہش یا تمنا کا اظہار مقصو
نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو نسب ولادی میں تبدیلی حرام ہے دوسرے یہ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب چونکہ دنیا کے تما
نسبوں اور نسلوں سے اعلی واشرف ہے اس لئے اس نسب و نسل کی نسبت چھوڑ کر کسی دوسرے نسب و نسل کی طرف نسبت کی خواہش ی
تمنا کے اظہار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں یہاں نسب بلادی یعنی وطنیت و شہریت کی نسبت ضرور مراد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ
ہجرت کا تعلق اگر دین سے نہ ہوتا اور اس کی طرف منسوب ہونا ضروری نہ ہوتا تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ اپنی اصل وطنی و شہری
نسبت کو ترک کر کے انصار کے شہر کی طرف اپنے کو منسوب کرتا اور "مہاجر" کہلانے کی بجائے "انصار" کہلاتا۔

لیکن "ہجرت" چونکہ بجائے خود ایک بہت بڑا دینی شرف ہے اور اس کی طرف منسوب ہونا بڑی فضیلت کی بات ہے اس لئے
میں اپنی اس خواہش یا تمنا کی تکمیل نہیں کر سکتا پس اس ارشاد گرامی میں اگرچہ "انصار" کا اکرام اور ان کی زبردست عزت افزائی نیز
"نصرت" کی طرف منسوب ہونے کی بڑی فضیلت ہے، لیکن اس میں "ہجرت" کی افضلیت اور رتبہ مہاجرین کی برتری کی طرف
بھی ارشاد ہے کیونکہ مہاجرین تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنا وطن و دیار، اپنا گھر بار
اپنے اہل و عیال اور اپنے قرابتداروں کو چھوڑ دینے کی بے مثال قربانی دی۔ جب کہ انصار نے گو اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کی
مدد و نصرت اور اس راہ میں بے پناہ ایثار کی فضیلت کاملہ حاصل کی لیکن وہ بہر حال ترک وطن، ترک قبیلہ اور ترک اہل و عیال جیسی
عقوبت سے دوچار نہیں ہوئے۔ لہٰذا نصرت کی فضیلت ہجرت کی بعد کی اور انصار کی فضیلت مہاجرین کے بعد کی ہے اور بعض
حضرات نے اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بیان کی ہے کہ جو چیز مجھ کو انصار سے ممتاز کرتی ہے وہ ہجرت کی فضیلت ہے۔ اگر ہجرت کا
شرف اور اس کی فضیلت میرے ساتھ نہ ہوتی۔ تو پھر میں بھی انصار کے ایک فرد کی طرح ہوتا اور رتبہ میں ان کے برابر اور ان کی مثل
ہوتا، اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے تو تواضع اور کسر نفی کا پہلو اختیار فرمایا اور انصار کا دل
ملانے کے لئے ان کی رفعت و منزلت ظاہر فرمائی۔ "یا یہ فرمایا کہ" یہاں روای کو شک ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہاں یا تو "وادیاً" کا لفظ فرمایا تھا یا "شعبا" کا اصل میں "وادی" تو اس قطعہ زمین یا اس راستہ کو کہتے ہیں جو دو پہاڑوں یا دو ٹیلوں کے
درمیان ہو جس کو عربی میں فرجہ بھی کہتے ہیں اور فارسی میں "کاواک" اور شعب اس راستہ کو کہتے ہیں جو کسی پہاڑ کے اندر ہو کر گزرتا
ہے۔ حجاز میں چونکہ پہاڑ اور پہاڑیاں بہت ہیں اس لئے وادیاں اور شعب یعنی درے اور گھاٹیاں بھی کثرت سے ہیں۔ اس زمانہ
میں ہوتا یہ تھا کہ کسی قافلہ یا قبیلہ کا سردار جس درے یا گھاٹی میں ہو کر گزرنا چاہتا سارا قافلہ اور سارا قبیلہ اس کے پیچھے پیچھے اسی درے
یا گھاٹی میں داخل ہوتا اور پھر وہاں سے گزر کر سب اپنی منزل یا کھلے راستہ پر پہنچ جاتے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر

کبھی ایسا ہو کہ تمام لوگ دو گروہوں میں بٹ کر کسی منزل کی طرف چلیں، ان میں سے ایک گروہ انصار پر مشتمل ہو اور دوسرا گروہ باقی لوگوں پر اور ان دونوں گروہوں کے راستے الگ الگ ہوں تو میں دوسرے گروہ کا راستہ چھوڑ کر اس راستہ پر چلوں گا جو انصار نے اختیار کیا ہوگا، اس صورت میں کہا جائے گا کہ اس ارشاد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد انصار کے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال تعلق وارتباط اور ان پر آپ کے کمال عنایت وشفقت کا اظہار ہے اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ وادی اور شعب کے جو معنی یہاں مراد ہیں وہ "مسلک" اور "رائے" کے ہیں مطلب یہ کہ کسی معاملہ میں لوگوں کے درمیان رائے اور مسلک کے اختلاف کا اظہار ہو تو میں اسی رائے اور مسلک کو اختیار کروں گا، جو انصار کا اختیار کردہ ہوگا اور انہی کی موافقت کا اظہار کروں گا۔

اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ اس ارشاد گرامی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد انصار کے ساتھ حسن موافقت ومرافقت کا اظہار کرنا ہے کیونکہ انصار نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں حسن وفا اور اچھی خدمت گزاری کا ثبوت دیا ہے۔اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی اتباع اور ان کی طرف احتیاج کا اظہار کیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو متبوع مطلق ہے اور سب آپ کے تابع ہیں۔ "شعار" اور "دثار" "شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پہننے میں جسم اور شعر یعنی بالوں سے لگا ہو جیسے کرتا وغیرہ اور "دثار" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پہنے ہوئے کپڑوں کے اوپر رہتا ہے جیسے چادر وغیرہ۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو شعار کے ساتھ اس اعتبار سے تشبیہ دی کہ صدق ایمان اور خلوص محبّ کا جوہر ان میں پیوست ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ انصار میرے خاص اعتباری اور راز دار لوگ ہیں سب لوگوں میں باعتبار قدر ومنزلت کے مجھ سے بہت قریب یہی لوگ ہیں۔ " دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق فضیلت دی جائے گی" اَثرۃ یا اُثرۃ یا اِثرۃ کے معنی ہیں حق تلفی اور بلا استحقاق دوسرے کسی شخص کو عہدہ یا منصب یا عطا میں فضیلت دینا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ میرے بعد وہ زمانہ آئے گا جب لوگ عہدہ ومنصب کی تقسیم میں اپنی ذات کو مقدم رکھیں گے اور تم پر ترجیح دینگے، امارت وحکومت پر خود فائز کریں گے اور ایسے ایسے لوگ کہ جو حقیقی مرتبہ ومنزلت کے اعتبار سے کم رتبہ ہوں گے اعلی عہدہ ومناصب حاصل کر لینے کے سبب تم سے بالا تر وافضل بن جائیں گے، چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا وہ پورا ہو کر رہا، خصوصا حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض عمال خلافت کی طرف سے اور اموی دور حکومت میں عام طور پر انصار کی بڑی حق تلفیاں کی گئیں۔

ان کے فضل وشرف کو نظر انداز کیا گیا اور حکومت وامارت کے مناصب سے ان کو محروم رکھنے کی کوشش کی گئی۔ یا اس ارشاد گرامی سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ فتوحات میں حاصل ہونے والا مال غنیمت امراء وحکام خود بانٹ لیا کریں گے اور عطا کے مال میں تمہارے حق میں نظر انداز کر کے اپنی ذات کو یا تم سے کم تر لوگوں کو تم پر فضیلت وترجیح دیں گے۔ "" یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر ملو" یعنی حق تلفی کی صورت میں تمہیں جس دل شکستگی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا اگر تم نے اس پر صبر کیا اور تمام تر شکایات کے باوجود نہ تو حاکم وقت سے بغاوت کے مرتکب ہوئے اور نہ ملی شیرازہ بکھرنے کا سبب بنے تو اس کا اجر تم کو اس وقت ملے گا جب حشر کے دن تم حوض کوثر پر آ کر مجھ سے ملو گے، کہ میری زیارت اور وہاں کی لازوال نعمتیں تمہیں باغ باغ کر دیں گی، پس یہ ارشاد گرامی دراصل

انصار کے اس صبر کے عوض ان کے لئے سرفرازی جنت کی بشارت ہے۔

منقول ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ایک دن بعض انصار کے پاس بعض مہاجرین کی شکایت لے کر آئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی شکایت کا ازالہ نہ کر سکے۔ اس پر انصار نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی فرمایا تھا کہ (اے انصار) تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق ترجیح دی جائے گی (یہ سن کر) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر اس وقت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں کیا حکم دیا تھا، انصار نے کہا صبر کرنے کا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے: تو پھر (شکوہ شکایت کے بجائے) تمہیں صبر ہی کرنا چاہئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں اسی بات کا حکم دیا ہے۔

انصار کی فضیلت اور امن کا بیان

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں فتح مکہ کے دن ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھے (اس دن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ مشرکین میں سے جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے اور (مشرکین میں سے) جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ امن میں ہے (بعض) انصار (یہ اعلان سن کر آپس میں) کہنے لگے کہ اس شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی قوم کے تئیں مروت و مہربانی اور اپنی بستی والوں (یعنی مکہ) کے تئیں رغبت و چاہت کا جذبہ (طبعی طور پر) غالب آ گیا چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی (جس کے ذریعہ آپ کو مطلع کیا گیا کہ انصار اس اس طرح کہہ رہے ہیں اس پر آپ نے انصار کو بلایا) اور (ان سے) فرمایا: تم نے یہ کہا ہے کہ اس شخص پر اپنی قوم کے تئیں مروت و مہربانی اور اپنی بستی والوں کے تئیں رغبت و چاہت کا جذبہ غالب آ گیا ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ہوں میں نے اللہ کی طرف (یعنی اللہ کے حکم سے اور اللہ کے اجر و انعام حاصل کرنے کے لئے) اور تمہاری طرف (یعنی تمہارے دیار کی طرف) ہجرت کی ہے اب تو زندگی بھی تمہاری زندگی کے ساتھ ہے اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہے (یہ سن کر) ان انصار نے (معذرت کا اظہار کرتے ہوئے) عرض کیا: واللہ ہم نے یہ بات صرف اس لئے کہی کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہم کو بخل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہیں راست گو مانتے ہیں اور تمہاری یہ معذرت قبول کرتے ہیں۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 868)

وہ امن میں ہے" یعنی: جو مشرک ابوسفیان کے گھر میں پہنچ جائے اور جو مشرک ہتھیار ڈال دے اس کو جان کی امان دی جاتی ہے، کوئی مسلمان اس پر تلوار نہ اٹھائے، اس کو مارے نہیں۔ ابوسفیان بن صخر بن حرب، امیر معاویہ کے والد ہیں۔ قریش کے بڑے سرداروں اور زعماء میں سے تھے۔ فتح مکہ کے دن انہوں نے اسلام قبول کیا اور جنگ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ چونکہ یہ "مولفۃ القلوب" تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کے مال غنیمت میں سے ان کو حصہ سے زائد عطا کیا جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی ان کو دی گئی۔ محاصرہ طائف کے دوران ان کی ایک آنکھ بے کار ہو گئی تھی اور ہمیشہ کے لئے کانے ہو گئے تھے، پھر جنگ یرموک میں ان کی دوسری آنکھ بھی پتھر کی چوٹ سے پھوٹ

گئی تھی۔ ۳۴ھ میں مدینہ میں ان کا انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے دن جب ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص عزت اور بڑائی کی چاہ رکھتا تھا، اس لئے اس کو ایسی عزت بخش دیجئے جس کو یہ اپنے لئے باعث فخر سمجھے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسی مشورہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے۔

اور بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں جب قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانی کے درپے رہتے تھے، ایک دن ابوسفیان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امن (تحفظ) دیا۔ اور اپنے گھر لے آئے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان کے گھر کو جو "دارالامن" قرار دیا وہ ان کے اسی دن کے عمل کا بدلہ تھا۔ "رغبت وچاہت کا جذبہ غالب آ گیا ہے" دراصل انصار نے جب یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ابوسفیان کو اتنی بڑی عنایت وعزت اور رعایت سے نوازا ہے جو اتنے طویل عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں اور اسلام کا سخت ترین معاند ودشمن رہا ہے تو ان کو سخت حیرت ہوئی۔

اور یہ بات ان کو اپنی غیرت وحمیت کے منافی محسوس ہوئی چنانچہ اسی حمیت وغیرت کے تحت سادگی اور ناسمجھی میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔ "نہیں، ایسا نہیں ہے" یعنی: حقیقت میں وہ بات نہیں ہے جو تمہارے خیال میں آئی ہے کہ میں نے ابوسفیان کو اس طرح کی عزت عطا کر کے گویا اس امر کا اظہار کیا ہے کہ میں اب مکہ ہی میں رہ پڑوں گا اور مدینہ واپس نہیں جاؤں گا، بلکہ میری ہجرت آخری اور حتمی ہے اور وہ ہجرت چونکہ اللہ کے حکم سے اور خالص اللہ کے لئے ہوئی ہے، لہٰذا اس سے پھرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ "میں اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ہوں" یعنی میری اس حیثیت اور میرے اس منصب کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اب میں اس شہر کا تصور ہی نہ لاؤں جس کو میں نے اللہ کی خاطر چھوڑ دیا تھا اور اپنے اس سابقہ وطن میں ذرا بھی رغبت اور دلچسپی ظاہر نہ کروں جہاں سے میں اللہ کے لئے ہجرت کر چکا ہوں۔

اور میں تمہاری طرف "یعنی اصل میں تو میری ہجرت اللہ کی طرف تھی اور یہ اسی کے حکم پر منحصر تھا کہ کون سا دیار میرا دارالہجرت بنتا ہے پس چونکہ تم لوگ میرے اور مہاجرین کے تئیں قلبی تعلق ومیلان رکھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: **والذین تبوء الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم** لہٰذا اللہ نے تمہارے دیار کو میرا دارالہجرت قرار دیا اور میں اپنے قبیلہ اور اپنی قوم کا دیار چھوڑ کر تمہارے دیار وطن میں آ گیا۔ "اور میرا مرنا بھی تمہارے ساتھ ہے" یعنی زندگی اور موت کسی حال میں تم سے جدا نہیں ہوں گا تم میرے ساتھ ہو اور میں تمہارے ساتھ رہوں گا، جب تک زندہ ہوں تمہارے ہی شہر میں رہوں گا اور مروں گا بھی تمہارے شہر میں، اس بارے میں خاطر جمع رکھو۔ "اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہم کو بخل تھا" یعنی یہ بات ہم نے محض اس وجہ سے کہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی وقرب کا جو عظیم تر اعزاز اور فضل وشرف ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول نے عطا کیا ہے اس میں کسی اور کی شرکت ہمیں گوارا نہیں ہے یہ بات ہماری غیرت کو ابھارنے والی ہے۔

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان دوسروں کی طرف ظاہر ہو، جو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت وشفقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وقربت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی وصحبت سے محروم کردے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کی غیرت وحمیت محبت کو مستلزم ہے اور محبت کو ہرگز گوارا نہیں ہوتا کہ محبوب غیروں کی طرف توجہ والتفات کی نظر سے دیکھے غیرتم با تو چنانست کہ گردست دہد نہ گزارم کہ درآئے بہ خیال دیگراں انصار کی اس مراد کو دوسرے لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نعمت ہمیں عطا کی ہے۔ چونکہ آدمی اپنے اقارب اور اپنے وطن کی محبت پر مجبور ہے اس لئے ہمیں خدشہ ہوا کہ شائد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صحبت وقربت سے ہمیں محروم کرکے اہل مکہ کو نوازنا چاہتے ہیں اور اس خوف نے ہمیں اتنا مضطر کردیا کہ ایسے الفاظ اپنی زبان سے نکال بیٹھے اس صورت میں ان انصار پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم: لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا کے باوجود ایسا معمولی جملہ زبان سے کیوں ادا کیا۔

بنی اسرائیل اور گوشت کے سڑنے کا بیان

57 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْبُثِ الطَّعَامُ، وَلَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا خراب نہ ہوتا اور گوشت سڑا نہ جاتا اور اگر حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت کبھی اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 443)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑا کرتا اور اگر حوا نہ ہوتیں تو عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 443)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ان کی قوم بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے لئے جنگل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے من و سلویٰ کا خوان نعمت اترا کرتا تھا اور اس کا یہ حکم تھا کہ انہیں جتنی ضرورت ہو اسی کے بقدر اس میں سے لے لیا کریں ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ نہ کریں مگر وہ یہودی کیا جو اپنی کج فطرتی اور اللہ کی نافرمانی سے باز آجائیں چنانچہ اس موقع پر بھی انہوں نے حکم الٰہی کی نافرمانی کی اور اس خوان نعمت سے اپنی ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ کرنے لگے، مگر قدرت کا کرنا ایسا ہوتا کہ جب وہ ذخیرہ کرتے تو وہ گوشت سڑ جاتا تھا۔ چنانچہ یہ گوشت کا سڑنا ان کے اس فعل بد یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد نہ کرنے اور محض حرص وطمع کی وجہ سے ذخیرہ کرنے کی سزا کے طور پر تھا اس کے بعد نظام قدرت نے ہمیشہ کے لئے گوشت کا سڑنا لازم کردیا لہٰذا اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل اس بری عادت میں مبتلا نہ ہوتے اور ان کو یہ سزا نہ ملتی تو گوشت سڑا نہ کرتا بلکہ جب تک لوگ چاہتے اسے اپنی ضرورت کے مطابق رکھا کرتے۔ یہاں "خیانت" کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو امانت و دیانت کی ضد ہے بلکہ "خیانت" سے ناراستی یعنی کجی مراد ہے لہٰذا حضرت حوا کی کجی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو

جنت کا وہ درخت کھانے کی ترغیب دی جس سے اللہ تعالیٰ نے روک رکھا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کجی حضرت حوا سے سرزد ہوگئی تھی وہ ہر ایک عورت کی سرشت کا جزو بن گئی ہے اگر حضرت حوا سے یہ کجی سرزد نہ ہوتی تو کسی بھی عورت میں کجی کا خمیر نہ ہوتا اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ کجروی کا کوئی بھی برتاؤ نہ کرتی۔

حضرت آدم علیہ السلام کے قد مبارک اور تخلیق کا بیان

58 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ , طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهُ قَالَ: اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ النَّفَرِ . وَهُمْ نَفَرٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوسٌ . فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ، قَالَ: فَذَهَبَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ، فَزَادُوا: وَرَحْمَةُ اللّٰهِ . قَالَ: فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا، فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدُ حَتَّى الْآنَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے آدم کو اپنی شکل پر بنایا ان کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی پھر جب ان کو پیدا کیا تو ان سے کہا: "جاؤ اور اس جماعت کو سلام کرو"۔ یہ فرشتوں کی ایک بیٹھی ہوئی جماعت تھی۔ "اور سنو کہ وہ تم کو سلام کا کیا جواب دیتے ہیں؟ وہی تمہارا اور تمہاری۔۔ اولاد کا سلام ہوگا۔" کہا: پھر وہ گئے اور کہا: السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) انہوں نے کہا: (السلام علیک) ورحمۃ اللہ (اور تجھ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) انہوں "ورحمۃ اللہ" زیادہ کیا۔ کہا: ہر وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا آدم کی صورت کا ہوگا، اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ ہوگی۔ پھر اس کے بعد مخلوق (قد میں) اب تک گھٹتی ہی گئی ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 562)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا، ان کی لمبائی ساٹھ گز کی تھی جب اللہ نے ان کو بنایا تو ان سے فرمایا جاؤ اور اس جماعت کو سلام کرو اور وہ جماعت فرشتوں کی تھی جو وہاں بیٹھی ہوئی تھی پھر سنو کہ وہ تمہیں کیا جواب دیتی ہے وہ جو جواب دے گا وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب ہے۔ چنانچہ حضرت آدم اس حکم الٰہی کی تعمیل میں فرشتوں کی اس جماعت کے پاس گئے اور کہا کہ السلام علیکم فرشتوں نے جواب دیا۔ السلام علیک ورحمہ اللہ (یعنی تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو) آنحضرت نے فرمایا کہ گویا آدم کے سلام کے جواب میں ورحمۃ اللہ کا لفظ فرشتوں نے زیادہ کیا پھر آپ نے فرمایا کہ پس جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت پر ہوگا بایں طور پر کہ اس کی لمبائی ساٹھ گز کی ہوگی یعنی جنت میں جانے والے حضرت آدم کے قد کی مذکورہ بلندی اور ان کے حسن و جمال کے ساتھ وہاں داخل ہوں گے۔ پھر حضرت آدم کے بعد لوگوں کی ساخت برابر کم ہوتی رہی یہاں تک کہ موجودہ مقدار کو پہنچی۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 562)

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ اس ارشاد گرامی کے معنی میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں

کہ یہ ارشاد گرامی احادیث صفات میں سے ہے جس کے حقیقی مفہوم و مطلب تک رسائی ممکن نہیں ہے اس لئے اس بارے میں کوئی تاویل و توجیہ کرنے کے بجائے سکوت ہی بہتر ہے جیسا کہ اس قسم کے ان اقوال و ارشادات کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا ہے جو متشابہات کہلاتے ہیں علماء سلف اسی قول کی طرف مائل ہیں جب کہ بعض دوسرے حضرات اس ارشاد گرامی کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں جن سے مشہور تاویل یہ ہے کہ فلاں معاملہ کی صورت مسئلہ یہ ہے یا صورت حال یوں ہے ظاہر ہے کہ جس طرح کسی مسئلہ یا حال کی کوئی ظاہر صورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ صورت کا لفظ استعمال کر کے حقیقت میں اس مسئلہ یا حال کی صفت و کیفیت مراد ہوتی ہے اس طرح یہاں اللہ کی صورت کا لفظ سے مراد اللہ کی صفت جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفت پر بنایا اور ان کو صفات کے ساتھ موصوف کیا جو صفات کریمہ باری تعالیٰ کا پرتو ہے چنانچہ اللہ نے ان کو، حی، عالم، قادر، مرید، متکلم، سمیع اور بصیر بنایا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ صورتہ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف، شرف و عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ جیسا کہ روح اللہ اور بیت اللہ میں روح اور بیت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس لطیف و جمیل صورت پر پیدا کیا جو اسرار و لطائف پر مشتمل ہے اور جس کو اس نے اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ اپنے پاس سے عطا کیا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ صورتہ کی ضمیر حضرت آدم کی طرف راجع ہے یعنی اللہ نے آدم کو انہی کی صورت پر بنایا مطلب یہ ہے کہ وہ ابتداء آفرینش سے ہی شکل پر تھے دوسرے انسانوں کی طرح ان کی تخلیق اس تدریجی طور پر نہیں ہوئی تھی کہ پہلے وہ نطفہ تھے پھر مضغہ ہوئے پھر جنین، پھر طفل، پھر صبی اور پھر پورے مرد ہوئے بلکہ وہ ابتداء ہی میں تمام اعضاء و جوارح، کامل شکل و صورت اور ساٹھ گز کے قد کے پورے انسان بنائے گئے تھے لہٰذا اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا سے مراد آدم کی تخلیق و پیدائش کی حقیقت کو واضح کرنا ہے اور چونکہ دیگر صفات کے برخلاف قد کی لمبائی ایک غیر معروف چیز تھی اس لئے اس کو خاص طور پر ذکر کیا اسی طرح چونکہ لمبائی پر چوڑائی بھی قیاس کی جاسکتی ہے۔

اور اجمالی طور پر اس کا تصور ذہن میں آسکتا ہے لہٰذا چوڑائی کو ذکر نہیں کیا۔ ورحمۃ اللہ کا لفظ فرشتوں نے زیادہ کیا اس کے ذریعہ سلام کے جواب کے سلسلے میں ایک تہذیب و شائستگی اور ادب فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا چنانچہ افضل طریقہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص السلام علیک کہے تو اس کے جواب میں وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے اسی طرح اگر کوئی السلام علیک ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے ایک روایت میں ورحمۃ اللہ کے بعد ومغفرۃ کا لفظ بھی منقول ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کے جواب میں وعلیک السلام کے بجائے السلام علیک کہنا بھی درست ہے کیونکہ معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک افضل یہی ہے کہ جواب میں وعلیک السلام یا وعلیکم السلام ہی کہا جائے رہی یہ بات کہ فرشتوں نے حضرت آدم کے سلام کے جواب میں وعلیک کے بجائے السلام علیک کیوں کہا تو ہوسکتا ہے کہ ملائکہ نے بھی یہ چاہا ہوگا کہ سلام کرنے میں وہ خود ابتداء کریں، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ جب دو آدمی ملتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک سلام میں ابتداء کرنا چاہتا ہے تو دونوں ہی ایک دوسرے سے السلام علیک یا السلام علیک یا السلام علیکم کہتے ہیں۔

لیکن یہ بات واضح رہے کہ جواب کے درست وصحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جواب سلام کے بعد واقع ہو نہ کہ دونوں ایک ساتھ واقع ہوں جیسا کہ فاستمع مایحیونك سے واضح ہوتا ہے چنانچہ فاستمع میں حرف فاتعقیب کے لئے ہے جو مذکورہ وضاحت کی دلیل ہے عام طور پر لوگ اس مسئلہ سے بہت غافل ہیں اس لئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگر دو شخص ملیں اور دونوں ایک ہی ساتھ السلام علیکم کہیں تو دونوں میں سے ہر ایک پر جواب دینا واجب ہوگا۔ حدیث کا آخری جملہ، تقدیم وتاخیر، پر دلالت کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کا قد ساٹھ گز تھا ان کے بعد لوگوں کے قد بتدریج کوتاہ ہوتے گئے پھر جنت میں داخل ہوں گے تو سب کے قد دراز ہو جائیں گے جیسا کہ حضرت آدم کا قد تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ابلیس کے چکر کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم علیہ السلام کا پیکر بنایا اور شکل وصورت دی تو اس پیکر کو جب تک چاہا جنت میں رکھے رکھا، اس عرصہ میں ابلیس اس پیکر کے گرد چکر کاٹتا رہا اور غور کرتا رہا کہ یہ کیا ہم اور کیسا ہے (یعنی وہ یہ مشاہدہ کرنا چاہتا تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے اس پیکر خاکی کی صورت میں اپنے بندوں کی جوئی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے کہ اس کی حیثیت وحقیقت کیا ہوگی) اور جب اس نے دیکھا کہ یہ پیکر خاکی اندر سے کھوکھلا ہے تو سمجھ گیا کہ یہ ایسی مخلوق پیدا کی گئی ہے جو غیر مضبوط ہوگی۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 267)

اس حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پیکر اور شکل وصورت کی تخلیق جنت میں ہوئی تھی جب کہ اور روایت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کی تخلیق اور ان کو پیکر وصورت کا عطا کیا جانا میدان عرفات کے ایک حصہ وادی نعمان میں عمل میں آیا تھا، وہاں ان کے پیکر کو آخری شکل دے کر اور اس میں روح پھونک کر ان کو جنت میں لے جایا گیا پس حدیث میں فی الجنۃ کے الفاظ، جن سے ان کی تخلیق کا جنت میں ہونا مفہوم ہوتا ہے، دراصل ان کی ابتدائی تخلیق کا اظہار کرنے کے لئے نہیں بلکہ تخلیق کے بعد کی صورت حال کو ذکر کرنے کے ہیں۔

اس اعتبار سے حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو تخلیق کر کے اور ان کے پیکر میں روح پھونک کر ان کو جنت میں رکھا تو ابلیس نے ان کے پیکر کی ساخت وحقیقت کی ٹوہ لگائی اور جب اس نے دیکھا کہ یہ پیکر خاکی کھوکھلا ہے اور اندر سے اس کا پیٹ خالی ہے تو اس کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ انسان نامی مخلوق اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے کیونکہ جو چیز اندر سے ٹھوس نہ ہو اور اس کے تمام اعضاء واجزاء ایک دوسرے سے اس طرح مربوط نہ ہوں کہ ان کے درمیان کوئی خلا نہ رہے تو اس کو پوری طرح ثبات وقرار حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب اس پیکر خاکی کی جسمانی ساخت اس طرح کی ہے تو لامحالہ اس کی افتاد طبع اس کا مزاج اور اس کے اندرونی احوال کو بھی ثبات وقرار نہیں ہوگا اور اس افتاد طبع کی وجہ سے خود کو اپنے معاملات میں ڈانواڈول ہونے اور اپنے احوال میں غیر مستحکم ہونے سے نہ بچا پائے گا اور اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکے گا کہ مثلاً غصہ کے وقت بے اختیار ہو جایا کرے گا اور طبعی خواہشات پر قدغن نہیں لگا سکے گا کہ بھوک پیاس مٹانے، جنسی تسکین حاصل کرنے اور اپنی آرزؤں کو پورا کرنے کے لئے جائز وناجائز کے درمیان تمیز نہیں کرے گا۔ پس ابلیس گویا خوش ہوا کہ اس نے امید قائم کر لی کہ جو

مخلوق اپنی جسمانی ساخت اور طبعی افتاد کی وجہ سے آفات کا مورد بن سکتی ہے اس کو گمراہ کرنا چنداں مشکل نہیں ہوگا۔

موت کا فرشتہ اور موسیٰ علیہ السلام کے طمانچہ کا بیان

59 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى فَقَالَ لَهُ: أَجِبْ رَبَّكَ، قَالَ: فَلَطَمَ مُوسَى عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ فَفَقَأَهَا، قَالَ: فَرَجَعَ الْمَلَكُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ: إِنَّكَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَكَ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَأَ عَيْنِي، قَالَ: فَرَدَّ اللّٰهُ عَيْنَهُ، قَالَ: ارْجِعْ إِلَى عَبْدِي فَقُلْ لَهُ: الْحَيَاةَ تُرِيدُ؟ فَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْحَيَاةَ فَضَعْ يَدَكَ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا وَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرَةٍ، فَإِنَّكَ تَعِيشُ بِهَا سَنَةً، قَالَ: ثُمَّ مَهْ؟ قَالَ: ثُمَّ تَمُوتُ: قَالَ: فَالْآنَ مِنْ قَرِيبٍ ، قَالَ: رَبِّ أَدْنِنِي مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ . وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنِّي عِنْدَهُ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيقِ عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کا فرشتہ موسیٰ کے پاس آیا اور ان سے کہا: تمہارے پروردگار کے پاس چلو۔ کہا: اس پر موسیٰ نے موت کے فرشتہ کی آنکھ پر طمانچہ مارا اور آنکھ پھوڑ ڈالی، کہا: پھر فرشتہ اللہ کے پاس واپس گیا اور کہا: تو نے مجھے اپنے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا اور میری آنکھ پھوڑ ڈالی، کہا: (1/5) اس پر اللہ نے اس کو اس کی آنکھ واپس کردی، فرمایا: میرے بندے کے پاس جا اور اس سے کہہ: کیا تو زندہ رہنا چاہتا ہے اگر تو زندہ رہنا چاہتا ہے تو اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھ۔ تیرا ہاتھ جتنے بال ڈھانک لے گا تو اتنے سال زندہ رہے گا۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا پھر کیا ہوگا؟ کہا: پھر تم مر جاؤ گے، کہا: پھر تو اب جلدی ہی بہتر ہے۔ کہا: اے میرے رب! مجھے ارض مقدس سے اتنا ہی قریب کردے جتنا کہ ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ان کے پاس ہوتا تو تم کو راستے کے کنارے سرخ ٹیلے کے قریب ان کی قبر بتلاتا۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 277)

ارض مقدس میں دفن ہونے کی سعادت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب) حضرت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام (کی موت کا وقت قریب آیا ان) کے پاس موت کا فرشتہ عزرائیل علیہ السلام آیا اور کہا کہ اپنے پروردگار کی طرف سے پیغام اجل قبول فرمایئے یعنی آپ کی روح قبض ہونے کا وقت آپہنچا ہے واصل الی اللہ ہونے کے لئے تیار ہو جایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر فرشتہ موت کے طمانچہ رسید کر دیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کا فرشتہ دربار الٰہی میں واپس گیا اور عرض کیا کہ پروردگار تو نے مجھے روح قبض کرنے کے لئے اپنے ایک ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتا اور یہ کہ اس نے میری آنکھ بھی پھوڑ دی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ

نے فرشتہ موت کی یہ شکایت سن کر اس کی آنکھ درست کر دی اور یہ حکم دیا کہ میرے بندہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ جاؤ اور ان کو میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ کیا تم طویل زندگی چاہتے ہو؟ اگر تم طویل زندگی چاہتے ہو تو کسی بیل کی کمر پر اپنا ہاتھ یا دونوں ہاتھ رکھ دو تمہارے اس ہاتھ یا دونوں ہاتھوں کے نیچے جتنے بال آ جائینگے ان میں سے ہر ایک بال کے عوض تمہاری زندگی میں ایک سال کا اضافہ ہو جائے گا فرشتہ نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا تو انہوں نے کہا کہ اس طویل زندگی کا بھی آخری نتیجہ موت ہی ہے تو پھر وہ آج ہی کیوں نہ آ جائے میں اسے وقت موت کی آغوش میں جانے کے لئے تیار ہوں لیکن میری یہ دعا ضرور ہے کہ رب کریم (تدفین کے لئے مجھے ارض مقدس (یعنی بیت المقدس) سے قریب کر دے اگر چہ ایک پھینکے ہوئے پتھر کے بقدر ہو اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں بیت المقدس کے قریب ہوتا تو تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا نشان دیکھا دیتا جو ایک راستے کے کنارے پر سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 277)

رب کریم مجھے ارض مقدس سے قریب کر دے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخری وقت میں یہ دعا اس لئے کی کہ وہ بیت المقدس کے قریب دفن ہونا چاہتے تھے اور اس زمانہ میں وہی جگہ سب جگہوں سے افضل واشرف تھی کیونکہ انبیاء کا مدفن اور مزارات ہو سکتا ہے کہ مذکورہ واقعہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان تیہ (صحرا سینا) میں ہونگے لہٰذا انہوں نے آخری وقت میں بیت الرب (یعنی بیت المقدس) کی قربت کی خواہش ظاہر کی اور اس خواہش کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ چاہے یہاں سے وہ قربت اتنے کم فاصلہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو جو ایک پھینکا ہوا پتھر طے کرتا ہے نیز انہوں نے بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی خود بیت المقدس میں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا انہیں یہ خوف تھا کہ اگر میں نے بیت المقدس میں دفن ہونے کی خواہش کی تو میری قبر بہت مشہور اور زیارت گاہ خلائق ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ لوگ اس کی وجہ سے کتنے فتنہ اور برائی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

- بعض محققین نے لکھا ہے کہ حدیث میں جس سرخ ٹیلے کا ذکر ہے وہ ایک بستی اریحاء کے قریب ہے اور بستی میدان تیہ کے سب کے قریب وادی مقدس کا علاقہ ہے بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلحاء کے مزارات مدفن کے قریب متبرک جگہوں میں دفن ہونا مستحب ہے۔ یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ بعض لوگ جو عقل وقیاس کے اسیر ہیں انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں فرشتہ موت کا آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھنا کیا معنی رکھتا ہے روح قبض کرنے کے لئے آنے والے فرشتہ کے طمانچہ رسید کرنا انسانی طاقت کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور یہ کہ اس واقعہ سے موت کو غیر پسندیدہ اور غیر مرغوب شئے سمجھنا اور دنیا میں زیادہ دنوں تک باقی رہنے کی آرزو کرنا لازم آتا ہے اور یہ چیز اس انسان کے شایان شان نہیں ہو سکتی جو نبوت ورسالت جیسے عظیم الشان منصب پر فائز ہو۔ ان باتوں کا جواب الفاظ حدیث کی اس تعبیر میں مل جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں موت کا فرشتہ حاضر ہوا تو وہ انسانی شکل وصورت میں تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو دیکھ کر پہچان نہ سکے کہ یہ موت کا فرشتہ ہے اور میری روح قبض کرنے آیا ہے، ان کو یہ ناگوار گذرا کہ ایک اجنبی شخص بغیر اجازت کیوں اس کے خلوت کدہ میں گھس آیا ہے، پھر اس نے ان کو

موت کا پیغام دیا تو یہ خطرہ بھی ہوا کہ کہیں یہ شخص قتل کرنے کی نیت سے تو میرے پاس نہیں آیا اس لئے ان کو طیش بھی آیا اور انہوں نے اس کے خ. ف اس کے خلاف دفاعی اقدام کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا، فرشتہ بشکل انسان تھا لہٰذا بشری اثرات نے کام کیا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زبردست طمانچہ کی چوٹ سے اس کی آنکھ جاتی رہی۔ پھر یہ کہ انہوں نے اس کو ایک دروغ گو کی حیثیت میں بھی دیکھا کیونکہ اس نے روح قبض کرنے کا دعویٰ کیا تھا کہ کوئی انسان روح قبض کرنے والا نہیں ہوسکتا لہٰذا ان کو اس دروغ گوئی پر غصہ آیا اور دروغ گو پر غصہ للہ فی اللہ ہوتا ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی اعتراض کیسے ہوسکتا ہے اور یہی وجہ ہے ان کے اس اقدام پر بارگاہ حق سے کوئی عتاب بھی نہیں ہوا۔ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس اقدام کے بعد بھی فرشتہ موت نے اپنی اصل حیثیت ظاہر نہ کی اور ان کو یہ بتائے بغیر کہ وہ موت کا فرشتہ ہے غائب ہو گیا اور درگاہ الٰہی میں جا پہنچا، اب اللہ تعالیٰ نے اس کو پھر ملکوتی ہیئت پر واپس کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں دوبارہ بھیجا اور اس طرح وہ اس عیب ونقصان سے بری ہو گیا جو بشری شکل وصورت میں آنکھ مجروح ہو جانے سے پیدا ہو گیا تھا، ادھر فرشتہ موت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیالات سے آشنا ہوئے بغیر خود ہی یہ سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موت کے نام سے خفا ہو گئے۔

اور موت نہیں چاہتے اور دربار الٰہی میں جا کر یہی شکایت بھی کی لیکن اللہ تعالیٰ تو اصل صورت حال جانتا تھا اس نے فرشتہ کی غلط فہمی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالت شان دونوں کے اظہار کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ فرشتہ موت دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک بلیغ انداز میں موت کا پیغام پہنچائے ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اجنبی شخص کے یکا یک غائب ہو جانے پر فوراً محسوس کر لیا کہ درحقیقت یہ معاملہ عالم بالا کا ہے۔

چنانچہ فرشتہ موت نے جب دوبارہ حاضر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغام الٰہی سنایا تو ان کا طرز عمل اور طریقہ گفتگو فوراً بدل گیا پھر انہوں نے پیغام اجل کو لبیک کہنے میں مزاج دیر نہیں کی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں نہایت تیزی وشدت تھی وہ جلال کا مظہر تھے، مزاج اور اصول کے خلاف کوئی بات ان کے لئے ناقابل برداشت بن جاتی تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب وہ "چلہ کشی" اور تورات لینے کے لئے جبل طور یا حوراب پہاڑ پر تشریف لے گئے تو اپنے پیچھے بنی اسرائیل کا نگہبان اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنا گئے تھے، جب ان کو گئے ہوئے ایک ماہ سے زائد گذر گیا تو بنی اسرائیل کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا اور ایک بدباطن شخص سامری کے بہکانے میں آ کر قوم کے لوگ گوسالہ (بچھڑے) کی پرستش کرنے لگے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کو بہت سمجھایا اور اس مشرکانہ حرکت سے لاکھ منع کیا مگر کسی نے ان کی بات پر کان نہیں دھرا حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھا تو ناراض ہو گئے اور یہ خیال کر کے کہ ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں کو شرک سے باز رکھنے میں کوتاہی کی ہے، ان کی گردن پکڑ لی اور ان کے سر کے نوچنے لگے اور ڈاڑھی تک پر ہاتھ ڈال دیا، حضرت ہارون علیہ السلام نے پوری صورت حال بتائی اور اپنا بے قصور ہونا ثابت کر دیا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلال اور

غصہ سے ان کی خلاصی ہوئی۔ بہر حال اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس پر عقیدہ رکھنا چاہے اور اگر اس کی کچھ باتیں خلاف قیاس معلوم ہوتی ہوں تو اپنے فہم کا تصور سمجھنا چاہئے اگر چہ مندرجہ بالا صحیح تعبیرات وتاویلات کی روشنی میں دیکھنے کے بعد اس حدیث میں کوئی بات قیاس کے خلاف معلوم ہی نہیں ہو سکتی۔

اثبات دلیل کے سبب حکم کا بیان

60 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى سَوْأَةِ بَعْضٍ، وَكَانَ مُوسَى يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ فَقَالُوا: وَاللّٰهِ مَا يَمْنَعُ مُوسَى أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ. قَالَ: فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ، قَالَ: فَجَمَحَ مُوسَى فِي أَثَرِهِ، يَقُولُ: ثَوْبِي حَجَرُ، ثَوْبِي حَجَرُ، حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ إِلَى سَوْأَةِ مُوسَى، فَقَالُوا وَاللّٰهِ مَا بِمُوسَى مِنْ بَأْسٍ قَالَ: فَقَامَ الْحَجَرُ بَعْدَ مَا نُظِرَ إِلَيْهِ فَأَخَذَ ثَوْبَهُ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاللّٰهِ إِنَّهُ نَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ أَوْ سَبْعَةٌ مِنْ ضَرْبِ مُوسَى بِالْحَجَرِ.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل ننگے نہایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی شرم گاہ دیکھتے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہا نہایا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ علیہ السلام کو ہمارے ساتھ نہانے سے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ وہ خصیوں کی بیماری میں مبتلا ہوں گے، کہا: ایک مرتبہ وہ نہانے کے لیے گئے، اور اپنا کپڑا ایک پتھر پر رکھا، پتھر ان کے کپڑے لے بھاگا، کہا: پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ " میرا کپڑا پتھر، میرا کپڑا پتھر!، پھر تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شرم گاہ کو دیکھ لیا اور انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ علیہ السلام میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ کہا: ان کی شرم گاہ پر نظر پڑ جانے کے بعد پتھر ٹھیر گیا، انہوں نے اپنا کپڑا لے لیا اور پتھر کو مارنے لگے، پھر ابو ہریرہ نے کہا: اللہ کی قسم! پتھر پر نشان ہیں جو چھ یا سات بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مارے تھے۔ (بخاری ومسلم)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک نہایت شرمیلے اور سخت پردہ کا اہتمام رکھنے والے آدمی، ان پر شرم وحیا کا اتنا غلبہ تھا کہ (پورے بدن کو ہر وقت ڈھانپے رہتے تھے اور) ان کے جسم کی کھال کا کوئی بھی حصہ دکھائی نہ دیتا تھا، ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے ان کو ایذاء اور رنج پہنچانا چاہا تو انہوں نے مشہور کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے جسم کو اس قدر احتیاط واہتمام کے ساتھ اس لئے ڈھانپے رہتے ہیں کہ ان کے جسم میں کوئی عیب ہے، یا تو برص (کوڑھ) ہے یا خصیے پھولے ہوئے ہیں (جب یہ بات بہت پھیل گئی تو) اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ جو عیب

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لگایا جا رہا ہے اس سے ان کو محفوظ و مامون رکھے اور ان کی بے عیبی کو ظاہر و ثابت کرے، چنانچہ ایک دن جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پوشیدہ جگہ نہانے کے لئے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے دیئے تو وہ پتھر ان کے کپڑوں کو لے کر بھاگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (یہ ماجرا دیکھا تو نہایت حیرانی واضطراب کے عالم میں) اس پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ اے پتھر میرے کپڑے دے، ارے او پتھر میرے کپڑے دے، یہاں تک کہ (آگے آگے پتھر اور اس کے پیچھے پیچھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام دوڑتے ہوئے بنی اسرائیل کے لوگوں کے ہجوم تک پہنچ گئے، ہجوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا برہنہ جسم دیکھا تو ان کو اللہ کی مخلوق میں ایک بہترین اور بے عیب جسم کا انسان پایا، تب انہوں نے (بیک آواز) کہا کہ اللہ کی قسم، موسیٰ کا بدن کسی بھی عیب ونقصان سے مبرا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو (لاٹھی سے) مارنا شروع کیا، اللہ کی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے اس پتھر پر نشان پڑ گئے، تین نشان یا چار نشان یا پانچ نشان۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 271)

بنی اسرائیل اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح سخت اذیت وتکلیف پہنچاتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث میں مذکورہ واقعہ سے کیا جا سکتا ہے، بت پرستی کی فرمائش، گوسالہ پرستی میں انہماک، قبول تورات سے انکار، ارض مقدس میں داخلہ سے انکار اور من وسلوی پر ناسپاسی حتیٰ کہ ان کی ذات پر بہتان ترازی اور تہمت تراشی ایسی کونسی قولی فعلی ایذاء تھی جو ان کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں پہنچی یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اولوالعزمی اور ان کے صبر وضبط کا کمال تھا کہ وہ اپنی قوم کی ہر ایذاء کو برداشت کرتے اور اپنے اللہ کی طرف سے رشد وہدایت کے پیغام میں انہماک کے جذبہ عمل کو سرد نہیں ہونے دیتے تھے اور ان کے اللہ کا ان پر انعام تھا کہ ہر مرحلہ پر اس نکمی اور پست قوم کے مقابلہ پر ان کو سرخ روئی اور عزت عطا ہوئی تھی۔ جب بد بخت قوم کے لوگوں نے ان کے وصف شرم وحیا کی تحسین وتقلید کے بجائے ان کی ذات کو عیب دار بنانے کا بیڑا اٹھالیا اور پوری قوت کے ساتھ یہ مشہور کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے جسم کو زیادہ چھپاتے ہیں اور اپنے بدن کے ان حصوں پر بھی نگاہ نہیں پڑنے دیتے جو ستر میں شامل نہیں ہیں یہاں تک کہ سب کی نظروں سے چھپ کر تنہائی میں نہاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حصہ جسم پر برص کے داغ ہیں، یا ان کے خصیے پھول گئے ہیں، یا کوئی اسی قسم کا خراب مرض ان کو لاحق ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بے عیب اور باوجاہت بدن کا عام مشاہدہ کرا دیا جائے تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے حقیقت حال کو دیکھ لیں اور ایک رسوا کن شہرت کی قلعی کھل جائے اس طرح پتھر کا کپڑا لے کر بھاگنے کا وہ واقعہ پیش آیا جس کا حدیث میں ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ہدایت اور دینی خدمت کی راہ میں سرگرم عمل رہنے والے اپنے برگزیدہ بندوں کو ہر اس عیب اور نقصان سے آخر کار بری اور پاک ثابت کر دیتا ہے، جو ان کے مخالف اور نادان لوگ ان کی طرف منسوب کر کے ان کو متہم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ یہ خصوصی معاملہ اس لئے کرتا ہے تاکہ وہ عام لوگوں کی نگاہ میں معزز ومکرم ہوں اور ان کی شخصی وجاہت الزامات واتہامات کے گرد وغبار سے صاف رہے۔ "مارنے کی وجہ سے اس پتھر پر نشان پڑ گئے۔۔۔۔" یعنی جب وہ پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تو ان پر اس اچانک واقعہ کا ایسا اثر پڑا کہ وہ غصہ میں جھنجھلا کر پتھر پر لاٹھی کے وار

کرنے لگے اور جب بھی ان کی لاٹھی پتھر پر پڑتی اس پر نشان پڑ جاتا، اس طرح جتنی بار انہوں نے لاٹھی ماری اتنے ہی نشان اس پتھر پر پڑ گئے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام گھبراہٹ اور غصہ میں اس پتھر کے پیچھے بھاگے اور آخر کار وہ پتھر بنی اسرائیل کے ایک بڑے مجمع کے سامنے ٹھیر گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی حکم ہوا کہ اس پتھر کو اٹھا کر اپنے ساتھ اس کے ساتھ رہا اور جب وہ بنی اسرائیل کے ساتھ تیہ کے میدان (صحراء سینا) میں پہنچے تو اس وقت انہوں نے پتھر پر لاٹھی سے ایک ضرب یا کئی ضربیں لگائیں اور پتھر میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

اس قول کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ بیان کیا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل صحراء سینا میں پہنچ کر اس خیال سے گھبرا اٹھے کہ اس بے آب وگیاہ میدان میں پانی کہاں سے پئیں گے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا عصا ایک پہاڑی چٹان پر مارا جس کے نتیجہ میں فوراً بارہ سوت ابل پڑے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے جدا جدا چشمے جاری ہو گئے تو اس "پہاڑی چٹان" سے مراد وہی پتھر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تھا اور جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے ساتھ رکھ چھوڑا تھا۔ بہر حال حدیث سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزے ثابت ہوئے ایک تو بے جان پتھر کا حرکت میں آ جانا اور چلنے لگنا اور دوسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی ضرب سے اس پتھر پر نشان پڑ جانا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پوشیدہ جگہ پر ننگے بدن نہانا جائز ہے اگرچہ ایسی جگہ نہاتے وقت بھی ستر ڈھاکنا افضل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مخالفین اور نادانوں کی ایذاء انبیاء اولیاء اللہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ اس سے تکلیف محسوس کرتے ہیں لیکن اس ایذاء پر صبر وضبط کرتے ہیں۔

اصل تونگری نفس کی تونگری ہے

61 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْغِنَى مِنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کثیر مال سے تونگری نہیں ہے بلکہ تونگری نفس کی تونگری ہے۔ (بخاری ومسلم)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اصل تونگری ودولت مندی یہ نہیں ہے کہ اپنے پاس بہت زیادہ مال ومتاع ہو بلکہ حقیقی تونگری ودولتمندی جس چیز کا نام ہے وہ نفس یعنی دل کا تونگر وغنی ہونا ہے"۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1096)

دل کا غنی ہونا یہ ہے کہ جو کچھ حاصل ہو اس پر قناعت کرے، مال ودولت اور مالداروں سے بے نیازی وبے پروائی برتے اور بلند حوصلگی اور عالی ہمتی کا مالک ہو کہ نہ تو حرص وطمع میں مبتلا ہو اور نہ کسی کے آگے دست سوال دراز کرے، چنانچہ جو شخص ایسا ہو کہ اس کا دل مال ودولت حاصل کرنے اور جوڑنے ٹورنے لگا رہے اور کثرت مال کی طلب وحرص میں مبتلا ہو تو وہ حقیقت میں فقیر ومحتاج ہے، خواہ ظاہر میں کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو اور جو شخص قوت کفاف پر قانع وراضی ہو اور زیادہ طلبی وحرص سے دور رہے۔ وہ اصل میں

تونگر وغنی ہے اگر چہ ظاہر میں اس کے پاس کچھ بھی ہو۔

اس حقیقت کو شیخ سعدی رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے تونگری بدل است نہ بمال بزرگی بعقل است نہ بسال بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ غنی النفس (یعنی نفس کے غنی ہونے) سے مراد یہ ہے کہ وہ علمی کمالات حاصل ہوں جن کے بغیر انسان کی روحانی اخلاقی زندگی نہ تو محفوظ رہتی ہے اور اس کو آسودگی وعظمت حاصل ہوتی ہے، گویا اصل خوش بختی و دولت اور تونگری کا مدار روحانی وعملی کمالات پر ہے نہ کہ مال ومتاع کی کثرت پر، جیسا کہ کسی نے کہا ہے تونگر نہ بمال است نزد اہل کمال کہ مال تالب گوراست بعد ازاں اعمال اور بعض ارباب نے یوں کہا ہے رضینا قسمة الجبار فینا لنا علم وللجہال مال حق تعالیٰ نے ہماری قسمت میں جو کچھ لکھدیا ہے ہم اس پر راضی ومطمئن ہیں ہمارے لئے علم کی دولت ہے اور دشمنوں کے لئے دنیاوی مال ہے فان المال یفنی عن قریب وان العلم یبقی لا یزال بس اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیاوی مال بہت جلد فنا ہونے والا ہے۔

جب کہ علم کی دولت یقیناً ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ یہ بات معلوم ہی ہے کہ دنیاوی مال ومتاع ان لوگوں کی میراث ہے جو اللہ کے نزدیک سخت مبغوض اور مردود ہیں، جیسے فرعون، قارون اور تمام کفار وفجار وغیرہ، جب کہ انبیاء، علماء اور اولیاء کی میراث علم واخلاق کی دولت ہے، لہٰذا دنیادار شخص ظاہری مال ومتاع حاصل کر کے راضی ومطمئن ہوتا ہے اور دیندار شخص علم کی دولت پا کر خوش اور مطمئن ہوتا ہے۔

مال ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

62 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنَ الظُّلْمِ مَطْلَ الْغَنِيِّ، وَإِنْ أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيْءٍ فَلْيَتْبَعْ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مالدار کا وعدہ کو ٹالتے رہنا بھی ایک ظلم ہے تم میں سے کس کا کسی پیٹ بھرے سے پالا پڑے تو چاہئے کہ اس کا پیچھا کرے۔

شرح

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب استطاعت کا ادائیگی قرض میں تاخیر کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کو صاحب استطاعت کے حوالہ کیا جائے تو اسے اس حوالہ کو قبول کر لینا چاہئے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 128)

حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کوئی چیز خریدے اور اس کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود قیمت ادا نہ کرے یا کسی کا قرض دار ہو اور ادائیگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود (قرض ادا کرنے میں تاخیر کرے تو یہ ظلم ہے) بلکہ بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ یہ فسق ہے اور اس کی وجہ سے ایسے شخص کی گواہی رد ہوتی ہے اگر چہ یہ نادہندگی ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ظاہر ہوئی ہو لیکن بعض دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ اس شخص کی گواہی قابل رد ہے جو صاحب استطاعت ہونیکے باوجود بار بار نادہندگی میں مبتلا ہو اور ادائیگی میں تاخیر کرنا اس کی عادت بن چکی ہو۔

حدیث کے دوسرے جزء اور جب تم سے کسی کو صاحب استطاعت کے حوالہ کیا جائے الخ۔ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کا کسی پر قرض ہو اور وہ قرض دار ادائیگی قرض پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے کسی مالدار شخص سے یہ کہے کہ تم میرا قرض ادا کر دینا تو قرض خواہ کو چاہئے کہ وہ قرضدار کی اس بات کو فوراً قبول کر لے تاکہ اس کا مال ضائع نہ ہو یہ حکم استحباب کے طور پر ہے لیکن بعض علماء کا قول ہے کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے جب کہ کچھ علماء اس حکم کو بطریق اباحت کہتے ہیں۔

قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والوں کا بیان

حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا، صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنازہ کی نماز پڑھ لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر قرض تو نہیں ہے صحابہ نے کہا کہ نہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر قرض تو نہیں؟ عرض کیا گیا کہ ہاں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں صحابہ نے عرض کیا کہ تین دینار اس نے چھوڑے ہیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس پر قرض تو نہیں ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں تین دینار اس پر قرض ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں عرض کیا گیا کہ کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو ابو قتادہ نے جب یہ سنا تو کہا کہ یا رسول اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی نماز جنازہ پڑھ لیجئے اس کا قرض میں ادا کر دوں گا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 130)

ہوسکتا ہے کہ تینوں جنازے ایک ہی دن اور ایک ہی مجلس میں لائے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ الگ الگ دن اور الگ الگ مجلس میں یہ جنازے لائے گئے ہوں۔ دوسرے شخص پر جو قرض تھا اس کی مقدار انہیں تین دینار کے برابر رہی ہوگی جو وہ چھوڑ کر مرا تھا اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوگیا کہ اس شخص پر جتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے بقدر اثاثہ چھوڑ کر مرا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی۔

تیسرا چونکہ اپنے قرض کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑ کر نہیں مرا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا اس انکار کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ قرض سے پرہیز کریں اور اگر بدرجہ مجبوری قرض لیں تو اس کی ادائیگی میں تاخیر و تقصیر سے باز رہیں یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ میں اس کے لئے دعا کروں اور دعا قبول نہ ہو کیونکہ اس پر لوگوں کا حق تھا جس سے بری الذمہ ہوئے بغیر وہ مر گیا تھا۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ میت کی طرف سے ضامن ہونا جائز ہے خواہ میت نے ادائیگی قرض کے لئے مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو چنانچہ حضرت امام شافعی اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے بخلاف حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

بعض حنفی علماء کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک حضرت امام شافعی حضرت امام احمد اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے اس حدیث سے اس بات کا استدلال کیا ہے کہ اس میت کی طرف سے کفالت جائز ہے جس نے کچھ بھی مال نہ

چھوڑا ہو اور اس پر قرض ہو یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر میت کی طرف سے کفالت جائز نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تیسرے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مفلس میت کی طرف سے کفالت صحیح نہیں ہے کیونکہ مفلس میت کی طرف سے کفالت دراصل دین ساقط کی کفالت ہے اور یہ بالکل صاف مسئلہ ہے کہ دین ساقط کی کفالت باطل ہے۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت ابوقتادہ نے میت کی طرف سے اس کے قرض کی کفالت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوقتادہ کی کفالت کو تسلیم کر کے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ ابوقتادہ نے اس شخص کی زندگی ہی میں اس کی طرف سے کفالت کر لی ہوگی اس موقع پر تو انہوں نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا اقرار و اظہار کیا کہ میں اس کی کفالت پہلے ہی کر چکا ہوں اب میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس اقرار و اظہار پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابوقتادہ نے اس وقت میت کی طرف سے کفالت کی نہیں تھی بلکہ از راہ احسان و تبرع یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں گا۔

قرض ادا نہ کرنے کے سبب روح کے معلق ہونے کا بیان

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرض دار اپنے قرض کی وجہ سے محبوس کر دیا جائے گا (یعنی جنت میں داخل ہونے اور بندگان صالح کی صحبت میں پہنچنے سے روک دیا جائے گا) چنانچہ وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا۔ (شرح السنۃ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 136)

منقول ہے کہ حضرت معاذ بن جبل قرض لیا کرتے تھے ایک مرتبہ ان کے قرض خواہ اپنے قرض کی وصولی کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کا سارا مال و اسباب ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے بیچ ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاذ مفلس ہو گئے۔

یہ حدیث مرسل ہے اور یہ الفاظ مصابیح کے نقل کردہ ہیں مشکوۃ کے مؤلف کہتے ہیں کہ) مجھے یہ روایت اصول یعنی صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں ملی ہے البتہ یہ روایت منتقی میں ملی ہے اور وہ بھی اس طرح ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن مالک کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل ایک سخی جوان تھا اور اپنی سخاوت کی وجہ سے کوئی مال و اسباب اپنے پاس نہیں رکھتے تھے (کیونکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ سب دوسروں کو دیدیا کرتے تھے) اسی وجہ سے وہ ہمیشہ قرض لیتے رہتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنا مال و اسباب قرض کی نذر کر دیا۔

پھر وہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کی خواہش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قرض خواہوں سے سفارش کر دیں کہ وہ سارا قرض یا قرض کا کچھ حصہ معاف کر دیں) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرض خواہوں سے اس سلسلے میں گفتگو کی مگر انہوں نے کچھ بھی معاف نہیں کیا اور اگر وہ کسی کا قرض معاف کر سکتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے معاذ کا قرض ضرور معاف کر دیتے (لہذا جب انہوں نے معاف کرنے سے صاف انکار کر دیا تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قرض خواہوں کے مطالبات پورے کرنے کے لئے معاذ کا سارا مال واسباب بیچ دیا یہاں تک کہ اس کی وجہ سے معاذ مفلس ہو گئے سعید نے اس روایت کو اپنی سنن میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ (شرح السنۃ)

اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص کو نہ تو جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی اور نہ نیک بخت لوگوں کی صحبت میں اسے جانے دیا جائے گا اور اس طرح جب وہ یہ دیکھے گا کہ تمام ہی نیک بخت لوگ تو جنت میں جا رہے ہیں اور میں ایسا بد بخت ہوں کہ ان کی رفاقت وصحبت کی سعادت سے بھی محروم ہوں نیز اسے کوئی ایسا سفارشی بھی نظر نہیں آئیگا جو اسے اس قید تنہائی سے نجات دلائے تو وہ اپنی تنہائی اور اس قید کی وحشت سے مضطرب ہو کر بارگاہ الہٰی میں شکوہ کرے گا چنانچہ جب تک وہ قرض کی وجہ سے چھٹکارا نہ پا جائے گا بایں طور کہ یا تو وہ اس قرض کے عوض میں اپنی نیکیاں قرض خواہوں کو دے یا قرض خواہوں کے گناہوں کو ان کے قرض کے عوض اپنے اوپر لادے یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے قرض خواہوں کو راضی کر دے اور وہ اپنا حق معاف کر دیں اس وقت تک وہ اسی تنہائی میں رہے گا گویا یہ تنہائی بھی اس کے لئے ایک عذاب کے درجے کی چیز ہوگی جس سے وہ سخت رنج واذیت محسوس کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی بادشاہ نہیں

63 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَخْبَثُهُ وَأَغْيَظُهُ عَلَيْهِ رَجُلٌ كَانَ يُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ لَا مَلِكَ إِلَّا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ غصہ میں لانے والا اور سب سے زیادہ خبیث اور اللہ کا سب سے زیادہ غصہ اٹھانے والا وہ شخص ہوگا جس کو شاہ شاہان (بادشاہوں کا بادشاہ) کہتے ہوں، اللہ عزوجل کے سوائے کوئی بادشاہ نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ (حدیث قدسی) میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضہ قدرت) میں ہیں لہٰذا جب میرے (اکثر) بندے میری اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (ظالم) بادشاہوں کے دلوں کو رحمت وشفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں۔

اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حق (عادل ونرم خو) بادشاہوں کے دلوں کو غضبناکی اور سخت گیری کی طرف پھیر دیتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ (بادشاہ) ان کو سخت عقوبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اس لئے (ایسی صورت میں) تم اپنے آپ کو ان بادشاہوں کے لئے بدعا کرنے میں مشغول نہ کرو بلکہ (میری بارگاہ میں تضرع وزاری کر کے اپنے آپ کو (میرے) ذکر میں مشغول کرو تا کہ میں تمہارے ان بادشاہوں کے شر سے تمہیں بچاؤں۔ اس روایت کو ابونعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 852)

اس حدیث میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ رعایا کے تئیں حکمرانوں کے رویہ کا تعلق باطنی طور پر لوگوں کے اعمال و کردار سے ہوتا ہے کہ اگر رعایا کے لوگ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات بالعموم راست بازی و نیک کرداری کے پابند ہوتے ہیں تو ان کا ظالم حکمران بھی ان کے حق میں عادل نرم خو اور شفیق و کرم گستر بن جاتا ہے اور اگر رعایا کے لوگ اللہ کی سرکشی و طغیانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اور ان کے اعمال و معاملات عام طور پر بدکرداری کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں تو پھر ان کا عادل و نرم خو حکمران بھی ان کے حق میں غضبناک اور سخت گیر ہو جاتا ہے لہٰذا حکمران کے ظلم کے ظلم وستم اور اس کی سخت گیری و انصافی پر اس کو برا بھلا کہنے اور اس کے لئے بددعا کرنے کی بجائے یہ راہ اختیار کرنی چاہئے کہ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے، اپنی بداعمالیوں پر ندامت کے ساتھ توبہ استغفار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجزی و زاری کے ساتھ التجاء فریاد کی جائے اور اپنے اعمال و اپنے معاملات کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع کر دیا جائے تاکہ رحمت الٰہی متوجہ ہو اور ظالم حکمران کے دل کو عدل و انصاف اور نرمی و شفقت کی طرف پھیر دے۔

تکبر کے سبب زمین میں دھنس جانے کا بیان

64 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَتَبَخْتَرُ فِي بُرْدَيْنِ وَقَدْ أَعْجَبَتْهُ نَفْسُهُ خُسِفَ بِهِ الْأَرْضُ، فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص تھا دو چادروں میں اکڑتے ہوئے چل رہا تھا اور اس کو اپنے نفس پر غرور تھا اتنے میں وہ زمین میں دھنس گیا اور وہ قیامت کے دن تک دھنستا رہے گا۔

متکبرین کے حشر کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چھوٹی چیونٹیوں کی طرح مردوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا یعنی ان کی شکل مردوں کی سی ہوگی لیکن جسم و جثہ چیونٹیوں کی مانند ہوگا اور ہر طرف سے ذلت و خواری کو پوری طرح گھیرے گی پھر ان کو جہنم کے ایک قید خانہ کی طرف کہ جس کا نام بولس ہے ہانکا جائے گا وہاں آگوں کی آگ ان پر چھا جائیگی۔ اور دوزخیوں کا نچوڑ یعنی دوزخیوں کے بدن سے بہنے والا خون، پیپ اور کچ لہوان کو پلایا جائے گا۔ جس کا نام طینت الخبال ہے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1036)

چھوٹی چیونٹیوں کی طرح" کے اصل مفہوم کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ چیونٹیوں کی تشبیہ دراصل اس بات سے کنایہ ہے کہ تکبر کرنے والے لوگ قیامت کے دن میدان حشر میں نہایت ذلت خواری کے ساتھ حاضر ہوں گے اور گویا وہ لوگوں کے پاؤں کے نیچے اس طرح پامال ہوں گے جس طرح چیونٹیوں کو روندا جاتا ہے ان حضرات کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ قیامت کے دن مخلوق کا اٹھنا اور ان کے اجسام کا دوبارہ بننا ان ہی اجزاء اصل کے ساتھ ہوگا جو وہ دنیا میں

رکھتے تھے جیسا کہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص میدان حشر میں اپنے اجزاء اعضاء کے ساتھ اٹھ کر آئے گا جن پر دنیا میں اس کا جسم پر مشتمل تھا اور ظاہر ہے کہ چیونٹی کی صورت اس کا جثہ اس جسم و بدن کے اجزاء اصلی کے حامل نہیں ہو سکتا اس لئے حدیث فی الصور مردوں کی صورت میں کے الفاظ بھی اس قول پر دلالت کرتے ہیں۔

ملا علی قاری نے بھی اس کے بارے میں کئی اقوال نقل کئے ہیں اور پھر تورپشتی کی طرف منسوب کر کے یہ بیان کیا ہے کہ ہم اس حدیث کے ظاہری معنی اس لئے مراد لیتے نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ قیامت کے دن دوبارہ اٹھ کر میدان حشر میں آئیں تو ان کے جسم و بدن ان ہی اجزاء پر مشتمل ہوں گے جن پر دنیا میں ان کے جسم تھے۔ یہاں تک کہ ان کے عضو تناسل کی کھال کا وہ حصہ بھی لگا دیا جائے گا جو ختنہ کے وقت کاٹا جاتا ہے گویا سارے لوگ غیر مختون اٹھیں گے لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان کے جسم کے سارے اجزاء یہاں تک کہ ناخن اور بال وغیرہ بھی ایک چنونٹی کے جثہ کے برابر ہو جمع ہو جائیں۔ آخر میں ملا علی قاری نے تورپشتی کے مذکورہ قول کے مخالفین کے جواب بھی نقل کئے ہیں اور ان پر شک کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تحقیق یہ لکھی ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے تو اس وقت اللہ دوسرے لوگوں کی طرح تکبر کرنے والوں کے جسم کو بھی دوبارہ بنائے گا۔

اور وہ بھی اپنے تمام اجزاء معدومہ کے ساتھ اپنے پورے جسم میں اٹھ کر آئیں گے تاکہ ہر ایک کی دوبارہ جسمانی تخلیق کی قدرت پوری طرح ثابت ہو جائے لیکن پھر ان لوگوں کو میدان حشر میں مذکورہ جسم و صورت میں تبدیل کر دے گا یعنی ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح ہو جائیں گے اور ان کی صورت مردوں کی سی رہے گی اور یہ تبدیلی جسم اس لئے ہوگی کہ تاکہ ان کی ذلت و اہانت پوری مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب مذکورہ لوگ حساب و کتاب کی جگہ آئیں گے اور ان کے سامنے عذاب الٰہی کی نشانیاں ظاہر ہوں گی تو اس وقت وہ ہیبت و دہشت کے سبب اس قدر گھٹ جائیں گے کہ ان کے جسم چیونٹیون کی طرح معلوم ہوں گے اور اہل دوزخ کا اپنی اپنی حالتوں اور گناہوں کے اعتبار سے مختلف صورتوں جیسے کتے سور، گدھے، وغیرہ کی شکلوں میں تبدیل ہو جانا مختلف منقولات سے ثابت ہے۔ لفظ بولس "باء کے زبر، واؤ کے جزم اور لام کے زبر کے ساتھ اور قاموس میں لکھا ہے کہ یہ لفظ با کے پیش کے اور لام کے زیر کے ساتھ ہے جو بلس سے مشتق ہے اور جس کے معنی تحیر اور ناامیدی کے ہیں شیطان کا نام ابلیس بھی اسی سے مشتق ہے۔ "آگوں کی آگ میں" کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے آگ کی نسبت کسی ایسی چیز کی طرف کی جائے جس کو آگ جلا دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ آگ اس طرح کی ہوگی کہ وہ خود آگ کو لکڑی کی طرح جلائے گی۔ طینۃ الخبال میں لفظ خبال خاء کے زبر کے ساتھ ہے اور اس کے لغوی معنی فساد اور خرابی کے ہیں اور جیسا کہ حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ 'طینۃ الخبال'، ان دوزخ کے عصارہ کا نام ہے اور عصارہ اس پیپ، خون اور کچ لہو کو کہتے ہیں جو دوزخیوں کے زخموں سے بہے گا۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ بتصرف، بیروت)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کا بیان

65 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جیسا گمان کہ وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔ (بخاری، مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 785)

شرح

انا عند ظن عبدی بی (میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں) کا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ میری نسبت جو گمان و خیال رکھتا ہے میں اس کے لئے ویسا ہی ہوں اور اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔ جس کی وہ مجھ سے توقع رکھتا ہے اگر وہ مجھ سے عفو معافی کی امید رکھتا ہے تو اس کو معافی دیتا ہوں اور اگر وہ میرے عذاب کا گمان رکھتا ہے تو پھر عذاب دیتا ہوں۔ اس ارشاد کے ذریعہ گویا ترغیب دلائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی امید اس کے عذاب کے خوف پر غالب ہونی چاہئے اور اس کے بارہ میں اچھا گمان رکھنا چاہئے کہ وہ مجھے اپنی بے پایاں بخشش اور لامحدود رحمت سے نوازے گا۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ اللہ ایک شخص کو دوزخ میں لے جانے کا حکم کرے گا جب اسے کنارہ دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب تیرے بارے میں میرا گمان اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کو واپس لے آؤ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔ امید کا مطلب اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کیا جائے اور پھر بخشش کا امیدوار رہے بغیر عمل صرف امید ہی پر تکیہ کر لینا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا ہے یعنی ایسی امید کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو شخص میری یاد میں مشغول رہتا ہے تو میں اسے مزید نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دیتا ہوں اور اس پر رحمت نازل کرتا ہوں اور اس کی مدد و حفاظت کرتا ہوں۔

ہر بچے کا فطرت اسلام پر پیدا ہونے کا بیان

66 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يُولَدُ يُولَدُ عَلَى هَذِهِ الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ، كَمَا تُنْتِجُونَ الْبَهِيمَةَ، هَلْ تَجِدُونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ حَتَّى تَكُونُوا أَنْتُمْ تَجْدَعُونَهَا؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَفَرَأَيْتَ مَنْ يَمُوتُ وَهُوَ صَغِيرٌ؟ قَالَ: اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پیدا ہوتا ہے وہ اس فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو، یہودی بنا دیتے ہیں اور اس کو نصرانی بنا دیتے ہیں جس طرح تم جانور سے بچے پیدا کرتے ہو تو کیا تم ان میں ناک کان کٹا پاتے ہو؟ یہاں تک کہ تم خود نہ کاٹو (یعنی بچے کو تم یہودی یا نصرانی بناتے ہو وہ خود بخود نہیں بنتا)، لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کافروں کا جو شخص بچپن میں مرجاتا ہے اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: وہ بچے جو کچھ کرنے والے تھے اللہ ان کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت کے رد کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو فطرت پر پیدا کیا

جاتا ہے (یعنی امر حق کو قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح ایک چار پایہ جانور پورا چار پایہ بچہ دیتا ہے، کیا تم اس میں کوئی کمی پاتے ہو" پھر آپ نے یہ آیت تلاوتی فرمائی

(ترجمہ) یہ اللہ تعالیٰ کی اس بنائی کے موافق ہے جس پر اللہ نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا یہ دین مستحکم ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 87)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فطرت پر کی ہے اور فطرت صرف امر حق یعنی ایمان و اسلام کو قبول کر سکتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ اس فطرت پر ہوتا ہے لیکن خارجی اثر سے وہ فطرت کے تقاضوں سے دور ہو جاتا ہے اور خلاف اصول و فطرت طریقوں پر چلنے لگتا ہے یعنی اگر اس کے ماں باپ مجوسی ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کے مذہب میں رنگ جاتا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر فرمایا کہ جس طرح کسی جانور کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی اصلی حالت میں پیدا ہوتا ہے اس کے اندر کسی قسم کی کوئی کمی یا کوئی نقصان نہیں ہوتا، ہاں اگر خارجی طور پر کوئی اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے یا اس کے جسم میں کوئی عیب پیدا کر دے تو وہ اپنی اصلی اور تخلیقی حالت کھو دیتا ہے، اسی طرح انسان پیدا کے وقت اپنی اصلی فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا ماحول، اس کی سوسائٹی یعنی ماں باپ وغیرہ اس کے احساسات و شعور اور اس کے عقائد پر اپنے مذہب کا رنگ چڑھا کر اس کے ذہن و فکر اور قلب و دماغ کو غلط راستہ پر موڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلی اور تخلیقی فطرت پر قائم نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے، ہاں اگر ایسا نہیں ہوتا اور اس کے ماں باپ مسلمان ہوتے ہیں تو وہ بھی مسلمان رہتا ہے۔

قیامت کے دن ریڑھ ہڈی کے ساتھ اٹھنے کا بیان

67 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ فِي الْإِنْسَانِ عَظْمًا لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ أَبَدًا، فِيهِ يُرَكَّبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . قَالُوا: أَيُّ عَظْمٍ؟ قَالَ: عَجْبُ الذَّنَبِ . وَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ: إِنَّمَا هُوَ: عَجْمُ، وَلَكِنَّهُ قَالَ بِالْمِيمِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان میں ایک ہڈی ہوتی ہے، اس کو زمین کبھی نہیں کھاتی، اسی سے وہ قیامت کے دن مرکب ہوگا۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! کونسی ہڈی؟ آپ نے فرمایا "عجم لذنب" (ریڑھ کی ہڈی) اور ابو الحسن نے کہا: وہ "عجب" ہے لیکن "میم" سے (عجم) فرمایا۔ (صحیح مسلم/20214، برقم 5255)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" دونوں نفخوں (یعنی ایک مرتبہ مارنے کے لئے اور دوسری مرتبہ جلانے کے لئے دونوں مرتبہ پھونکے جانے والے صور کے درمیان کا وقفہ چالیس ہوگا لوگوں نے (یہ سن کر) پوچھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا (چالیس سے) چالیس دن مراد ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم! پھر لوگوں نے پوچھا کہ کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟ ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم ان لوگوں نے پھر پوچھا کہ کیا چالیس سال مراد ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر یہی جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان حدیث کا

سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور اس پانی سے لوگ (یعنی انسان اور تمام جاندار) اس طرح اگیں کہ جیسے سبزہ اگتا ہے" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" انسان کے جسم و بدن کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو پرانی اور بوسیدہ نہ ہو جاتی ہو (یعنی گل سڑ کر ختم نہ ہو جاتی ہو) علاوہ ایک ہڈی کے جس کو عجب الذنب کہتے ہیں اور قیامت کے دن ہر جاندار کی اسی ہڈی سے اس کے تمام جسم کو مرکب کیا جائے گا۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 93)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب دینا کہ مجھے نہیں معلوم، اس بنا پر تھا کہ یا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو اسی طرح مجملا سنا تھا یا سنا تو مفصل تھا مگر وہ یہ بھول گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم " چالیس " کے بعد کیا فرمایا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے مذکورہ جواب کے ذریعہ واضح کیا کہ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ " چالیس " سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد چالیس دن تھے، یا چالیس مہینے اور یا چالیس سال بہر حال اس حدیث میں چالیس کا لفظ مجمل نقل ہوا ہے جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ لفظ تفصیل کے ساتھ ہے اور وہ چالیس برس ہے پس دونوں نفخوں کے درمیان جو وقفہ ہوگا وہ چالیس سال کے برابر ہوگا۔

عجب الذنب "اس ہڈی کو کہتے ہیں جو ریڑھ کے نیچے دونوں کولھوں کے درمیان ہوتی ہے جہاں جانور کی دم کا جوڑ ہوتا ہے اور عام طور پر اس کو ریڑھ کی ہڈی سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض روایتوں میں عجب الذنب میں " عجب " کے بجائے " عجم کا لفظ ہے ویسے جوڑ ہوتا ہے اس لئے اس کا نام عجب الذنب یا عجم الذنب ہے حاصل یہ کہ ریڑھ کی ہڈی گویا انسان کا بیج ہے کہ اسی سے ابتدائی تخلیق ہوتی ہے اور قیامت کے دن دوبارہ اسی کے ذریعہ تمام اعضاء جسمانی کو از سر نو ترتیب دیا جائے گا بس مرنے کے بعد انسان یا کوئی بھی جاندار گل سڑ کر نابود ہو جاتا ہے اور اس کے پورے جسم کی ہڈیوں کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی نہ تو گلتی سڑتی ہے اور نہ اس کو مٹی کھاتی ہے واضح رہے کہ یہ ان لوگوں کی حالت کا بیان ہے جن کے بدن گل سڑ جاتے ہیں انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کا سارا بدن محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو کھانا حرام کیا ہے، یہی بات ان لوگوں کے حق میں کہی جاسکتی ہے جو اس بارے میں انبیاء کے حکم میں ہیں یعنی شہداء اور اولیاء اللہ اور وہ مؤذن جو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اذان دیتے ہیں چنانچہ یہ سب لوگ اپنی قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح اس دنیا میں زندہ لوگ ہیں۔

صوم وصال سے ممانعت کا بیان

68 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ، إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ . قَالَ: إِنِّي لَسْتُ فِي ذَاكُمْ مِثْلَكُمْ، إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي، فَاكْلَفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا لَكُمْ بِهِ طَاقَةٌ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم (صوم) وصال (نفل روزے پے در پے) نہ رکھا کرو، لوگوں نے کہا: مگر آپ خود (صوم) وصال رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں اس بارے میں تمہارے جیسا نہیں ہوں: میں رات گزارتا

ہوں تو میرا پروردگار مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے، پس تم ایسے ہی عمل کی تکلیف اٹھاؤ جس کی تمہیں طاقت ہو۔

(صحیح البخاری۔الصوم(1860) صحیح مسلم۔الصیام(1104) صحیح مسلم۔الصیام(1104) سنن الترمذی۔الصوم(778) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/124) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/170) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/173) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/198) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/200) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/202) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/218) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/235) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/247) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/253) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/276) مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین (3/289) سنن الدارمی۔الصوم 1704)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ پر روزہ پر رکھنے سے منع فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو روزہ پر روزہ رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔تم میں سے کون شخص میری طرح ہے، میں تو اس طرح رات گزارتا ہوں میرا پروردگار کھلاتا ہے اور میری پیاس بجھاتا ہے۔

(بخاری ومسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 489)

روزہ پر روزہ، کا مطلب یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد روزے اس طرح مسلسل رکھے جائیں کہ درمیان میں افطار نہ ہو روزہ پر روزہ رکھنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ ضعف کا سبب ہوتا ہے جس کی وجہ سے دوسری عبادات وطاعات میں نقصان وحرج واقع ہوتا ہے۔اس مسئلہ میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور لوگوں کے لئے روزہ پر روزہ رکھنا جائز ہے یا حرام اور مکروہ؟ چنانچہ بعض حضرات تو اس شخص کے لئے جواز کے قائل ہیں جو اس پر قادر ہو، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس صورت میں حدیث بالا میں مذکورہ ممانعت صرف رحمت وشفقت کے طور پر ہے ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وصال یعنی روزہ پر روزہ رکھنے سے ان پر رحمت وشفقت کے پیش نظر منع فرمایا ہے۔نیز بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ اور بعض تابعین مثلاً حضرت عبداللہ بن معمر، عامر بن عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابراہیم تیمی رحمہما اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ یہ حضرات روزہ پر روزہ رکھتے تھے۔اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے اسے مکروہ کہا ہے اگرچہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ مکروہ تحریمی ہے جمہور علماء کا کہنا یہ ہے کہ روزہ پر روزہ رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اور حدیث کے ظاہر مفہوم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اس بنا پر اہل سلوک کہ جو ریاضت و مجاہدہ اور نفس کشی کا زیادہ شوق اور ذوق رکھتے ہیں ایک چلو پانی سے ہر روزہ کا افطار کرلیا کرتے تھے تاکہ روزہ پر روزہ رکھنے کا اطلاق نہ ہو سکے۔یطعمنی ربی ویسقینی کی مراد کے بارے میں کئی اقوال ہیں مختار اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس سے ظاہری کھلانا پلانا مراد نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غذائے جسمانی سے قطعاً مستغنی تھے اور جب دنیاوی طور پر محبت مجازی اور مسرت حسی میں اس کا تجربہ ہے تو محبت حقیقی اور مسرت معنوی کا کیا کہنا کہ اس کی وجہ سے علائق دنیا سے جتنا بھی استغنا ہو کم ہے۔

بیدار ہونے پر ہاتھوں کو دھونے کا بیان

69 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَضَعْ يَدَهُ عَلَى الْوَضُوءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا، إِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص سو کر اٹھے تو اس کو چاہئے کہ اپنا ہاتھ دھوئے بغیر وضو کے پانی میں نہ ڈالے، تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کہاں رہا ہے۔

(صحیح البخاری۔ الوضوء، (160) صحیح مسلم۔ الطہارۃ (237) صحیح مسلم۔ الطہارۃ (237) صحیح مسلم۔ الطہارۃ (237) سنن النسائی۔ الطہارۃ (88) سنن أبی داود۔ الطہارۃ (35) سنن ابن ماجہ۔ الطہارۃ وسننہا (338) سنن ابن ماجہ۔ الطہارۃ وسننہا (409) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/242) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/254) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/277) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/315) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/316) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/351) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/356) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/360) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/371) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/387) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/401) مسند أحمد۔ باقی مسند المکثرین (2/463) سنن الدارمی۔ الطہارۃ (662) سنن الدارمی۔ الطہارۃ 703)

چھوٹے چھوٹے اعمال کے نیکی ہونے کا بیان

70 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ، قَالَ: تَعْدِلُ بَيْنَ الِاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ وَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا، أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ، وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِيطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کا چھوٹی سی ہڈی (کسی کو دینا) بھی اس وقت تک کے لیے نیکی ہے جب تک کہ آفتاب طلوع ہوتا رہے۔ آپ نے فرمایا: دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی نیکی ہے، اور کسی آدمی کو سوار ہونے میں مدد دینا اور اس کو یا اس کے اسباب کو سوار کرانا بھی نیکی ہے اور میٹھی اچھی بات کرنا بھی نیکی ہے اور ہر قدم جو نماز کی طرف چل کر جائے وہ بھی نیکی ہے اور راستہ سے ایذا دور کرنا بھی نیکی ہے۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولاد آدم میں سے ہر انسان تین سو ساٹھ مفاصل کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے لہٰذا جو کوئی اللہ اکبر، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کہے اور اللہ سے استغفار کرے نیز لوگوں کے راستے سے پتھر، کانٹا اور ہڈی (یعنی ہر تکلیف دہ چیز) ہٹا دے یا نیک کام کرنے کا حکم دے یا برے افعال و اقوال سے روکے اور یہ سب یا بعض اقوال و افعال جوڑوں کی تین سو ساٹھ تعداد کے مطابق کرے تو وہ اس دن اس حالت میں چلتا ہے گویا اس نے اپنے آپ کو آگ سے بچا رکھا ہے۔ (مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 397)

مطلب یہ ہے کہ مذکورہ افعال کرنا اور اپنے جسم کو جوڑوں کے بقدر مذکورہ کلمات کا ورد روزانہ کرنا چاہئے تا کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ادا ہوتا رہے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید کا بیان

71 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَا رَبُّ النَّعَمِ لَمْ يُعْطِ حَقَّهَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَخْبِطُ وَجْهَهُ بِأَخْفَافِهَا .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جانوروں کا مالک جانوروں کا حق (یعنی زکوۃ) ادا نہیں کرتا، تو قیامت کے دن اس کے وہی جانور (بطور عذاب) اس پر مسلط کر دیئے جائیں گے جو اپنی لاتیں اس کے منہ پر مارتے رہیں گے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں پر عذاب کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص سونے اور چاندی (کے نصاب) کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لئے آگ کے تختے بنائے جائیں گے (یعنی تختے تو سونے اور چاندی کے ہوں گے مگر انہیں آگ میں اس قدر گرم کیا جائے گا کہ گویا وہ آگ ہی کے تختے ہوں گے اسی لئے آپ نے آگے فرمایا کہ وہ تختے دوزخ کی آگ میں گرم کئے جائیں گے اور ان تختوں سے اس شخص کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ داغی جائے گی پھر ان تختوں کو (اس بدن سے) جدا کیا جائے اور آگ میں گرم کر کے پھر لایا جائے گا (یعنی جب وہ تختے ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ گرم کرنے کے لئے آگ میں ڈالا جائے گا اور وہاں سے نکال کر اس شخص کے بدن کو داغا جائے گا) اور اس دن کی مقدار کہ جس میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ عذاب تو نقدی یعنی سونے چاندی کے بارے میں ہوگا اونٹ کی زکوۃ نہ دینے والوں کا کیا حشر ہوگا؟

آپ نے فرمایا جو شخص اونٹ کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوۃ ادا نہ کرے اور اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جس روز انہیں پانی پلایا جائے ان کا دودھ دوہا جائے تو قیامت کے دن اس شخص کو اونٹوں کے سامنے ہموار میدان میں منہ کے بل اوندھا ڈال دیا جائے گا اور اس کے سارے اونٹ گنتی اور مٹاپے میں پورے ہوں گے مالک ان میں سے ایک بچہ بھی کم نہ پائے گا یعنی اس شخص کے سب اونٹ وہاں موجود ہوں گے۔ حتیٰ کہ اونٹوں کے سب بچے بھی ان کے ساتھ ہوں گے پھر یہ کہ وہ اونٹ خوب فربہ اور موٹے تازے ہوں گے تا کہ اپنے مالک کو روندتے وقت خوب تکلیف پہنچائیں چنانچہ وہ اونٹ اس شخص کو اپنے پیروں سے کچلیں گے اور اپنے دانتوں سے کاٹیں گے جب ان اونٹوں کی جماعت روند کچل اور کاٹ کر چلی جائے تو دوسری جماعت آئے گی یعنی اونٹوں کی قطار روند کچل کر چلی جائے گی تو اس کے پیچھے دوسری قطار آئے گی اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا اور جس دن یہ ہوگا اس دن کی مقدار

پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کردیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! گائے اور بکریوں کے مالک کا کیا حل ہوگا؟

آپ نے فرمایا جو شخص گائیوں اور بکریوں کا مالک ہو اور ان کا حق یعنی زکوۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اسے ہموار میدان میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا اور اس کی گایوں اور بکریوں کو وہاں لایا جائے گا جن میں سے کچھ کم نہیں ہوگا ان میں سے کسی گائے بکری کے سینگ نہ مڑے ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے اور نہ وہ منڈی یعنی بلا سینگ ہوں گی یعنی ان سب کے سروں پر سینگ ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے اور سالم ہوں گے۔ تاکہ وہ اپنے سینگوں سے خوب ماریں چنانچہ وہ گائیں اور بکریاں اپنے سینگوں سے اپنے مالک کو ماریں گی اور اپنے کھروں سے کچلیں گی اور جب ایک قطار اسے مار کچل کر چلی جائے گی تو دوسری قطار آئے گی اور اپنا کام شروع کردے گی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور جس دن یہ ہوگا اس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! گھوڑوں کے بارہ میں کیا حکم ہے۔

آپ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے گناہ کا سبب ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے جنہیں اس کے مالک اظہار فخر وغرور اور مال دار اور ریاء کے لئے اور مسلمانوں سے دشمنی کے واسطے باندھے چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے گناہ کا سبب بنتے ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے پردہ ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں اس کے مالک نے اللہ کی راہ میں کام لینے کے لئے باندھا اور ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارہ میں وہ اللہ کے حق کو نہیں بھولا چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے پردہ ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے ثواب کا سبب و ذریعہ بنتے ہیں۔

اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں ان کا مالک اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے مسلمانوں کے واسطے باندھے اور چراگاہ و سبزہ میں رکھے چنانچہ جب وہ گھوڑے چراگاہ و سبزہ سے کچھ کھاتے ہیں تو جو کچھ انہوں نے کھایا یعنی گھاس وغیرہ کی تعداد کے بقدر اس کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں یہاں تک کہ ان گھوڑوں کی لید اور ان کے پیشاب کے بقدر بھی اس کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں کیونکہ لید اور پیشاب بھی گھوڑے کی زندگی کا باعث ہیں اور گھوڑے رسی توڑ کر ایک یا دو میدان دوڑتے پھرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کے نشانات اور ان کی لید جو وہ اس دوڑنے کی حالت میں کرتے ہیں کی تعداد کے برابر اس شخص کے لئے نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ شخص ان گھوڑوں کو نہر پر پانی پلانے کے لئے لے جاتا ہے اور وہ نہر سے پانی پیتے ہیں اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو، اللہ تعالیٰ گھوڑوں کے پانی پینے کے بقدر اس شخص کے لئے نیکیاں لکھتا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اچھا گدھوں کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گدھوں کے بارہ میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا لیکن تمام نیکیوں اور اعمال کے بارہ میں یہ آیت جامع ہے (فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ، (الزلزلۃ: 7-8) یعنی جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا۔ (یعنی مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو نیک کام کے لئے جانے کے واسطے اپنا گدھا دے گا تو ثواب پائے گا اور اگر برے کام کے لئے دے گا تو

گناہگار ہوگا) (مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 269)

قیامت کے دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بتائی گئی ہے لیکن اس کا تعلق کافروں کے ساتھ ہے یعنی قیامت کا دن کافروں کو پچاس ہزار سال کے بقدر دراز معلوم ہوگا بقیہ گناہگاروں کو ان کے گناہ کے بقدر دراز محسوس ہوگا اگر کسی کے گناہ کم اور ہلکے ہوں گے تو اسے وہ دن اسی اعتبار سے کم دراز محسوس ہوگا اور اگر کسی کے گناہ زیادہ اور شدید نوعیت کے ہوں گے تو اسے وہ دن بھی اس کی اعتبار سے دراز محسوس ہوگا یہاں تک کہ اللہ کے نیک بندوں یعنی مومنین وکاملین کو وہ پورا دن صرف دو رکعت نماز کے بقدر معلوم ہوگا گویا جتنی دیر میں دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے انہیں وہ دن صرف اتنے عرصہ کے بقدر محسوس ہوگا۔ فیری سبیلہ اما الی الجنۃ الخ اور وہ جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس شخص کے نامہ اعمال میں اس ترک زکوۃ کے گناہ کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں ہوگا اور مذکورہ عذاب کہ جس میں اسے مبتلا کیا جائے گا اس کے اس گناہ کو دور کر دے گا تو اس کے بعد وہ جنت میں چلا جائے گا اور اللہ نخواستہ اگر اس کا نامہ اعمال میں ترک زکوۃ کے علاوہ اور گناہ بھی ہوں گے یا یہ کہ مذکورہ عذاب کے بعد بھی ترک زکوۃ کا گناہ اس سے دور نہیں ہو گا تو پھر وہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ حتی یقضی بین العباد میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں دوسری مخلوق اللہ تو حساب کتاب میں مشغول ہوگی مگر وہ لوگ جنہوں نے زکوۃ ادا نہیں کی تھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ومن حقہا حلبہا یوم وردہا اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے الخ۔ اونٹ والوں کا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اونٹوں کو تیسرے دن یا چوتھے دن پانی کی جگہ پانی پلانے لے جاتے ہیں۔

عرب میں ایک یہ معمول بھی تھا کہ جس جگہ پانی پلانے کے لئے اونٹ لائے جاتے تھے وہاں لوگ جمع ہو جاتے تھے اونٹ والے اپنے اونٹوں کو وہاں پانی پلانے لاتے اور وہیں اونٹوں کا دودھ نکال کر وہاں جمع لوگوں کو پلا دیا کرتے چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا جارہا ہے کہ اگرچہ اونٹوں کا واجب حق تو صرف یہی ہے کہ ان کی زکوۃ ادا کی جائے مگر ان کے اور دوسرے حقوق میں سے ایک مستحب حق یہ بھی ہے کہ جس دن اونٹ پانی پینے جائیں اس دن کا دودھ وہ غرباء ومساکین کو پلایا جائے لہٰذا یہ فعل اگرچہ مستحب ہے لیکن از راہ مروت و ہمدردی اور بر بنائے ادائے شکر حق گویا واجب کا حکم رکھتا ہے اسی لئے اس کے بارہ میں اتنی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا چنانچہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حق کی عدم ادائیگی کی صورت میں عذاب بھی ہوسکتا ہے۔ ولا یرید ان یسقیہا (اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو) مطلب یہ ہے کہ مالک گھوڑے کو پانی پلانے کا ارادہ نہ رکھے بلکہ اس کے ارادہ وقصد کے بغیر گھوڑا پانی پیے تو اس کے بارے میں مذکورہ ثواب بیان کی گیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر مالک خود ارادہ وقصد کر کے گھوڑے کو پانی پلائے گا تو اس کا کیا کچھ ثواب اسے ملے گا۔

گھوڑوں کے بارہ میں صحابہ کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا اس کا اسلوب پہلے جوابات کے اسلوب سے مختلف ہے اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کا جو اسلوب اختیار فرمایا ہے اسے جواب علی اسلوب الحکیم کہتے ہیں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے والے صحابہ سے فرمایا کہ گھوڑوں کا جو حق واجب ہے یعنی زکوۃ وغیرہ صرف اس کے بارہ

میں مت پوچھو کہ ان گھوڑوں کی وجہ سے ان کے پالنے والے سعادت و نیک بختی اور بھلائی کے کیسے کیسے مقام حاصل کرتے ہیں اور انہیں ان گھوڑوں سے کیا نفع پہنچتا ہے اسی طرح دوسرا پہلو بھی کہ ان پالنے والوں کو کیسے کیسے گناہ ملتے ہیں اور انہیں کیا نقصان پہنچتا ہے۔ اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لئے گناہ کا سبب ہوتے ہیں اس کی تشریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جنہیں ان کے مالک نے اظہار فخر اور ریاء کے لئے باندھ رکھا ہو یعنی گھوڑے رکھنے سے اس کی غرض صرف یہ ہو کہ لوگ باگ اس کی حشمت و ثروت دیکھیں اور جانیں کہ یہ مجاہد ہے حالانکہ واقعہ میں وہ مجاہد نہیں ہے نیز فخر یہی مراد ہے کہ وہ گھوڑا اس نیت سے پالے کہ میں اپنے سے کمتر لوگوں پر اپنی بڑائی جتاؤں اور ان کے سامنے فخر کا اظہار کروں۔

(۲) وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لئے پردہ ہوتے ہیں اس کی وضاحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جنہیں ان کے مالک نے اس لئے باندھا ہے تاکہ وہ اللہ کی راہ میں کام آئیں یہاں اللہ کی راہ سے مراد جہاد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ گھوڑوں کو رکھنے اور باندھنے کا مقصد اظہار فخر و غرور اور ریاء نہ ہو بلکہ انہیں اچھی و نیک نیت سے رکھے مثلاً گھوڑے اس مقصد کے لئے پالے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اچھے و نیک مقاصد کے لئے کام آئیں یا ان سے اپنی سواری مقصود ہو کہ اپنی مشروع و مباح ضرورتوں کے وقت ان پر سوار ہو سکے نیز یہ کہ اپنے فقر و احتیاج کی پردہ پوشی کرے جیسا کہ روایت میں فرمایا گیا ہے کہ ربطھا تغنیا وتعففا یعنی دوسروں سے مستغنی رہنے اور دوسروں کے آگے اپنی احتیاج و ضرورت کے اظہار سے بچنے کے لئے گھوڑا رکھنا چاہیے مثلاً تجارتی مقصد کے لئے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے یہاں جانے کے لئے کھیت کھلیان میں آنے جانے کے واسطے یا اسی قسم کے دوسرے مقاصد کے وقت اگر گھوڑے کی ضرورت ہو تو کسی دوسرے کی طرف دیکھنا نہ پڑے بلکہ اپنا گھوڑا ہو تو وہ کام آئے اور غیروں کے آگے اظہار ضرورت کی شرمندگی سے بچائے۔ اسی لئے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کو اپنے مالک کے لئے پردہ قرار دیا ہے کہ ایک طرف تو گھوڑا اپنے مالک کے فقر و احتیاج کے لئے پردہ پوش ہوتا ہے بایں طور کہ گھوڑے کی وجہ سے دوسروں کی نظروں میں اس کے مالک کا وقار اور بھرم قائم رہتا ہے اور اس کی عزت بنی رہتی ہے۔

دوسری طرف گھوڑی کا مالک اپنی ضرورت و حاجت کے وقت کسی دوسرے شخص کے آگے اظہار حاجت اور دست سوال دراز کرنے سے بچا رہتا ہے۔ اس موقع پر اللہ کے راستہ سے یہ مفہوم اس لئے مراد لیا گیا ہے تاکہ ایک ہی عبارت میں تکرار لازم نہ آئے کیونکہ تیسری قسم کے ضمن میں مذکورہ اللہ کے راستہ سے مراد جہاد ہی ہے۔ اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے مالک کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارہ میں وہ اللہ کے حق کو نہیں بھولا۔ چنانچہ اس ارشاد گرامی میں پیٹھ کے بارہ میں اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس گھوڑے پر اچھے اور نیک کاموں کی خاطر سوار ہوا اور اگر کسی نے اس سے اپنی سواری کے لئے یا گھوڑیوں پر چھوڑنے کے لئے اس کا گھوڑا مانگا تو اس نے اس کی ضرورت پوری کی۔

اسی طرح گردن کے بارہ میں حق یہ ہے کہ ان کی زکوۃ ادا کی۔ مگر حضرات شوافع کی طرف سے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ

بیان کیا جاتا ہے کہ مالک نے اپنے گھوڑے کی خبر گیری کی بایں طور کہ ان کے گھاس دانہ میں کوئی کمی نہیں کی انہیں ان کی پوری خوراک مہیا کی اور انہیں اگر کوئی مرض لاحق ہو یا کوئی تکلیف ہوئی تو اسے فوراً دور کیا۔ گھوڑوں میں زکوۃ ہے یا نہیں؟ دراصل اس عبارت کے مفہوم کے تعین میں یہ اختلاف اس لئے واقع ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوۃ واجب ہوتی ہے جو جنگل میں چرتے ہیں پھر گھوڑے کا مالک اس بارہ میں مختار ہے کہ چاہے تو وہ ان کی زکوۃ میں ہر گھوڑے پیچھے ایک دینار دے چاہے ان کی قیمت متعین کر کے ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوۃ ادا کرے جیسا کہ زکوۃ کا حساب ہے۔ حضرت امام شافعی اور صاحبین کے ہاں گھوڑوں میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔

ان حضرات کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمانوں پر ان کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ واجب نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف سے دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ ہر گھوڑے پیچھے کہ جو جنگل میں چرے ایک دینار ہے۔ جہاں تک تعین قیمت پر زکوۃ کا تعلق ہے اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عمر فاروق سے منقول ہے حضرت شافعی بطور دلیل جو حدیث پیش کرتے ہیں اس کے بارہ میں حضرت امام اعظم کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق غازی ومجاہد کے گھوڑے سے ہے اسی طرح غلام سے مراد غلام ہے جو خدمت کے لئے رکھ چھوڑا ہو۔

(۳) وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لئے ثواب کا ذریعہ بنتے ہیں اس کی تشریح آپ نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جسے اس کے مالک نے مسلمانوں کے لئے اللہ کی راہ میں باندھا ہے یہاں اللہ کے راستہ سے مراد جہاد ہی ہے یعنی اس نے اس مقصد کے لئے گھوڑے پال رکھے ہیں تا کہ جب جہاد کا وقت آئے تو اس پر سوار ہو کر دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہو یا بوقت ضرورت دوسرے مسلمانوں کو دے تا کہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

خزانوں کا قیامت کے دن زہریلا سانپ بن جانے کا بیان

72 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ وَيَطْلُبُهُ وَيَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ، قَالَ: وَاللّٰهِ لَنْ يَزَالَ يَطْلُبُهُ حَتَّى يَبْسُطَ يَدَهُ فَيُلْقِمَهَا فَاهُ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا یعنی نہایت زہریلا سانپ بن جائے گا، صاحب خزانہ اس سے بھاگنا چاہے گا لیکن وہ اس کا پیچھا کرے گا اور کہے گا: میں تیرا خزانہ ہوں۔ فرمایا: اللہ کی قسم! وہ پیچھا کرتا ہی رہے گا یہاں تک کہ (اس زکوۃ نہ دینے والے) شخص کو اپنے قبضے میں لا کر اپنا نوالہ بنا لے گا۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت کا بیان

73 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُبَالُ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي، ثُمَّ يُغْتَسَلُ بِهِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اس ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہنے والا نہ ہو پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی میں غسل کرنے لگے (یعنی کسی دانشمند سے یہ بعید ہے کہ وہ پانی میں پیشاب کرلے پھر اسی پانی سے غسل کرلے)۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

شرح

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی آدمی اس ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہنے والا نہ ہو پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی میں غسل کرنے لگے (یعنی کسی دانشمند سے یہ بعید ہے کہ وہ پانی میں پیشاب کرلے پھر اسی پانی سے غسل کرلے)۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم) صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی ناپاکی کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے (تاکہ پانی ناپاک نہ ہو جائے) لوگوں نے کہا "ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پھر کس طرح نہانا چاہئے؟ انہوں نے فرمایا "اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی (چلو سے) لے کر پانی سے باہر نہانا چاہئے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 445)

یہاں جس پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس میں نہانے سے روکا جا رہا ہے اس سے ماء قلیل یعنی تھوڑا پانی مراد ہے کیونکہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی ماء جاری یعنی بہنے والے پانی کا حکم رکھتا ہے جو پیشاب وغیرہ سے ناپاک نہیں ہوتا اور پھر اس میں نہانا بھی جائز ہے۔ بعض علماء کرام نے کہا کہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی میں بھی پیشاب کرنا ممنوع ہے اگرچہ وہ پانی پیشاب وغیرہ سے نجس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی آدمی پیشاب کرے گا تو اس کے دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس میں پیشاب کرنے لگیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمومی طور پر سب ہی لوگ اس میں پیشاب کرنے کی عادت میں مبتلا ہو جائیں گے جس کی وجہ سے پانی رفتہ رفتہ متغیر (تبدیل) ہو جائے گا یعنی جب اس میں زیادتی اور کثرت سے پیشاب کیا جائے گا تو پانی کا رنگ مزہ اور بو تینوں چیزیں بدل جائیں گی اور پانی اصل حیثیت کھو کر ناپاک ہو جائے گا۔ لہٰذا اب اس حدیث میں مذکورہ حکم کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ پہلی شکل یعنی پانی کم ہونے کی صورت میں تو یہ نہی حرمت کے لئے ہے کیونکہ کم پانی میں پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسری شکل یعنی پانی زیادہ ہونے کی صورت میں کراہت کے لئے ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اصطلاح شریعت میں " کم پانی" اور زیادہ پانی کی مقدار اور اس کی تحدید کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں انشاء اللہ تعالیٰ اگلے صفحات میں پوری وضاحت کی جائے گی۔ اسے بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث میں پانی کے ساتھ جاری یعنی بہنے والے کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟ اس قید کی وجہ یہ ہے کہ اگر پانی جاری یعنی بہنے والا ہو تو خواہ کم ہو یا زیادہ ہو اس میں نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ نیز علماء کرام نے لکھا ہے کہ یہ تمام تفصیلات دن کے لئے ہیں، رات میں جنابت کے خوف کی وجہ سے مطلقاً اس میں قضائے حاجت مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ جنات رات کو وہیں رہتے ہیں جہاں پانی ہوتا ہے چنانچہ اکثر و بیشتر ندی و نالے اور تالاب جوہڑ اور نہر وغیرہ رات کو جنات کا مسکن ہوتی ہیں۔ حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جنبی پانی میں ہاتھ نکالنے کے لئے ڈالے تو پانی مستعمل یعنی ناقابل استعمال نہیں ہوگا اور اگر وہ پانی میں ہاتھ اس لئے ڈالے تاکہ اپنے ہاتھوں کو ناپاکی دور کرنے کے لئے اس میں دھوئے تو اس شکل میں اپنی مستعمل یعنی ناقابل

استعمال ہو جائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 446)

مسکین کی تعریف کا بیان

74 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْمِسْكِينُ هَذَا الطَّوَّافُ الَّذِى يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ، تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِى لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ، وَيَسْتَحْيِى أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چکر لگانے والا جو (بھیک مانگنے کے لیے) لوگوں کے پاس چکر لگایا کرتا ہے اور ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجور پاتا ہے تو وہ مسکین نہیں ہے، اصل میں مسکین وہ ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور لوگوں سے مانگنے میں شرم کرے اور لوگ اس کی حالت نہیں جانتے کہ اس کو کچھ خیرات دے سکتے۔

فقیر کی تعریف

امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی معمولی چیز ہو۔

مسکین کی تعریف

وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ جبکہ امام زہری علیہ الرحمہ کے سے روایت ہے کہ فقیر وہ ہے جو اپنے گھر میں رہتا ہو اور لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو جبکہ مسکین وہ ہے جو گھر سے نکلے اور لوگوں سے سوال کرے۔ (قمر الاقمار ص ۸۱، مکتبہ اکرمیہ پشاور)

نفلی روزے میں شوہر سے اجازت لینے کا بیان

75 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَلَا تَأْذَنُ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَمَا أَنْفَقَتْ مِنْ كَسْبِهِ مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَإِنَّ نِصْفَ أَجْرِهِ لَهُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی عورت کا شوہر گھر پر موجود ہو تو اس کو اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھنا چاہیے اور اس کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو آنے کی اجازت نہ دینی چاہئے۔ اور اس کی آمدنی سے اس کے حکم کے بغیر جو کچھ خیرات کرے تو اس کا آدھا ثواب شوہر کو ملے گا (یعنی علاوہ مال کے ثواب کے، نفس فعل خیرات دہی کا بھی پورا ثواب عورت کو نہ ملے گا)۔

نفلی روزے کی قضاء کا بیان

حضرت زہری رحمہ اللہ حضرت عروہ رحمہ اللہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا نے فرمایا ایک دن میں اور حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں روزے سے تھیں کہ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا ہمیں اس کو کھانے کی خواہش ہوئی چنانچہ ہم نے کھالیا اب ہمارے بارہ میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بدلہ بطور قضا ایک دن روزہ رکھو۔

امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور حفاظ حدیث کی ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس روایت کو زہری سے اور زہری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اس میں عروہ کا واسطہ مذکور نہیں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ نیز اس روایت کو امام ابوداؤد نے زمیل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے جو حضرت عروہ کے آزاد کردہ غلام تھے زمیل نے عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔ (شیخ ولی الدین عراقی، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 590)

چونکہ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا نفل روزہ توڑ دے تو اس کی قضا ضروری ہے اس لئے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم کہ اس کے بدلہ بطور قضا ایک دن روزہ رکھو بطور وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن شوافع کے ہاں چونکہ نفل روزہ کی قضا واجب نہیں ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ حکم بطور استحباب ہے۔ روایت کے آخری جزء زہری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق ارسال نقل کیا ہے لفظ "ارسال" اسناد سے "سقوط راوی" کے معنی میں ہے جس کا مطلب ہے "انقطاع واسطہ" یعنی پہلی روایت کے سلسلہ اسناد میں زہری رحمہ اللہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان عروہ کا جو واسطہ تھا وہ اس روایت میں نہیں ہے اگرچہ یہ اصطلاح اس معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے مگر مشہور یہی ہے کہ مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جسے تابعی صحابی کا واسطہ ذکر کئے بغیر نقل کرے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اس دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں اور ام ہانی رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھیں اتنے میں ایک لونڈی ایک برتن لے کر آئی جس میں پینے کی کوئی چیز تھی لونڈی نے وہ برتن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ پی کر وہ برتن ام ہانی رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمایا۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بھی اس میں سے پیا اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے افطار کر لیا کیونکہ میں روزے سے تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے رمضان کا کوئی قضا یا نذر کا روزہ رکھا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں! بلکہ نفل روزہ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ نفل روزہ تھا تو کوئی حرج نہیں (ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

ایک اور روایت میں جو احمد اور ترمذی نے اسی کی مانند نقل کیا ہے یہ الفاظ بھی ہیں کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں روزہ سے تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نفل روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا مالک ہے چاہے روزہ رکھے چاہے افطار کرے۔ (شیخ ولی الدین عراقی، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 589)

اپنے نفس کا مالک ہے کا مطلب یہ ہے کہ نفل روزہ رکھنے والا خود مختار ہے کہ ابتدا چاہے تو روزہ رکھے یعنی روزہ کی نیت کرے، چاہے افطار کرے یعنی روزہ نہ رکھنے کو اختیار کرے، یا پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نفل روزہ رکھنے والا روزہ رکھنے کے بعد بھی مختار ہے

کہ چاہے تو اپنا روزہ پورا کرے چاہے تو توڑ ڈالے، اس صورت میں اس کی تاویل یہ ہوگی کہ نفل روزہ دار کو اس بات کا اختیار ہے کہ اگر اس کے پیش نظر کوئی مصلحت ہو مثلاً کوئی شخص اس کی ضیافت کرے یا کسی جماعت کے پاس جائے جس کے بارہ میں یہ معلوم ہو کہ اگر روزہ توڑ کر ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہیں ہوگا تو لوگ وحشت و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس صورت میں وہ روزہ توڑ سکتا ہے تاکہ آپس میں میل ملاپ اور محبت والفت کی فضا برقرار رہے لہٰذا ان الفاظ و معانی سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ نفل روزہ توڑنے کے بعد اس کی قضا ضروری نہیں ہے جب کہ اس کے بعد آنے والی حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ قضا کے ضروری ہونے کو ثابت کر رہی ہے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بارہ میں محدثین کے ہاں کلام ہے چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد محل بحث ہے اور منذری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے اور اس کی اسناد میں بہت اختلاف ہے۔

موت کی تمنا نہ کرنے کا بیان

76 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُو بِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُ، إِنَّهُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ، أَوْ قَالَ أَجَلُهُ، إِنَّهُ لَا يَزِيدُ الْمُؤْمِنَ عُمْرُهُ إِلَّا خَيْرًا ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص موت کی خواہش نہ کرے، اور اس کے آنے سے پہلے اس کی دعا نہ کرے، جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا "عمل" منقطع ہو جاتا ہے۔ یا آپ نے فرمایا: اس کی "زندگی" ختم ہو جاتی ہے۔۔ مومن کی عمر زیادہ ہونے سے اس کی بھلائی میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم میں سے کوئی شخص نہ (تو دل سے) موت کی آرزو کرے اور (زبان سے) موت کی دعا مانگے قبل اس کے کہ اس کی موت آئے۔ کیونکہ انسان جب مرجاتا ہے تو (بھلائی کی زیادتی کے لئے) اس کی امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں اور مؤمن کی عمر کی درازی اس کی بھلائی ہی میں زیادتی کرتی ہے۔

(مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 78)

ظاہر ہے کہ جب انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو نیکی و بھلائی کی راہیں بھی منقطع ہو جاتی ہیں کیونکہ اگر زندگی ہوگی تو اعمال نیک ہوں گے اور جب اعمال نیک ہوں گے تو سعادت بھلائی میں زیادتی ہی زیادت ہوگی اسی لئے فرمایا گیا کہ بندہ مؤمن کی زندگی جب دراز ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کی بھلائی و سعادت میں زیادتی ہوتی ہے کیونکہ بندہ مؤمن بلاء و مصیبت پر صبر کرتا ہے نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے، تقدیر الٰہی سے راضی رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ثواب بڑھتا ہی جاتا ہے۔

دنیا کے مصائب و آلام سے بیزار ہو کر موت کی تمنا کرنا اور اپنے لیے موت کی دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبتوں کے سبب موت کی آرزو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ صحیح بخاری کتاب المرضی، باب نہی تمنی المریض الموت میں حدیث شریف ہے: **لایتمنین احدکم الموت من ضر اصابه فان کان لا بد فاعلا فلیقل اللهم احینی ما کانت**

الحیاۃ خیراً لی و توفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی ۔

تم میں کوئی مصیبت کی وجہ سے ہرگز موت کی آرزو نہ کرے اگر وہ موت کی خواہش ہی رکھتا ہے تو یہ دعا کرے: اللھم احینی ما کانت الحیاۃ خیراً لی و توفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی ۔ اے اللہ! تو مجھ کو حیات عطا فرما جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہو اور مجھ کو موت عطا فرما جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب نہی تمنی المریض الموت، حدیث نمبر 5347)

اگر گناہوں کی کثرت ہو جائے، فتنے اُمنڈنے لگیں اور مصیبت میں پڑنے کا خوف ہو تو اپنے دین کو بچانے اور فتنوں سے خلاصی پانے کے لیے موت کی تمنا کر سکتا ہے، جیسا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ایسے زمانہ میں) زمین کا اندرونی حصہ تمہارے لیے زمین کے بیرونی حصہ سے بہتر ہے۔ الغرض دنیا کے خوف سے موت کی تمنا نہیں کرنا چاہیے۔

قرآن کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت و تحقیق

قرآن مجید کی آیات میں سے بہت سی آیات سے یہ استدلال ثابت ہے۔ کہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کا اسلام حکم دیتا ہے۔ یہ بھلائی دنیاوی ہو اخروی ہو دونوں طرح سے حسن سلوک کرنا نیکی ہے۔ اسی طرح فوت شدہ مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا بہترین طریقہ ایصال ثواب ہے۔

فوت شدہ مسلمانوں کیلئے دعا کرنے کا حکم:

وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

اور وہ جو ان کے بعد آئے ۔عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ اے رب ہمارے بیشک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

اس آیت میں غور کریں کہ دوسروں کیلئے دعا کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اس میں عموم ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت شدہ ہوں۔ جب حکم عموم کے بیان ہوا اور اس کے عموم پر یعنی جب فوت شدہ کو ثواب پہنچنے کا حکم ثابت ہو رہا ہے۔ اور احادیث متواترہ بھی دوسروں کو ثواب پہنچانے پر حجت ہوں تو اس حکم میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ یقیناً اس اعتقاد کو اپنانا قرآن وسنت کے تعلیمات کے عین مطابق ہوگا۔ کہ دوسروں کو ثواب پہنچتا ہے۔ البتہ احادیث سے ایسے دلائل بھی موجود ہیں جو اوقات کی تخصیص کا فائدہ دیتے ہیں۔ جس طرح نماز میں سو مسلمان یا چالیس مسلمان یا مسلمانوں کی تین صفوں کی فضیلت کہ ان کی دعا سے فوت ہونے والا بخشا جائے گا۔

آنے والے زمانے میں پیدا ہونے والی اولاد کیلئے دعا کا حکم:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ☆ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ☆ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۔(ابراھیم، ۴۰)

اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو۔ اے ہمارے رب اور میری دعا سن لے۔ اے

ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

احادیث کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت وتحقیق

(۱) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان کی والدہ فوت ہوگئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا؟ میری ماں فوت ہوگئی ہے کیا میں اسکی طرف سے صدقہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی پلانا۔ (احمد، نسائی)

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی طرح ہے، جو اپنے ماں باپ، بھائی یا کسی دوست کی دُعا کا منتظر رہتا ہے۔ جب اسے دُعا پہنچتی ہے تو اسے یہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بیشک اہلِ دنیا کی دُعا سے اللہ تعالیٰ اہلِ قبور کو پہاڑوں کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔ مردوں کیلئے زندوں کا بہترین تحفہ ان کیلئے استغفار کرنا ہے۔ (بیہقی)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں نیک آدمی کا درجہ بلند فرماتا ہے تو آدمی عرض کرتا ہے، یا اللہ! یہ درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ اللہ رب العالمین فرماتا ہے: تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کیا ہے۔ (احمد)

(۴) حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب حد زنا لگنے سے سنگسار کر دیا تو بعد از دفن جب دو دن یا تین گزر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے جہاں صحابہ کرام بیٹھے تھے پس سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بیٹھ گئے اور صحابہ کرام کو فرمایا کہ ماعز بن مالک کی بخشش کی دعا کرو تو صحابہ کرام نے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی مغفرت کی دعا مانگی۔ (مسلم، جلد دوم)
بفضلہ تعالیٰ اہل سنت وجماعت کا یہی معمول ہے۔

ساتواں: (۵) حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بے شک مردے سات دن تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں تو صحابہ کرام سات روز تک ان کی جانب سے کھانا کھلانا مستحب سمجھتے تھے۔ (**شرح الصدور ابو نعیم فی الحلیه**) چنانچہ شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا **وتصدیق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز** - (**اشعته اللمعات شرح مشکوٰۃ**) اور میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کرنا چاہیئے۔

دسواں: (۶) فرمایا دس دنوں میں قرآن ختم کرو۔ (بخاری شریف، جلد اول) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ قرآن کتنے دنوں میں پڑھا جائے فرمایا دس دنوں میں۔ (ابوداؤد مترجم جلد اول) لہٰذا قرآن پڑھ کر میت کو بخشنے میں کوئی حرج نہیں!

(۷) حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو سکھایا کرتے تھے کہ وہ جب قبرستان جائیں تو وہاں یہ کہیں دعا (**السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء الله للاحقون نسأل الله لنا ولکم العافیة**) سلامتی ہو تم پر اے گھر والے مومنین ومسلمین سے! یقیناً ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سے ضرور ملیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے عافیت یعنی مکروہات سے نجات مانگتے ہیں۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو گھر اس لیے فرمایا ہے کہ جس طرح زندہ انسان اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں

اسی طرح مردے اپنی اپنی قبروں میں رہتے ہیں۔

اهل الدیار من المومنین والمسلمین من المومنین اهل الدیار کا بیان اور اس کی وضاحت ہے اسی طرح و المسلمین من المومنین کی تاکید کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے۔

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کی طرف روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دعا **(السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر)** ۔اے قبروالو! تمہاری خدمت میں سلام پیش ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم میں سے پہلے پہنچے ہوئے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے ہی والے ہیں۔امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حدیث کے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کی طرف اپنا روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے، میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی شخص اہل قبور پر سلام پیش کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ اس وقت اس کا منہ میت کے منہ کے سامنے ہو، اسی طرح جب دعاء مغفرت و فاتحہ خوانی وغیرہ کے لیے قبر پر کھڑا ہو تو اپنا منہ میت کے سامنے رکھے چنانچہ علماء و مجتہدین کا یہی مسلک ہے اور اسی کے مطابق تمام مسلمانوں کا عمل ہے صرف علامہ ابن حجر اس کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مستحب ہے کہ قبر پر حاضر ہونے والا دعائے مغفرت و فاتحہ خوانی کے وقت اپنا منہ قبلہ کی طرف رکھے۔

مظہر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی میت کی زیارت اس کی زندگی کی ملاقات کی طرح ہے لہٰذا جس طرح کسی شخص کی زندگی میں اس سے ملاقات کے وقت اپنا منہ اس کے منہ کی طرف متوجہ رکھا جاتا ہے اس طرح اس کے مرنے کے بعد اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی اپنا منہ اس کے منہ کے سامنے رکھا جائے پھر یہ کہ کسی بھی میت کے سامنے وہی طریقہ وآداب ملحوظ رہنے چاہئیں جو اس کی زندگی میں نشست و برخاست کے وقت ملحوظ ہوتے تھے۔مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کی ملاقات کے وقت جو اپنے کمالات وفضائل کی بنا پر عظیم المرتبت ورفیع القدر تھا ادب واحترام کے پیش نظر اس کے بالکل قریب نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اس سے کچھ فاصلہ پر بیٹھتا تھا تو اب اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی وہ فاصلہ سے کھڑا رہے یا بیٹھے اور اگر اس کی زندگی میں بوقت ملاقات اس کے قریب بیٹھتا تھا کہ جب اس کی میت یا قبر کی زیارت کرے تو اس کے قریب ہی کھڑا ہو یا بیٹھے۔

جب کسی قبر کی زیارت کی جائے تو اس وقت سورۃ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب میت کو بخش کر اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

ائمہ اربعہ کے مطابق ایصال ثواب کا ثبوت

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور بدنی عبادتوں کے ذریعہ ایصال ثواب حدیث سے ثابت ہے اور یہی ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کی رائے ہے اور فقہاء شوافع میں سے بھی بہت سے لوگ اسی کے قائل ہیں؛ البتہ عمل کیلئے اخلاص چاہئے اور جس میں اخلاص ہو، جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ خود لائق ثواب نہیں اور جو عمل خود ہی لائق ثواب نہ ہو اس کا

ثواب دوسروں کو کیوں کر ایصال کیا جا سکتا ہے؟ یہی بات مشہور فقیہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ (رد المحتار، ابن عابدین شامی)

حافظ سیوطی شرح الصدور میں لکھتے ہیں کہ: جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد) کے نزدیک میت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب پہنچتا ہے، لیکن اس مسئلے میں ہمارے امام شافعی کا اختلاف ہے۔

انہوں نے امام قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: شیخ عز الدین بن عبد السلام فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو تلاوتِ قرآنِ کریم کا ثواب نہیں پہنچتا، جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے کسی شاگرد کو خواب میں ان کی زیارت ہوئی، اور ان سے دریافت کیا کہ آپ زندگی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے، اب تو مشاہدہ ہو گیا ہوگا، اب کیا رائے ہے؟ فرمانے لگے کہ: میں دُنیا میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا، لیکن یہاں آ کر جو اللہ تعالیٰ کے کرم کا مشاہدہ کیا تو اس فتویٰ سے رُجوع کر لیا، میت کو قرآنِ کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچتا ہے۔ امام محی الدین نووی شافعی شرح المہذب میں لکھتے ہیں کہ: قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر ہو سکے قرآنِ کریم کی تلاوت کرے، اس کے بعد اہلِ قبور کے لئے دُعا کرے، امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب متفق ہیں۔ فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی کتابوں میں بھی ایصالِ ثواب کی تصریحات موجود ہیں، اس لئے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی تو بلاشبہ دُرست ہے۔ (شرح مہذب، ج ۵، ص ۳۱۱، بیروت)

انگور کو کرم کہنے کی ممانعت کا بیان

77 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ لِلْعِنَبِ: الْكَرْمُ، إِنَّمَا الْكَرْمُ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص عِنَب (انگور) کو "کرم" نہ کہے، کرم تو مرد مسلمان کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا (انگور کے درخت کو) کرم نہ کہو کیونکہ مومن کا دل ہے۔ مسلم۔ اور مسلم ہی کی ایک حدیث میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا انگور کے درخت کو کرم نہ کہو بلکہ عنب اور حبلہ کہو۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 701)

حبلہ، حاء اور باء کے زبر کے ساتھ، یا حاء کے زبر اور باء کے جزم کے ساتھ۔ اصل میں انگور کے درخت یا ایک قول کے مطابق انگور کی جڑ یا شاخ کو کہتے ہیں بعض مواقع پر مجازاً انگور کو بھی حبلہ کہا گیا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انگور کو عنب یا حبلہ کہو یا اس کے اور جو نام ہیں وہ لیا کرو، لیکن اس کو کرم نہ کہا جائے۔

اس کی ممانعت کا ایک پس منظر ہے اور وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب انگور کو کرم کہا کرتے تھے کیونکہ انگور سے شراب بنتی تھی اور ان کا کہنا تھا کہ اس شراب کے پینے سے آدمی میں سخاوت و ہمت اور جود و کرم کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں چنانچہ جب

شریعت نے شراب کو حرام کر دیا اور وہ ایک نجس و ناپاک چیز قرار پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو کرم کہنے سے منع فرمایا کیونکہ ایک ایسی چیز کو مذکورہ نام کے ذریعہ کرم و خیر کے ساتھ متصف کرنا جو شراب جیسی ناپاک چیز کی جڑ ہے مناسب نہیں سمجھا گیا جب کہ انگور کو اتنے عمدہ نام یاد کرنے کا مطلب ایک حرام چیز کی تعریف و توصیف کا راستہ اختیار کرنا ہے اور اس کی طرف سے دل و دماغ کو رغبت دلانا ہے نیز آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ کرم ایک ایسا اعلیٰ لفظ ہے جو اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے تمام بھلائیوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس اعتبار سے اس لفظ کا مصداق مومن اور اس کا قلب ہی ہو سکتا ہے جو علم و تقویٰ کے نور کا مخزن اور اسرار معارف کا منبع ہے۔

انگور سے شراب بننے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شراب ان دو درختوں یعنی انگور اور کھجور سے بنتی ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 782)

مراد یہ ہے کہ اکثر انہی دو چیزوں سے شراب بنتی ہے، گویا یہاں حصر یعنی یہ ظاہر کرنا مراد نہیں ہے کہ شراب بس انہی دو چیزوں سے بنتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ کل مسکر خمر، یعنی ہر نشہ آور چیز شراب ہے چنانچہ اس ارشاد میں جو عمومیت ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروق نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر (کھڑے ہو کر) خطبہ دیا ارشاد فرمایا کہ شراب کی حرمت نازل ہو گئی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے بنتی ہے یعنی انگور سے، کھجور سے، گیہوں سے، جو سے اور شہد سے اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ (بخاری)

علماء نے وضاحت کی ہے کہ حضرت عمر نے "اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔" کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ شراب کا انحصار انہی پانچ چیزوں میں نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا ہر وہ مشروب، شراب ہے جس میں نشہ ہو اور اس کے پینے سے عقل و شعور پر پردہ پڑ جاتا ہو۔

گمشدہ چیز سے متعلق حکم کا بیان

78 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اشْتَرَى رَجُلٌ مِنْ رَجُلٍ عَقَارًا فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ فِي عَقَارِهِ جَرَّةً فِيهَا ذَهَبٌ، فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ: خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي، إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الْأَرْضَ وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ، فَقَالَ الَّذِي شَرَى الْأَرْضَ: إِنَّمَا بِعْتُكَ الْأَرْضَ وَمَا فِيهَا، فَتَحَاكَمَا إِلَى رَجُلٍ، فَقَالَ الَّذِي تَحَاكَمَا إِلَيْهِ: أَلَكُمَا وَلَدٌ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: لِي غُلَامٌ، وَقَالَ الْآخَرُ: لِي جَارِيَةٌ، فَقَالَ: أَنْكِحِ الْغُلَامَ الْجَارِيَةَ وَأَنْفِقُوا عَلَى أَنْفُسِكُمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقَا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص تھا جس نے کسی سے ایک زمین خرید، پھر جس شخص نے زمین خریدی تھی اس نے اپنی زمین میں ایک گھڑا پایا جس میں سونا تھا، زمین کے خریدار نے (بائع سے) کہا: مجھ سے تمہارا سونا

لے لو، میں نے تو تم سے زمین خریدی تھی، سونا نہیں خریدا تھا، مگر جس شخص نے زمین فروخت کی تھی اس نے کہا: میں نے تو زمین اور جو کچھ اس میں ہے تمہیں بیچ ڈالا تھا۔ اس پر ان دونوں نے ایک کو حَکَم (پنچ) بنایا۔ حَکَم نے کہا: کیا تمہاری اولاد ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: میرا ایک لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا: میری ایک لڑکی ہے۔ اس نے کہا: لڑکے سے لڑکی کی شادی کر دو اور سونا اپنے ہر پر خرچ کرو اور صدقہ دو۔

(سنن ابن ماجہ۔ جلد دوم۔ گمشدہ چیزوں کا بیان۔ حدیث 669)

شرح

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ تم سے پہلے (زمانہ کے) لوگوں میں سے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے زمین کا ایک قطعہ خریدا اور اس کو اپنے تصرف میں لایا اتفاق کی بات کہ جس شخص نے زمین خریدی تھی اس نے اپنی اس خرید کردہ زمین میں ایک ایسا گھڑا پایا جس میں سونا بھرا ہوا تھا اس نے زمین بیچنے والے سے کہا کہ تم اپنا یہ سونا لے لو کیونکہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی یہ سونا میں نے نہیں خریدا تھا بیچنے والے نے کہا کہ میں نے تمہارے ہاتھ صرف زمین ہی نہیں بیچی تھی بلکہ ہر وہ چیز بیچ دی تھی جو اس زمین میں ہے اس لئے یہ سونا بھی تمہارا ہے اسے تم ہی رکھو مگر خریدار اس پر تیار نہ ہوا یہاں تک کہ دونوں اپنا معاملہ ایک شخص حاکم وثالث کے پاس لے گئے اس حکم نے واقعہ کی تفصیل سن کر ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کے ہاں اولاد کیا ہے ان میں سے ایک نے تو کہا کہ میرے ہاں لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میرے ہاں لڑکی ہے حاکم نے یہ سن کر کہا کہ اس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کر دو اور اس سونے کو اس دونوں پر خرچ کرو اور پھر جو کچھ بچے اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دو۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 107)

یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ان دونوں نے جس شخص کا اپنا حاکم وثالث بنایا تھا وہ حضرت داؤد علیہ السلام تھے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے صدور فیصلہ میں کمال ذہانت و ذکاوت کا ثبوت دیا اور ایسا معتدل ومعقول فیصلہ دیا کہ جو نبوت ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان صلح صفائی کرانے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے نیز علماء لکھتے ہیں کہ مخالف اشخاص میں صلح کرانا قاضی و حاکم کے لئے اسی طرح مستحب ہے جس طرح غیر قاضی کے لئے مستحب ہے۔

لقطہ کے معنی ومفہوم اور اس سے متعلق فقہی تصریحات کا بیان

لقطہ لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی لقطہ بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی لقطہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یعنی لقطہ مشہور ہے۔ لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں (مثلاً راستہ وغیرہ میں) گری پڑی پائی جائے اور اس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو۔

اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو اسے (یعنی لقطہ کو) اٹھا لینا مستحب ہے بشرطیکہ اپنے

نفس پر یہ اعتماد ہو کہ اس چیز کی تشہیر کرا کر اسے اس کے مالک کے حوالے کر دیا جائے گا اگر اپنے نفس پر یہ اعماد نہ ہو تو پھر اسے وہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہے لیکن اگر یہ خوف ہو کہ اس چیز کو یوں ہی پڑا رہنے دیا گیا تو یہ ضائع ہو جائے گی تو اس صورت میں اسے اٹھا لینا واجب ہوگا اگر دیکھنے والا اسے نہ اٹھائے گا اور وہ چیز ضائع ہو جائے گی تو وہ گنہگار ہوگا یہ لقطہ کا اصولی حکم ہے اب اس کے چند تفصیلی مسائل ملاحظہ کیجئے۔ لقطہ اس شخص کے پاس بطور امانت رہتا ہے جس نے اسے اٹھایا ہے بشرطیکہ وہ اس پر کسی کو گواہ کر لے کہ میں اس چیز کو حفاظت سے رکھنے یا اس کے مالک کے پاس پہنچا دینے کے لئے اٹھاتا ہوں اس صورت میں وہ لقطہ اٹھانے والے کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہیں ہوگا اور اگر اٹھانے والے نے کسی کو اس پر گواہ بنایا اور وہ لقطہ اس کے پاس سے تلف ہو گیا تو اس پر تاوان واجب ہوگا بشرطیکہ لقطہ کا مالک یہ انکار کر دے کہ اس نے وہ چیز مجھے دینے کے لئے نہیں اٹھائی تھی۔ لقطہ جہاں سے اٹھایا جائے اس جگہ بھی اور ان مقامات پر بھی کہ جہاں لوگوں کا اجتماع رہتا ہے اس کی تشہیر کی جائے (یعنی اٹھانے والا کہتا ہے) کہ یہ چیز کس کی ہے؟ اور یہ تشہیر اس وقت تک کی جانی چاہئے کہ جب تک کہ اٹھانے والے کو یقین نہ ہو جائے کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس کا مالک مطالبہ نہیں کرے گا۔

لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک مدت تشہیر ایک سال ہے یعنی ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کی جانی چاہئے اور جو چیز زیادہ دن تک نہ ٹھہر سکتی ہو اس کی تشہیر صرف اسی وقت تک کی جائے کہ اس کے خراب ہو جانے کا خوف نہ ہو۔ مدت تشہیر کے دوران اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے وہ چیز دے دی جائے ورنہ مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس چیز کو خیرات کر دیا جائے اب اگر خیرات کرنے کے بعد مالک آئے تو چاہے وہ اس خیرات کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حق دار ہو جائے اور چاہے اس اٹھانے والے سے تاوان لے یا اس شخص سے اپنی چیز واپس لے لے جس کو وہ بطور خیرات دی گئی ہے اور اگر وہ چیز اس کے پاس موجود نہ ہو تو اس سے تاوان لے لے جیسا کہ بطور لقطہ ملے ہوئے جانور کا حکم ہے۔ جانوروں میں بھی لقطہ ہونا جائز ہے یعنی اگر کسی کو کوئی گم شدہ جانور کسی شخص کو مل جائے تو اسے پکڑ لینا اور اس کی تشہیر کر کے اس کے مالک تک پہنچا دینا جائز ہے۔

اس بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر مدت تشہیر کے دوران اس جانور کے کھلانے پلانے پر کچھ خرچ ہوا ہے تو وہ احسان شمار ہوگا یعنی اس کا مطالبہ مالک سے نہیں کیا جائے گا بشرطیکہ وہ خرچ حاکم کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہو۔ اور اگر جانور پکڑنے والے نے اس شرط کے ساتھ کہ اس جانور پر جو کچھ خرچ ہوگا جانور کے مالک سے لے لوں گا۔ حاکم کی اجازت سے اس جانور پر کچھ خرچ کیا تو اس کی ادائیگی مالک پر بطور قرض واجب ہوگی کہ جب وہ مالک اپنا جانور حاصل کرے تو اس کے جانور کو پکڑنے والے نے اس پر کچھ خرچ کیا ہے وہ سب ادا کر دے اس صورت میں لقطہ رکھنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جب تک مالک اسے سارے اخراجات ادا نہ کرے وہ لقطہ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

اس سلسلہ میں حاکم و قاضی کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ بطور لقطہ ملنے والی چیز اگر ایسی ہے جس سے منفعت حاصل ہو سکتی ہو جیسے بھاگا ہوا غلام تو اس سے محنت و مزدوری کرائی جائے اور وہ جو کچھ کمائے اسی سے اس کے اخراجات پورے کئے جائیں اور اگر

لقطہ کسی ایسی چیز کی صورت میں ہو جس سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی اور اس کو رکھنے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہو جیسے جانور تو قاضی اس کے اخراجات پورے کرنے کی اجازت دیدے اور یہ طے کر دے کہ اس پر جو خرچ ہو گا وہ مالک سے وصول کر لیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس میں مالک کے لئے بہتری ہو اور اگر قاضی یہ دیکھے کہ اس صورت میں مالک کو بجائے فائدہ کے نقصان ہو گا تو پھر اس چیز کو فروخت کرادے اور اس کی قیمت کو رکھ چھوڑے تا کہ جب مالک آ جائے تو اسے دیدی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس کوئی لقطہ ہو اور وہ اس کی علامات بتا کر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے تو وہ لقطہ اسے دیدینا جائز ہے اس صورت میں گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہو گا ہاں اگر وہ علامات نہ بتا سکے تو پھر گواہوں کے بغیر وہ لقطہ اسے نہیں دینا چاہئے اگر لقطہ پانے والا کوئی مفلس ہے تو مدت تشہیر ختم ہو جانے کے بعد وہ خود اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اور اگر وہ خود مالدار ہے تو پھر اسے خیرات کر دے۔ اس بارہ میں اسے یہ اجازت ہو گی کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اصول یعنی ماں باپ اور اپنے فروع یعنی بیٹا بیٹی اور بیوی کو بطور خیرات وہ لقطہ دیدے بشرطیکہ یہ لوگ مفلس وضرورت مند ہوں۔ بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لینا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو اس کو پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو اسی طرح اس غلام کو بھی اپنے پاس رکھ لینا مستحب ہے جو راستہ بھول جانے کی وجہ سے بھٹک رہا ہو۔ اگر کسی کا کوئی غلام بھاگ جائے اور تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ دور سے کوئی شخص اسے پکڑ کر اس کے مالک کے پاس پہنچا دے تو وہ لانے والا اس بات کا مستحق ہو گا کہ غلام کے مالک سے اپنی مزدوری کے طور پر چالیس درہم وصول کرے گا اگرچہ وہ غلام چالیس درہم سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن شرط یہ ہے کہ لانے والے نے اس بات پر کسی کو گواہ بنا لیا ہو کہ میں اس غلام کو اس لئے پکڑتا ہوں تا کہ اسے اس کے مالک کے پاس پہنچا دوں۔ اور اگر کوئی شخص بھاگے ہوئے غلام کو اس کے مالک کے پاس تین دن کی مسافت سے کم دوری سے لایا ہو تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی۔ مثلاً ڈیڑھ دن کی مسافت کی دوری سے لایا ہے تو اسے بیس درہم دیئے جائیں گے اور اگر وہ غلام اس شخص سے بھی چھوٹ کر بھاگ گیا جو اسے پکڑ کر لایا تھا تو اس پر کوئی تاوان واجب نہیں ہو گا۔ بشرطیکہ اس نے کسی کو گواہ بنا لیا ہو اور اگر گواہ نہ بنایا ہو گا تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اسے کوئی اجرت نہیں ملے گی بلکہ اس پر تاوان بھی واجب نہیں ہو گا۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب لقطہ بتصرف، بیروت)

لقطہ سے متعلق بعض فقہی مذاہب واحکام کا بیان

حضرت زید بن خالد کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں پوچھا (کہ اگر کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو کیا کیا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے تو اس کا ظرف پہچان لو یعنی اگر وہ چیز کسی کپڑے یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ میں ہے تو اسے شناخت میں رکھو) اور اس کا سر بند بھی پہچانے رہو پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو ایک سال کی مدت میں اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اس کے حوالہ کر دو اور اگر وہ نہ آئے تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ۔ پھر اس شخص نے گمشدہ بکری کے بارے میں پوچھا کہ اگر کسی کی گم شدہ بکری کوئی شخص پکڑ لائے تو اس کا کیا کرے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے اور یا بھیڑیئے کی ہے اس کے بعد اس

شخص نے پوچھا کہ گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب ہے (یعنی اسے نہ پکڑو کیونکہ وہ ضائع ہونیوالی چیز نہیں ہے اس لئے اس کو پکڑ کر لانے کی ضرورت نہیں) اس کی مشک اور اس کے موزے اس کے ساتھ ہیں کہ وہ جب تک اپنے مالک کے پاس نہ پہنچے پانی تک جا سکتا ہے اور درخت کے پتے کھا سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب اس شخص نے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اور اس کا سر بند اور ظرف تھیلا وغیرہ پہچانے رکھو (اس مدت تشہیر میں اگر اس کا مالک نہ آئے) تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آ جائے تو اس کی وہ چیز بشرطیکہ تمہارے پاس جوں کی توں موجود ہو) دیدو اور نہ اس کی قیمت ادا کردو۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 251)

ابن مالک کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کا ظرف اور سر بند پہچان لینے کا حکم اس لئے دیا تاکہ جو شخص اس چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرے اس پہچان کی وجہ سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ اٹھانے والے کے پاس آئے اور اپنا ظرف اور اس کا سر بند پہچان کر اس لقطہ کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ لقطہ اسے دے دینا واجب ہے یا نہیں؟

امام مالک اور امام احمد تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ لقطہ اسے کسی گواہی کے بغیر ہی دے دینا واجب ہے کیونکہ ظرف اور اس کے سر بند کی پہچان رکھنے کا یہی مقصد ہے لیکن امام شافعی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ کا ظرف اور اس کا سر بند پہچان لے اور اس لقطہ کا وزن یا عدد بتا دے نیز لقطہ اٹھانے والے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ یہ شخص سچا ہے تب وہ لقطہ اس شخص کو دے دینا جائز تو ہے لیکن وہ شخص گواہوں کے بغیر لقطہ اٹھانے والے کو دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ ظرف اور سر بند کی پہچان رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے وہ لقطہ اٹھانے والے کے مال میں اس طرح خلط ملط نہیں ہو جائے گا کہ جب لقطہ کا مالک آئے تو وہ اپنے مال واسباب اور اس لقطہ کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔ ثم عرفہا (پھر اس کی تشہیر کرو) کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ وہ لقطہ پایا گیا ہے نہ صرف وہاں بلکہ بازاروں اور مسجدوں میں اور فلاں کے پاس پہنچ کر اس چیز کی تفصیل وعلامات بیان کر کے لے جائے۔

مدت تشہیر کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں

حضرت امام شافعی حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد تو حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک سال کی مدت متعین ہے یعنی لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کرانی چاہئے، لیکن صحیح تر روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ مدت متعین کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حدیث میں ایک سال کا ذکر باعتبار غالب کے بر سبیل اتفاق ہے۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ایک سال کی مدت اگر اتفاقی طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اور متعین طور پر مذکور نہیں ہے تو پھر تشہیر کی کیا مدت متعین کی جائے؟ اس کی وضاحت ہدایہ نے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق یوں کی ہے کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم قیمت کا ہو تو اس کی تشہیر چند دن تک کرنا کافی ہے اگر دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک مہینہ تک

تشہیر کیجائے اور وہ سو درہم کی مالیت کا ہو پھر ایک سال تک تشہیر کی جائے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مالیت کی مذکورہ بالا مقدار کی جو مختلف مدتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے لازم کوئی بھی نہیں ہے۔

بلکہ یہ لقطہ اٹھانے والے کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ لقطہ کیا اس وقت کی تشہیر کرے جب تک کہ اسے یہ غالب گمان نہ ہو جائے کہ اب کوئی نہیں آئیگا اور اس مدت کے بعد اس لقطہ کو طلب نہیں کرے گا۔ ان علماء کی دلیل مسلم کی وہ روایت ہے کہ جس میں لفظ سنۃ ایک سال کی قید کے بغیر صرف عرفہا اس کی تشہیر کی جائے) منقول ہے۔ لقطہ اگر کسی چیز کی صورت میں ہو جو زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر سکتی ہو اور موسمی حالات کے تغیر و تبدل سے متاثر ہوتی ہو جیسے کھانے کی کوئی چیز یا پھل وغیرہ تو اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس تشہیر اسی وقت تک کی جائے جب تک کہ وہ خراب نہ ہو اور اگر لقطہ کوئی بہت ہی حقیر و کمتر چیز ہو جیسے گٹھلی اور انار کا چھلکا وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی تشہیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے بغیر تشہیر و اعلان استعمال کر لینے کی اجازت ہے مگر اس کے مالک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی اس چیز کا مطالبہ کرے۔ (فان جاء صاحبہا والا فشا نک بہا) کا مطلب یہ ہے کہ لقطہ کی تشہیر کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو اسے وہ لقطہ دیدیا جائے اگر اس مالک کے ساتھ گواہ بھی ہوں جو اس کے دعویٰ کی ملکیت کی گواہی دیں تو لقطہ اٹھانے والے پر یہ واجب ہوگا کہ وہ اسے لقطہ دیدے اور اگر گواہ نہ ہوں گے تو پھر دے دینا واجب نہیں جائز ہوگا جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی گئی۔ اور اگر مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس لقطہ کا مالک نہ آئے تو پھر لقطہ اٹھانے والا اس لقطہ کو اپنے استعمال میں لے آئے۔ اس سے گویا یہ معلوم ہوا کہ لقطہ اٹھانے والا اصل مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس لقطہ کا خود مالک بن جاتا ہے خواہ وہ مالدار ہو یا مفلس ہو چنانچہ اکثر صحابہ اور حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے لیکن بعض صحابہ کا قول یہ ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا خود مالدار ہو تو وہ اس لقطہ کا مالک نہیں بنتا بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اس لقطہ کو فقراء و مساکین کو بطور صدقہ دیدے۔

حضرت ابن عباس سفیان ثوری ابن المبارک اور حنفیہ کا یہی قول ہے نیز اس بارے میں یہ بھی حکم ہے کہ اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آئے تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حصہ دار بن جائے اور چاہے تو لقطہ اٹھانے والے یا اس مفلس سے کہ جس کو وہ لقطہ بطور صدقہ دے دیا گیا تھا تاوان لے لے بشرطیکہ وہ چیز ہلاک وضائع ہو گئی ہو۔ لیکن ان دونوں میں سے جو بھی تاوان دے گا وہ دوسرے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا یعنی اگر لقطہ اٹھانے والے نے تاوان دیا تو اسے مفلس سے کوئی مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر مفلس سے تاوان لیا تو وہ لقطہ اٹھانے والے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ لقطہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو بلکہ جوں کا توں موجود ہو تو وہی لے لے گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مالک کو تاوان لینے کا حق اسی صورت میں پہنچے گا جب کہ وہ لقطہ ہلاک وضائع ہو گیا ہو اور اگر وہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو تو پھر وہی لینا ہوگا۔ شرح وقایہ کے بعض حاشیوں میں نہایہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ تشہیر کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دینا جائز ہے لیکن اسے رکھ چھوڑ نا عزیمت ہے۔ ہی لک (وہ تمہاری ہے) کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ تم نے پکڑی اور پھر تم نے اس کی تشہیر کی جس کے نتیجہ میں اس کا مالک آ گیا تو وہ تم سے لے لے گا لیکن اگر تشہیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر وہ بکری تمہاری ہو جائے گی تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح (ولاخیک الا) الخ یا تمہارے بھائی کی ہے الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری پکڑی لی اور اس کا مالک آ گیا تو وہ اسے لے لے گا اور اگر تم نے نہ

پکڑی اور مالک کے ہاتھ لگ گئی تب بھی وہ لے لے گا یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بجائے کوئی اور تمہارا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا۔

اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو پھر بھیڑیا اس بکری کو پکڑ لے گا گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ ملے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تاکہ وہ بکری یوں ہی ضائع نہ ہو اور بھیڑیا وغیرہ اسے نہ کھا لے۔ یہی حکم ہر اس جانور کے بارے میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرانے والے کی عدم موجودگی میں بھیڑیئے کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔ اونٹ کی مشک" سے مراد اس کا پیٹ ہے یعنی اونٹ کا پیٹ مشک کی طرح ہوتا ہے جس میں اتنی رطوبت رہتی ہے جو اس کو بہت دنوں تک بغیر پانی کے رکھ سکتی ہے چنانچہ اونٹ کئی روز تک پیاس کو برداشت کر لیتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔

اس بارے میں مشہور ہے کہ اونٹ پندرہ روز تک اپنی پیاس برداشت کر لیتا ہے۔ اونٹ کے موزے، سے مراد اس کے مضبوط وقوی تلوے ہیں کہ وہ راہ چلنے اور پانی گھاس تک پہنچنے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے۔ گویا اس ارشاد گرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ اونٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں ہر جانور اونٹ کے حکم میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرواہے کی عدم موجودگی میں بھیڑیئے وغیرہ کے چنگل میں پھنس کر ضائع و ہلاک نہیں ہوتا جیسے گھوڑا گائے اور گدھا وغیرہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جنگل میں اونٹ اور گائے وغیرہ بطور لقطہ نہیں پکڑے جا سکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ نہیں پکڑے جا سکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ پکڑنا جائز ہے۔

حنفیہ کے ہاں تمام جانوروں کا التقاط اور تعریف یعنی انہیں بطور لقطہ پکڑنا اور اس کی تشہیر کرنا) لوگوں کے مال کی حفاظت کے پیش نظر ہر جگہ مستحب ہے خواہ جنگل ہو یا آبادی حضرت زید کی اس روایت کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکورہ حکم کہ اونٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے اس زمانہ میں تھا جب کہ امانتدار اور خیر و بھلائی کے حامل لوگوں ہی غلبہ تھا جس کی وجہ سے اگر کسی کا جانور کوئی نہ پکڑتا تھا تو کسی خائن کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا لیکن اب اس زمانہ میں یہ بات مفقود ہے اور امانت و دیانت کے حامل لوگ بہت ہی کم ہیں اس لئے مخلوق اللہ کے مال کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ جو جانور جہاں مل جائے اسے بطور لقطہ پکڑ لایا جائے اور اس مالک تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ بتصرف، لاہور)

توبہ کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کے خوش ہونے کا بیان

79 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيَفْرَحُ أَحَدُكُمْ بِرَاحِلَتِهِ إِذَا ضَلَّتْ مِنْهُ ثُمَّ وَجَدَهَا؟ قَالُوا: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ إِذَا

تَابَ مِنْ أَحَدِكُمْ بِرَاحِلَتِهِ إِذَا وَجَدَهَا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے اگر کسی کی سواری کا جانور گم ہو جائے پھر مل جائے تو کیا اس کو خوشی ہوگی کہ نہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں، یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ کو بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ کسی شخص کو (گم شدہ) سواری کے پھر مل جانے سے (خوشی ہوتی ہے)۔

شرح

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص سے جو اس کے سامنے توبہ کرتا ہے اتنا زیادہ خوش ہوتا ہے کہ جتنا تم میں وہ شخص بھی خوش نہیں ہوتا جس کی سواری بیچ جنگل بیابان میں ہو اور پھر وہ جاتی رہی ہو (یعنی گم ہوگئی ہو) اور اس سواری سے ناامیدی کی حالت میں انتہائی مغموم و پریشان لیٹ جائے اور پھر اسی حالت میں اچانک وہ اپنی سواری کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھ لے۔ چنانچہ وہ اس سواری کی مہار پکڑ کر انتہائی خوشی میں جذبات سے مغلوب ہو کر یہ کہہ بیٹھے اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ مارے خوشی کی زیادتی کے اس کی زبان سے یہ غلط الفاظ نکل جائیں۔

(مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 865)

اس شخص کو اصل کہنا تو یہ تھا کہ اے اللہ! تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ مگر انتہائی خوشی کی وجہ سے شدت جذبات سے مغلوب اور مدہوش ہو کر یہ کہنے کی بجائے یہ کہہ بیٹھا ہے کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ اس ارشاد کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور اس کی توبہ کو قبول فرما کر اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس خوشی کو اس شخص کی خوشی کے ساتھ مشابہت دی جس کی سواری جنگل بیابان میں گم ہو جائے اور پھر اچانک اسے مل جائے۔

توبہ کے معنی ومفہوم کا بیان

توبہ "کے معنی ہیں رجوع کرنا گناہوں سے طاعت کی طرف، غفلت سے ذکر کی طرف اور غیبت سے حضور کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کی بخشش کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کے گناہوں کو دنیا میں بھی ڈھانکے بایں طور کہ کسی کو اس کے گناہ کا علم نہ ہونے دے اور آخرت میں اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے بایں طور کہ اس کو ان گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ کرے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی سے پوچھا گیا کہ "توبہ" کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے فرمایا کہ گناہ کو فراموش کر دینا یعنی توبہ کرنے کے بعد گناہ کی لذت کا احساس بھی دل سے اس طرح ختم ہو جائے گویا وہ جانتا ہی نہیں کہ گناہ کیا ہوتا ہے۔

سہیل تستری سے پوچھا گیا کہ حضرت! توبہ کا کیا مفہوم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ تم گناہوں کو فراموش نہ کرو یعنی گناہ کو بھول مت جاؤ تا کہ عذاب الٰہی کے خوف سے آئندہ کسی گناہ کی جرات نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم آیت (توبوا الی اللہ جمیعا)۔ تم سب

اللہ کی طرف رجوع کرو۔ کے مطابق استغفار یعنی طلب بخشش ومغفرت اور توبہ کرنا ہر بندہ پر واجب ہے کیونکہ کوئی بندہ بحسب اپنے حال ومرتبہ کے گناہ یا بھول چوک سے خالی نہیں ہے لہٰذا ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے تمام گزشتہ گناہوں سے توبہ کرے۔

طلب بخشش ومغفرت کرے آئندہ تمام گناہوں سے بچتا رہے اور صبح وشام توبہ واستغفار کو اپنا معمول بنالے تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا رہے خواہ وہ گناہ قصداً کئے ہوں یا خطاء وسہوا سرزد ہوئے ہوں اور گناہوں کی نحوست کی وجہ سے طاعت کی توفیق سے محروم نہ رہے نیز گناہوں پر اصرار کی ظلمت دل کو پوری طرح گھیر کر اللہ نخواستہ کفر ودوزخ تک نہ پہنچادے۔

توبہ کے صحیح اور قبول ہونے کے لئے چار باتیں ضروری ہیں اور شرط کے درجہ میں ہیں: ایک تو یہ کہ محض اللہ کے عذاب کے خوف سے اور اس کے حکم کی تعظیم کے پیش نظر ہی توبہ کی جائے، درمیان میں توبہ کی کوئی اور غرض نہ ہو مثلاً لوگوں کی تعریف ومدح کا حصول اور ضعف وفقر کی وجہ، توبہ کی غرض میں داخل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ گزشتہ گناہوں پر واقعی شرمندگی وندامت ہو۔

تیسرے یہ کہ آئندہ ہر ظاہری وباطنی گناہ سے اجتناب کرے۔ اور چوتھے یہ کہ پختہ عہد اور عزم بالجزم کرے کہ آئندہ ہرگز کوئی گناہ نہیں کروں گا۔ توبہ کی کیفیت اور اثر آئندہ گناہ کرنے کے عزم کا صحیح ہونا یہ ہے کہ توبہ کرنے والا اپنے بلوغ کی ابتداء سے توبہ کرنے کے وقت تک پورے عرصہ کا جائزہ لے اور یہ دیکھے کہ اس سے کیا کیا گناہ سرزد ہوئے ہیں تاکہ ان میں سے ہر ایک گناہ کا تدارک کرے چنانچہ اگر اس عرصہ میں وہ، نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دیگر فرائض ترک ہوئے ہوں تو ان کی قضاء کرے اور اپنے اوقات کو نفل یا فرض کفایہ عبادتوں میں مصروف رکھ کر ان فرائض کو قضا کرنے میں سستی نہ کرے۔

اسی طرح اس عرصہ میں اگر ممنوع حرام چیزوں کا ارتکاب کیا ہے مثلاً شراب پی ہے یا اور کوئی ممنوع وقبیح فعل کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ان سے توبہ واستغفار کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے نام پر غرباء ومساکین میں اپنا مال خرچ کرے اور صدقہ وخیرات کرتا رہے تاکہ اس کی توبہ باب قبولیت تک پہنچے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اسے بخشش ومغفرت سے نوازا جائے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل پر یقین رکھے کہ انشاء اللہ توبہ قبول ہوگی اور مغفرت کی جائے گی۔

توبۃ نصوحاً سے کیا مراد ہے؟

توبۃ نصوحا علماء اور اصحاب قلوب نے توبہ نصوح میں اختلاف کیا ہے۔ اس کے بارے میں تیئس قول ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی توبہ ہے (1) جس کے بعد گناہ کی طرف رجوع نہیں ہوتا جس طرح دودھ کھیری میں دوبارہ نہیں لوٹتا۔ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: نصوح سے مراد سچی اور خالص توبہ ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خالص توبہ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نصح یعنی اس کے لئے قول کو خالص کیا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: نصوح یہ ہے وہ گناہ جسے وہ پسند کرتا تھا اس سے بغض کرے اور جب اسے یاد آجائے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی توبہ ہے جس کے قبول ہونے کا اسے اعتماد نہ ہو اور وہ ڈرتا ہی رہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی توبہ ہے جس کے ساتھ وہ توبہ کا محتاج نہیں رہتا۔ کلبی نے کہا: توبہ نصوح یہ ہے وہ دل سے شرمندگی کا اظہار

کرے، وہ زبان سے استغفار کرے اور گناہ کا قلع قمع کرے اور اسے اطمینان ہو کہ وہ دوبارہ اس طرح نہیں کرے گا۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد مقبول توبہ ہے اور توبہ اس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک اس میں تین شرطیں نہ ہوں۔ (۱) یہ خوف کہ توبہ قبول نہ ہوگی۔ (۲) یہ امید کہ توبہ قبول ہو جائے گی۔ (۳) طاعات پر مواظبت اختیار کرنا۔ حضرت سعید بن مسیب نے کہا: ایسی توبہ جس کے ساتھ تم اپنے نفوس کو نصیحت کرتے ہو(2)۔ قرطی نے کہا: چار چیزیں ان کو جامع ہیں۔ (۱) زبان سے استغفار، (۲) یہ امید کہ توبہ قبول ہو جائے گی۔ (۳) طاعات پر مواظبت اختیار کرنا۔ حضرت سعید بن مسیب نے کہا: ایسی توبہ جس کے ساتھ تم اپنے نفوس کو نصیحت کرتے ہو(2)۔

قرطی نے کہا: چار چیزیں ان کو جامع ہیں۔ (۱) زبان سے استغفار، (۲) بدن کے ساتھ قلع قمع کرنا۔ (۳) دل میں یہ چیز رکھنا کہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔ (۴) برے دوستوں کو چھوڑنا۔ سفیان ثوری نے کہا: توبۃ نصوح کی علامتیں چار ہیں۔ قلت، علت، ذلت اور غربت۔ فضیل بن عیاض نے کہا: یہ توبہ ایسی ہے کہ گناہ آنکھوں کے سامنے ہو تو ہمیشہ اسے دیکھتا ہی رہے، اسی کی مثل ابن مساک سے مروی ہے توبہ نصوح یہ ہے کہ تو اس گناہ کو اپنے سامنے رکھے جس میں تو نے حیاء میں کمی کی اور اپنی آخرت کے لئے تیاری کرے۔

ابوبکر وراق نے کہا: اس سے مراد ہے وہ زمین جو وسیع و عریض ہے وہ تجھ پر تنگ ہو جائے اور تیرا نفس بھی تجھ پر تنگ ہو جائے جس طرح وہ تین صحابہ کرام جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ابوبکر واسطی نے کہا: یہ ایسی توبہ ہے۔ جو کسی عرض کے فوت ہونے کی وجہ سے نہیں کیونکہ جو دنیا میں اپنی ذاتی مفعت کے لئے گناہ کرتا ہے پھر آخرت میں ذاتی منفعت کے لئے توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ اپنی ذات کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے تو نہیں۔

ابوبکر دقاق مصری نے کہا: توبہ نصوح سے مراد جو حق کسی کا دینا ہو اسے واپس کرنا، کسی کا دعویٰ ہو اسے معاف کرنا اور ہمیشہ طاعات کرنا۔ رویم نے کہا: وہ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے روبرو رہے، اس کی طرف پشت نہ کرے جس طرح معصیت کے وقت تو اس کی طرف پشت کئے ہوئے تھا اس کی طرف منہ کرنے والا نہیں تھا۔ ذوالنون مصری نے کہا: توبۃ نصوح کی علامتیں تین ہیں۔ کم گفتگو، کم کھانا اور کم سونا۔ شقیق نے کہا: وہ اپنے نفس کو بہت زیادہ ملامت کرے اور شرمندگی سے جدا نہ ہوتا کہ آفات سے سلامتی کے ساتھ نجات پا جائے۔ سری سقطی نے کہا: توبہ نصوح اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک وہ نفس اور مومنوں کے لئے مخلص نہیں ہوتا کیونکہ جو توبہ کو اپنا ساتھی بناتا ہے وہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کی مثل ہو جائیں۔

جنید نے کہا: توبہ نصوح یہ ہے کہ وہ گناہ بھول جائے وہ اسے کبھی بھی یاد نہ کرے کیونکہ جس کی توبہ صحیح ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا ہو جاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کو بھول جاتا ہے۔ ذوالاذنین نے کہا: جس کے آنسو لگاتار بہتے رہیں اور سرکشیوں سے اس کا دل دور بھاگتا ہو۔ فتح موصلی نے کہا: اس کی علامتیں تین ہیں۔ خواہش نفس کی مخالفت، زیادہ رونا، بھوک اور پیاس برداشت کرنا۔

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: یہ اہل سنت و جماعت کی توبہ ہے کیونکہ بدعتی کی کوئی توبہ نہیں۔ اس کی دلیل حضور صلی اللہ تعالی

علیہ آلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ توبہ کرے۔

حذیفہ سے مروی ہے: کسی بندے کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ گناہ سے توبہ کرے پھر اس میں جاواقع ہو۔ توبہ نصوح کا اصل معنی خالص ہونا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ھذا عسل ناصح جب شہد گوند سے خالص ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نصاحہ سے ماخوذ ہے (1) جس کا معنی سینا ہے۔ اس سے اخذ کرنے کی دو وجہیں ہیں۔ ا۔ یہ ایسی توبہ ہے جو توبہ کرنے والی کی طاعت کو پختہ کر دیتی ہے جس طرح درزی سینے کے ساتھ کپڑے کو پختہ کرتا ہے اور مضبوط بناتا ہے۔

(۲) اس توبہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کو جمع کر دیا اور ان کو باہم وابستہ کر دیا ہے جس طرح درزی کپڑے کو جمع کرتا ہے اور بعض کو بعض سے جوڑ دیتا ہے۔ عام قرات نصوحا ہے کہ یہ توبہ کی صفت ہے جس طرح امراۃ صبور ہے، بہت زیادہ صبر کرنے والی عورت۔ یہ ایسی توبہ ہے جو خالص ہونے میں انتہا تک پہنچنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے کہ نصوحا، نصح کی جمع ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مصدر ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نصح نصاحۃ ونصوحا بعض اوقات فعالۃ اور فعول ایک ہی فعل کے مصدر میں جمع ہو جاتے ہیں جس طرح ذھاب اور ذھوب ہے۔ مبرد نے کہا: ایسی توبہ مراد ہے جو نصح والی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: **نصحت نصحاً و نصاحۃً و نصوحاً**۔

گناہوں سے توبہ کیسے ہوگی؟

وہ اشیاء جن سے توبہ کی جاتی ہے اور ان سے کیسے توبہ کی جاتی ہے؟ علماء نے کہا: وہ عمل جس سے توبہ ہوتی ہے وہ اس حالت سے خالی نہ ہوگی یا تو وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہوگا یا بندوں کا حق ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حق ہو جس طرح نماز کو ترک کرنا اس سے توبہ اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک شرمندگی کے ساتھ اس شے کی قضا ملی ہوئی نہ ہو جو عمل فوت ہوا۔ یہی صورتحال ہوگی جب روزہ ترک کیا جائے یا زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کی جائے۔ اگر وہ ناحق کسی انسان کا قتل ہو۔ اگر قصاص اس پر لازم آتا ہے اور وہ قصاص میں مطلوب ہے تو وہ قصاص لینے کا موقع دے۔

اگر وہ جھوٹی تہمت ہے جو حد کو واجب کرتی ہے تو وہ اپنی پیٹھ کوڑوں کے لئے پیش کرے، اگر وہ مطلوب ہو۔ اگر اسے معاف کرالیا جائے تو شرمندگی اور اخلاص کے ساتھ دوبارہ ایسا کام نہ کرنے کا پختہ عزم کافی ہوگا، اسی طرح اگر قتل کی صورت میں مال کے ذریعے معاف کیا جائے تو اس پر مال لازم ہوگا۔ اگر وہ مال پاتا ہے تو مال ادا کر دے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فمن عفی لہ من اخیہ شی فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان** (البقرۃ:178) اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ہو، کوئی بھی ہو جب وہ صحیح شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے گا تو وہ اس بندے کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کے بارے میں واضح حکم دیا کہ ڈاکو جب پکڑے جانے سے قبل توبہ کرلیں تو ان سے حد ساقط ہو جائے گی۔

اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اگر وہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کریں تو ان سے حد ساقط نہ ہوگی، جس طرح اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ اسی طرح شراب نوشی کرنے والے، چور اور زانی ہیں جب وہ اپنی اصلاح کرلیں، توبہ کریں اور ان سے یہ معروف بھی ہو، پھر انہیں امام کے سامنے پیش کیا جائے تو امام کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ان پر حد جاری کرے۔ اگر انہیں امام کے سامنے

پیش کیا جائے تو وہ کہیں: ہم نے توبہ کر لی ہے۔ تو انہیں چھوڑا جائے گا۔ اس وقت ان کی حالت ڈاکوؤں جیسی ہو گی جن پر غلبہ پائے گا، یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔

اگر گناہ ایسا ہے جو بندوں پر ظلم کرنے سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے توبہ اس وقت تک درست نہ ہو گی جب تک وہ چیز مالک کو نہ لوٹا دے اور خود اس سے الگ تھلگ ہو جائے، وہ عینی چیز ہو یا کوئی اور چیز ہو اگر وہ اس کو واپس کرنے پر قادر ہو۔ اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو اس کا پختہ عزم ہو کہ جب وہ قادر ہو گا تو قریب ترین وقت میں اسے واپس کر دے گا۔ اگر وہ کسی مسلمان کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس آدمی کو شعور نہیں یا نہیں جانتا کہ یہ مصیبت کہاں سے اس کے پاس آتی ہے تو اس آدمی سے اس ضرر کو دور کرے۔ پھر اس سے معافی کا سوال کرے اور یہ مطالبہ کرے کہ وہ آدمی اس کے حق میں بخشش کا طالب ہو۔ جب وہ آدمی اس کو معاف کر دے گا تو اس سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔

اگر وہ ایسے آدمی کو بھیجے جو اس آدمی سے اس امر کا سوال کرے وہ مظلوم اس ظالم کو معاف کر دے وہ اسے ذاتی طور پر جانتا ہو یا نہ جانتا ہو تو پھر صحیح ہے۔ اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ زیادتی کرے اس طرح کہ ناحق اسے ڈرائے، تکلیف دے، اسے طمانچہ مارے، ناحق تھپڑ مارے، چھری مارے اور اسے درد پہنچائے پھر جو اس سے غلطی ہوئی تھی اس پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے معافی کا طلب گار ہو اور یہ پختہ عزم ہو کہ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گا۔ وہ لگاتار اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے یہاں تک اس مظلوم کا دل خوش ہو جائے کہ وہ اسے معاف کر دے تو اس سے یہ گناہ ساقط ہو جائے گا۔ یہی صورتحال ہو گی جب وہ ایسی گالی گلوچ نکالے جس پر کوئی حد نہ ہو۔ (تفسیر قرطبی، سورہ تحریم، بیروت)

عمل توبہ کے سبب زمین میں فاصلہ کم ہو جانے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی قوم میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا پھر لوگوں سے یہ پوچھنے نکلا کہ اگر میں توبہ کر لوں تو وہ توبہ قبول ہو گی یا نہیں؟ چنانچہ اسی سلسلہ میں وہ ایک عابد و زاہد کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ کیا ان اتنے بڑے گناہ سے یا اس اتنے بڑے گناہ کرنے والے ہی کے لئے توبہ ہے؟ یعنی کیا اس کی توبہ قبول ہو گی یا نہیں؟ اس عابد و زاہد نے کہا کہ نہیں! اس شخص نے یہ سنتے ہی اس عابد و زاہد کو بھی قتل کر دیا اور پھر دوسرے لوگوں سے پوچھتا پھرنے لگا۔ ایک شخص نے اس سے کہا کہ تم فلاں بستی جاؤ وہ ایسی اور ایسی ہے (یعنی اس نے اس بستی کا نام لیا اور اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہت اچھی بستی ہے وہاں ایک عالم رہتا ہے جو تمہیں تمہاری توبہ کے قبول ہونے کا فتویٰ دے گا۔

چنانچہ وہ شخص اس بستی کی طرف چل کھڑا ہوا ابھی آدھے ہی راستے پر پہنچ پایا تھا کہ اچانک اسے موت نے آدبوچا (چنانچہ اسے موت کی علامت محسوس ہوئیں) تو اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف جھکا دیا اور پھر اس کی روح قبض کرنے کے وقت رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے (ملک الموت سے جھگڑنے لگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو جس کی طرف وہ توبہ کرنے جا رہا تھا حکم دیا کہ وہ میت کے قریب آ جائے اور اس بستی کو جہاں سے وہ قتل کر کے آ رہا تھا حکم دیا کہ وہ میت سے دور ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ

نے ان فرشتوں سے فرمایا تم دونوں بستیوں کے درمیان پیائش کرو اگر میت اس بستی کے قریب ہوگی جہاں وہ توبہ کے لئے جا رہا تھا تو اسے رحمت کے فرشتوں کے حوالہ کیا جائے گا۔

اور اگر اس بستی کے قریب ہو جہاں سے وہ قتل کر کے آ رہا تھا تو عذاب کے فرشتوں کے حوالہ کیا جائے گا۔ چنانچہ جب فرشتوں نے پیائش کی تو وہ توبہ کے لئے جس بستی کی طرف جا رہا تھا اس سے ایک بالشت قریب پایا گیا پس حق تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ المصابیح: جلد دوم، رقم الحدیث 860)

ابن ملک کہتے ہیں کہ جب ملک الموت نے اس شخص کی روح قبض کی تو رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے دونوں ملک الموت سے اس کی روح لینے کے لئے جھپٹنے لگے، رحمت کے فرشتے تو یہ کہتے تھے کہ چونکہ یہ شخص توبہ کے لئے اس بستی کی طرف متوجہ ہونے کی بنا پر تائب تھا اس لئے ہم اسے رحمت الٰہی کی طرف لے جائیں گے اور عذاب کے فرشتے یہ کہتے تھے کہ اس شخص نے چونکہ ایک سو آدمیوں کو ناحق قتل کیا ہے اور ابھی تک اس نے توبہ نہیں کی تھی اس لئے ہم اسے عذاب الٰہی کی طرف لے جائیں گے چنانچہ حق تعالیٰ نے اس کا فیصلہ جس طرح فرمایا وہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طالب توبہ کے لئے حق تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کسی قید اور حد کی پابند نہیں ہے اس کی بے پایاں رحمت خلوص قلب کے ساتھ اپنی طرف متوجہ ہونے والے بڑے سے بڑے سرکش اور گنہگار کو بھی اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ قلب و نیت کے اخلاص کے ساتھ بارگاہ الوہیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں کو بھی اس سے راضی کر دیتا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی ترغیب دلا رہی ہے کہ توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے دامن کو گناہوں کی آلائش سے پاک و صاف رکھا جائے اور حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی اور ناامیدی کو اپنے پاس بھٹکنے بھی نہ دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل ہونے کا بیان

80 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: إِذَا تَلَقَّانِي عَبْدِي بِشِبْرٍ تَلَقَّيْتُهُ بِذِرَاعٍ، وَإِذَا تَلَقَّانِي بِذِرَاعٍ تَلَقَّيْتُهُ بِبَاعٍ، وَإِذَا تَلَقَّانِي بِبَاعٍ جِئْتُهُ، أَوْ قَالَ: أَتَيْتُهُ بِأَسْرَعَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: جب میرا بندہ مجھ سے ایک بالشت آگے بڑھ کر ملتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ بڑھ کر ملتا ہوں، اور جب میرا بندہ مجھ سے ایک ہاتھ بڑھ کر ملتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ بڑھ کر ملتا ہوں، اور جب مجھ سے دو ہاتھ بڑھ کر ملتا ہے تو میں اس کے پاس اس سے زیادہ تیز جاتا ہوں، یا یہ فرمایا کہ "آتا ہوں۔

شرح

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس سے بھی زیادہ دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اس کو اس سے صدق و اخلاص

کے مطابق سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دیتا ہوں جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو اسی برائی کے برابر سزا ملتی ہے یا میں اسے بھی معاف کر دیتا ہوں جو شخص اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے ایک بالشت (یعنی بقدر قلیل) میری طرف آتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف آتا ہوں (یعنی میں اس کی توجہ و التفات سے کہیں زیادہ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھولتا ہوں) جو شخص میری طرف ایک گز آتا ہے میں اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر بڑھتا ہوں۔ جو شخص میری طرف اپنی چال سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو شخص زمین کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو یعنی شرک میں مبتلا نہ ہو تو اگر میں چاہوں گا تو اس کو زمین کے برابر ہی مغفرت عطا کروں گا۔

(مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 786)

اللہ تعالیٰ کتنا رحیم و کریم ہے اس کی رحمت کتنی وسیع ہے اپنے بندوں پر وہ کتنا مہربان ہے اس کی شان عفو کس قدر بے پایاں ہے اور اس کا فضل کس قدر بے کراں ہے اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اس حدیث سے ہو جاتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر بندہ اللہ کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ اور رجوع کرتا ہے تو اس کی طرف بارگاہ الٰہی سے اس کی توجہ کہیں زیادہ توجہ، التفات اور رحمت اس کی طرف منعطف ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارہ میں رکھتا ہے جب وہ دل سے یا زبان سے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں پس اگر وہ اپنی ذات میں یعنی خفیہ طور پر اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں (یعنی نہ کہ اس کو صرف پوشیدہ طور پر ثواب دیتا ہوں بلکہ اس کو از خود ثواب دیتا ہوں ثواب دینے کا کام کسی اور کے سپرد نہیں کرتا) اگر وہ مجھے جماعت میں (یعنی ظاہری طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے۔

(بخاری و مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 785)

انا عند ظن عبدی بی (میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں) کا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ میری نسبت جو گمان و خیال رکھتا ہے میں اس کے لئے ویسا ہی ہوں اور اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے جس کی وہ مجھ سے توقع رکھتا ہے اگر وہ مجھ سے عفو معافی کی امید رکھتا ہے تو اس کو معافی دیتا ہوں اور اگر وہ میرے عذاب کا گمان رکھتا ہے تو پھر عذاب دیتا ہوں۔ اس ارشاد کے ذریعہ گویا ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی امید اس کے عذاب کے خوف پر غالب ہونی چاہئے اور اس کے بارہ میں اچھا گمان رکھنا چاہئے کہ وہ مجھے اپنی بے پایاں بخشش اور لامحدود رحمت سے نوازے گا۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ اللہ ایک شخص کو دوزخ میں لے جانے کا حکم کرے گا جب اسے کنارہ دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب تیرے بارے میں میرا گمان اچھا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کو واپس لے آؤ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔ امید کا مطلب اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کیا جائے اور پھر بخشش کا امیدوار رہے بغیر عمل صرف امید ہی پر تکیہ کر لینا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا

ہے یعنی ایسی امید کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو شخص میری یاد میں مشغول رہتا ہے تو میں اسے مزید نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دیتا ہوں اور اس پر رحمت نازل کرتا ہوں اور اس کی مدد و حفاظت کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی کو ایذاء پہنچاتا ہے تو میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں اور میرا کوئی بندہ مومن میرا تقرب (اعمال میں سے) ایسی کسی چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ہو جیسے ادائیگی فریضہ کے ذریعہ میرا تقرب حاصل ہے ہمیشہ نوافل کے ذریعے (یعنی ان طاعات وعبادات کے ذریعہ جو فرائض کے علاوہ اور فرائض سے زائد ہیں میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں۔ (کیونکہ وہ فرائض ونوافل دونوں کو اختیار کرتا ہے) اور جب میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ سنتا ہے میں اس کی بینائی بن جاتا ہوں وہ اسی کے ذریعہ دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ پکڑتا ہے میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور وہ برائیوں اور مکروہات سے میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔

اور جس کام کو میں کرنے والا ہوں اس میں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح کہ میں بندہ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ اس کی ناپسندیدگی کو میں ناپسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں مفر نہیں ہے۔

(بخاری، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 787)

فقد اذنته بالحرب کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے یعنی جو شخص میرے ولی کو ایذاء پہنچاتا ہے اس کی اس انتہائی قابل نفرین حرکت کی وجہ سے میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں یا مطلب یہ کہ میں اپنے ساتھ اس کی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں یا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے ساتھ اس کی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں پس وہ شخص میرے ولی کو ایذاء پہنچا کر گویا مجھ سے لڑنے والا ہے ائمہ کہتے ہیں کہ ایسا کوئی گناہ نہیں ہے کہ جس کے مرتکب کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ اس سے اعلان جنگ ہے علاوہ اس گناہ یعنی اللہ کے کسی محبوب بندہ اور ولی کو ایذاء پہنچانے کے اور سود کھانے کے، سود کھانے والوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ آیت (فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ)۔ پس اگر تم اس سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ دونوں گناہ نہایت ہی قابل نفرین اور بدترین ہیں اور ان دونوں میں دنیا اور آخرت دونوں کی مکمل تباہی کا خطرہ ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بندہ سے اللہ کی لڑائی اس کے خاتمہ بد پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جس سے اللہ تعالیٰ لڑا وہ کبھی فلاح ونجات نہیں پا سکتا۔

جو میں نے اس پر فرض کی ہیں" مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی چیزیں میں نے اس پر واجب کی ہیں یعنی اوامر (یعنی جن چیزوں کے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے اجتناب ان چیزوں کا اختیار کر کے جو بندہ اللہ کا تقرب حاصل کر سکے۔ میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں الخ اس بارہ میں علامہ خطابی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس بندہ پر ان افعال واعمال کو آسان کر دیتا ہوں جن کا

تعلق ان اعضاء سے ہے اور اس کو ان اعمال و افعال کے کرنے کی توفیق دیتا ہوں یہاں تک کہ گویا وہ اعضاء ہی بن جاتا ہوں۔
بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کے حواس اور اس کے اعضاء کو اپنی رضا و خوشنودی کا وسیلہ بنا دیتا ہے چنانچہ وہ بندہ اپنے کان سے صرف وہی بات سنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے یا اسی طرح وہ اپنی آنکھ سے صرف انہیں چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

بعض حضرات اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت اس بندہ پر اپنی محبت غالب کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور وہ اس چیز کو سنتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اس کا مددگار و کارساز ہوتا ہے اور اس کے کان اس کی آنکھ اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں کو ان چیزوں سے بچاتا ہے جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ میں تردد کرتا ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنی اس عنایت کے سبب جو اس بندہ کے شامل حال ہوتی ہے اس کی زندگی ختم کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ موت اس کے لئے کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہوتی [illegible] ت سے چونکہ مفر نہیں اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اس دنیا میں جو بھی جاندار آیا ہے اس کو موت کی آغوش میں ضرور ہی جانا ہے اس [illegible] موت دیتا ہوں پھر یہ کہ اس کی موت بھی اس کے لئے بھلائی ہی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ موت کے بعد ہی عظیم الشان سعادتوں اور درجات عالیہ کو پہنچتا ہے مثلاً حضور باری تعالیٰ اور جنت وغیرہ کی لازوال نعمتیں موت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہیں۔ اس موقع پر یہ بات جان لیجئے کہ تردد کے معنی ہیں ایسی دو چیزوں کی درمیان تحیر اور پس و پیش کرنا جن کے بارہ میں یہ یقینی علم نہ ہو کہ ان دونوں میں سے کون سی چیز زیادہ بہتر ہے۔

ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات پر تردد کے اس معنی کا اطلاق قطعاً ناممکن اور محال ہے لہٰذا حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اپنے کسی فیصلہ کو پورا کرنے میں اس طرح تاخیر توقف نہیں کرتا کہ جس طرح کہ کوئی متردد شخص اپنے کسی کام اور معاملہ کرتا ہے اس بندہ کی روح قبض کرنے کا معاملہ ایسا ہے کہ میں اس میں کچھ توقف کرتا ہوں تا کہ اس بندہ مومن پر موت آسان ہو اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ خود موت کے آنے کا مشتاق ہو جائے پھر اس کے بعد وہ زمرہ مقربین میں داخل ہو کر اعلیٰ علیین میں اپنی جگہ حاصل کر لے۔

وضو میں ناک میں پانی ڈالنے کے مسنون ہونے کا بیان

81 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرَيْهِ مِنْ مَاءٍ ثُمَّ لِيَنْتَثِرْ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو اس کو چاہئے کہ دونوں نتھنوں میں پانی ڈالے پھر چھڑک دے۔

نبی کریم ﷺ کی سخاوت کا بیان

82 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ عِنْدِي أُحُدًا

ذَهَبًا لَأَحْبَبْتُ أَلَّا يَأْتِيَ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ أَجِدُ مَنْ يَتَقَبَّلُهُ مِنِّي، لَيْسَ شَيْءٌ أُرْصِدُهُ فِي دَيْنٍ عَلَيَّ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر میرے پاس احد (ایک پہاڑ کا نام) کے برابر بھی سونا ہوتا تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ تین رات گزرنے سے پہلے اگر کوئی اس کو لینے والا ہوتا تو ایک دینار بھی باقی نہ رکھوں، میں کوئی چیز باقی رکھ کر اپنے کو (اللہ کے سامنے) مقروض نہیں بنانا چاہتا۔

(بخاری)

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو مجھے یہ گوارا نہ ہوتا کہ تین راتیں گزر جاتیں اور وہ تمام سونا یا اس کا کچھ حصہ علاوہ بقدر ادائے قرض کے میرے پاس موجود رہتا۔ (بخاری، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 357)

مطلب یہ ہے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو میرے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ ہوتی کہ میں تمام سونا تین رات کے اندر اندر ہی لوگوں میں تقسیم کر دیتا، اس میں سے اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتا ہاں اتنا سونا ضرور بچا لیتا جس سے میں اپنا قرض ادا کر سکتا کیونکہ قرض ادا کرنا صدقہ سے مقدم ہے۔ اس ارشاد گرامی سے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی سخاوت فیاضی کا وصف سامنے آتا ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ اپنے مال و زر کی خیرات نکالتے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اپنی آسائش و راحت کے ذرائع مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً عالیشان بلڈنگیں بناتے ہیں کوٹھیاں تعمیر کرتے ہیں یا اسی قسم کی دوسرا آسائش زندگی کے لئے بے تحاشا مال خرچ کرتے ہیں مگر ان کے اوپر دوسرے لوگوں کے حقوق ہوتے ہیں وہ ان کے حقوق کی ادائیگی تو کیا کرتے ان کی طرف ان کا دھیان بھی کبھی نہیں جاتا تو یہ کوئی اچھی اور پسندیدہ بات نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر انتہائی غلط ہے۔

شریعت و اخلاق ہی نہیں بلکہ محض عقل و دانش اور انسانی ہمدردی کے نقطہ نظر سے بھی کیا یہ بات گوارا کی جا سکتی ہے کہ ایک شخص تو دولت و حرص و ہوس کا پتلا بن کر اپنی تجوریاں بھرے بیٹھا ہوا بے مصرف مال و زر کے انبار لگائے ہوئے ہو اور سونے چاندی کے خزانے جمع کئے مگر ایک دوسرا شخص اس کے آنکھوں کے سامنے نان جویں کے لئے بھی محتاج ہو اور اس کی تجوری کا منہ نہ کھلے، ایک غریب بھوک و افلاس کے مارے دم توڑ رہا ہو مگر اس کے اندر اتنی بھی ہمدردی نہ ہو کہ اس غریب کو کھانا کھلا کر اس کی زندگی کے چراغ کو بجھنے سے بچائے؟ جی ہاں! آج کے اس دور میں بھی جب کہ سوشلزم، مساوات اور انسانی بھائی چارگی و ہمدردی کے نعرے ہمہ وقت فضا میں گونجتے رہتے ہیں کون نہیں دیکھتا کہ مال و زر کے بندے اپنی ادنیٰ سی خواہش کے لئے تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں اپنی دنیاوی آسائش و راحت کی خاطر مال و زر کے تختے بچھا دیتے ہیں مگر جب بھوک و پیاس سے بلکتا کوئی انہیں جیسا ان کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تو ان کی جبین پر بل پڑ جاتے ہیں۔

اوران کے منہ سے نفرت وحقارت کے الفاظ ابلنے لگتے ہیں وہ شقی القلب یہ نہیں سوچتے کہ اگر معاملہ برعکس ہوتا تو ان کے جذبات واحساسات کیا ہوتے؟ لہٰذا جنگ زرگری کے موجودہ دور میں مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانی برادری کے لئے یہ ارشادگرامی ایک دعوت عمل اور مینارہ نور ہے۔

کھانا پکانے والے کے ساتھ نرمی اختیار کرنے کا بیان

83 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا جَاءَ كُمُ الصَّانِعُ بِطَعَامِكُمْ قَدْ أَغْنَى عَنْكُمْ حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَادْعُوهُ فَلْيَأْكُلْ مَعَكُمْ، وَإِلَّا فَأَلْقِمُوهُ فِي يَدِهِ أَوْ لِيُنَاوِلْهُ فِي يَدِهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے کہ جب تمہارا کھانا پکانے والا تمہارے پاس تمہارا کھانا لائے، جس نے تمہیں گرمی اور دھوئیں سے بچایا تو اس کو بھی اپنے ساتھ کھانے کے لیے بلاؤ ورنہ اس کے ہاتھ میں لقمہ ہی دے دو (یا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دو) فرمایا (یہ فرمای وہ راوی کوشک ہے)۔(مسلم)

شرح

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خادموں اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرے کیونکہ خادم و نوکر بھی ایک انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا بھائی ہے پھر اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ایک دسترخوان پر جتنے زیادہ لوگ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کھانے میں برکت ہوتی ہے چنانچہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ افضل کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں خادم ونوکر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھانے یا اس کھانے میں سے اس کو تھوڑا بہت دے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن ان کے پاس ان کا کارندہ آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے غلام اور لونڈیوں کو ان کا کھانا دیدیا ہے اس نے کہا کہ نہیں انہوں فرمایا کہ فوراً واپس جاؤ اور ان کو ان کا کھانا دو کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مملوک کو کھانا نہ دے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس شخص کی روزی اس کے ہاتھ میں ہے یعنی اپنے اہل وعیال اور غلام لونڈی وہ اس کی روزی ضائع کرے۔(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 540)

غلاموں اور ملازمین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بیان

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام تمہارے بھائی ہیں اور دین وخلقت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے ماتحت بنایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لئے جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں

خود بھی اس کی مدد کرے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 539)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ مالک کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنے غلام کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اس کو وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے وجوب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق استحباب ہے چنانچہ مالک اس کے مملوک کا اسی حیثیت و مقدار کا نفقہ واجب ہے جو عرف عام اور رواج و دستور کے مطابق ہو خواہ وہ مالک کے کھانے کپڑے کے برابر ہو یا اس سے کم و زیادہ ہو یہاں تک کہ اگر مالک خواہ اپنے زہد و تقویٰ کی بناء پر یا از راہ بخل اپنے کھانے پینے اور پہننے میں اس طرح کی تنگی کرتا ہو جو اس حیثیت کے لوگوں کے معیار کے منافی ہے تو ایسی تنگی مملوک کے حق میں جائز نہیں ہے۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام غلام کے لئے مشکل نظر آئے اور وہ اس کو پورا کرنے میں دقت محسوس کرے تو اس کام کی تکمیل میں غلام کی مدد کرو خواہ خود اس کا ہاتھ بٹاؤ یا کسی دوسرے شخص کو اس کی مدد کرنے پر متعین کرو چنانچہ بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چکی پیسنے میں اپنی لونڈیوں کی مدد کرتے تھے بایں طور کہ ان لونڈیوں کے ساتھ مل کر چکی پیستے تھے۔

بلانے کے آداب کا بیان

84 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَقُلْ أَحَدُكُمُ اسْقِ رَبَّكَ أَوْ أَطْعِمْ رَبَّكَ وَضِّءْ رَبَّكَ وَلَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: رَبِّي، وَلْيَقُلْ: سَيِّدِي، مَوْلَايَ، وَلَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي، أَمَتِي، وَلْيَقُلْ: فَتَايَ، فَتَاتِي، غُلَامِي.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے "تمہارے رب کو پانی پلاؤ" یا "تمہارے رب کو کھانا کھلاؤ" اور "تمہارے رب کے لیے (چراغ) روشن کرو" اور تم میں سے کوئی شخص کسی کو یہ نہ کہے "میرا رب" بلکہ یہ کہے "میرا سردار"، "میرا مولا" اور تم میں سے کوئی شخص "میرا بندہ"، میری باندی" نہ کہے بلکہ "میرا بچہ"، "میری بچی"، "میرا لڑکا" کہے۔

منافق کو سردار کہنا منع ہے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی منافق کو سید نہ کہو یعنی سردار آقا نہ کہو کیونکہ اگر وہ سید ہو اور تم نے اس کو سید کہا تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کیا۔ (ابوداود، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 717)

عربی میں سید کے معنی ہیں سردار آقا۔ ظاہر ہے کہ کسی منافق کو یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا کہ اس کو کوئی مسلمان سردار آقا کہے بلکہ اگر کوئی منافق واقعتاً سردار ہو بایں طور کہ وہ اپنی قوم کا سربراہ ہو یا کچھ لوگوں کا حاکم ہو اور غلام و باندی اور دوسرے اسباب کا مالک ہو تو اس کے باوجود وہ اس قابل نہیں سمجھا جائے گا کہ کوئی مسلمان اس کو سردار و آقا کہہ کر مخاطب کرے یا اس کو سید کہے اور اگر کوئی مسلمان اس کو سید و سردار و آقا کہے گا تو وہ اللہ کے غضب کا مستوجب ہوگا کیونکہ یہ لفظ سید تعظیم و احترام پر دلالت کرتا ہے اور وہ منافق مسلمانوں کی طرف سے کسی بھی تعظیم کا مستحق نہیں ہے اور اگر صورت یہ ہو کہ وہ واقعتاً کسی بھی طرح کی سیادت و سرداری رکھتا

بھی نہ ہوتو اس کوسید کہنا اور بھی برا ہوگا کیونکہ اس کے باوجود اس کوسید کہنے والا نہ صرف مذکورہ حکم کی خلاف ورزی بلکہ جھوٹ اور نفاق کا بھی مرتکب ہوگا۔ظاہر تو یہ ہے کہ اس بارے میں کافر، گم کردہ راہ ہدایت اور علی الاعلان گناہ کا ارتکاب کرنے والے مسلمان بھی منافق کے حکم میں داخل ہوں لیکن حدیث میں خاص طور پر صرف منافق ہی کا ذکر ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ منافق چونکہ بہر حال ظاہر طور پر مسلمان ہوتا ہے اس لئے عام مسلمانوں کا اس کی تعریف وخوشامد میں مبتلا ہونا زیادہ قریبی احتمال رکھتا ہے لہٰذا صرف منافق کا ذکر کر کے اس بات کی ممانعت فرمائی گئی کہ اس کوسید نہ کہو۔

اہل جنت کیلئے نعمتوں کا بیان

85 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُوَرُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَا يَبْصُقُونَ فِيهَا، وَلَا يَمْتَخِطُونَ، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ فِيهَا، آنِيَتُهُمْ وَأَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَمَجَامِرُهُمْ مِنَ الْأَلُوَّةِ، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ، يُرَى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبٍ وَاحِدٍ، يُسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی ان لوگوں کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوں گی۔ جنت میں وہ تھوکیں گے اور نہ اس میں ناک صاف کریں گے اور نہ اس میں بیت الخلاء کو جائیں گے۔ان کے برتن اور کنگھیاں سونے، چاندی کی ہوں گی اور ان کی انگیٹھیاں ایلوے کی ہوں گی اور ان کا چھڑکاؤ مشک کا ہوگا۔ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی، بیوی کی پنڈلی کا گودھ حسن کی (شفافی کی) وجہ سے گوشت میں سے نظر آئے گا۔ (جنت کے) لوگوں کے درمیان نہ تو اختلاف ہوگا اور نہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے بغض ہوگا وہ صبح شام اللہ کی حمد وثنا بیان کریں گے۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بڑا گروہ پہلے لوگوں سے ہی۔اور تھوڑے پچھلے لوگوں سے ہیں۔وہ (زروجواہر) سے مرصع تختوں پر ہوں گی۔ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے (الواقعہ 13۔16)

ثلثہ کا معنی اور مصداق

الواقعہ :13 میں ثلثہ کا لفظ ہے، علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی 502 ھ میں لکھتے ہیں ثلثہ کا معنی ہے: انبوہ کثیر، بہت بڑی جماعت اصل میں ثلثہ اون کے گھٹے کو کہتے ہیں اور کثرت اجتماع کی مناسبت سے بہت بڑی جماعت کے لئے ثلثہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (المفردات ج1 ص105 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ 1418ھ)

مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی 150 ھ لکھتے ہیں۔(الواقعہ:39) گزشتہ امتوں کے سابقین کی بہت بڑی جماعت

(الواقعہ:40) سے مراد ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سابقین

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سیدنا محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم کی امت کی اسی 80 صفیں ہوں گی اور باقی امتوں کی چالیس صفیں ہوں گی اور گزشتہ امتوں کے سابقین اور مقربین اس امت کے سابقین اور مقربین کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوں گے، اس لئے فرمایا (الواقعہ 39) اور اس امت کے سابقین ان کی بہ نسبت بہت کم ہوں گے۔ (تفسیر مقاتل بن سلمان ج2 ص314 دار الکتب العلمیہ بیروت 1424ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا چوتھائی ہوں گے ہم نے کہا: اللہ اکبر: آپ نے پھر فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا تہائی ہوگی، ہم نے کہا: اللہ اکبر، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا نصف ہوگی ہم نے کہا: اللہ اکبر: پھر آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے مقابلے میں ایسے ہو گے جیسے سفید بیل میں کالے بال ہوتے ہیں یا کالے بیل میں سفید بال ہوتے ہیں۔

حسن بصری نے کہا: (الواقعہ 13) اس سے مراد ہے: گزشتہ امتوں کے سابقین کی جماعت اور (الواقعہ 14) اس سے مراد ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سابقین، ان کو قلیل اس لئے فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین بہت زیادہ تھے اور ان کی امتوں میں ایمان کی طرف سبقت کرنے والے بھی بہت زیادہ تھے، اس لئے ان کا عدد ہماری امت کے سابقین سے زیادہ ہو گیا

قلیل من الاخرین اور ثلثہ میں الاخرین میں تعارض کا جواب

اس کے بعد فرمایا: (الواقعہ 39) اور (الواقعہ 40) اور بہ ظاہر یہ تعارض ہے کہ کیونکہ الواقعہ 14 میں فرمایا تھا کہ آپ کی امت کے سابقین قلیل ہیں اور الواقعہ 40 میں فرمایا ہے کہ آپ کی امت کے سابقین کثیر ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ الواقعہ 13-14 کا تعلق سابقین سے ہے اور الواقعہ 39-40 کا تعلق اصحاب الیمین سے ہے، یعنی آپ کی امت کے سابقین تو گزشتہ امتوں سے کم ہوں گے لیکن آپ کی امت کے اصحاب الیمین یعنی عام مومنین کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اور گزشتہ امتوں کے مومنین اور ہماری امت کے مومنین دونوں بڑے گروہ ہوں گے لیکن ہماری امت کا گروہ گزشتہ امتوں کے گروہ سے بہت بڑا اور بہت زیادہ ہوگا جیسا کہ مذکورہ الصدر حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

موضونہ کا معنی

الواقعہ:۵۱ میں فرمایا: وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے۔

اس آیت میں موضونہ کا لفظ ہے، علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۴۰۵ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کا مادہ الوضن ہے، اس کا معنی ہے: زرہ بننا، اور ہر مضبوط بناوٹ کے لئے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(المفردات ج۲ ص682، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی 817ھ لکھتے ہیں:

وضن کا معنی ہے: کسی چیز کو دوہرا تہرا بنانا، چمڑے پر دھاگوں سے کسی چیز کو بنانا، زرہ کو مضبوطی سے بننا، کسی چیز کو جواہر سے مرصع کرنا۔ (القاموس المحیط ص 1238، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سونے کے تاروں سے بنی ہوئی کو چیز موتی اور یاقوت سے بنی ہوئی جالی حضرت ابن عباس رضی اللہ سے روایت ہے اس کا معنی ہے: مصفوفۃ یعنی وہ تخت قطار در قطار ہوں گے۔

تفاسیر میں ہے کہ وہ تخت سونے کے سرکنڈوں سے بنے ہوں گے اور ان میں موتی اور یاقوت جڑے ہوئے ہوں گے۔

الواقعہ: ۱۶ میں فرمایا: ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے۔

یعنی وہ سابقین ایک دوسرے کے سامنے متقابل ہوں گے ان کی ایک دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مومنین ان کی بیویاں اور انکے اہل تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے پاس ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے۔ مشکوں اور جگوں اور شراب لبریز جاموں کے ساتھ۔ جس سے نہ ان کے سر درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو۔ ان کے پسندیدہ پھل۔ اور پرندوں کا وہ گوشت جس کو وہ چاہیں۔ اور بڑی آنکھوں والی حوریں۔ جیسے چھپے ہوئے موتی۔ یہ ان (نیک) کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے۔ وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات۔ مگر ہر طرف سے سلام سلام کی آواز۔ (الواقعہ: ۲۶۔۱۷)

ولدان اور غلمان کے معانی اور مصادیق

الواقعہ: ۱۷ میں ولدان مخلدون کے الفاظ ہیں ولدان ولید کی جمع ہے ان کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ مومنین کے کم عمر بچے ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس سے پہلے الطور: ۲۱ میں گزر چکا ہے کہ مومنوں کے کم سن بچوں کو ان ہی کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا اور بعض مومنوں کی اولاد نہیں ہوگی تو وہ دوسرے مومنوں کی کمسن اولاد کو ان کی خدمت پر کیسے مامور کیا جائے گا اور اس میں ان بچوں کے باپ کی بھی خفت ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ کفار کے کمسن بچے ہوں گے اور اس قول میں کوئی خرابی نہیں ہے اور مخلدون کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ رہیں گے یا ان پر موت اور فنا نہیں آئے گی یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اسی کیفیت پر ہمیشہ برقرار رہیں گے اور ہمیشہ کم سن رہیں گے وہ بڑے ہوں گے نہ ان کو ڈاڑھی آئے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۹۳)

ان کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت بھی ہے: **ویطوف علیھم غلمان لھم کا نھم لو لو مکنون** ۔ (الطور: ۲۴) اور ان (جنتیوں) کے گرد کم عمر لڑکے پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتی ہیں۔

اہل جنت کی خدمت کے لیے نو عمر خدام دیئے جائیں گے جو ان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن و جمال اور صفائی اور رعنائی میں وہ ان موتیوں کی طرح ہوں گے جس کو ڈھک کر رکھا جاتا ہے مبادا کسی کو ہاتھ لگنے سے ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے۔

عکرمہ نے کہا ہے کہ ان لڑکوں کو اللہ تعالیٰ نے ولادت کے معروف طریقہ کے بغیر جنت میں ایک عمر پر پیدا کیا ہے یہ جنت میں گھومتے رہتے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حسن بصری نے کہا: یہ مسلمانوں کے وہ بچے ہیں جو کم عمر میں فوت ہو جاتے ہیں ان کی کوئی نیکی ہوگی نہ گناہ۔

سلیمان فارسی نے کہا: یہ مشرکین کے نابالغ بچے ہیں جو اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

حسن بصری نے کہا: ان کی نہ کوئی نیکی ہوگی جس کی ان کو جزاء دی جائے اور نہ ان کوئی گناہ ہوگا جس کی ان کو سزا دی جائے ان کو اس جگہ رکھا جائے گا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اہل جنت کو مکمل خوشی اور راحت پہنچائی جائے اور جب انسان کے آگے اور پیچھے خدام گھوم رہے ہوں تو اس کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۸۱)

اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں اس طرح پیدا کیا ہے جس طرح بڑی آنکھوں والی حوروں کو جنت میں پیدا کیا ہے نہ وہ مریں گے نہ بوڑھے ہوں گے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۱۱)

اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت ہی میں پیدا کیا ہو تا کہ وہ اہل جنت کی خدمت کریں۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۱۹۹)

اکواب اباریق کاس اور معین کے معانی اور مصادیق

الواقعہ: ۱۸ میں فرمایا: مشکوں اور جگوں اور شراب سے لبریز جاموں کے ساتھ۔ اس آیت میں اباریق کا لفظ ہے ابریق کی جمع ہے دراصل یہ فارسی کا لفظ ہے اس کو عربی بنایا گیا ہے اصل میں یہ لفظ اب ریز تھا یعنی وہ برتن جس سے پانی یا کوئی مشروب گرایا جائے جیسے لوٹا یا جگ۔ (مختار الصحاح ص ۲۴ موضحا)

اور اس میں اکواب کا لفظ ہے یہ لفظ کوب کی جمع ہے اس کا معنی ہے: کوزے آب خورے اور گلاس پانی پینے کا وہ برتن جس میں پکڑنے کے لیے دستہ نہ ہو۔ (مختار الصحاح ص ۸۳۳ موضحا)

اور کاس کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: شراب سے بھرا ہوا جام شراب کے جام کو بھی کہتے ہیں اس کی جمع کئوس ہے۔

(مختار الصحاح ص ۷۲۳ موضحا)

معین کا معنی ہے: جاری چشمہ۔ (المفردات ج ۲ ص ۱۶۴) یہاں مراد ہے: جنت میں شراب کے جاری چشمے۔

امام رازی نے لکھا ہے: اکواب سے مراد بڑے پیالے ہیں جس میں پکڑنے لے لیے دستے نہ ہوں (اس سے مراد شراب کے مٹکے لینا زیادہ مناسب ہے) اور اباریق سے مراد ہے: پانی کے وہ برتن جن کا دستہ ہو اور اس کی سونڈ (جونٹی) بھی ہو اس سے مراد لوٹے یا جگ ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۹۳)

یعنی جنت کی شراب کے چشموں سے شراب نکال کر مٹکوں میں رکھی جائے گی اور اس سے جگ یا لوٹے بھرے جائیں گے پھر اس شراب کو جاموں یا گلاسوں میں انڈیل کر ولدان اور غلمان اہل جنت کو پیش کریں گے۔

الواقعہ: ۱۹ میں فرمایا: جس سے نہ ان کے سر میں درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو۔

صداع کا معنی ہے: سر میں درد ہونا اور نزف کا معنی ہے: عقل کا ماوف ہو جانا۔

یعنی جنت کی شراب میں صرف لذت ہوگی اس کے پینے سے سر میں درد ہوگا نہ عقل میں کوئی کمی آئے گی نہ عقل خراب ہوگی نہ ان کو نشہ ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائے: خمر (انگور کی شراب) میں چار وصف ہوتے ہیں اس سے نشہ آتا ہے سر میں درد ہوتا ہے تے ہوتی ہے اور پیشاب آتا ہے اور جنت کی شراب ان تمام خرابیوں سے پاک ہوگی۔

جنت کے پرندوں کی کیفیت

الواقعہ: ۲۱-۲۰ میں فرمائے: ان کے پسندیدہ پھل۔ اور پرندوں کا وہ گوشت جس کو وہ چاہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کوثر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ دریا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے (جنت میں) عطا فرمایا ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے شہد سے زیادہ میٹھا ہے اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں سے زیادہ لمبی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک یہ بہت بڑی نعمت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو کھانا بہت اچھا ہے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک پرندہ ہے جس کے ستر ہزار پر ہیں۔

وہ آکر ایک جنتی شخص کے پیالے پر بیٹھ جائے گا پھر اپنے پر جھاڑے گا تو اس کے ہر پر سے سفید رنگ کے برف کے ذرات اور اولے نکلیں گے جو مکھن سے زیادہ ملائم اور برف سے زیادہ ٹھنڈے اور شہد سے زیادہ میٹھے ہوں گے اور اس کا کوئی رنگ پرندے کے مشابہ نہیں ہوگا پھر وہ پرندہ اڑ کر چلا جائے گا۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۲ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۶۸۱ـ۵۸۱ کنز العمال ج ۱۴ ص ۳۶۴ـ۲۶۴)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں اونٹ کی جسامت کے پرندے ہیں وہ ایک جنتی شخص کے پاس آئیں گے اور پھر چلے جائیں گے اور گویا کہ اس سے کچھ کم نہیں ہوگا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جنت کے پرندوں میں سے کسی پرندے کو کھانے کی خواہش کرے گا وہ پرندہ بھنا ہوا اس کے ہاتھ میں آجائے گا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک شخص اونٹ کے برابر پرندے کو کھانے کی خواہش کرے گا وہ پرندہ اس کے دستر خوان پر آ کر گر جائے گا اس کو دھواں چھوئے گا نہ آگ وہ اس سے سیر ہو کر کھائے گا پھر وہ پرندہ اڑ جائے گا۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۱۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حوروں کا حسن اور جمال

الواقعہ: ۲۳-۲۲ میں فرمایا: اور بڑی آنکھوں والی حوریں۔ جیسے چھپے ہوئے موتی۔

ابراہیم نخعی نے کہا بڑی آنکھوں والی حوروں سے اہل جنت کا نکاح کر دیا جائے گا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: حور عین۔ (الواقعہ: ۲۲) آپ نے فرمایا: وہ سفید رنگ کی حوریں ہوں گی جن کی آنکھیں موٹی موٹی اور کشادہ ہوں گی۔ (المعجم الاوسط ج ۳ ص ۲۷۸ الکشف والبیان ۹ ص ۵۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی آنکھوں والی حوروں کو زعفران سے پیدا کیا گیا ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۱ ص ۵۹ جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۸۵۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا اس کا بہتر بیویوں سے نکاح کر دیا جائے گا دو بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی اور ستر بیویاں اس کی دوزخیوں کی میراث سے ملیں گی ان میں سے ہر بیوی محل شہوت ہوگی اور ان سے اپنی خواہش پوری کرنے میں اہل جنت کو کسی قسم ضعف تھکاوٹ نہیں ہوگی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۷ الکشف والبیان ۹ ص ۵۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی شخص کو اتنی اور اتنی عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کی قوت دی جائے گی۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا وہ اس کی طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: اس کو سو عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کی طاقت دی جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں نور شمک رہا ہوگا مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کس چیز کا نور ہوگا؟ آپ نے فرمایے: حور اپنے شوہر کو دیکھ کر ہنسے گی تو اس کے دانتوں سے روشنی پھوٹے گی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۶۳ الکشف والبیان ۹ ص ۵۰۲)

ان حوروں کے متعلق فرمایا: وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گی یعنی اس کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا اور نہ ان پر گرد و غبار پڑا ہوگا سو وہ سیپ میں چھپے ہوئے موتی سے زیادہ صاف اور شفاف ہوں گی اور ان کے جسم کی ہر جانب سے ان کے حسن چمک رہا ہوگا۔

آخرت کی تمام نعمتوں کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے

الواقعہ: ۲۴ میں فرمایا: یہ ان (نیک) کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے۔

جنت میں داخل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس کا سبب بندے کا ایمان لانا ہے اور جنت میں حور و غلمان کا ملن اور کھانے پینے کی لذیذ چیزیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور اس کا سبب بندے کے نیک اعمال ہیں اور جنت میں دوام اور خلود یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس کا سبب بندے کی یہ نیت ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان پر قائم رہے گا۔ لیکن یہ سب ظاہری اسباب ہیں حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے بندہ اسی کے فضل کے سبب سے ایمان لاتا ہے اسی کے فضل سے نیک اعمال کرتا ہے اور اسی کے فضل سے ایمان اور اعمال صالحہ پر قائم رہتا ہے قرآن مجید میں ہے:

ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ لا تبعتم الشیطن الا قلیلا۔ (النساء: ۸۳)

اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند افراد کے سوا تم سب افراد شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

ان المتقین فی مقام امین ۔ فی جنت وعیون ۔ یلبسون من سندس و استبرق متقبلین ۔ کذلك و زوجهنم بحور عین ۔ یدعون فیها بکل فا کهة امنین ۔ لا یزوقون فیها الموتا لا الموتة الاولی ج ووقهم عذاب الجحیم ۔ فضلا من ربك ط ذلك هو الفوز العظیم ۔ (الدخان:۵۷۔۵۱) بے شک متقی لوگ امن کی جگہ ہوں گے۔ جنتوں میں اور چشموں میں۔ وہ باریک اور موٹے ریشم کا لباس پہنے آمنے سامنے ہوں گے۔ ایسا ہی ہوگا ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی زوجیت میں دے دیں گے۔ وہ وہاں پر ہر قسم کے پھل اطمینان سے طلب کریں گے۔ وہ پہلی موت کے سوا جنت میں اور کسی موت کا مزا نہیں چکھیں گے اور اللہ نے انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالیا۔ (انہیں یہ سب نعمتیں) آپ کے رب کے فضل سے (ملیں) یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

الواقعہ:۲۴ میں آخرت کی ان نعمتوں کی نسبت مسلمانوں کے نیک اعمال کی طرف کی ہے اور الدخان: ۵۱۔۵۷ میں ان نعمتوں کے نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کی طرف کی ہے اور اوّل الذکر سبب ظاہری ہے اور ثانی الذکر سبب حقیقی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل پر ہرگز جنت میں داخل نہیں کرے گا صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو بھی نہیں سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۶۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۱۸۲ مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۴)

لغو اور گناہ کی باتوں کے مصادیق

الواقعہ:۲۵-۲۶ میں فرمایا: اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات۔ مگر ہر طرف سلام سلام کی آواز۔

اس آیت میں لغو کا لفظ ہے وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے لغو بات سے کیا مراد ہے: ایسا کلام جو عبث اور بے فائدہ ہو جو لائق شمار نہ ہو یا کھیل کود کی باتیں جن کو سننے سے محض وقت ضائع ہو اور گناہ کی بات سے مراد ہے: جھوٹ چغلی اور فحش باتیں۔

مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: لڑائی جھگڑے گالم گلوچ جھوٹی قسمیں اور گناہ پر ابھارنے والی باتیں۔ وہ اس میں سلامتی کی باتیں سنیں گے اور نیکی کی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذکر کی باتیں سنیں گے وہ جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے تو کلام کی ابتداء سلام سے کریں گے اور ایک دوسرے کو خوش آمدید اور مرحبا کہیں گے۔

دوسروں کیلئے رحمت کی دعا کرنے کا بیان

86 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَتَّخِذُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَنْ تُخْلِفَهُ، إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، فَأَيُّ الْمُؤْمِنِينَ آذَيْتُهُ أَوْ شَتَمْتُهُ أَوْ جَلَدْتُهُ أَوْ لَعَنْتُهُ فَاجْعَلْهَا صَلَاةً وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا اللہ! میں تجھ سے ایک عہد لیتا ہوں تو اس کے خلاف نہ ہونے دے، میں تو

ایک بشر (انسان) ہوں۔ وہ یہ کہ نہ میں نے کسی مومن کو ایذاء دی ہے یا اس کو گالی دی یا اس کو مارا ہے یا اس پر لعنت بھیجی ہے تو اس کو رحمت اور پاکیزگی اور قربت بنا دے جس کے ذریعہ وہ قیامت کے دن (اللہ سے) تقرب حاصل کرے۔

غنائم کی تقسیم کا بیان

87 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِمَنْ كَانَ قَبْلَنَا، ذَلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم سے پہلے جو لوگ تھے ان کے لیے غنیمت کا مال حلال نہیں تھا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے ہمارے ضعف اور ہماری عاجزی کو دیکھا، اسی لیے اس نے اس کو ہمارے لیے پاک بنا دیا۔

شرح

اس میں الانفال سے مراد غنائم ہیں۔ انفال کے محل میں علماء کا اختلاف ہے اس بارے میں چار اقوال ہیں:

(۱) اس کا محل اس مال میں ہے جو کافروں سے کٹ کر مسلمانوں کی طرف آ جائے یا بغیر جنگ کے لے لیا جائے

(۲) اس کا محل خمس (پانچواں حصہ) ہے

(۳) اس کا محل خمس کا خمس (پانچواں کا پانچواں حصہ) ہے

(۴) اصل مالِ غنیمت، جیسا بھی امام وقتاً سے پاتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ انفال سے مراد وہ عطیات اور انعامات ہیں جو امام وقت خمس سے عطا کرتا ہے، جس طرح اس کے بارے وہ اپنی رائے رکھتا ہو۔ بقیہ چار حصوں میں کوئی نفل نہیں ہوتا، بلا شبہ وہ کل مالِ غنیمت سے نفل نہیں پاتا کیونکہ اس کے مستحق معین ہوتے ہیں اور وہ اسے گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ حاصل کرتے ہیں اور خمس کی تقسیم امام کے اجتہاد اور رائے کو سونپ دی گئی ہے۔ اور اس کے مستحق معین نہیں ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو مالِ غنیمت تمہیں عطا فرمایا ہے میرے لیے سوائے خمس کے اور کچھ نہیں اور خمس بھی تم پر لوٹا دیا جائے گا (سنن ابی داود، باب فداء الاسیر بالمال، حدیث نمبر ۲۳۱۹، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ سنن ابی داود، باب فی الامام یستاثر بشی ملفسہ، حدیث نمبر ۲۳۷۴، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)۔ پس اس کے بعد یہ ممکن نہیں کہ نفل کسی ایک کا حق ہو اور بلا شبہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے وہ خمس ہے۔ آپ کے مذہب میں سے یہی معروف ہے۔ اور تحقیق آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ خمس کا خمس ہے۔ اور یہی قول حضرت ابن مسیب، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ اور سبب اختلاف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، اسے امام مالک رحمۃ اللہ عنہ نے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب ایک سریہ بھیجا تو انہیں بہت سے اونٹ مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے، ان کے حصے میں بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ آئے اور پھر انہیں ایک ایک اونٹ بطور نفل بھی دیا گیا۔ اسی طرح اسے امام مالک رحمۃ اللہ عنہ نے روایب کیا ہے۔ اور بے شک آپ سے یحییٰ کی روایب میں موجود ہے اور اسی پر موطا کے راویوں کی ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے سوائے علید بن مسلم

کے کیونکہ انہوں نے مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس میں کہا ہے: ان کے حصص بارہ بارہ اونٹ تھے اور ایک ایک اونٹ انہیں بطور تنفیل دیا گیا۔ اور انہوں نے شک کا اظہار نہیں کیا۔ ولید بن مسلم اور حکم بن نافع نے شعیب بن ابی حمزہ سے انہوں نے حضرت نافع کے واسطہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایب بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں نجد کی جانب بھیجا۔ اور ولید کی روایب میں ہے اس کی تعداد چار ہزار تھی۔ اور لشکر سے ایک سریہ نکلا۔ اور ولید کی روایب میں ہے: پس میں بھی ان میں تھا جو اس میں نکلے تھے۔ پس لشکر کے حصص بارہ بارہ اونٹ تھے۔ اور اہل سریہ کے حصہ بطور تنفیل ایک ایک اونٹ تھا، پس ان کے حصص تیرہ تیرہ اونٹ ہو گئے۔ اسے ابوداود نے ذکر کیا ہے۔ اسی سے انہوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں: بے شک نفل مجموعی خمس سے ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ سریہ (چھوٹا سا دستہ) اگر کسی مقام پر اترا مثلاً اس میں دس افراد شامل تھے انہوں نے اپنے مالِ غنیمت میں ڈیڑھ سو (اونٹ) حاصل کیے، تو ان سے ان کا خمس تیس اونٹ پہلے نکال لیے جائیں گے اور ان کے لیے ایک سو بیس رہ جائیں گے، جو دس افراد پر تقسیم کیے جائیں گے اور وہ ہر ایک کے حصہ میں بارہ بارہ اونٹ آئیں گے، پھر اس قوم کو خمس میں سے ایک ایک اونٹ دے دیا جائے گا، کیونکہ اس میں تیس کا خمس دس اونٹ نہیں ہو سکتے۔ پس جب تو نے دس کے لیے حصہ پہچان لیا تو پھر سو، ہزار اور زائد کے لیے جو ہو گا اسے بھی معلوم کر لے گا۔

اور جنہوں نے کہا ہے کہ نفل خمس کے خمس میں سے ہو گا انہوں نے اس طرح کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (مالِ غنیمت میں) کپڑے بھی ہوں جو بیچے جا سکتے ہوں اور اونٹوں کے علاوہ بھی ساز و سامان ہو، تو وہ آدمی جسے اونٹ نہ ملے اسے اس سامان میں سے اونٹ کی قیمت ادا کر دی جائے۔ اور اسے اس حدیث سے تقویت پہنچتی ہے جسے مسلم نے اس حدیث کے بعض طرق میں بیان کیا ہے: پس ہم نے اونٹ اور بکریاں حاصل کیں، الحدیث۔

محمد بن اسحاق نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے کہ امیر (لشکر) نے تقسیم سے پہلے ان کے لیے تنفیل کی اور یہ اسے ثابت کرتا ہے کہ نفل کل مال غنیم میں سے ہو۔ اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ عنہ کے قول کے خلاف ہے۔ اور جنہوں نے ان کے خلاف روایب کی ہے ان کا قول اولیٰ ہے کیونکہ وہ حفاظ ہیں، یہ ابو عمر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اور مکحول اور اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ثلث سے زیادہ کے ساتھ نفیل نہیں کی جائے گی، جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: اگر وہ ان کے لیے زیادہ عطا کرنے کا قول کرے تو اسے ان کے لیے پورا کرنا چاہیے اور وہ اسے خمس میں سے ادا کرے گا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: نفل مین کوئی ایسی حد نہیں ہے جس سے امام تجاوز نہ کر سکتا ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس پر دلیل ہے جو ولید اور حکم نے شعیب سے اور انہوں نے نافع سے ذکر کیا ہے کہ جب سریہ لشکر میں سے نکلے اور وہ مالِ غنیمت حاصل کرے تو لشکر بھی ان کے ساتھ شریک ہو گا اور یہ ایک مسئلہ اور حکم ہے جسے حدیث میں شعیب کے سوا نافع سے کسی نے ذکر نہیں کیا اور اس کے بارے میں علماء میں اختلاف نہیں۔ والحمد للہ

علماء کا امام وقت کے اس قول کے بارے اختلاف ہے جو قتال سے پہلے یہ کہتا ہے: جس نے اس قلعہ میں سے اتنا گرا دیا تو اس کے لیے اتنا (مال) ہو گا اور جو کوئی فلاں جگہ تک پہنچ گیا تو اس کے لیے اتنا مال ہو گا اور جو کسی کا سر لے کر آیا تو اس کے لی اتنا ہو گا اور

جو کوئی کسی کو قیدی بنا کر لایا تو اس کے لیے اتنا ہوگا۔ گویا امام وقت یہ کہہ کر انہیں انگیخت دلا رہا ہے اور ان کے جذبات کو ابھار رہا ہے۔
پس امام مالک رحمۃ اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ قتال تو پھر حصول دنیا کے لیے ہوگا اور یہ جائز نہیں ہوگا۔ اور امام ثوری رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں موجود ہے، جب بدر کا دن تھا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے کسی کو قتل کیا تو اس کے لیے اتنا ہوگا اور جس نے کسی کو قیدی بنایا تو اس کے لیے اتنا ہوگا (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۲۳۶۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز) یہ ایک طویل حدیث ہے۔

اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس اس طرح کیا اور فلاں فلاں جگہ پر آیا تو اس کے لیے اتنا ہوگا۔ پس جوان تیزی سے دوڑ پڑے اور بوڑھے جھنڈوں کے پاس ہی ثابت قدم رہے۔ پس جب انہیں فتح حاصل ہوگئی تو جوان آئے اور اسی کا مطالبہ کرنے لگے جو ان کے لیے مقرر کیا گیا تھا تو بوڑھوں نے انہیں کہا: تم ہمارے بغیر ادھر نہیں جا سکتے تھے، تحقیق ہم تمہارے لیے مددگار اور معاون تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آیت: واصلحوا ذات بینکم (اور تم اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو) اسے اسماعیل بن اسحاق نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو کہا جب وہ اپنی قوم میں آپ کے پاس آئے اور وہ شام کا ارادہ رکھتے تھے: کیا تیرے لیے ممکن ہے کہ تو کوفہ آئے اور تیرے لیے تمام زمین اور قیدیوں کے بدلے خمس کے بعد ثلث (تیسرا حصہ ہو؟) اور یہ فقہائے شام کی جماعت نے کہا ہے: ان میں امام اوزاعی، مکحول اور ابن حیوہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم شامل ہیں۔ اور ان کی رائے میں خمس کل مال غنیمت میں سے ہے اور نفل خمس کی بعد ہے پھر اصل لشکر کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم ہے۔ اور اسحاق، امام احمد اور ابو عبید رحمۃ اللہ علیہم نے یہی کہا ہے۔ ابو عبید رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: آج لوگوں کا موقف یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے نفل نہیں ہوگا یہاں تک کہ خمس نکال لیا جائے گا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے کہ امام وقت سریہ کو کہے: جو مال تم نے حاصل کیا اس کا ثلث تمہارے لیے ہے۔ سحنون نے کہا ہے: وہ اس سے ابتداء مراد لیتے ہیں۔ پس اگر یہ واقع ہوگیا تو وہ نافذ ہو جائے گا اور باقی مال میں ان کے حصص ہوں گے۔ اور سحنون نے کہا ہے: جب امام نے سریہ کو کہا: جو مال تم نے حاصل کیا تو تم پر اس میں خمس نہیں ہوگا۔ تو یہ قول جائز نہیں ہے۔ پس اگر یہ واقع ہوگیا تو بھی میں اسے رد کرتا ہوں، کیونکہ یہ حکم شاذ ہے یہ جائز نہیں ہے اور نہ نافذ العمل ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ عنہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے کہ امام تنفیل نہ کرے مگر اس مال میں جو ظاہر ہو مثلاً عمامہ (مراد خود ہوں گے یا دستاریں) گھوڑے اور تلواریں۔ اور بعض علماء نے اس سے منع کیا ہے کہ امام وقت سونے، چاندی یا موتیوں وغیرہ میں تنفیل کرے۔ اور بعض نے کہا ہے: ہر شے میں تنفیل جائز ہے (المحرر الوجیز، جلد ۲، صفحہ ۴۹۸)۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور آیت کے مقتضی کے مطابق یہی قول صحیح ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ انفال، بیروت)

غنائم سے متعلق احکام کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ مکرم!) یہ آپ سے انفال (اموالِ غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول مالک ہے سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر تم مومن (کامل) ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ (الانفال)

انفال کا معنی اور اس کے مصداق میں مفسرین کے نظریات

انفال کے معنی میں صحابہ کرام اور اخیار تابعین کا اختلاف ہے، عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عطاء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انفال کا معنی ہے: اموالِ غنیمت۔

عطاء، ابن جریج اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ انفرادی طور پر مشرکوں سے مسلمان جو چیز حاصل کر لیں مثلاً غلام یا سواری وغیرہ وہ انفال ہے، یا مشرکین سے جو چیز چھین لیں یا اس کے لباس سے اتار لیں مثلاً گھوڑا اور تلوار وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے جو چیزیں الگ کر لی جائیں وہ انفال ہیں۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: انفال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا گھوڑا انفال میں سے ہے اور مشرکین سے چھینی ہوئی چیزیں انفال میں سے ہیں۔

نیز عطا نے کہا جو چیز بغیر جنگ کے مسلمان انفرادی طور پر مشرکین سے حاصل کر لیں وہ انفال ہے۔

مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ انفال کا معنی خمس ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ نے فرمایا ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ انفال مالِ غنیمت سے وہ زائد چیز ہے جس کو امیر لشکر، لشکر کے بعض یا کل افراد کو بہ طور ترغیب اور تحریض عطا کرتا ہے جس میں ان کی یا تمام مسلمانوں کی بہتری ہو، اور چیز کفار سے چھینے ہوئے سامان میں سے ہوتی ہے یا امیر لشکر تک وہ زائد پہنچتی ہے یا مشرکین کے اسباب میں سے ہوتی ہے، ہم نے اس قول کو اولیٰ اس لیے کہا ہے کہ کلام عرب میں نفل اصل سے زائد چیز کو کہتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو لشکریوں کے حصہ مالِ غنیمت سے زائد ہو اور لشکری کو وہ چیز امیر لشکر نے عطا کی ہو جیسے کافر سے چھینا ہوا مال، وہ انفال ہے۔

(جامع البیان ج9 ص224۔228 ملخصاً مطبوعہ دار الفکر، بیروت، 1415ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: اس آیت میں انفال کے ان تمام معانی کا احتمال ہے اور بعض کی بعض پر ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے، اگر حدیث سے کسی ایک معنی کی تعیین ثابت ہو جائے تو وہی معنی متعین ہو جائے گا۔ ان معانی میں تناقض نہیں ہے اس لیے ان تمام معانی کا ارادہ کرنا جائز ہے اور اقرب یہ ہے کہ اس سے مراد خمس ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مال ہے اور آپ کو یہ اختیار ہے کہ آپ مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے یا تقسیم کے بعد اس میں سے جس کو چاہیں بطور ترغیب عطا فرما دیں،

اور جس مجاہد کو یہ ملے گا وہ اس کے حصہ مالِ غنیمت سے زائد ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج5 ص449، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ کا مختار یہ ہے کہ انفال سے مراد مالِ غنیمت ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ روایت کرتے ہیں: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے عظیم غنیمت کو حاصل کیا، اس میں ایک تلوار بھی تھی، میں وہ تلوار لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، اور عرض کیا مجھے یہ تلوار زیادہ دے دیں کیونکہ آپ کو میرا حال معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو وہیں رکھ دو جہاں سے اس کو لیا ہے میں اس کو وہاں رکھنے گیا، پھر میرے دل میں خیال آیا میں آپ کے دوبارہ گیا اور کہا آپ مجھے یہ تلوار دے دیں! آپ نے بہ آواز بلند فرمایا اس کو وہیں رکھ دو جہاں سے اس کو لیا ہے اور تب یہ آیت نازل ہوئی: **یسئلونک عن الانفال** ۔

(الانفال: 1)۔ (صحیح مسلم فضائل صحابہ: 43(2414)6121۔ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 2740، سنن الترمذی رقم الحدیث: 3090)

مالِ غنیمت کے استحقاق میں صحابہ کرام کا اختلاف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ آپ سے انفال کے متعلق سوال کرتے ہیں، نیز فرمایا اور آپس میں صلح رکھو، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا مالِ غنیمت کے حکم میں اختلاف تھا، پھر انہوں نے اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ انفال (مالِ غنیمت) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع ہیں، وہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کردیں۔ مالِ غنیمت کے حکم میں مسلمانوں کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل روایت سے معلوم ہوتی ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایسا ایسا کام کیا اس کو فلاں چیز زائد ملے گی، پس نوجوان آگے بڑھے اور بڑے بوڑھے جھنڈوں کے پاس کھڑے رہے اور ان کے ساتھ نہیں گئے، جب اللہ نے ان کو فتح عطا فرمائی تو بوڑھوں نے کہا تم ہماری پناہ میں تھے، اگر تم شکست کھاتے تو ہماری طرف آتے، تو تم ہمارے بغیر مالِ غنیمت نہ لو، جوانوں نے اس کا انکار کیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مالِ غنیمت ہمارے لیے رکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یسئلونک عن الانفال الایہ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 2637، السنن الکبریٰ للنسائی ج6، رقم الحدیث: 1197، المستدرک، ج2، ص326، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی، جامع البیان جز9 ص228۔ الدر المنثور، ج4، ص6)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے، میں آپ کے ساتھ بدر میں حاضر تھا، مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی، مسلمانوں کی ایک جماعت ان کا پیچھا کررہی تھی اور ان کو قتل کررہی تھی اور مسلمانوں کی دوسری جماعت ان کا مال جمع کررہی تھی، اور تیسری جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد آپ کی حفاظت کررہی تھی، مبادا آپ کو دشمن کی طرف سے کوئی ضرر پہنچے، حتیٰ کہ جب رات ہوگئی اور مسلمانوں کی آپس میں ملاقات ہوئی تو جن مسلمانوں نے مالِ غنیمت جمع کیا تھا، انہوں نے کہا کہ اس مال میں اور کسی کا حق نہیں ہے اس مالِ غنیمت کو ہم نے اکٹھا کیا ہے، اور جن مسلمانوں نے دشمن کا پیچھا کیا تھا انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ اس مالِ غنیمت کے حقدار نہیں ہو ہم دشمن کو بھگایا ہے اور ہم نے اس کو شکست دی ہے، اور جن مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی انہوں نے کہا

ہم سے زیادہ اس مالِ غنیمت کے حقدار نہیں ہو، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی، مبادا آپ کسی کافر کے حملہ کی زد میں آ جائیں اور ہم آپ کی حفاظت میں مشغول رہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آپ سے اموال غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ انفال (کے حکم) کے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہیں، سوتم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کو ان میں ان کے حصوں کے اعتبار سے تقسیم فرمایا۔ (مسند احمد ج5۔ص524 طبع قدیم، مسند احمد ج8، رقم الحدیث:22826 طبع جدید، دارالفکر مسند احمد ج16، رقم الحدیث:22661 طبع دارالحدیث قاہرہ، شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ المستدرک، ج2 ص326، مجمع الزوائد، ج7 ص26، الدرالمنثور، ج4 ص5)

تنفیل (کسی نمایاں کارنامہ پر مجاہدوں کو غنیمت سے زائد انعام دینے) میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ خمس (مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ) میں سے امام اجتہاد سے جو انعامات عطا کرے وہ انفال ہیں، اور مالِ غنیمت کے باقی چار حصوں میں سے نفل (یہ انعام) نہیں دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اصل مالِ غنیمت سے نفل دینا اس لیے جائز نہیں کہ مالِ غنیمت کے مستحقین متعین ہیں اور وہ میدان جہاد میں گھوڑے دوڑانے والے مجاہدین ہیں، اور خمس میں سے عطا کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے اور اس کے مستحقین غیر معین ہیں، امام مالک کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا ان کو مالِ غنیمت میں بہت زیادہ اونٹ ملے اور مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ تھے اور ان کو ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا۔ الموطا رقم الحدیث:987 اور سنن ابوداود میں ہے کہ ان کا حصہ بارہ بارہ اونٹ تھے ان کو ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا تو ہر ایک کو تیرہ تیرہ اونٹ مل گئے۔ (سنن ابوداود رقم الحدیث:2744)

نیز امام مالک نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: عمرو بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے لوٹے اور جعرانہ کی طرف جانے لگے اور آپ کی چادر درخت کی شاخوں سے الجھ کر گر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری چادر اٹھا دو، کیا تم کو یہ خطرہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ مجھ کو عطا کیا ہے میں وہ تمہارے درمیان تقسیم نہیں کروں گا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر اللہ مجھے تہامہ کے درختوں کے برابر اونٹ بھی عطا کرے تو میں ان کو تمہارے درمیان تقسیم کر دوں گا، پھر تم مجھے بخیل پاؤ گے نہ بزدل نہ جھوٹا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں نے میں قیام کیا تو فرمایا کسی کے پاس سوئی یا دھاگہ بھی ہے تو دے دے کیونکہ مالِ غنیمت عار ہے اور نار کا سبب ہے۔ اس کے بعد آپ نے زمین کو کرید اور اونٹ کا ایک بال یا کوئی چیز اٹھا کر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو مال عطا فرمایا ہے اس میں سے خمس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے اور خمس بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ (محل استدلال یہ آخری جملہ ہے کہ خمس بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے)

(الموطا رقم الحدیث:994۔ مسند احمد ج6، رقم الحدیث:17154)۔ (الجامع لاحکام القرآن ج7 ص356، مطبوعہ دارالفکر بیروت، 1415ھ)

تنفیل میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابواسحٰق ابراہیم بن علی الشیرازی الشافعی المتوفی 455ھ لکھتے ہیں: جو شخص ایسا کارنامہ انجام دے جس کی وجہ سے دشمن پر فتح حاصل ہو، مثلاً وہ دشمن کی جاسوسی کرے اور اس کے راستوں کو یا اس کے قلعہ کا کھوج لگائے یا وہ ابتداء دارالحرب میں داخل ہو، یا سب کے بعد دارالحرب سے لوٹے تو امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو نفل دے (مالِ غنیمت کے حصہ سے زیادہ دے) کیونکہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں چوتھائی حصہ زائد عطا فرماتے تھے اور لوٹتے وقت تہائی حصہ، اور زائد کی مقدار لشکر کے امیر کی رائے پر موقوف ہے کیونکہ وہ جنگی مصلحت کے لیے خرچ کرتا ہے اور بہ قدر عمل دیتا ہے، کیونکہ جو شخص ابتداء میں دارالحرب میں داخل ہوتا ہے اس وقت دشمن اس سے غیر محتاط ہوتا ہے۔ اور جو آخر میں دارالحرب سے لوٹتا ہے اس کو دشمن کے خوف کا زیادہ مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً دارالحرب میں داخل ہونے والوں کی نسبت آخر میں لوٹنے والوں کو زیادہ حصہ دیتے تھے۔ زائد حصہ مسلمانوں کے بیت المال سے دینا بھی جائز ہے اور اس مال سے بھی دینا جائز ہے جو مشرکین سے لے کر جمع کیا جاتا ہے۔ اگر مسلمانوں کے بیت المال سے دیا جائے تو یہ خمس کے پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا۔ کیونکہ سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو نفل (مالِ غنیمت سے زائد حصہ) خمس میں سے دیا جاتا تھا، اور اس لیے بھی کہ خمس وہ مال ہے جس کو کسی مصلحت میں خرچ کیا جاتا ہے اس لیے وہ خمس کے پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا اور نفل کی مقدار کا مجہول رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایک عقد کا عوض ہے اور اگر نفل کفار کے مال سے دیا جائے تو پھر اس کا مجہول رکھنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں چوتھائی حصہ رکھا اور لوٹنے میں تہائی رکھا اور یہ مالِ غنیمت کا ایک مجہول حصہ ہے۔ (کیونکہ مالِ غنیمت کی مقدار غیر معلوم ہے تو اس کا تہائی یا چوتھائی حصہ بھی غیر معلوم ہوگا)۔

(المہذب ج2، ص243، مطبوعہ دارالفکر بیروت)

تنفیل میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں: نفل کا معنی ہے کس شخص کو اس کے حصہ سے زیادہ دینا، اور اس کی دو نوع ہیں: نوع اول وہ ہے جس میں نفل کا استحقاق کسی شرط کی وجہ سے ہو، اور اس کی پھر دو قسمیں ہیں: قسم اول یہ ہے کہ امیر جب دارالحرب میں جہاد کے لیے داخل ہو تو وہ اپنے سامنے ایک لشکر کو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے اور ان کو پانچویں حصہ کے بعد چوتھائی حصہ دینے کا اعلان کرے، اور جب مالِ غنیمت اکٹھا ہو تو دونوں لشکروں کو حسب اعلان دے پھر باقی مالِ غنیمت ان دونوں لوشکروں سمیت پورے بڑے لشکر میں تقسیم کرے۔ نوع اول کی دوسری قسم یہ ہے کہ امیر اس شخص کے لیے کسی زائد حصہ کا اعلان کرے جو مسلمانوں کے لیے کوئی مفید کام انجام دے، مثلاً امیر یہ کہے کہ جو شخص اس قلعہ میں داخل ہوگا اس کو یہ انعام ملے گا، یا یہ کہے کہ جو شخص قلعہ میں نقب لگائے گا، یا جو شخص کسی کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو یہ انعام ملے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جو شخص کسی قتیل (کافر) کو قتل کرے گا، اس کا سب سامان اس کو ملے گا۔ (سنن ابوداود رقم الحدیث: 2718)

اور یہ انعام مسلمانوں کے مال سے دینا بھی جائز ہے اور مشرکین سے لیے ہوئے مال سے دینا بھی جائز ہے۔ اگر مسلمانوں کے مال سے انعام کا اعلان کیا جائے تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر مشرکین کے مال سے انعام کا اعلان کیا جائے تو پھر اس کی مقدار کا مجہول رکھنا بھی جائز ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے کسی قتیل کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا سامان اس کا ہے، اور سامان کی مقدار مجہول ہے۔

نوع ثانی یہ ہے کہ کسی مسلمان کی کسی خاص کارکردگی کی وجہ سے امام اس کو خصوصی زائد حصہ دے مثلاً اس نے جنگ میں زیادہ مشقت برداشت کی ہو یا کسی اہم معاملہ میں جاسوسی کی ہو یا وہ مقدمۃ الجیش میں ہو یا اور کوئی نمایاں کام کیا ہو تو اس میں بغیر پیشگی شرط کے بھی زائد حصہ دینا جائز ہے، جیسا کہ امام ابوداود نے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عیینہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لوٹ لیے، حضرت سلمہ بن الاکوع نے ان کا پیچھا کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سوار کا حصہ بھی دیا اور پیادہ کا حصہ بھی دیا۔

(سنن ابوداود رقم الحدیث: 2697۔ الکافی، ج4، ص138۔139، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1414ھ)

تنفیل میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی 593ھ لکھتے ہیں: اگر امام حالت جنگ میں کسی شخص کے لیے تنفیل (زائد حصہ دینے) کا اعلان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً یہ کہے کہ جس شخص نے کسی قتیل (کافر) کو قتل کیا تو اسے اس کا سلب (سامان) ملے گا، یا لشکر سے یہ کہے کہ خمس نکالے جانے کے بعد تمہیں اس کا چوتھائی حصہ ملے گا، کیونکہ جنگ پر ابھارنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال : (الانفال:65) اے نبی آپ مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریں۔ اور یہ اعلان بھی ایک قسم کا جنگ پر ابھارنا ہے۔ تنفیل (زائد حصہ دینے کا اعلان کرنا) اس طرح بھی ہوسکتا ہے اور کسی اور طرح بھی ہوسکتا ہے، لیکن امام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں سے حاصل کیے ہوئے تمام مال کا اعلان کردے کیونکہ اس سے تمام مجاہدوں کا حق ضائع ہوگا، ہاں اگر تمام لشکر کے لیے اعلان کردے تو یہ جائز ہے، اور جب مال غنیمت جمع کر کے دارالاسلام میں پہنچا دیا جائے تو پھر کسی کے لیے اعلان نہ کرے، کیونکہ اب اس میں دوسروں کا حق موکد ہو چکا ہے، البتہ خمس میں سے اب بھی اعلان کیا جا سکتا ہے، کیونکہ خمس میں مال غنیمت لینے والوں کا بھی حق ہے اور جب کافر کا سلب (سامان) قاتل کو نہ دیا جائے تو وہ من جملہ مال غنیمت میں سے ہے اور قاتل اور غیر قاتل اس میں برابر ہیں اور کافر کا سلب اس کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری ہے اور سواری پر جو زین اور دیگر آلات ہوں وہ بھی اس میں داخل ہیں، اسی طرح سواری کے اوپر جو کافر کا سامان ہو وہ بھی اس میں شامل ہے اور ان کے علاوہ اور کوئی چیز اس میں داخل نہیں ہے۔ پھر تنفیل (خصوصی حصہ دینے کا اعلان) کا حکم یہ ہے کہ اس سے دوسروں کا حق منقطع ہو جاتا ہے اور مجاہدین اس کے مالک اس وقت ہوتے ہیں جب مال غنیمت درالاسلام میں پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ اگر امام نے یہ اعلان کیا کہ جس شخص کو کوئی باندی ملی وہ اس کی ہے اور کسی مجاہد کو ایک باندی مل گئی اور اس نے اس کا استبراء کرلیا (یعنی باندی کا حیض گزر گیا) تب بھی اس مجاہد کے لیے اس باندی سے مباشرت کرنا جائز ہے نہ اس کو فروخت کرنا۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا قول ہے، امام محمد کے نزدیک یہ دونوں امر جائز ہیں۔ (ہدایہ اولین ص578۔580، ملخصاً، مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان)

بلا وجہ بلی کو مارنے کے سبب جہنم کی سزا کا بیان

88 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ مِنْ جَرَّاءِ هِرَّةٍ لَهَا أَوْ هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا، فَلَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا هِيَ أَرْسَلَتْهَا تَتَقَمَّمُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ حَتَّى مَاتَتْ هَزْلًا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت تھی جو اپنی بلی کی وجہ سے (یا یہ فرمایا: بلی کو باندھ رکھنے کی وجہ سے) دوزخ میں گئی چنانچہ نہ تو وہ اس کو کھانا ڈالتی تھی اور نہ چھوڑ ہی دیتی تھی کہ وہ خود ہی زمین کے کیڑے مکوڑے، پرندے پکڑ کر کھالے، یہاں تک کہ وہ بلی فاقے کر کے مرگئی۔

چوری، زنا اور شراب پینے والے کے ایمان کی حالت کا بیان

89 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَسْرِقُ سَارِقٌ وَهُوَ حِينَ يَسْرِقُ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَزْنِي زَانٍ وَهُوَ حِينَ يَزْنِي مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْحُدُودَ أَحَدُكُمْ، يَعْنِي الْخَمْرَ، وَهُوَ حِينَ يَشْرَبُهَا مُؤْمِنٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَنْتَهِبُ أَحَدُكُمْ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ إِلَيْهِ الْمُؤْمِنُونَ أَعْيُنَهُمْ فِيهَا وَهُوَ حِينَ يَنْتَهِبُهَا مُؤْمِنٌ، وَلَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ حِينَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاكُمْ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص چوری کرنے کی حالت میں (سچا) مومن نہیں ہوتا، کوئی شخص زنا کرنے کی حالت میں مومن نہیں ہوتا، کوئی شخص ممنوع چیز یعنی شراب پینے کی حالت میں مومن نہیں ہوتا۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ کوئی شخص عزت دار ہو کر (نکاح میں کھجور مصری) اس طرح لوٹے کہ لوگوں کی نظروں نیک ہو جائے تو اس حال میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ تم میں سے کوئی شخص دغا بازی کرے تو دغا بازی کرنے کی حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ بچتے رہو، بچتے رہو۔ (نسائی، ۴۸۷۰، عن ابی ہریرہ)

شراب اور ایمان کے ایک جگہ جمع نہ ہونے کا بیان

عبدالرحمٰن بن حارث نے اپنے باپ دادا کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: شراب سے بچو۔ کیونکہ وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ پہلے زمانے میں ایک عابد شخص تھا۔ اسے ایک بدکار عورت نے اپنے دام فریب میں گرفتار کرنا چاہا اور ایک لونڈی کو اس شخص کے پاس اس بہانے سے بھیج دیا کہ میں تجھے گواہی دینے کیلئے بلا رہی ہوں۔ وہ شخص اس لونڈی کے ساتھ چلا آیا۔ اس لونڈی نے جب وہ شخص اندر چلا گیا مکان کے باہر دروازہ بند کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وہ ایک عورت کے پاس پہنچ گیا۔ جو نہایت حسین وجمیل تھی۔ اور اس عورت کے پاس ایک لڑکا تھا۔ شراب کا ایک برتن تھا۔ اس عورت نے کہا خدا کی قسم! میں نے آپ کو گواہی کیلئے نہیں بلایا بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ تو مجھ سے زنا کرے۔ یا اس شراب میں سے ایک گلاس پیے۔ یا اس لڑکے کو قتل کر ڈالے۔ وہ شخص بولا! مجھے اس شراب کا ایک گلاس پلاؤ۔ اس عورت نے ایک گلاس اسے پلا دیا۔ جب اسے مزہ آیا تو وہ بولا اور دو پھر وہاں سے نہ ہٹا جب تک کہ اس عورت سے زنا نہ کیا اور اس

لڑکے کو ناحق قتل نہیں کیا۔لہٰذا تم شراب سے بچو۔کیونکہ اللہ کی قسم! شراب اور ایمان ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔یہاں تک کہ ایک دوسرے کو نکال دیتا ہے۔(نسائی ۵۶۶۶)

شراب کے سبب مزید گناہ ہو جانے کا بیان

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ابو بکر و عمر اور دیگر لوگ بیٹھے تھے۔تو سب سے بڑے گناہوں کا ذکر شروع ہو گیا (کہ بڑا گناہ کون سا ہے) تو ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا۔تو انہوں نے مجھے عبداللہ بن عمرو کے پاس بھیجا کہ میں ان سے پوچھوں؟ تو انہوں نے بتایا کہ شراب پینا بڑے گناہوں میں سے ہے۔میں نے انہیں آ کر خبر دی لیکن وہ تعداد میں زیادہ لوگ تھے۔وہ ان کے گھر حاضر ہوئے آپ نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔اس نے ایک آدمی کو پکڑا اور اس کو اختیار دیا کہ شراب پئے گا یا کسی جان کو قتل کرے گا یا زنا کرے گا یا خنزیر کا گوشت کھائے گا۔یا اس کو قتل کر دے ان میں سے کون سا کام وہ کرے گا۔اس نے شراب کو اختیار کیا جب اس نے شراب پی (تو بادشاہ) جو اس سے چاہتا تھا وہ ان کاموں میں سے کسی ایک کام سے بھی باز نہ آیا۔یعنی شراب پینے کی وجہ سے اس نے سارے برے کام کر ڈالے۔(ترغیب وترہیب)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا۔تو فرشتوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! کیا تو اس میں خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔اور ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری حمد کے ساتھ اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔(البقرہ،۳۰) فرشتوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم اولاد آدم سے زیادہ تیری عبادت کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم فرشتوں میں سے دو فرشتے لے آؤ۔ہم دیکھتے ہیں وہ کیا عمل کرتے ہیں۔فرشتوں نے عرض کیا ہمارے وہ دو فرشتے ہاروت وماروت ہیں۔پس انہیں زمین پر اتارا گیا اور انسان میں سے حسین وجمیل زہراء نامی ایک عورت ان کے سامنے حاضر ہوئی۔تو ان دونوں نے اس سے برے کام کی خواہش کی۔تو اس نے انکار کیا اور کہا واللہ! تم دونوں شرکیہ کلمے کہو۔ان دونوں نے کہا کہ واللہ! ہم کبھی شرک نہیں کریں گے۔وہ عورت چلی گئی پھر دوبارہ ایک بچہ اٹھائے ہوئی آئی۔پھر فرشتوں نے اپنی خواہش پوری کرنے کا کہا تو اس نے انکار کیا اور کہا کہ تم اس بچے کو قتل کر دو انہوں نے کہا واللہ! ہم ہرگز اس کو قتل نہیں کریں گے۔پھر وہ عورت چلی گئی اور دوبارہ ایک شراب کا پیالہ اٹھا لائی۔فرشتوں نے پھر برے کام کی خواہش کی لیکن اس نے انکار کرتے ہوئے کہا واللہ! اگر تم شراب پی لو گے (تو تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی) انہوں نے شراب پی تو انہیں نشہ آ گیا تو انہوں نے عورت سے خواہش بھی پوری کر لی اور اس بچے کو قتل بھی کر ڈالا جب انہیں نشے سے افاقہ ہوا تو عورت نے کہا واللہ! تم نے نشے کی وجہ سے ایک بھی نہیں چھوڑا۔جس کا پہلے تم نے انکار کیا تھا پھر انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب میں ایک کو قبول کرنے کا اختیار دیا گیا تو

انہوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کیا۔ (ترغیب وترہیب)

دس شرابی زمین میں دھنس گئے

روض الافکار میں کسی نیک بخت کا بیان ہے کہ میں نے چاندی رات میں دس آدمیوں کو شراب پیتے ہوئے دیکھا جب وہ چلتے چلتے مسجد کے قریب پہنچے تو کہنے لگے آئیں نماز ادا کریں۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اپنی دائیں طرف والوں سے کہا قریب ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت نہ فرمائے۔

بائیں طرف والوں سے مخاطب ہوا جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر راضی نہ ہو پھر نماز کی نیت باندھ کر نماز ادا کرنے لگے۔ بعد از فاتحہ یہ آیت تلاوت کی گئی۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔

تم فرما۔ بھلا دیکھو تو اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے۔ تو وہ کون سا ہے جو کافروں کو دکھ کے عذاب سے بچا لے گا۔

تو تم کیا کر سکو گے۔ پھر وہ نیک بخت کہنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ زمین پھٹ گئی اور وہ زمین کے اندر دھنس گئے یہاں تک کہ ان کا نشان تک باقی نہ رہا۔ (زینت المحافل، ترجمہ نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۱۶۷، شبیر برادرز، لاہور)

شہنشاہ جہانگیر اور شراب

بادشاہ اکبر کے تین بیٹے تھے۔ جہانگیر مراد اور دانیال ان کو شراب نوشی کی عادت بد سے ہی موت کے گھاٹ اتارا تھا شہنشاہ جہانگیر نے اپنے ایک قابل اعتماد درباری کو کسی ضروری کام کیلئے خاص محل میں بلایا۔ جب وہ درباری حاضر ہوا تو جہانگیر اس وقت شراب نوشی میں مصروف تھا۔ اور کثرت رعشہ کی وجہ سے اس کا ہاتھ اس قدر کانپ رہا تھا۔ کہ شراب چھلک چھلک کر پیالے سے باہر آ رہی تھی۔ یہ افسوس ناک اور عبرت ناک حالت دیکھ کر اس مخلص اور وفادار درباری نے شہنشاہ جہانگیر سے نہایت جرأت کے ساتھ عرض کیا کہ جہاں پناہ! جب آپ اس کو پیالے کو اپنے ہاتھ میں نہیں سنبھال سکتے تو اتنی وسیع وعریض سلطنت کو کیسے سنبھال سکتے ہیں جہانگیر نے کہا کہ میں چند پیالے شراب اور سیخ کباب پر سلطنت نور جہاں کے ہاتھ فروخت کر چکا ہوں۔

بہر حال تمہاری اس مخلصانہ نصیحت سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اگر چہ میں اس عمر بھر کی بری عادت کو مکمل طور پر چھوڑنے سے معذور ہوں۔ البتہ اس میں کمی اور اعتدال پیدا کرنے کی ضرور کوشش کروں گا۔ چنانچہ سولہ (۱۶) پیالے روزانہ میں سے کم کرتے ہوئے وہ چار پیالے شراب پر آ گیا۔

غور کیجئے کہ اتنا بڑا شہنشاہ اس قدر طاقت وقوت رکھنے اور اپنے دربار میں حکماء اور اطباء رکھنے کے باوجود اس عادت قبیح کے اثرات بدیعنی کثرت رعشہ ودیگر عوارض متفرقہ سے جو اس کا لازمی نتیجہ ہیں۔ خود کو محفوظ نہ کر سکا اور عمر طبعی تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت

ہو گیا۔ وقت موت مقرر ہے۔ لیکن اسباب موت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

شہزادہ دانیال اور مراد کی ہلاکت

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جہانگیر بادشاہ کے دو حقیقی بھائی شہزادہ دانیال و شہزادہ مراد بھی کثرت شراب نوشی کی وجہ سے جوانی میں ہو فوت ہو گئے۔ اکبر بادشاہ کو جب ان شہزادوں کے ہمیشہ شراب پینے کی خبر ہوئی تو اس نے ان دونوں شہزادوں کو اس بری عادت سے روکنے کیلئے ان پر پہرہ لگا دیا تھا۔ کہ کسی طرح شراب ان کے پاس پہنچنے نہ پائے۔

ایک بے وقوف وفادار بندوق کی نالی میں شراب بھر کر شہزادہ دانیال کو پیش کرتا۔ بندوق کے بارود کے دھوئیں والا زنگ تیزابی تاثیر سے شراب میں شامل ہو کر زہر ہلاہل کی خاصیت اختیار کر گیا۔ جس کے پینے سے شہزادہ دانیال کی فوری موت واقع ہو گئی۔ جب بادشاہوں کا انجام یہ ہو تو عوام کا اللہ حافظ ہوتا ہے۔

تاریخ کے صفحات کو کھول کر دیکھو ہر سلطنت کا تاج و تخت شراب کے پیالے میں غرق دکھائی دیتا ہے۔

شہنشاہ بابر اور شراب

شہنشاہ بابر کی کثرت شراب نوشی اسکی خود نوشت سوانح عمری تورک بابری سے ظاہر ہے چنانچہ اس کا یہ شعر عوام میں مشہور و معروف ہے بلکہ شراب پیتے وقت اس کو پڑھتے ہیں۔

نوروز و نو بہار و مے و دلبر با خوش است　　　بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

فتح ہند کے سلسلے میں ایک مرتبہ دوران جنگ جبکہ دشمن کی فوج کا پلہ بھاری تھا اور لازمی شکست کے آثار نمودار ہوئے اس نے دعا مانگی۔ اے میرے اللہ عزوجل! اگر اس جنگ میں تو مجھے فتح یاب کر دے تو آئندہ میں شراب کبھی نہیں پیوں گا۔ چنانچہ دعاؤں کی قبول کرنے والی ذات اللہ پاک نے اس کی توبہ قبول کر کے جنگ میں اسے معجزانہ طور پر فتح عطا فرمائی۔ جس سے سلطنت مغلیہ کی بنیاد ہندوستان میں صدیوں تک قائم رہی۔ جس کو صرف توبہ شراب کی برکت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ہمایوں اور نشہ

بابر بادشاہ کے بیٹے ہمایوں کو شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست ہوئی اور پھر عرصہ دراز تک وہ مصائب و تکالیف میں مبتلاء رہا۔

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ سب کچھ اس کی کثرت افیون خوری کے نتائج تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ عالم بے ہوشی اور غنودگی میں رہتا اور سلطنت کے انتظام و انصرام نہ کر سکا۔

محمد شاہ رنگیلے کی شکست

محمد شاہ رنگیلے کو نادر بادشاہ کے ہاتھوں جو تباہی و بربادی حاصل ہوئی اور قتل و غارت کے علاوہ ہندوستان کی تمام دولت، تخت طاؤس اور کوہ نور، ہیرا وغیرہ نادر شاہ کے ہاتھ لگے وہ سب کچھ اس رنگیلے کی شراب نوشی کا نتیجہ تھا۔

نجات کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا بیان

90 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَلَا يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ، وَمَاتَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اس امت کا کوئی شخص، یا یہودی ای نصرانی میرا تذکرہ سنے اور مر جائے اور اس چیز پر ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ دوزخ کے لوگوں میں ہوگا۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کی قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! اس امت میں سے جو آدمی بھی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری نبوت کی خبر پائے اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائے، وہ دوزخی ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 9)

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جس کے دائرہ اطاعت میں آنا تمام کائنات کے لئے ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا ہوا ایک ایسا بین الاقوامی قانون ہے جس کی پیروی دنیا کے ہر آدمی پر لازم ہے، اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی چونکہ عالمگیر اور بین الاقوامی ہے۔ ہر دور کے لئے، ہر قوم کے لئے اور ہر طبقہ کے لئے، اس میں کسی کا استثناء نہیں ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا سب پر ایک ہی طرح فرض ہے، خواہ کوئی کسی قوم کسی ملک اور کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اس حدیث میں یہودی اور نصرانی یعنی عیسائی کا ذکر اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں خود اپنا ایک دین اور ایک شریعت رکھتی تھیں ان کی اپنی اپنی آسمانی کتابیں تھیں جن کو مدار عمل ونجات ماننے کا ان کو خدائی حکم تھا، اس لئے ان کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ قومیں جو خود اپنے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت اور اللہ کی جانب سے بھیجی ہوئی کتابوں کی تابع ہیں اور جن کا دین بھی آسمانی دین ہے، جو اللہ تعالیٰ ہی کا اتارا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کے آخری دین اسلام کے نفاذ اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر بعثت کے بعد جب ان قوموں کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں اور شریعت اسلام کے دائرہ میں آئے بغیر ان کی نجات ممکن نہیں تو پھر وہ قومیں پیغمبر اسلام اور شریعت اسلام پر ایمان وعمل کے بغیر ابدی نجات کیسے پا سکتی ہیں جو کسی آسمانی دین کی پابند بھی نہیں ہیں جن کے پاس کسی پیغمبر کی لائی ہوئی کوئی کتاب بھی نہیں ہے اور جو اللہ کے بھیجے ہوئے کسی نبی ورسول کی پیرو بھی نہیں ہیں۔

ایک بات اور بھی ہے۔

یہودی اور عیسائی کہا کرتے تھے کہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر موسیٰ اور عیسیٰ کے پیروکار اور اللہ کی اتاری ہوئی کتاب شریعت تورات وانجیل کے متبع ہونے کی وجہ سے ہم تو خود "نجات یافتہ" ہیں۔ جنت تو ہمارا پیدائشی حق ہے، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کو اپنا رسول مانیں اور اسلام کو اپنا دین، اس حدیث کے ذریعہ ان کے اس غلط عقیدہ وخیال کی بھی تردید کی گئی ہے اور ان پر واضح کر دیا گیا کہ پیغمبر اسلام کی بعثت کے بعد تو نجات ان ہی لوگوں کی ہوگی جو دین اسلام کو مانیں گے اور اس پر عمل کریں گے کیونکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ سابقہ شریعتیں منسوخ ہو جائیں، تمام مذاہب کالعدم ہو جائیں اور تمام کائنات کو صرف ایک مذہب "دین اسلام" کے دائرہ میں لایا جائے جو اللہ کا سب سے آخری اور سب سے جامع ومکمل دین ہے۔

نماز میں سبحان اللہ یا تصفیق کرنے کا بیان

91 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: التَّسْبِيحُ لِلْقَوْمِ، وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ فِي الصَّلَاةِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں مردوں کو سبحان اللہ کہنا چاہئے اور عورتوں کیلئے تصفیق ہے (یعنی نماز میں امام کوئی غلطی کرے تو اس کو آگاہ کرنے کے لیے۔

اللہ کی راہ میں پہنچنے والے زخم کے سبب حصول فضیلت کا بیان

92 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُ بِهِ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا إِذَا طُعِنَتْ يَفْجُرُ دَمًا، اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر زخم جو مسلمان کو اللہ کی راہ میں لگے، قیامت کے دن اسی صورت کا ہوگا جب کہ وہ نیزے سے زخمی ہوا، خون نچڑ رہا ہوگا، رنگ تو خون کا رنگ ہوگا مگر خوشبو مشک کی سی خوشبو ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

شہداء کی جسمانی زندگی کا مطلب

شہداء کی حیات کا مطلب یہ ہے کہ شہداء کو ایک طرح کی جسمانی زندگی بھی حاصل ہوتی ہے جو دوسرے مردوں کی زندگی سے زیادہ ممتاز ہوتی ہے اور ان کی ارواح کو بھی اللہ کے ہاں مختلف مقامات حاصل ہوتے ہیں یعنی ان کی روحوں کا تعلق ان کے جسموں سے بھی رہتا ہے اور ان کی ارواح کو اللہ تعالی کے ہاں بھی مختلف مقامات ملتے ہیں ان میں سے بعض کی ارواح سبز پرندوں میں ہوتی ہیں اور وہ جنت میں کھاتے پیتے ہیں اور عرش کے سائے میں بنی ہوئی قندیلوں میں بیٹھتے ہیں جیسا کہ صحیح احادیث کے حوالے سے ان شاء اللہ آگے آئے گا اور ان میں سے کچھ جنت کے دروازے کے پاس دریا کے کنارے والے محل میں ہوتے ہیں اور جنت سے صبح اور شام ان کی روزی آتی ہے جیسا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں گذر چکا ہے اور کچھ ان میں سے فرشتوں کے ساتھ جنت میں اور آسمانوں میں اڑتے پھرتے ہیں جیسا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئے گا اور کچھ ان میں سے جنت کی اونچی مسہریوں پر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئے گا ان کے مقامات کا یہ فرق دنیا میں ان کے ایمان اخلاص اور جان دینے کے جذبے کے فرق کی وجہ سے ہوگا شہادت سے پہلے جس کا ایمان واسلام میں جتنا بلند مقام ہوگا شہادت کے بعد اللہ کے ہاں اس کا اتنا بلند مقام ہوگا آئیے اب شہداء کی جسمانی زندگی پر کچھ دلائل پڑھتے ہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ دونوں انصاری صحابی تھے۔ سیلاب کی وجہ سے ان کی قبریں کھولی گئیں تاکہ ان کی جگہ بدلی جاسکے یہ دونوں حضرات ایک قبر میں تھے جب ان کی قبریں کھولی گئیں تو ان کے جسموں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا گویا کہ انہیں کل دفن کیا گیا ہوں ان میں سے ایک کا ہاتھ شہادت کے وقت ان کے زخم پر تھا اور وہ اسی حالت میں دفن کئے گئے تھے دیکھا گیا کہ اب تک ان کا ہاتھ اسی طرح ہے لوگوں نے وہ ہاتھ وہاں سے ہٹایا مگر وہ ہاتھ واپس اسی طرح زخم پر چلا گیا غزوہ احد کے دن یہ حضرات شہید ہوئے تھے اور قبریں کھودنے کا یہ واقعہ اس کے چھیالیس سال بعد کا ہے۔

(مؤطا امام مالک رحمہ اللہ۔ سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ دارالکتب بیروت، لبنان)

یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے براہ راست بھی آئی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد میں سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہر کنتامہ جاری کرنے کا اردہ فرمایا تو آپ نے اعلان کروایا کہ جس شخص کا کوئی شہید ہو تو وہ پہنچ جائے پھر ان شہداء کے اجسام نکالے گئے تو وہ بالکل تروتازہ تھے یہاں تک کہ کھودنے کے دوران ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگ گئی تو خون جاری ہوگیا۔

(کتاب الجہاد لابن المبارک، مطبوعہ دارالکتب، بیروت لبنان)

عبدالصمد بن علی رحمہ اللہ (جو بنو عباس کے خاندان میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ میں اپنے (رشتے کے) چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر آیا قریب تھا کہ سیلاب کا پانی ان کو ظاہر کردیتا میں نے انہیں قبر سے نکالا تو وہ اپنی سابقہ حالت پر تھے اور ان پر وہ چادر تھی جس میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفنایا تھا اور ان کے قدموں پر اذخر (گھاس) تھی۔ میں نے ان کا سر اپنی گود میں رکھا تو وہ پتیل کی ہانڈی کی طرح (چمک رہا) تھا میں نے گہری قبر کھدوائی اور نیا کفن دے کر انہیں دفنا دیا۔

(ابن عساکر، مطبوعہ دارالکتب، بیروت لبنان)

قیس بن حازم فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے کسی رشتہ دار نے خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا تم لوگوں نے مجھے ایسی جگہ دفن کردیا ہے جہاں پانی مجھے تکلیف پہنچاتا ہے میری جگہ یہاں سے تبدیل کرو۔ رشتے داروں نے قبر کھودی تو ان کا جسم نرم و نازک چمڑے کی طرح تھا اور داڑھی کے چند بالوں کے علاوہ جسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

(مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ دارالکتب، بیروت لبنان)

ترمذی (حدیث کی کتاب) میں اصحاب الاخدود (خندقوں میں شہید کئے جانے والے جن کا تذکرہ قرآن مجید کی سورہ بروج میں ہے) کا واقعہ مذکور ہے اس میں یہ بھی ہے کہ لڑکا جسے بادشاہ نے شہید کرکے دفن کردیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قبر سے نکالا گیا تو اس کی انگلی اس کی کنپٹی پر تھی (کیونکہ یہیں اس کو تیر لگا تھا)۔ (ترمذی، مطبوعہ دارالکتب، بیروت لبنان)

یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی فترۃ والے زمانے کا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تمام اہل کوفہ یہ بات نقل کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی

دیوار گرگئی اور یہ ولید بن عبدالمالک کا دور حکومت تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس وقت مدینہ منورہ کے گورنر تھے تو روضہ مبارک سے ایک پاؤں کھل گیا لوگ ڈر گئے کہ شاید یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں مبارک ہے چنانچہ لوگ سخت غمگین ہوئے اس وقت حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر نے آ کر وہ پاؤں دیکھا تو فرمایا یہ میرے دادا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں مبارک ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ (التذکرہ للقرطبی، مطبوعہ دارالکتب، بیروت لبنان)

حضرت ثابت بن قیس بن شماس کا واقعہ بہت مشہور ہے اور یہ واقعہ کئی صحابہ کرام اور مفسرین نے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ثابت کی بیٹی فرماتی ہیں کہ جب قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی:

ترجمہ (اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ (الحجرات۔2)

تو میرے والد گھر کے دروازے بند کر کے اندر بیٹھ گئے اور رونے لگے جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ پایا تو بلا کر گھر بیٹھ رہنے کی وجہ پوچھی انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میری آواز (طبعی طور پر) بلند ہے میں ڈرتا ہوں کہ میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ ان میں سے نہیں ہیں بلکہ آپ خیر والی زندگی جئیں گے اور خیر والی موت مریں گے ان کی بیٹی کہتی ہیں کہ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: (کہ اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔ (لقمان۔18)

تو میرے والد نے پھر دروازہ بند کر دیا گھر میں بیٹھ گئے اور روتے رہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں نہ پایا تو انہیں بلوایا اور وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو خوبصورتی کو پسند کرتا ہوں اور اپنی قوم کی قیادت کو بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ ان میں سے نہیں (جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے) بلکہ آپ تو بڑی پسندیدہ زندگی گزاریں گے اور شہادت کی موت پا کر جنت میں داخل ہوں گے۔ جنگ یمامہ کے دن جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے مسیلمہ کذاب پر حملہ کیا تو ابتداء میں مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اس وقت حضرت ثابت بن قیس اور حضرت سالم رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو اس طرح نہیں لڑتے تھے۔

پھر دونوں حضرات نے اپنے لیے ایک ایک گڑھا کھودا اور اس میں کھڑے ہو کر ڈٹ کر لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اس دن حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک قیمتی زرہ پہن رکھی تھی ان کی شہادت کے بعد ایک مسلمان نے وہ زرہ اٹھالی۔ اگلے دن ایک مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اسے فرما رہے ہیں میں تمہیں ایک وصیت کر رہا ہوں تم اسے خیال سمجھ کر ضائع نہ کر دینا میں جب کل شہید ہوا تو ایک مسلمان میرے پاس سے گزرا اور اس نے میری زرہ اٹھالی وہ شخص لوگوں میں سب سے دور جگہ پر رہتا ہے اور اس کے خیمے کے پاس ایک گھوڑا رسی میں بندھا ہوا کود رہا ہے اور اس نے میری زرہ کے اوپر ایک بڑی ہانڈی رکھ دی ہے اور اس ہانڈی کے اوپر اونٹ کا کجاوہ رکھا ہوا ہے تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ وہ کسی کو بھجوا کر میری زرہ اس شخص سے لے لیں پھر جب تم مدینہ منورہ جانا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہنا کہ میرے ذمے اتنا اتنا قرضہ ہے اور میرے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں (پھر اس خواب دیکھنے والے کو فرمایا)

اور تم اسے جھوٹا خواب سمجھ کر بھلامت دینا۔

چنانچہ صبح وہ شخص حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان تک پیغام پہنچایا تو انہوں نے آدمی بھیج کر زرہ وصول فرمالی۔ پھر مدینہ پہنچ کر اس شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پورا خواب سنایا تو انہوں نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کو جاری فرمادیا۔ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے مرنے کے بعد وصیت کی ہو اور اس کی وصیت کو پورا کیا گیا ہو سوائے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے۔ (المستدرک، امام حاکم، دارالکتب بیروت)

جہاد کے معنی ومفہوم کا بیان

جہاد کے معنی جہد اور جہاد کے لغوی معنی ہیں مشقت اٹھانا اور طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا" امام راغب نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ: (الجهاد استفراغ الوسع في مدافعة العدو)۔ " جہاد کا مطلب ہے، انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا۔" اصطلاح شریعت میں "جہاد کا مفہوم ہے۔" کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں اپنی طاقت خرچ کرنا بایں طور کہ خواہ اپنی جان کو پیش کیا جائے یا اپنے مال کے ذریعہ مدد کی جائے اور خواہ اپنی عقل وتدبیر (یعنی اپنی رائے اور مشوروں کا) تعاون دیا جائے یا محض اسلامی لشکر میں شامل ہو کر اس کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی طریقے سے دشمنان اسلام کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی معاونت وحمایت کی جائے۔ جہاد کا نصب العین جہاد کا نصب العین یہ ہے کہ دنیا میں اسلام کا بول بالا رہے، اللہ کی اس سرزمین پر اس کا جھنڈا سربلند اور اس کے باغی منکروں کا دعویٰ سرنگوں رہے۔ جہاد کا حکم جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر نفیر عام (اعلان جنگ) نہ ہو اور اگر نفیر عام ہو بایں طور کہ کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر ٹوٹ پڑیں یا اسلامی مملکت کے خلاف جنگ شروع کردیں اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا عام اعلان کردیا جائے تو اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہوگا خواہ نفیر کرنے والا (یعنی اعلان جنگ کرنے والا عادل ہو یا فاسق، لہٰذا اس صورت میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا جہاد میں شرکت کرنا اس شہر اور اس مملکت کے تمام باشندوں پر واجب ہوگا اور ایسے ہی ان لوگوں پر بھی واجب ہوگا جو اس شہر یا مملکت کے قریب رہتے ہوں بشرطیکہ اس شہر یا مملکت کے رہنے والے اپنے شہر اور اپنے ملک کی حفاظت اور دشمنوں کے مقابلہ کرنے کے لئے کافی نہ ہوں یا وہ اپنی جنگی ودفاعی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں کسل وسستی کریں اور گنہگار ہوں چنانچہ جس طرح میت کا مسئلہ ہے کہ اس کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ پہلے اس کے اہل محلہ پر واجب ہے اگر وہ اس کی انجام دہی سے عاجز ہوں تو پھر یہ چیزیں اس کے شہر والوں پر واجب ہوں گی اسی طرح جہاد کا بھی مسئلہ کہ جس شہر ملک کے مسلمانوں کو کفار اور دشمنان دین کی جارحیت اور جنگی حملوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو اگر وہ اپنے دفاع سے عاجز ہوں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں کوتاہ یا ناکام رہے ہوں تو اس وقت ان کے پڑوسی شہر وملک کے مسلمانوں بلکہ مابین المشرق والمغرب کے تمام مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ جہاد میں شریک ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے وقار کا تحفظ اور دشمنان دین کا دعویٰ سرنگوں کریں۔

تخلیق مخلوق اور وسوسہ شیطانی کا بیان

93 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُونَ تَسْتَفْتُونَ حَتَّى يَقُولَ أَحَدُكُمْ: هَذَا اللّٰهُ، خَلَقَ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہمیشہ دریافت پر دریافت کرتے رہو گے، یہاں تک کہ تم میں سے کوئی بھی کہے گا کہ یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟

شرح

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ تا آنکہ پھر وہ یوں کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آجائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کردے۔"

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 61)

شیطان انسان کے روحانی ارتقاء کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا بنیادی نصب العین ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو، جو اللہ کی ذات وصفات پر ایمان ویقین رکھتے ہیں، ورغلانے اور بہکانے میں لگا رہے ہیں، یہی نہیں کہ وہ فریب کاری کے ذریعہ انسان کے نیک عمل اور اچھے کاموں میں رکاوٹ اور تعطل پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے بلکہ اس زبردست قدرت کے بل پر کہ جو حق اللہ تعالیٰ نے تکوینی مصلحت کے تحت اس کو دی ہے۔ وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان کی سوچ فکر اور خیالات کی دنیا میں مختلف انداز کے شبہات اور برائی بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جن لوگوں کی سوچ' فکر اور خیالات کے سرچشموں پر ایمان ویقین کی مضبوط گرفت ہوتی ہے وہ اپنے ایمان کی فکری اور شعوری طاقت سے شیطان کے وسوسوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں۔

چنانچہ اس حدیث میں جہاں بعض شیطانی وسوسوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہیں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو ان وسوسوں کو غیر موثر اور ناکارہ بنانے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان اللہ کی مخلوقات اور موجودات کے بارہ میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، مثلاً فکر وخیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ انسان کو وجود کس نے بنایا، یہ زمین وآسمان کی تخلیق کس کا کارنامہ ہے، چونکہ اللہ کی ذات وصفات پر ایمان رکھنے والوں کی عقل سلیم کائنات کی تمام مخلوقات وموجودات کی تخلیقی وتکوینی نوعیت کا بدیہی شعور و ادراک رکھتی ہے اس لئے مخلوقات کی حد تک شیطان کی وسوسہ اندازی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن معاملہ وہاں نازک ہو جاتا ہے جب یہ سلسلہ نازک ہوکر ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وسوسہ شیطانی دل ودماغ سے سوال کرے جب یہ زمین وآسمان اور ساری مخلوقات اللہ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر خود اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا گیا کہ جوں ہی یہ وسوسہ پیدا ہوا اپنے اللہ سے پناہ مانگو اور اپنے ذہن سے اس فاسد خیال کو فوراً جھٹک دو تاکہ وسوسہ شیطانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اللہ کی پناہ چاہنے کا مطلب محض زبان سے چند الفاظ ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ یہ کہ ایک طرف تو اپنے فکر وخیال کو یکسو کر کے اس عقیدہ یقین کی گرفت میں دے دو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، وہ واجب الوجود ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور دوسری طرف ریاضیت و

مجاہدہ اور ذات باری تعالیٰ کے ذکر و استغراق کے ذریعہ اپنے نفس کے تزکیہ اور ذہن و فکر کے تحفظ اور سلامتی کی طرف متوجہ رہو۔ وسوسہ کی راہ روکنے کا ایک فوری موثر طریقہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس بدل دی جائے۔ یعنی جس جگہ بیٹھے یا لیٹے ہوئے اس طرح کا وسوسہ پیدا ہو وہاں سے فوراً ہٹ جائے اور کسی دوسری جگہ جا کر کسی کام اور مشغلہ میں لگ جائے اس طرح دھیان فوری طور پر ہٹ جائے گا اور وسوسہ کی راہ ماری جائے گی۔

وسوسہ شیطانی سے بچنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! لوگ ہمیشہ اپنے دل میں مخلوقات وغیرہ کے بارے میں خیالات پکارتے رہیں گے، یہاں تک کہ کہا جائے گا (یعنی دماغ میں یہ وسوسہ آئے گا) کہ اس تمام مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے (تو) اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس آدمی کے دل و دماغ میں اس قسم کا کوئی خیال اور وسوسہ پیدا ہو تو وہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر اور اس رسول پر ایمان لایا۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 62)

شیطان کی وسوسہ اندازی اور گمراہ کن خیالات کی روش سے بچنے کے لئے ایک طریقہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسے موقع پر (میں اللہ پر اس کے رسول پر ایمان لایا) پڑھنا چاہیے، اس کلمہ کے ورد کے ذریعہ زبان یہ اقرار و اعتراف کرے گی کہ میں اللہ کی ذات پر اور اس کے سچے رسول پر ایمان رکھتا ہوں جس نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ اس کی ذات واجب الوجود ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا بلکہ تمام جہاں کا اور تمام چیزوں کا وہی خالق ہے وہی دل و دماغ میں ان باتوں کی صحت و صداقت کا یقین راسخ ہوگا اور ذہن و فکر کو برے خیالات سے تحفظ و سلامتی حاصل ہوگی جس کے سبب شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

انسان پر فرشتے اور شیطان کے تصرف کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف تو شیطان کا ہوا کرتا ہے اور ایک تصرف فرشتہ کا شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ نیکی پر ابھارتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا لہٰذا جو آدمی (نیکی پر فرشتہ کے ابھارنے کی) یہ کیفیت اپنے اندر پائے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے (ہدایت) ہے اس پر اس کو اللہ کا شکر بجالانا چاہیے اور جو آدمی دوسری کیفیت (یعنی شیطان کی وسوسہ اندازی) اپنے اندر پائے تو اس کو چاہیے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآنی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ کے لئے اکساتا ہے۔ اس روایت کو جامع ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 70)

فرشتہ کے ابھارنے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ نیکی کی اہمیت اور نیکی پر ملنے والے اجر و انعام کی کشش ظاہر کرتا ہے اور انسان کے احساس و شعور میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اللہ کا سچا دین ہی انسانیت کی بقاو ترقی کا ضامن ہے اللہ کے رسول جو شریعت لے کر آئے ہیں اسی میں بنی آدم کی دنیاوی اور آخروی نجات پوشیدہ ہے۔ اگر اپنی فلاح و نجات چاہتے ہو تو برائی کے راستہ سے بچو اور نیکی کے راستہ

کو اختیار کرو۔ شیطان کا ابھارنا یہ ہوتا ہے کہ وہ راہ حق کو تاریک کر کے دکھاتا ہے وسوسہ اندازی کے ذریعہ دین کی بنیادی باتوں مثلاً تو حید، نبوت آخرت اور دوسرے معتقدات میں تردد و تشکیک پیدا کرتا ہے۔

نیکی کو بدنما صورت میں اور بدی کو اچھی شکل وصورت میں پیش کرتا ہے، انسانی دماغ یہ میں بات بٹھانے کی سعی کرتا ہے کہ اگر ان چیزوں کو اختیار کرو گے جو نیکی سے تعبیر کی جاتی ہیں تو پریشانیاں اٹھاؤ گے، تکلیفیں، برداشت کرو گے، مثلاً توکل وقناعت کی زندگی اختیار کرو گے اور اپنے اوقات کو دنیا سازی میں صرف کرنے کی بجائے اللہ کی عبادت اور دین کی خدمت میں لگاؤ گے تو تم نہ مال دولت حاصل کر پاؤ گے اور نہ دنیا کی کوئی آسائش وراحت اٹھا پاؤ گے، اسلئے فقر و محتاجگی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مال صدقہ سے نہ کھانے کا بیان

94 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِي فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِي أَوْ فِي بَيْتِي فَأَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا، ثُمَّ أَخْشَى أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ فَأُلْقِيهَا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہوں تو میں اپنے بستر پر (یا یہ فرمایا: اپنے گھر میں) کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں اور میں اس کو کھانے کے لیے اٹھالیتا ہوں، پھر مجھے خوف ہوتا ہے کہ شاید صدقے کا ہو، پھر میں اس کو ڈال دیتا ہوں۔

بنو ہاشم کیلئے مال زکوٰۃ سے نہ کھانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کی رکھی ہوئی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی (یہ دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے نکالو! نکالو (اور اس طرح فرمایا تا کہ) وہ اسے (منہ سے نکال کر) پھینک دیں پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم جانتے نہیں کہ ہم بنی ہاشم صدقہ کا مال نہیں کھاتے۔ (بخاری و مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 320)

ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تو اس وقت بالکل ہی کمسن تھے، انہیں ان سب باتوں کی کیا خبر تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باوجود انہیں اس انداز سے اس لئے خطاب کیا تا کہ دوسرے لوگ اس کے بارے میں مطلع ہو جائیں اور انہیں بنی ہاشم کے حق میں صدقہ زکوۃ کے مال کی حرمت کا علم ہو جائے۔ اس حدیث سے یہ نکتہ بھی ہاتھ لگا کہ والدین اور مربی پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو خلاف شرع باتوں سے روکیں اسی وجہ سے حنفی علماء فرماتے ہیں کہ والدین کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو ریشم کے کپڑے (جو مردوں کے لئے ناجائز ہیں) اور سونے چاندی کا زیور پہنائیں۔

حضرت عبد المطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ صدقات یعنی زکوۃ تو انسانوں کے میل ہیں، صدقہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال ہے اور نہ آل محمد (بنی ہاشم) کے لئے حلال ہے"
(مسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 321)

زکوۃ کو میل اس لئے کہا گیا ہے کہ جس طرح انسان کا جسم میل اتارنے سے صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوۃ نکالنے سے نہ صرف یہ کہ مال ہی پاک ہو جاتا ہے بلکہ زکوۃ دینے والے کے قلب وروح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زکوۃ کا مال لینا حرام تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بنی ہاشم کو بھی زکوۃ لینی حرام ہے، خواہ وہ زکوۃ وصول کرنے پر مقرر ہوں یا محتاج ومفلس ہوں چنانچہ حنفیہ کا صحیح مسلک یہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانے کی کوئی چیز لائی جاتی تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں پوچھتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (بنی ہاشم کے علاوہ) اپنے دوسرے صحابہ سے فرماتے کہ کھالو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود نہ کھاتے اور اگر بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک بڑھاتے اور صحابہ کے ساتھ اسے تناول فرماتے۔

(بخاری ومسلم، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 322)

صدقہ اس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی محتاج وضرورت مند کو از راہ مہربانی دیا جاتا ہے اور اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو اور آخرت میں اس کا اجر وثواب ملے چونکہ صدقہ کا مال لینے والے کی ایک طرح سے ذلت اور کمتری محسوس ہوتی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مطلقاً صدقہ لینا حرام تھا۔ ہدیہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی بڑے اور عظیم المرتبت شخص کی خدمت میں کوئی چیز از راہ تعظیم وتکریم پیش کرے۔ ہدیہ کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیاوی طور پر اس کا تعلق طرفین سے ہوتا ہے بایں طور کہ جو شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ کرتا ہے تو وہ دنیا ہی میں اس کا اس طرح بدلہ بھی پاتا ہے کہ جسے اس نے ہدیہ دیا ہے وہ کسی وقت اسے بھی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دیتا ہے جب کہ صدقہ میں اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کرنے کا بیان

95 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَاللّٰهِ لَأَنْ يَلَجَّ أَحَدُكُمْ بِيَمِينِهِ فِي أَهْلِهِ، آثَمُ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ أَنْ يُعْطِي كَفَّارَتَهُ الَّتِي فَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کا قسم کھانے کی وجہ سے اپنے اہل وعیال کے پاس نہ جانا اللہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنا کفارہ ادا کرے جس کو (قسم توڑنے پر) اللہ نے فرض کیا ہے۔

(بخاری ومسلم)

شرح

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم اگر میں کسی چیز پر قسم کھاؤں اور پھر اس قسم کے خلاف کرنے ہی کو بہتر سمجھوں تو میں اپنی قسم توڑ دوں گا اور اس کا کفارہ ادا کر دوں گا اس طرح اس چیز کو اختیار کروں گا جو بہتر ہو۔" (بخاری ومشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 593 مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کام کے بارے میں قسم کھاؤں کہ وہ کام نہ کروں گا مگر پھر سمجھوں کہ اس کام کو کرنا ہی بہتر ہے تو میں قسم کو

توڑ کر کفارہ ادا کروں گا اور اس کام کو کرلوں گا، اس مسئلہ کی مثالیں آگے آنے والی حدیث کی تشریح میں بیان ہونگی۔

اور حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن مجھ سے) فرمایا کہ "عبدالرحمٰن! سرداری کی خواہش نہ کرو (یعنی اس بات کی طلب نہ کرو کہ مجھے فلاں جگہ کا حاکم وسردار بنا دیا جائے) کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں سرداری دی جائے گی تو تم اس سرداری کے سپرد کردئے جاؤ گے اور اگر بغیر طلب کے کہیں سرداری ملے گی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی، نیز اگر تم کسی بات پر قسم کھاؤ اور پھر دیکھو کہ اس قسم کا خلاف کرنا ہی اس قسم کو پوری کرنے سے بہتر ہے، تو تم اس قسم کا کفارہ دے دو اور وہی کام کرو جو بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس چیز کو عمل میں لاؤ جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔
(بخاری ومسلم)

سرداری کی خواہش نہ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ سرداری وسیاست کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایک بہت ہی دشوار اور سخت ذمہ داری کی چیز ہے اس کے فرائض اور حقوق کی ادائیگی ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ صرف چند ہی لوگ اس کا بار اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہٰذا نفس کی حرص میں مبتلا ہوکر سرداری وسیاست کی خواہش نہ کرو کیونکہ اگر تم اپنی طلب پر سرداری وسیاست پاؤ گے تو پھر تمہیں اسی کے سپرد کردیا جائے گا بایں معنی کہ اس کے فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر چہار طرف شر وفساد برپا ہوں گے اور تم مخلوق خدا کی نظروں میں بڑی بے آبروئی کے ساتھ اس منصب کے نااہل قرار دے دیئے جاؤ گے، ہاں اگر بلا طلب تمہیں سرداری وسیاست کے مرتبہ سے نوازا جائے گا تو اس صورت میں حق تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے معاملات انتظام وانصرام درست ہوں گے اور مخلوق خدا کی نظروں میں تمہاری بہت زیادہ عزت ووقعت ہوگی۔

اور وہی کام کرو گے جو بہتر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی گناہ کی بات پر قسم کھاؤ مثلاً یوں کہو کہ خدا کی قسم! میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں فلاں شخص کو جان سے مار ڈالوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں اپنے باپ سے کلام نہیں کروں گا۔ تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ ڈالنا ہی واجب ہوگا اور اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر کسی ایسی بات پر قسم کھائی جائے جس کے خلاف کرنا، اس سے بہتر ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ "خدا کی قسم! میں اپنی بیوی سے ایک مہینہ تک صحبت نہیں کروں گا" یا اسی طرح کی کسی اور بات پر قسم کھائی جائے تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ دینا محض اولیٰ ہوگا۔ اس بارے میں زیادہ تفصیل ابتداء باب میں گذر چکی ہے۔

یہاں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کردینا چاہئے۔ جب کہ دوسری روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ادا کرنے چاہئے، چنانچہ اس مسئلہ پر تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کردینا جائز ہے لیکن حضرت امام شافعی کے ہاں یہ جواز اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ اگر کفارہ کی ادائیگی روزہ کی صورت میں ہو تو قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر کفارہ کی ادائیگی غلام آزاد کرنے، یا مستحقین کو کھانا کھلانے اور یا کپڑا پہنانے کی صورت میں ہو تو پھر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی جائز ہوگی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی کسی صورت میں جائز نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جن

احادیث سے تقدیم کفارہ مفہوم ہوتا ہے ان میں حرف واو محض جمع کے لئے ہے اس سے تقدیم و تاخیر کا مفہوم مراد نہیں ہے اور نہ حقیقتا وہ احادیث تقدیم و تاخیر پر دلالت کرتی ہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور پھر وہ یہ سمجھے کہ (اس کے خلاف کرنا ہی) قسم پوری کرنے سے بہتر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ کفارہ ادا کر دے اور اس کام کو کر لے (یعنی قسم توڑ دے)۔ (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" خدا کی قسم! تم میں سے کسی شخص کا اپنی قسم پر اصرار کرنا (یعنی اس قسم کو پوری کرنے ہی کی ضد کرنا) جو اپنے اہل و عیال سے متعلق ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو زیادہ گناہگار بناتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے جو اس پر فرض کر دیا گیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اگر قسم توڑنے میں بظاہر حق تعالیٰ کے نام کی عزت و حرمت کی ہتک ہے اور قسم کھانے والا بھی اس کو اپنے خیال کے مطابق گناہ ہی سمجھتا ہے لیکن اس قسم کو پوری کرنے ہی پر اصرار کرنا جو اہل و عیال کی کسی حق تلفی کا باعث ہوتی ہے زیادہ گناہ کی بات ہے! گویا اس حدیث کا مقصد بھی یہ واضح کرنا ہی کہ قسم کے برخلاف عمل کی بھلائی ظاہر ہونے کی صورت میں قسم کو توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

قسم اٹھانے والوں کے درمیان قرعہ اندازی کرنے کا بیان

96 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أُكْرِهَ الِاثْنَانِ عَلَى الْيَمِينِ فَاسْتَحَبَّاهَا فَأَسْهِمْ بَيْنَهُمَا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب وہ لوگ قسم کھانے کے لیے مجبور کیے جائیں اور دونوں اس کو پسند کریں تو ان کے درمیان قرعہ ڈالو۔ (بخاری)

شرح

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں پر قسم کو پیش کیا (یعنی ان سے کہا کہ قسم کھاؤ کہ مدعی صحیح نہیں ہے) چنانچہ ان دونوں نے قسم کھانے میں) جلدی دکھائی تو آپ نے فرمایا کہ "قسم کھانے کے لئے ان لوگوں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے کہ ان میں سے کون شخص قسم کھائے۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 894)

عبارت کے ظاہری مفہوم سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص نے دربار رسالت میں کچھ لوگوں کے خلاف دعویٰ دائر کیا، ان لوگوں (مدعا علیہم) نے مدعی کو صحیح ماننے سے انکار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو قسم کھانے کا حکم دیا ان لوگوں نے قسم کھانے میں جلدی دکھائی، یعنی ہر شخص قسم کھانے کے لئے مستعد نظر آنے لگا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں سے قسم نہیں کھلوائی بلکہ یہ حکم دیا کہ تم اپنے درمیان قرعہ ڈالو، قرعہ میں جس کا نام نکلے وہی قسم کھائے۔

لیکن شارحین نے اس مسئلہ کی یہ صورت لکھی ہے کہ مثلاً دو مختلف دو مختلف آدمیوں نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو تیسرے شخص

کے پاس ہے۔ان دونوں (مدعیوں) میں سے ہر شخص یہ کہتا ہے کہ وہ چیز میری ہے لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی گواہ نہیں رکھتا، یا یہ کہ دونوں ہی کے پاس گواہ ہیں لیکن وہ شخص یہ کہتے ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ چیز ان دونوں میں سے کس کی ہے، لہٰذا اس صورت میں ان دونوں مدعیوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے اور ان میں سے جس کے نام قرعہ نکلے اس سے قسم کھانے کے لئے کہا جائے جب وہ قسم کھائے تو وہ چیز اس شخص کے حوالے کرنے کا حکم دیا جائے۔رہی یہ بات کہ اس صورت میں قسم کھانے کی ذمہ داری مدعی پر عائد ہوتی ہے۔جب کہ قسم مدعا علیہ کو کھانی چاہئے تو بظاہر اس (مدعی) سے قسم کھلوانا اس اعتبار سے ہے کہ ان دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حق کا منکر ہوتا ہے اور ضابطہ یہی ہے کہ حدیث (والیمین علی من انکر) یعنی قسم اس شخص کو کھانی چاہئے جو منکر ہو۔

بہر حال مذکورہ بالا دونوں صورتوں حدیث کے ظاہری مفہوم کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں لیکن جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق تو حضرت علی اس کے قائل تھے جو مذکورہ صورت میں بیان ہوا لیکن حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایسے قضیہ میں حاکم عدالت کو چاہئے کہ وہ چیز اسی تیسرے شخص کے پاس چھوڑ دے اور دونوں مدعیوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا جائے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام اور امام شافعی کے دو قول ہیں ایک قول حضرت علی کے قول کے مطابق ہے اور دوسرا قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ہے۔آگے حضرت ام سلمہ کو جو روایت آ رہی ہے وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے متبعین کی موئید ہے۔

بیع میں ثبوت خیار کا بیان

97 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَا أَحَدُكُمُ اشْتَرَى لِقْحَةً مُصَرَّاةً أَوْ شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا، إِمَّا هِيَ وَإِلَّا فَلْيَرُدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اونٹنی یا بکری خرید کرے جس کا دودھ دھوکا دینے کے لیے کئی وقت کا نہ نچوڑا گیا ہو تو اس کو دودھ نچوڑنے کے بعد دو باتوں کا اختیار ہوگا، یا تو اس کو رکھ لے ورنہ اس کو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور دے دے۔

خیار کے معنی و مفہوم کا بیان

خیار، لفظ، اختیار، سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دو چیزوں میں سے کسی ایک اچھی چیز کا انتخاب کرنا چنانچہ کسی تجارتی معاملے کو فسخ کر دینے یا اس کو باقی رکھنے کا وہ اختیار جو خریدار اور تاجر کو حاصل ہوتا ہے اصطلاح فقہ میں خیار کہلاتا ہے تجارتی معاملات میں اس اختیار کی کئی قسمیں ہیں جن کے تفصیلی احکام اور فقہی اختلاف فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں تاہم اس موقع پر ان قسموں کے نام اور تعریفات ذکر کر دینا ضروری ہے۔

خیار شرط جو تجارتی معاملے طے ہو جانے کے بعد تاجر یا خریدار یا دونوں کو اس معاملے کے ختم کر دینے یا باقی رکھنے کا حق دیا جانا

خیار شرط کہا جاتا ہے مثلاً تاجر نے ایک چیز فروخت کی جسے خریدار نے خرید لی مگر اس خرید و فروخت کے بعد تاجر نے یا خریدار نے یہ کہا کہ باوجود بیع ہو جانے کے مجھ کو ایک روز یا دو روز یا تین روز تک یہ اختیار حاصل ہوگا کہ خواہ اس بیع کو باقی رکھا جائے خواہ ختم کر دیا جائے۔ خرید و فروخت میں یہ صورت جائز ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مدت اختیار میں بیع کو فسخ کیا جائے تو وہ فسخ ہو جائے گی اور اگر اس مدت کے ختم ہونے تک بیع کو برقرار رکھا یا سکوت کیا تو بعد ختم مدت بیع پختہ ہو جائے گی یہ بات ذہن میں رہے کہ خیار شرط کی مدت حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے۔

خیار عیب: بیع ہو جانے کے بعد خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہونے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے خیار عیب کہتے ہیں مثلاً تاجر نے ایک چیز بیچی جسے خریدار نے خرید لی اب اس بیع کے بعد اگر خریدار واپس کر کے اپنی دی ہوئی قیمت لوٹا لے البتہ اگر بیچنے والے نے اس چیز کو بیچنے کے وقت خریدار سے یہ کہہ دیا تھا کہ اس چیز میں جو عیب ہو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں خواہ تم اس وقت اسے خرید و یا نہ خرید و اور اس کے باوجود بھی خریدار رضا مند ہو گیا تھا تو خواہ کچھ ہی عیب اس میں نکلے خریدار کو واپسی کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ خیار رؤیت: بے دیکھی ہوئی چیز کو خریدنے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے خیار رؤیت کہتے ہیں مثلاً کسی خریدار نے بغیر دیکھے کوئی چیز خریدی تو یہ بیع جائز ہو جائے گی لیکن خریدار کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اس چیز کو جس وقت دیکھے چاہے تو اسے رکھ لے اور چاہے تو بیچنے والے کو واپس کر دے۔

ان اقسام کے علاوہ اس باب میں خیار کی ایک اور قسم ذکر ہوگی جسے خیار مجلس کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک مجلس میں تاجر و خریدار کے درمیان خرید و فروخت کا کوئی معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس مجلس کے ختم ہونے تک تاجر اور خریدار دونوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس معاملہ کو ختم کر سکتا ہے مجلس ختم ہونے کے بعد یہ اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں رہتا لیکن خیار کی اس قسم میں اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعی اور بعض دوسرے علماء اس خیار کے قائل ہیں جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ اور دوسرے علماء اس کے قائل نہیں ہیں یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب بیع کا ایجاب و قبول ہو گیا یعنی معاملہ تکمیل پا گیا تو اب کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا اور یہ کہ معاملہ کے وقت خیار کی شرط طے پا گئی ہو جسے خیار شرط کہتے ہیں اور جس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے تین دن کے بعد خیار شرط کی صورت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

مال اور عمر کی حرص کا بیان

98 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الشَّيْخُ شَابٌّ عَلَى حُبِّ اثْنَتَيْنِ: طُولِ الْحَيَاةِ، وَكَثْرَةِ الْمَالِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بوڑھا آدمی دو چیزوں کی محبت میں جوان ہوتا ہے: لمبی عمر اور مال کی کثرت۔

شرح

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" انسان (خود تو بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس میں دو چیزیں جوان اور قوی ہو جاتی ہیں، ایک تو مال جمع کرنے کی حرص اور اس کو خرچ نہ کرنے کی عادت اور دوسرے درازی عمر کی آرزو۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1195)

یہ حقیقت ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی بوڑھا ہو جائے، اس کے مزاج واطوار اور اس کی جبلت پر مذکورہ بالا دونوں خصلتوں کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوتی بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ ان دونوں چیزوں کا زور بھی بڑھتا رہتا ہے اور بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس اگر علم وعمل اور ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ محفوظ و پاکیزہ نہ ہو جائے تو وہ اپنی خواہشات اور اپنے جذبات کی گرفت میں رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ خواہشات وجذبات کی تکمیل، مال اور عمر کے بغیر نہیں ہو سکتی، دوسرے یہ کہ انسان جب بڑھاپے کی منزل میں پہنچ جاتا ہے تو اس میں ان نفسانی خواہشات وجذبات کا وجود تو جوں کا توں قائم رہتا ہے لیکن وہ قوت عقلیہ کو (قوت شہوانیہ) کے محرکات کو دفع نہیں کر سکتی! اسی اعتبار سے ان دونوں چیزوں کو "جوان اور قوی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حریص اور لالچی انسان کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر (بالفرض والتقدیر) آدمی کے پاس مال ودولت سے بھرے ہوئے دو جنگل ہوں تب بھی وہ تیسرے جنگل کی تلاش میں رہے گا (یعنی اس کی حرص وطمع کی درازی کا یہ عالم ہے کہ کسی بھی حد پر پہنچ کر اس کو سیری حاصل نہیں ہوتی اور آدمی کے پیٹ کو مٹی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی (یعنی جب تک وہ قبر میں جا کر نہیں لیٹ جاتا اس وقت تک اس کی حرص وطمع کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ تاہم یہ بات اکثر لوگوں کے اعتبار سے فرمائی ہے ورنہ ایسے بندگان اللہ بھی ہیں جن میں حرص وطمع ہونے کا تو کیا سوال اپنی ضرورت کے بقدر مال واسباب کی بھی انہیں پروا نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ بری حرص سے جس بندہ کی توبہ چاہتا ہے قبول کر لیتا ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1198)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کو قبول کرنا چونکہ پروردگار کی شان رحمت ہے اور ان گناہوں کا تعلق خواہ ظاہری بدعملیوں سے یا باطنی برائیوں سے، اس لئے بری حرص میں مبتلا ہونے والا شخص اگر اخلاص و پختگی کے ساتھ اس برائی سے اپنے نفس کو باز رکھنے کا عہد کر لیتا ہے اور اپنے پروردگار سے توبہ واستغفار کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، یا یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اس برائی سے پاک کرنا چاہتا ہے اس پر اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے بایں طور کہ اس کو اس بری خصلت کے ازالہ کی توفیق اور نفس کو پاکیزہ ومہذب بنانے کی باطنی طاقت عطا فرماتا ہے۔ اس حدیث میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ انسان کی جبلت میں بخل کا مادہ رکھا گیا ہے اور یہ بخل ہی ہے جو حرص واہل اور طمع ولالچ کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ انفاق وایثار کے ذریعہ بخل کی سرکوبی کرتا رہے تاکہ حرص کو راہ پانے کا موقع نہ ملے۔

مسلمان کی طرف ہتھیار اٹھانے کی ممانعت کا بیان

99 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا یُشِیرُ أَحَدُکُمْ إِلَی أَخِیہِ بِالسِّلَاحِ، فَإِنَّہُ لَا یَدْرِی أَحَدُکُمْ لَعَلَّ الشَّیْطَانَ أَنْ یَنْزِعَ فِی یَدِہِ؛ فَیَقَعَ فِی حُفْرَۃٍ مِنَ النَّارِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ ممکن ہے کہ (وہ ہتھیار) شیطان اس کے ہاتھ سے نکال لے اور پھر وہ شخص آگ (دوزخ) کے گڑھے میں گر پڑے۔

100 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلَی قَوْمٍ فَعَلُوا بِرَسُولِ اللّٰہِ ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ وَہُوَ حِینَئِذٍ یُشِیرُ إِلَی رَبَاعِیَتِہِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم پر اللہ کا غصہ بہت سخت ہو گیا جب کہ اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (یہ) کیا اور آپ اس وقت اپنے سامنے کے چار دانتوں کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔

(مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث ۸۱۹۸)

نبی مکرم کے قتل کردہ شخص پر سختی کا بیان

101 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلَی رَجُلٍ یَقْتُلُہُ رَسُولُ اللّٰہِ ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا غضب اس شخص پر بہت سخت ہو جاتا ہے جس کو اللہ کا رسول، اللہ کی راہ میں قتل کرے۔

زنا سے بچنے کا بیان

102 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عَلَی ابْنِ آدَمَ نَصِیبٌ مِنَ الزِّنَا أَدْرَکَ ذَلِکَ لَا مَحَالَۃَ. قَالَ: فَالْعَیْنُ زِنْیَتُہَا النَّظَرُ وَتَصْدِیقُہَا الْإِعْرَاضُ، وَاللِّسَانُ زِنْیَتُہُ الْمَنْطِقُ، وَالْقَلْبُ زِنْیَتُہُ التَّمَنِّی، وَالْفَرْجُ یُصَدِّقُ بِمَا ثَمَّ أَوْ یُکَذِّبُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر اولاد آدم کے لیے زنا کا بھی کچھ حصہ مقدر ہے، وہ اس کو لازمی طور پر پاتا ہے، فرمایا: آنکھ کا زنا (نامحرم پر) نظر کرنا ہے اور اس کی تصدیق نظر موڑ لینا ہے، اور زبان کا زنا (فحش) بات چیت ہے، اور دل کا زنا خواہش کرنا ہے اور شرم گاہ گناہ کی تصدیق کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔

شرح

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الزانیۃ و الزانی زنا لغت میں شریعت سے پہلے بھی معروف تھا جیسے سرقہ (چوری) اور

قتل کے اسم پہلے موجود تھے۔زنا کا مطلب ہے مرد کا عورت کی فرج (شرمگاہ) میں بغیر نکاح اور بغیر شبہ نکاح کے عورت کی رضا کے ساتھ جماع کرنا۔اگر تو چاہے تو یوں بھی کہہ سکتا ہے فرج کا طبعاً مشتہی فرج میں داخل کرنا جو شرعاً حرام ہو۔جب ایسی صورت ہو تو حد واجب ہوتی ہے۔زنا کی حد اور اس کی حقیقت اور اس کے متعلق علماء کے اقوال گزر چکے ہیں یہ آیت جس کی آیت اور اذیت والی آیت جو سورہ نساء میں ہے ان کے لیے بالاتفاق ناسخ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مائة جلدة ۔یہ آزاد، بالغ، غیر شادی شدہ زنا کرنے والے کی حد ہے۔اسی طرح آزاد، بالغہ غیر شادی شدہ عورت کی حد ہے اور سنت سے ایک سال کی جلاوطنی بھی ثابت ہے۔اس جلاوطنی میں اختلاف ہے اور لونڈیاں اگر زنا کریں گی تو ان پر پچاس درے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فان اتین بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنت من العذاب** (النساء:25) یہ لونڈی کے بارے میں ہے۔اور غلام بھی اسی کے معنی میں ہے۔رہا آزاد لوگوں میں شادی شدہ تو اس پر کوڑے نہیں رجم ہوگا۔اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پہلے اسے سو کوڑے مارے جائیں گے پھر اس رجم کیا جائے گا یہ سب چھ سورۃ النساء میں تفصیلاً گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔جمہور نے الزانیۃ والزانی کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔عیسیٰ بن عمر ثقفی نے الزانیۃ نصب کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ سیبویہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ ان کے نزدیک تیرے اس قول کی طرح ہے: زیدا اضرب اور سیبویہ کے نزدیک رفع کی وجہ یہ ہے کہ یہ مبتدا کی خبر ہے تقدیر اس طرح ہوگی فیما یتلی علیکم حکم الزانیة والزانی ۔رفع پر علماء کا اجماع ہے اگرچہ سیبویہ کے نزدیک قیاس نصب تھا فراء، مبرد اور زجاج کے نزدیک رفع زیادہ بہتر ہے اور خبر فاجلدوا کے قول میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے **الزانية والزاني مجلودان بحكم الله**۔بدکارہ عورت اور بدکار مرد کو اللہ کے حکم سے کوڑے لگائے جائیں گے۔یہ عمدہ قول ہے اور یہ اکثر نحویوں کا قول ہے۔اگر تو چاہے تو خبر مقدر کرے ینبغی ان یجلدا ۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے الزان بغیر یاء کے پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔اللہ تعالیٰ نے مذکر اور مونث کا ذکر کیا حالانکہ الزانی کا لفظ دونوں طرف سے کافی تھا۔بعض علماء نے کہا: دونوں کا ذکر تاکید کے لیے ہے جیسے فرمایا: **والسارق والسارقه فاقطعوا ايديهما** (المائدہ:38) یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ مرد وطی کرنے والا تھا اور عورت محل وطی تھی اس لیے وہ وطی کرنے والی نہیں اس لیے اس پر حد واجب نہ ہوگی تو اس اشکال کو دور کرنے کے لیے دونوں کا ذکر فرمایا: یہ اشکال علماء کی ایک جماعت نے وارد کیا ہے۔جن میں امام شافعی بھی ہیں انہوں نے کہا: رمضان میں عورت پر وطی کی صورت میں کفارہ نہیں ہے۔کیونکہ ایک شخص نے کہا میں نے رمضان شریف میں دن کے وقت اپنی بیوی سے مجامعت کی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کفر تو کفارہ دے۔اس کو آپ نے کفارہ کا حکم دیا۔عورت نہ مجامعت کرنے والی ہے اور نہ وطی کرنے والی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔الزانیۃ کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کا زنا عام تھا عربوں کی لونڈیوں اور فاحشہ عورتوں کے گھروں پر جھنڈے لگے ہوتے تھے اور وہ سرعام زنا کرتی تھیں۔بعض علماء نے کہا: چونکہ عورت میں زنا زیادہ عار کا باعث ہے یہ اسی کی وجہ

سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ بعض نے کہا: عورت میں شہوت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر شہوت غالب ہوتی ہے اس کا پہلے ذکر کیا تا کہ وہ شہوت سے رک جائے اگر چہ عورت میں حیاء رکھا گا ہے۔ لیکن جب وہ زنا کرتی ہے تو اس کا حیاء ختم ہو جاتا ہے نیز عورتوں کی وجہ سے عار زیادہ لاحق ہوتی ہے کیونکہ ان کو موضوع پردہ اور حفاظت ہے اس لیے تغلیظاً اور اہتماماً ان کا پہلے ذکر کیا۔

مسئلہ نمبر 6۔ الزانیۃ اور الزانی پر الف لام جنس کے لیے ہے۔ یہ عام ہے اور تمام بدکاروں کو شامل ہے اور جنہوں نے رجم کے ساتھ درعوں کا قول کیا ہے انہوں نے کہا: سنت میں حکم کی زیادتی آئی ہے پس کوڑوں کے ساتھ رجم بھی ہوگا۔ یہ اسحاق بن راہویہ، حسن بن ابی الحسن کا قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شراحہ سے ایسا ہی کیا تھا۔ اس کا بیان سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ جمہور علماء نے کہا: یہ غیر شادی شدہ کے ساتھ خاص ہے۔ انہوں نے غلاموں اور لونڈیوں کے خروج کی وجہ سے اس کے غیر عام ہونے پر استدلال کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے اس سزا پر نص قائم فرمائی جو بدکاری کرنے والوں پر واجب ہوگی جب ان کے خلاف گواہی قائم ہو جائے گی جیسا کہ آگے آئے گا۔ علماء کا اس قول پر اجماع ہے اور اس میں اختلاف ہے ایک شخص ایک عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں پایا جائے تو اس کیا واجب ہے؟ اسحاق بن راہویہ نے کہا: ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگائے جائیں گے؛ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ ان دونوں حضرات سے ثابت نہیں ہے۔ عطا اور سفیان نوری نے کہا: ان کو ادب سکھایا جائے گا؛ یہی امام مالک اور امام احمد کا قول ہے جیسا کہ ادب میں ان کے مذاہب کی قدر پر ابن المنذر نے کہا: اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جو اس حالت میں پایا جائے اس پر ادب ہے۔ اس میں جو مختار ہے وہ سورۃ ہود میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاجلدو فاء داخل ہوئی ہے کیونکہ یہ امر کی جگہ ہے اور امر شرط کے لیے مضارع ہے۔ مبرد نے کہا: اس میں جزا کا معانی ہے، یعنی اگر زنا کرنے والا زنا کرے واس کے ساتھ ایسا کرو، اسی وجہ سے فا داخل ہوئی اسی طرح والسارق والسارقة فاقطعو ایدیھما (المائدہ:38) ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس امر کے ساتھ مخاطب امام اور اس کا نائب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: ہر کوڑے اور قطع میں یہ حکم ہے۔ امام مالک نے فرمایا کوڑوں میں ہے۔ قطع میں یہ حکم نہیں۔ بعض نے کہا: یہ خطاب مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ دین کے مراسم کو قائم کرنا مسلمانوں پر واجب ہے پھر امام ان کے قائم مقام ہوتا ہے۔ کیونکہ حدود کے قائم کرنے پر اجتماع ممکن نہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اجماع ہے کوڑے مارنا دُرّے کے ساتھ واجب ہے اور وہ کوڑا درمیانی صورت میں ہوگا نہ بہت سخت اور نہ بہت زیادہ نرم۔ امام مالک نے حضرت زید بن آم سے روایت کیا ہے (1) کہ ایک شخص نے عہد رسالت میں زنا کا اعتراف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک کوڑا منگوایا تو آپ کے پاس ٹوٹا ہوا کوڑا لایا گیا آپ نے فرمایا: اس سے بہتر ہو۔ پھر ایک نیا کوڑا لایا گیا جو زیادہ تیز تھا۔ آپ نے فرمایا: اس سے کم ہو پھر کوڑا لایا گیا آپ نے فرمایا: اس سے بہتر ہو۔ پھر ایک نیا کوڑا لایا گیا جو زیادہ تیز تھا۔ آپ نے فرمایا: اس سے کم ہو پھر کوڑا لایا گیا جو درمیانی قسم کا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ

مارنے کا حکم دیا۔ ابوعمر نے کہا: مؤطا کے تمام رواۃ نے اس حدیث کو اسی طرح مرسل روایت کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ اس لفظ کے ساتھ متصل سند سے مروی ہے۔ معمر نے یحییٰ بن کثیر سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدامہ کو شراب پینے کی وجہ سے مکمل کوڑے سے مارنا گزر چکا ہے، یعنی متوسط کوڑے سے مارا۔

مسئلہ نمبر 11۔ علماء کا اختلاف ہے کہ زنا میں سزا پانے والے کے کپڑے اتارے جائیں گے یا نہیں؟ امام مالک، امام ابوحنیفہ وغیرہما کا قول ہے کہ اس کے کپڑے اتارے جائیں گے اور عورت پردہ لباس رہنے دیا جائے گا جو باعث پردہ ہو نہ کہ وہ جو اسے ضرب سے بچائے۔ امام اوزاعی نے فرمایا: امام کو اختیار رہے چاہے تو اس کے کپڑے اتارے چاہے تو نہ اتارے۔ شعبی اور نخعی نے کہا: اس کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے لیکن اس پر قمیص چھوڑی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس امت میں کپڑے اتارنا اور لمبا کرنا نہیں ہے؛ یہی ثوری کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ علماء کرام مردوں اور عورتوں کو ضرب لگانے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: مرد اور عورت تمام حدود میں برابر ہیں۔ ان میں کوئی کھڑا نہیں کیا جائے گا اور یہ صرف پیٹھ پر لگائی جائے گی۔ اصحاب الرائے اور امام شافعی کا خیال ہے کہ مرد کو کھڑا کر کے کوڑے لگائیں جائیں گے، یہی حضرت علی بن ابی طالب کا قول ہے۔ لیث بن سعد، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: تمام حدود میں اور تعزیر میں لٹائے بغیر کھڑا کر کے کپڑے اتار کر سزا دی جائے گی۔ سوائے حد قذف کے۔ اسے مارا جائے گا جب کہ اس پر کپڑے ہوں گے؛ یہ مہدوی نے التحصیل میں امام مالک سے روایت کیا ہے اس سے پوستین اور جیکٹ وغیرہ اتار لی جائے گی۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر اس کو لٹانے میں صلاح ہو تو اسے لٹایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 13۔ ان مواضع میں اختلاف ہے حدود میں انسان کو جہاں مارا جائے گا؟ امام مالک نے کہا: ساری حدود کی سزا پیٹھ پر دی جائے گی اور یہی حکم تعزیز کا بھی ہے (1)۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا: چہرے اور شرمگاہ کو بچایا جائے گا اور باقی تمام اعضاء پر مارا جائے گا۔ (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے لونڈی کی ٹانگوں کی طرف اشارہ کیا جسے زنا میں کوڑے لگنے تھے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ چہرے، شرمگاہ اور ایسی جگہ پر نہیں مارا جائے گا۔ جس کی وجہ سے مرنے کا اندیشہ ہو، سر پر مارنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا: سر کو بچایا جائے گا حضرت عمر نے صبیغ بن گسل کو سر پر مارا اور یہ تعزیز تھی، حد نہیں تھی۔ امام مالک کی حجت میں سے یہ ہے جس پر لوگوں کو انہوں نے پایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دلیل پیش کرو ورنہ پیٹھ پر حد لگے گی (3)۔

مسئلہ نمبر 14۔ ایسی ضرب لگانا واجب ہے جو تکلیف تو پہنچائے مگر زخمی نہ کرے نہ عضو کو کاٹے اور مارنے والا اپنا ہاتھ اپنی بغل کے نیچے سے نہ نکالے، یہی جمہور کا قول ہے یہی حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حد کے سلسلہ میں ایک شخص کو لایا گیا تو آپ نے درمیانہ کوڑا منگوایا اور مارنے والے کو کہا: تو اسے مار لیکن تیری بغل نظر نہ آئے اور ہر عضو کو اس کا حق دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حد کے سلسلہ میں ایک شخص کو لایا گیا آپ نے درمیانہ کوڑا منگوایا اور مارنے

والے کو کہا: تو اسے مار لیکن تیری بغل نظر نہ آئے اور ہر عضو کو اس کا حق دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک شرابی لایا گیا آپ نے فرمایا: میں۔ تجھے ایسے شخص کے پاس بھیجوں گا جسے تم پر نرمی نہ آئے گی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کو مطیع بن اسود عدوی کی طرف بھیجا اور فرمایا جب تو کل صبح کرے تو اسے حد لگانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ اسے سخت کوڑے مار رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے آدمی کو قتل کر دیا، تو نے اسے کتنی ضربیں لگائی ہیں؟ اس نے کہا؛ ساٹھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیس باقی ہیں ان کے بدلے میں اس شدت کو کر دے جو تو نے اسے پہنچائی ہے اور مزید بیس کوڑے نہ لگاؤ۔ اس حدیث سے یہ سمجھ آتا ہے کہ شراب پینے والے کو سخت کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔ حدود میں سخت ضرب کس حد تک ہوگی؟ اس میں علما میں اختلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ امام مالک اور ان کے اصحاب اور لیث بن سعد نے کہا: تمام حدود میں ضراب برابر ہے۔ وہ ضرب زخمی کرنے والی نہ ہوگی۔ اور درمیانی ضرب ہوگی؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب نے کہا: تعزیر کی ضرب سخت ترین ضرب ہے اور زنا کی ضرب شراب کی ضرب سے سخت ہے اور شراب پینے والے کی ضرب قذف کی ضرب سے سخت ہے (4)۔ ثوری نے کہا: زنا کی ضرب قذف کی ضرب سے سخت ہے اور قذف کی ضرب شراب کی ضرب سے سخت ہے۔ (5)۔ امام مالک نے کوڑوں کی تعداد پر توقیف کے ورود سے حجت پکڑی ہے۔ اور حدود میں سے کسی حد میں تخفیف اور تثقیل وارد نہیں ہے۔ اس شخص کے متعلق جس کے لیے تسلیم ثابت ہے۔ امام ابو حنیفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے حجت پکڑی ہے کہ تعزیر میں جرب، زنا کی ضرب سے شدید ہوگی۔ ثوری نے اس حجت پکڑی ہے کہ زنا میں جب کوڑوں کی تعداد زیادہ ہے تو یہ محال ہے کہ قذف تکلیف میں زیادہ ہو اسی طرح شراب ہے کیونکہ شراب میں حد اجتہاد سے ثابت ہے اور مسائل اجتہاد مسائل توقیف سے زیادہ قوت والے نہیں ہوتے۔

مسئلہ نمبر 16۔ وہ حد جو اللہ تعالیٰ نے زنا، شراب اور قذف میں واجب کی ہے مناسب ہے کہ وہ حکام کے سامنے لگائی جائے اور اسے فضلاء اور خیار لوگ قائم کریں جن کو امام منتخب کرے اسی طرح صحابہ کرام کرتے تھے جب اُن کے لیے کوئی ایسا واقعہ رونما ہوتا تھا اس کا سبب یہ ہے کہ یہ قاعدہ شرعیہ اور قربت تعبدیہ کے ساتھ قائم کیجاتی ہے پس اس کے فعل۔ اس کی مقدار، محل اور حال پر محافظت واجب ہے تا کہ اپنی شروط اور احکام سے کوئی چیز تجاوز نہ کرے کیونکہ مسلم کا خون اور اس کی حرمت بہت زیادہ ہے پس جتنا ممکن ہو سکے اس کی رعایت کرنا واجب ہے۔ صحیح میں حضین بن منذر ابی ساسان سے مروی ہے فرمایا: میں عثمان بن عفان کے پاس موجود تھا، ولید کو لایا گیا اس نے صبح کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر کہا: کیا میں تمہیں زیادہ پڑھاؤں۔ ولید کے خلاف دو آدمیوں نے گواہی دی ایک نے گواہی دی کہ اس نے شراب پی تھی، دوسرے نے گواہی دی اس نے اس کو قئی کرتے دیکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے قئ نہیں کہ حتی اس نے شراب پی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حسن! اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔ حسن نے کہا: یہ کام اس کے سپرد کرو جن کو یہ خلافت اچھی لگتی ہے، گویا حضرت حسن ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبداللہ بن جعفر! تم اٹھو اور اس کو کوڑے لگاؤ۔ پس حضرت عبداللہ بن جعفر نے اسے کوڑے لگائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں شمار کیا (1)۔ سورۃ المائدۃ

یہ حدیث گزر چکی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ نے قذف اور زنا میں کوڑوں کی تعداد پر نص قائم فرمائی ہے اور شراب میں اسی کوڑوں پر تمام صحابہ کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے توقیف ثابت ہے۔ پس ان میں حد سے زیادہ تجاوز نہیں کیا جائے گا۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس وقت تک ہے جو لوگ شر میں مگن نہ ہوں اور انہیں گناہ میں لذت نہ ہو لیکن جب وہ گناہوں کو عادت بنالیں اور بار بار گناہ کریں حد کو آسان سمجھیں اور وہ برائی سے باز نہ آئیں تو پھر شدت متعین ہو جائے گی اور گناہ کی زیادتی کی وجہ سے حد زیادہ کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رمضان میں ایک نشئی کو لایا گیا تو آپ نے اس سے کوڑے لگائے، اسی شراب کی حد کے طور پر اور بیس رمضان کی حرمت توڑنے پر پس جنایات کی تغلیظ اور حرمات کی ہتک پر سزائیں مرکب کروانا واجب ہے۔ ایک شخص نے بچے کے ساتھ بدمعاشی کی تو والی نے اسے تین سو کوڑے مارے۔ امام مالک کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اسے تبدیل نہیں کیا اگر امام ہمارے زمانہ میں حرمات کی ہتک اور گناہوں کی بھرمار اور برائیوں پر تعاون اور حدود کی بیع اور قضاۃ کے منصب پر غلاموں کا فائز ہونا دیکھتے تو غم وغصہ کی وجہ سے فوت ہو جاتے اور کسی کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہ کرتے ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔ اسی وجہ سے شراب کی حد میں زیادتی کی گئی حتی کہ اس کوڑوں تک پہنچ گئی۔ دار قطنی نے روایت کیا ہے ہمیں قاضی حسین بن اسماعیل نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں یعقوب بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں صفوان بن عیسیٰ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں اسامہ بن زید نے بیان کیا انہوں نے زہری سے روایت کیا انہوں نے کہا مجھے عبدالرحمٰن بن زہر نے بتایا انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ حنین کے دن دیکھا آپ لوگوں کے درمیان تھے آپ خالد بن ولید کی منزل کے بارے میں پوچھ رہے تھے پھر نشہ کی حالت میں ایک شخص لایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس موجود لوگوں کو فرمایا: اسے اس چیز کے ساتھ مارو جو تمہارے پاس ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مٹی ڈالی۔ فرمایا: پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نشئی کو لایا گیا، فرمایا: اس دن انہوں نے ضربات کو طلب کیا اور اسے چالیس کوڑے لگائے (1) ازہری نے کہا مجھے حمید بن عبدالرحمٰن نے مجھے بتایا انہوں نے ابن وبرہ کلبی سے روایت کیا فرمایا مجھے خالد بن ولید نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا فرمایا: میں ان کے پاس آیا تو ان کے پاس حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور وہ ان کے ساتھ مسجد میں سہارا لے کر بیٹھے تھے میں نے کہا: مجھے خالد بن ولید نے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں لوگ شراب پینے میں مبالغہ کر رہے ہیں اور اس کی سزا کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ لوگ تمہارے پاس ہیں ان سے پوچھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم دیکھتے ہیں جب شرابی شراب پیتا ہے تو ہزیان بکتا ہے اور جب ہزیان بکتا ہے تو تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے پر اسی کوڑے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی پیغام خالد بن ولید کو پہنچا دو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ فرمایا: حضرت خالد نے اسی کوڑے لگائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے لگائے۔ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو کوئی کمزور شخص لایا جاتا اور اس سے لغزش ہوئی ہوتی تو اسے چالیس کوڑے لگائے۔ فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے اور چالیس کوڑے لگائے۔ اسی مفہوم سے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اگر چاند موخر ہوتا تو میں تمہارے لیے زیادتی کرتا (2) جیسے کوئینا پسند کرنے والا کہتا ہے جب صحابہ کرام صوم وصال رکھنے سے نہ رکے تھے۔ ایک روایت میں ہے: اگر ہمارے لیے مہینہ لمبا ہوتا تو میں متواتر صوم وصال رکھتا حتیٰ کہ شدت کرنے والے اپنی شدت کو ترک کر دیتے (3)۔ حامد بن یحییٰ نے سفیان سے انہوں نے مسعر سے انہوں نے عطاء بن ابی مروان سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے نجاشی کو شراب پینے کی وجہ سے سو کوڑے لگائے۔ ابو عمر نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس کا سبب ذکر نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولا تاخذ کم بھما رافۃ فی دین اللہ**۔ محدود پر حد قائم کرنے سے شفقت کی بنا پر نہ رکو، ضرب میں تخفیف نہ کرو تا کہ اسے تکلیف ہی نہ ہو؛ یہ اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے۔ شعبی نخعی اور سعید بن جبیر نے کہا: لا تاخذکم بھما رافۃ یعنی ضرب لگانے اور کوڑے لگانے میں تمہیں رحم نہ آئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کسی جگہ حد قائم کرنا وہاں کے لوگوں کے لیے چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے پھر یہ آیت پڑھی الرافۃ میں رحمت سے زیادہ نرمی ہے۔ رافۃ الف کے فتحہ کے ساتھ فعلۃ کے وزن پر پڑھا گیا ہے اور رافۃ فعالہ کے وزن پر بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ تین لغات ہیں یہ تمام مصادر ہیں زیادہ مشہور پہلا ہے یہ روئف سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے نرمی کرنا اور رحم کرنا کہا جاتا ہے: رأفۃ ورآفۃ جیسے کابہ وکابۃ۔ وقد رافت بہ ورؤفت بہ۔ الردف اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے۔ العطوف کا معنی الرحیم ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فی دین اللہ یعنی اللہ کے حکم میں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ما کان لیا خذ اخاہ فی دین الملک** (یوسف:76) یعنی فی حکمہ۔ بعض نے کہا: فی دین اللہ کا مطلب ہے فی طاعۃ اللہ وشرعہ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حدود کے قائم کرنے کا جو حکم دیا ہے اس میں اس کی شریعت اوعر اس کی طاعت میں، پھر انہیں تثبت اور ابھارنے کے معنی پر **ان کنتم تو منون باللہ** کے قول سے قائم فرمایا: یہ اس طرح ہے جیسے تو کسی شخص کو ابھارتے ہوئے کہتا ہے: اگر تو مرد ہے تو ایسا کر یعنی یہ مردوں کے کام ہیں۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین**۔ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب ہے انہیں تعذیب دینے کے لیے وہ حاضر ہوں جو تادیب کے مستحق ہوں۔ مجاہد نے کہا: ایک آدمی سے لے کر ہزار آدمیوں تک۔ ابن زید نے کہا: چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے زنا کی شہادت پر قیاس کیا ہے۔ یہ اس کا ایک باب ہے؛ یہی امام مالک، لیث اور امام شافعی کا قول ہے۔ عکرمہ اور عطا نے کہا: دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے (1)۔ یہ امام مالک کا مشہور قول ہے، پس انہوں نے اس کو شہادت کی جگہ دیکھا۔ زہری نے کہا: تین آدمی ہوں کیونکہ یہ جمع کا کم از کم فرد ہے۔ حسن نے کہا: ایک یا ایک سے زائد ہوں، ان سے مروی ہے کہ دس ہوں۔ ربیع نے کہا: تین سے زائدہ ہوں مجاہد کی حجت یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ** (التوبہ:122) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وان طائفتان اگر دو گروہ، یہ دو آدمیوں کے لڑنے کے متعلق نازل ہوئی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین**۔ ایک کو بھی طائفہ کہا جاتا ہے۔ اور ہزار تک افراد کو طائفہ کہا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم کا قول ہے۔ حضرت ابو برزہ اسلمی نے ایک لونڈی کے

بارے میں حکم دیا جس نے بدکاری کی تھی اور بچہ جنم دیا تھا انہوں نے اس لونڈی پر کپڑا ڈال دیا تھا اور پھر اپنے بیٹے کو اسے پچاس ایسی ضربیں مارنے کو کہا جو زخمی کرنے والی نہ ہوں اور نہ اتنی ہلکی ہوں کہ تکلیف محسوس نہ ہو اور انہوں نے ایک جماعت کو بلایا پھر یہ آیت پڑھی: وليشهد عذابهما طائفة من المومنين ۔

مسئلہ نمبر 21۔ جماعت کے حضور سے مراد کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے کیا اس سے مقصود بدکاروں پر سختی اور موجود لوگوں کو توبیخ ہے؟ یہ محدود کو روکتا ہے اور جو موجود ہوتے ہیں انہیں نصیحت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے جھڑک ہوتی ہے اس کی بات کی تشہیر ہو جاتی ہے اور بعد والے لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں یا انکے لیے توبہ اور رحمت کی دعا کرتے ہیں اس میں علماء کے دو قول ہیں۔

مسئلہ نمبر 22:۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! زنا سے بچو کیونکہ اس میں چھ خصال ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں جو دنیا میں ظاہر ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے، فقر اور غربت آ جاتی ہے اور عمر کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ جو آخرت میں ظاہر ہوں گی۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوگی، حساب برا ہوگا اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جلنا ہوگا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جمعہ میں مجھ پر میری امت کے اعمال دو مرتبہ پیش کیے جاتے ہیں پس زنا کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: جب پندرہ شعبان کی رات ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ میری امت پر کرم کی نظر فرماتا ہے۔ اور ہر اس مومن کو بخش دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا مگر پانچ افراد کی بخشش نہیں ہوتا ی، جادوگر، کاہن، والدین کا نافرمان، ہمشیہ شراب پینے والا اور زنا پر اصرار کرنے والا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نور، بیروت)

نیکیوں کے ثواب کا سات سو گنا تک بڑھ جانے کا بیان

103 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا حَتَّى يَلْقَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے اسلام کو اچھا رکھے تو پس ہر وہ نیکی جس کا اس نے عمل کیا اس کا ثواب اس کی مثل دس نیکیوں کی طرح لکھ لیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بڑھا کر وہ ثواب سات سو گنا تک کر دیا جاتا ہے۔ اور ہر برائی جو وہ کرتا ہے اس جیسی ہی (یعنی صرف ایک گناہ) لکھ لی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ عزوجل سے جا ملتا ہے۔

جماعت کی نماز میں بوڑھے اور ضعیف لوگوں کا خیال رکھنے کا بیان

104 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفِ الصَّلَاةَ؛ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ وَفِيهِمُ الضَّعِيفَ وَفِيهِمُ السَّقِيمَ، وَإِنْ قَامَ وَحْدَهُ فَلْيُطِلْ صَلَاتَهُ مَا شَاءَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو چاہئے کہ نماز کو مختصر بنا دے کیونکہ جماعت میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، ضعیف بھی ہوتے ہیں، اور اگر تنہا نماز کے لیے کھڑا رہے تو اپنی نماز کو جتنا چاہے دراز کر سکتا ہے۔

شرح

حضرت سلیمان ابن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی آدمی کے پیچھے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ نماز نہیں پڑھی مگر فلاں آدمی کے پیچھے سلیمان فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اس آدمی کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

وہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتوں کو طویل پڑھتے تھے اور آخری دونوں رکعتوں کو ہلکی پڑھتے تھے، عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ مغرب کی نماز میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے اور ابن ماجہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر ان کی روایت صرف و یخفف العصر تک ہے۔ (سنن نسائی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 815)

فلاں آدمی" کے تعین کے سلسلے میں بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات مراد ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے "فلاں آدمی" سے مراد وہ آدمی ہے جس کو خلیفہ مروان نے مدینہ میں حاکم مقرر کر رکھا تھا۔ اس حدیث میں ظہر اور عصر کی قرات کا اجمالی طور پر ذکر کیا ہے یہ نہیں کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھتے تھے۔ بلکہ صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کی نماز میں طویل قرات کرتے تھے۔ اسی طرح عصر کی نماز کے بارے بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ اس مین قصار مفصل پڑھتے تھے یا اوساط مفصل؟ صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے بہر حال نمازوں کی قرات کے سلسلے میں فقہاء نے ایک اصول و نہج بنایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ نمازوں میں قرات کرنے کے سلسلے میں عملی طور پر کوئی خلجان واقع نہ ہو اور وہ یہ کہ فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل و عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب قصار مفصل پڑھی جائیں۔

اس مسئلہ کی وضاحت اس سے پہلے بھی ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں کی جا چکی ہے اور وہاں اس کے اصطلاحی ناموں کی تعریف بھی کی گئی ہے چنانچہ ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ فقہاء کی اصطلاح میں "مفصل" سے سورت حجرات سے سورت والناس تک کی سورتیں مراد ہیں ان سورتوں کو مفصل اس لئے کہا گیا ہے کہ "فصل" کے معنی جدا ہونے کے ہیں چنانچہ سورت حجرات سے ان چھوٹی چھوٹی سورتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ایک دوسری سے درمیان میں بسم اللہ ہونے کی وجہ سے جدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ پھر مفصل یعنی سورت حجرات سے سورت والناس تک کی سورتوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) چھوٹی سورتیں (۲) متوسط سورتین (۳) بڑی سورتیں۔ سورت حجرات سے سورت بروج تک کو طوال مفصل یعنی مفصل کی بڑی سورتیں فرماتے ہیں۔ سورت بروج سے سورت لم یکن (البینہ) تک کو اوساط مفصل یعنی مفصل کی متوسط سورتیں فرماتے ہیں۔ اور سورت لم یکن سے سورت والناس تک کو قصار مفصل کی چھوٹی سورتیں کہتے ہیں۔

ترک گناہ کے سبب نیکی کا ثواب ملنے کا بیان

105 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ: يَا رَبِّ، ذَاكَ عَبْدٌ يُرِيدُ أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً، وَهُوَ أَبْصَرُ بِهِ، فَقَالَ: ارْقُبُوهُ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِمِثْلِهَا، وَإِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّايَ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملائکہ (فرشتے) (بعض وقت) کہتے ہیں: "اے رب! یہ بندہ گناہ کا ارادہ کر رہا ہے۔" اللہ تو اس کو سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے اس پر اللہ فرماتا ہے۔ اس کو دیکھتے رہو، اگر وہ اس کو کرے تو اس کو اس جیسا ہی (ایک گناہ) لکھ لو اور اگر اس کو چھوڑ دے تو اس کو اس کیلئے ایک نیکی لکھ لو، بے شک اس نے اس گناہ کو میری خاطر چھوڑا ہے۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الانعام:۱۶۰)

دس گنا اجر سات سو گنا اور بے حساب اجر کے محامل کا بیان

سعید بن جبیر عطاء اور ابراہیم وغیرہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں الحسنہ سے لا الٰہ الا اللہ کہنا مراد ہے اور السیئہ سے مراد شرک ہے۔

قتادہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ اعمال چھ قسم کے ہیں۔ دو عمل (جزاء اور سزا کو) واجب کرتے ہیں اور دو عمل اجر کو بڑھاتے ہیں اور دو عمل برابر برابر کرتے ہیں۔ جو دو عمل واجب کرتے ہیں وہ یہ ہیں: جو شخص اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص اللہ کے ساتھ اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک کیا ہو وہ دوزخ میں داخل ہوگا اور جو دو عمل اجر بڑھاتے ہیں وہ یہ ہیں جو مسلمان اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور جو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جو عمل برابر برابر ہیں وہ یہ ہیں ایک بندہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جو بندہ برائی کا ارادہ کرے اور اس برائی کو کرلے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا دس گنا اجر اعراب (دیہاتی بادیہ نشین) کے لیے ہے اور مہاجرین کے لیے سات سو گنا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا یہ آیت اعراب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کسی نے پوچھا اور مہاجرین کے لیے کتنا اجر ہے؟ انہوں نے کہا وہ اس سے بہت زیادہ ہے اور یہ آیت پڑھی:

(آیت) ان اللہ لایظلم مثقال ذرۃ و ان تک حسنۃ یضعفھا ویوت من لدنہ اجرا عظیما ۔ (النساء:۴۰)
ترجمہ: بے شک اللہ کسی پر ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا اور اگر کوئی نیکی ہو گی تو اس کو بڑھاتا رہے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔
اور جب اللہ کسی شے کو عظیم فرمائے تو وہ بہت بڑی ہو گی۔ (جامع البیان جز ۸ ص ۱۴۵۔۱۴۲ ملخصا مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (آیت) انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب ۔ (الزمر:۱۰)
ترجمہ: صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہی ہو گا۔
نیک عمل کرنے والوں کو دس گنا اجر بھی ملتا ہے سات سو گنا اجر بھی ملتا ہے اور اللہ اس سات سو گنا کو دگنا بھی فرما دیتا ہے:
(آیت) ومثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشآء واللہ واسع علیم ۔ (البقرہ:۲۶۱)
ترجمہ: جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات بالیں اگائیں ہر بالی میں سو دانے ہیں اور جس کے لیے چاہے اللہ بڑھا دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے۔
اور صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ایک نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے تو اگر انسان ایک دن نماز پڑھ لے اور دس دن نماز نہ پڑھے یا رمضان کے تین دن روزے رکھ لے اور باقی ستائیں دن روزے نہ رکھے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس نماز کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اس روزے کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اجر کی یہ کثرت اس عمل کو ساقط نہیں کرتی جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے اور اجر کی دس مثلوں میں جو ایک مثل ہے اس کو حاصل کرنے کا وہ مکلف نہیں ہے بلکہ اس نیکی کو کرنے کا مکلف ہے جس کا اجر دس نیکیوں کی مثل ہے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کافر کا کفر تو محدود زمانہ میں ہوتا ہے اور اس کو سزا لامحدود زمانہ کی ہوتی ہے تو یہ اس جرم کی برابر سزا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سزا میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ زمانہ جرم کے برابر ہو مثلاً اس زمانہ میں ایک شخص کسی کو ایک منٹ میں قتل کر دیتا ہے اور اس کو سزا عمر قید کی دی جاتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سزا اس کی نیت کے اعتبار سے ہے کیونکہ کافر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دائما کفر کرے گا اس لیے اس کو دوام کی سزا دی جاتی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس کی مثل دس یا اس سے زائد نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا اس کو صرف اسی کی مثل برائی کی سزا ملے گی یا میں اس کو بخش دوں گا۔ اور جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس کے چار ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں اور جو شخص روئے زمین کے برابر گناہ لے کر میرے پاس آئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ اس

سے ملاقات کروں گا۔ (صحیح مسلم الذکر والدعا ۲۲ سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۳۸۲۱ مسند احمد ج ۱۵ رقم الحدیث: ۲۱۳۸۰ طبع قاہرہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تم کوئی گناہ کرو تو اس کے فوراً بعد کوئی نیکی کرو وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا لا الٰہ الا اللہ بھی نیکیوں میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تو افضل نیکی ہے۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند ضعیف ہے۔

(مسند احمد ج ۱۵ رقم الحدیث: ۲۱۳۷۶ جامع البیان ج ۸ ص ۴۵ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۸۱۶۴ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۸۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیک عمل کرو اور وہ اس گناہ کو مٹا دے گا اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ و۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۱۵ رقم الحدیث: ۲۱۲۵۱ سنن الترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۱۹۹۴ سنن داری ج ۲ رقم الحدیث: ۲۷۹۱ المستدرک ج ۱ ص ۵۴ امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے)

اجر میں جو زیادتی کے یہ مختلف مراتب ہیں ان کی توجیہ اس طرح بھی وہ سکتی ہے کہ نیکی کرنے والے کے احوال اور اس کے اخلاص کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بھوکے کو کھانا کھلانا نیکی ہے لیکن اگر ایک کروڑ پتی کسی بھوکے کو کھانا کھلائے تو جیسے اس نے سمندر سے ایک قطرہ خرچ کیا اگر ایک لکھ پتی کھلائے تو وہ اس کے اعتبار سے زیادہ خرچ ہوگا اور اگر ایسا شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلائے جس کے پاس صرف وہی کھانا ہو اور اس شخص کو کھانا کھلا کر وہ خود بھوکا رات گزارے تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی کروڑ پتی اپنی ساری دولت راہ خدا میں خرچ کر دے کیونکہ اس کی کل دولت تو وہی کھانا تھا۔ اس لیے ان کے اجر کے مراتب بھی مختلف ہوں گے اور کروڑ پتی کو دس گنا اجر ملے گا لکھ پتی کو سات سو گنا اور اس تیسرے شخص کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

(تفسیر تبیان القرآن، سورہ انعام، لاہور)

ہر ماہ تین روزے رکھنا سنت ہے

(۶) امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی، اور ابن حبان نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں کہتا ہوں اللہ کی قسم میں ضرور دن کو روزہ رکھوں گا اور رات کو ضرور قیام کروں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں پھر میں نے آپ کے پوچھنے پر عرض کیا کہ میں نے اسی طرح کہا ہے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا تو اس کی طاقت نہیں رکھے گا۔ روزہ رکھو اور کبھی روزہ نہ رکھو رات کو سو جایا کرو اور قیام بھی کرو۔ ہر ماہ تین دن کے روزے رکھو کیونکہ ایک نیکی اس جیسی دس نیکیوں کے ثواب کے برابر ہے اور ہمیشہ روزہ رکھنے کی طرح ہے۔

(۷) امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے (اور امام ترمذی نے صحیح کیا ہے) ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر ماہ تین روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی تصدیق کو نازل کرتے ہوئے فرمایا۔ لفظ آیت من جآء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا (گویا) ایک دن دس دنوں کے برابر

ہے۔

(۸) امام ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل سکھا دیجئے جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا جب تو کوئی برا عمل کرے تو (فورا) نیک عمل کرے۔ کیونکہ ایک نیکی اپنی جیسی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ لا الہ الا اللہ نیکیوں میں سے ہے فرمایا وہ نیکیوں میں سب سے اچھی نیکی ہے۔

(۹) امام ابن ابی حاتم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت من جآء بالحسنة فله عشر امثالها کس کے لئے ہے؟ ہم نے کہا مسلمانوں کے لئے آپ نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم وہ تو صرف دیہاتیوں کے لئے ہے اور مہاجرین کے لئے (ایک نیکی کا ثواب) سات سو گنا تک ہے۔

(۱۰) امام ابو الشیخ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ لفظ آیت من جآء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا یہ دیہاتیوں کے لئے ہے اور مہاجرین کے لئے ایک نیکی کا بدلہ سات سو گنا تک ہے۔

(۱۱) امام عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ یہ آیت لفظ آیت من جآء بالحسنة فله عشر امثالها دیہاتیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور دگنا (اجر ہے) مہاجرین کے لئے اور دوسرے لفظ میں ایک آدمی نے کہا اے ابو عبد الرحمن مہاجرین کے لئے کیا ہے؟ فرمایا وہ جو اس سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ (کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) لفظ آیت ان الله لا يظلم مثقال ذرة وان تك حسنة يضعفها ويوت من لدنه اجرا عظيما اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کے لئے عظیم فرمادیں تو وہ عظیم ہوتی ہے۔

ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہے

(۱۲) امام احمد نے ابو سعید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن کا غسل کیا اور مسواک کیا اور خوشبو لگائی اگر اس کے پاس ہے اور اچھے کپڑے پہنے۔ پھر وہ باہر نکلا یہاں تک کہ مسجد میں آیا اور لوگوں کی گردنوں کا نہ پھاندا۔ پھر اس نے کچھ رکعتیں پڑھیں جو اللہ نے چاہا پھر خاموش رہا جب امام (خطبہ کے لئے) نکلا اور کوئی بات نہیں کی یہاں تک کہ اپنی نماز سے فارغ ہو گیا۔ یہ عمل اس جمعہ اور اس سے پہلے والے جمعہ کے درمیان تک (سب گناہوں) کا کفارہ ہوگا (یعنی ہفتہ بھر کے گناہ معاف ہو گئے) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تین دن کے مزید (گناہ معاف ہوں گے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر نیکی کو (اجر کے لحاظ) سے اس جیسی دس نیکیوں کے برابر قرار دیا ہے۔

(۱۳) امام ابن ابی حاتم نے قتادہ رحمۃ اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے لفظ آیت من جآء بالحسنۃ الایہ کے بارے میں فرمایا کہ ہم کو یہ بات ذکر کی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے جب ایک بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے پھر کرتا نہیں تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور جب کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے پھر اس پر عمل کرتا ہے تو اس کے لئے ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

(۱۴) امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابن مردویہ اور بیہقی نے الاسماء والصفات میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان روایات میں سے جو انہوں نے اپنے رب سے روایت کیں کہ جو شخص ایک نیکی کا ارادہ کرے اور پھر اس پر عمل نہیں کیا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اس پر عمل کرے تو اس کے لئے دس سے لے کر سات سو تک اور اس سے بھی زائد کئی گنا تک لکھی جاتی ہیں۔ اور جس شخص نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اس کے لئے بھی ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور اگر اس پر عمل کر لیا تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کو ہلاک نہیں کرے گا مگر اسے جو خود ہلاکت کا خواہش مند ہو۔

(۱۵) امام احمد، مسلم، ابن ماجہ، ابن مردویہ، بیہقی نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص ایک نیکی کرے تو اس کے لئے اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ثواب ہے اور زیادہ بھی اور جو شخص ایک برائی کرے تو اس کی جزا اس کی مثل ہے یا اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور جو شخص زمین کے برابر گناہ کرے پھر مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے اور وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو میں اس کے برابر اس کی مغفرت کر دوں گا۔ اور جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں ایک گز بھر اس کی طرف قریب ہوتا ہوں اور جو شخص میرے پاس چل کر آئے گا میری رحمت اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے گی۔

(۱۶) امام ترمذی نے (اور اس کی تصحیح بھی کی ہے) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ان کا قول سچا ہے جب میرا بندہ ایک نیکی کا ارادہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دو۔ اور جب وہ اس پر عمل کرے تو میں اس کے لئے ایک جیسی دس نیکیاں لکھ دو۔ اور جب برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے کچھ نہ لکھوا اور اگر وہ برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے برابر (یعنی ایک ہی گناہ) لکھ دو اور اگر وہ اس ارادے پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دو پھر یہ آیت لفظ آیت من جآء بالحسنة فله عشر امثالها پڑھی۔

(۱۷) امام ابویعلی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک نیکی کا ارادہ کرے اور (پھر) اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اس پر عمل کرے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے کوئی چیز نہیں لکھی جاتی۔ اور اگر اس پر عمل کرے تو اس کے لئے ایک ہر برائی لکھی جاتی ہے۔

(۱۸) امام طبرانی نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک جمعہ اپنے اور دوسرے جمعہ کے درمیانی ایام میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ اور تین دن سے زائد کا بھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت من جآء بالحسنة فله عشر امثالها ۔

جمعہ کی نماز پڑھنے والے تین طرح کے لوگ ہیں

(۱۹) امام ابی حاتم اور ابن مردویہ نے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے باپ دادا سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ (کی نماز) میں تین قسم کے لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ ایک آدمی حاضر ہو کر لغو باتیں کرتا ہے تو اس

کے لئے جمعہ سے وہی حصہ ہوتا ہے اور ایک آدمی حاضر ہو کر دعا کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں اس کو عطا فرمادیں اور اگر چاہیں تو روک دیں اور ایک۔ آدمی حاضر ہو کر چپ رہتا ہے۔ کسی مسلمان کی گردن نہیں پھاندتا اور کسی کو تکلیف نہیں دیتا تو اس کے لئے اس جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک کے لئے مزید تین دن کے لئے (سب گناہوں) کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت من جآء بالحسنة فله عشر امثالها ۔

(۲۰) امام ابن مردویہ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور خوشبو لگائی اگر اس کو پایا۔ پھر وہ مسجد میں آیا اور کسی کو تکلیف نہ دی اور کسی (کی گردن) کو نہ پھاندا تو اس کے لئے اس جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک اور مزید تین دن کے لئے (سب گناہوں کا) کفارہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت بالحسنة فله عشر امثالها

(۲۱) امام ابن مردویہ نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک نیکی اس جیسی دوسری نیکیوں کے برابر ہے۔

(۲۲) امام ابن مردویہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صیام الدھر کے بدلے میں ہر ماہ میں سے تین دن کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا کیونکہ ایک نیکی اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ہے۔

(۲۳) امام ابن مردویہ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا ہر ماہ میں سے تین دن کے روزے رکھنا (گویا) پورا زمانہ روزے رکھنے کے برابر ہے۔ اور ایک دن کا روزہ دس دنوں کے برابر ہوتا ہے (ثواب کے لحاظ سے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت من جآء بالحسنة فله عشر امثالها ۔

(۲۴) امام احمد نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی ہر نیکی کے ثواب کو اس جیسی دس نیکیوں سے لے کر سو گنا تک بنا دیا ہے سوائے روزہ کے اور (روزہ کے بارے میں فرمایا) کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔

(۲۵) امام ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن حبان نے (اور اس کو صحیح بھی کہا) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو خصلتیں ایسی ہیں کہ کوئی مسلمان بندہ ان کی حفاظت نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ جنت میں داخل ہوگا اور دونوں آسان ہیں اور تھوڑی سی ہیں اور ان کے مطابق عمل کرنے والے تھوڑے ہیں ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور دس مرتبہ الحمد للہ کہنا اور دس مرتبہ اللہ اکبر کہنا تو یہ زبان سے ادا ہونے میں تو ایک سو پچاس ہیں اور ڈیڑھ ہزار ہیں میزان میں اور اللہ اکبر پڑھنا چونتیس مرتبہ جب بستر پر لیٹے اور الحمد للہ پڑھے تینتیس مرتبہ اور سبحان اللہ پڑھے تینتیس مرتبہ یہ سو مرتبہ ہوں گے زبان پر اور ہزار ہوں گے میزان میں اور کوئی شخص تم میں سے دن میں یا رات میں ڈھائی ہزار گناہ کرے گا؟ (یعنی ڈھائی ہزار نیکیوں کے مقابلہ میں ڈھائی ہزار گناہ کون کرے گا)

(۲۶) امام ابن ابی شیبہ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص

نے کسی مریض کی عیادت کی یا کسی تکلیف دینے والی چیز کو راستے سے ہٹا دیا تو اس کی اس نیکی (کا ثواب) اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔

قرآن کی تلاوت میں ہر حرف پر دس نیکیاں

(۲۷) امام طبرانی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ قرآن کو سیکھو اور اس کی تلاوت کرو بلا شبہ تم اس میں سے ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیاں دیئے جاؤ گے میں یہ نہیں کہتا کہ الم (کے پڑھنے پر) دس نیکیاں ہیں بلکہ الف لام میم (یہ تین حروف ہیں) تو تیس نیکیاں ہوں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت **من جآء بالحسنة فله عشر امثالها**

(۲۸) امام احمد، حاکم اور بیہقی نے الشعب میں (اور حاکم نے تصحیح بھی کی ہے) خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ چار قسم کے ہیں اور اعمال چھ قسم کے ہیں۔ دو واجب کرنے والے ہیں مثل بمثل (یعنی عمل کے برابر بدلہ دیا جاتا ہے) اور دس گنا اجر اور سات سو گنا اجر جو شخص کافر ہو کر مرا اس کے لئے جہنم واجب ہوگئی۔ اور جو شخص مومن ہو کر مرا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ اور بندہ کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کا بدلہ اسی کے برابر ہوگا (یعنی اتنی ہی سزا ملے گی) اور کوئی بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اور جب بندہ نیک کام کرتا ہے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جو بندہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے تو اسے سات سو گنا تک اجر دیا جاتا ہے اور لوگ چار قسم کے ہیں وہ لوگ جو دنیا میں خوشحال ہیں آخرت میں بھی خوشحال ہوں گے اور وہ لوگ جو دنیا میں خوشحال ہیں اور آخرت میں تنگدست ہوں گے وہ لوگ جو دنیا میں تنگدست ہیں آخرت میں خوشحال ہوں گے۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں اور آخرت میں تنگدست ہوں گے۔

(۲۹) امام ابن مردویہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نیکی کہ جس پر کوئی مسلمان بندہ عمل کرتا ہے اس کے بدلے دس سے لے کر سات سو گنا تک نیکیاں اس جو دی جاتی ہیں۔

(۳۰) امام ابن مردویہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی ایک نیکی کا ارادہ کیا اس کے مطابق عمل نہ کیا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اور اگر اس نے اس پر عمل کر لیا تو اس کے لئے اس جیسی دس نیکیاں سے لے کر سات سو سات گنا تک لکھی جاتی ہیں۔

(۳۱) امام ابن مردویہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے میں ایک ہزار نیکیاں عطا فرماتے ہیں پھر (یہ آیت) پڑھی لفظ آیت **من جآء بالحسنة فله عشر امثالها**

(۳۲) امام ابوداؤد، طیالسی، ابن حبان اور بیہقی نے شعب میں ابو عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم ایک سفر میں ابو ہریرہ کے ساتھ تھے کھانا حاضر ہوا تو ہم نے ابو ہریرہ کی طرف بھیج دیا وہ قاصد واپس آیا کہ وہ روزہ سے ہیں کھانا رکھ دیا گیا تا کہ کھایا جائے۔ ابو ہریرہ آئے اور کھانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اس آدمی کی طرف دیکھا جس کو انہوں نے اس کے پاس بھیجا تھا اس نے کہا تم میری طرف کیوں دیکھتے ہو اللہ کی قسم انہوں نے مجھے کہا تھا کہ وہ روزہ سے ہیں ابو ہریرہ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صبر کے مہینے کا روزہ اور ہر ماہ میں سے تین دن کے

روزے (کا ثواب) ہمیشہ روزے رکھنے (کے برابر ہے) اور میں روزہ رکھنے والا ہوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کئی گنا کرنے کے اعتبار سے اور افطار کرنے والا ہوں اس کی تخفیف کے اعتبار سے اور ابن حبان کا لفظ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص ہر ماہ تین روزے رکھے تو اس نے گویا پورے ماہ کے روزے رکھے اور میں ہر ماہ میں سے تین روزے رکھتا ہوں۔ اور بلاشبہ میں نے پورے ماہ کے روزے رکھے اور میں نے پالی ہے اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں لفظ آیت من جآء بالحسنة فله عشر امثالها

(۳۳) امام نسائی، احمد اور بیہقی نے الشعب میں ازرق بن قیس سے اور انہوں نے بنو تمیم کے ایک آدمی سے روایت کیا کہ حضرت معاویہ کے دروازہ پر تھے اور ہمارے ساتھ ابوذر بھی تھے انہوں نے کہا کہ میں روزہ سے ہوں جب ہم (اندر) داخل ہوئے اور دستر خوان پر رکھے گئے تو ابوذر نے کھانا شروع کر دیا۔ میں نے ان کی طرف دیکھا انہوں نے فرمایا تجھ کو کیا ہوا؟ میں نے کہا آپ نے بتایا کہ آپ روزے سے ہیں فرمایا ہاں کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا میں نے کہا (پڑھا ہے) فرمایا شاید تو نے اس میں سے اکیلے (ثواب) کو پڑھا ہے اور دگنا (ثواب کو) نہیں پڑھا۔ یعنی لفظ آیت من جآء بالحسنة فله عشر امثالها پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صبر کے مہینہ کے روزے اور ہر مہینہ سے تین روزے رکھنا نیکی ہے۔ پھر فرمایا ہمیشہ روزہ رکھا لے جاتا ہے مغلۃ الصدر کو میں نے عرض کیا مغلۃ الصدر کیا ہے۔ فرمایا شیطان کی غلاظت اور گندگی۔

(۳۴) امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے پیچھے چھ روزے شوال میں سے رکھ لئے تو وہ صیام الدھر کے برابر ہے (یعنی اس کو ہمیشہ روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا)

(۳۵) امام احمد اور بیہقی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے رمضان کے روزے اور شوال کے چھ روزے رکھے گویا اس نے سارا سال کے روزے رکھے۔

(۳۶) امام بزار اور بیہقی نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ماہ کے روزے دس ماہ کے روزوں کے بدلے میں ہیں اور اس کے بعد چھ روزے دو ماہ کے بدلہ میں ہیں اور یہ پورا سال ہو گیا یعنی رمضان کے روزے اور اس کے بعد چھ دن کے روزے۔

(۳۷) امام ابن ماجہ نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے گویا اس نے سارا سال کے روزے رکھے کیونکہ فرمایا لفظ آیت من جآء بالحسنه فله عشر امثالها

مدینہ منورہ میں سب سے پہلا خطبہ

(۳۸) امام بیہقی نے دلائل میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ پہلا خطبہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اللہ کی حمد و ثناء بیان فرمائی جیسے اس کی شان کے مناسب ہے پھر فرمایا امابعد اے لوگو اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو اور تم یقیناً پا لو گے۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ایک کو کئی گنا عطا فرمائے گا۔ پھر

وہ ضرور چھوڑ دے گا اپنی بکریوں کو اس حال میں کہ اس کے لئے کوئی چرانے والا نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب اس سے ضرور کہے گا کہ اس کے لئے نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ کوئی دربان ہوگا جو اسے اس کے قریب آنے سے روک دے۔ کیا تیرے پاس میرا رسول نہیں آیا تھا جس نے میرا پیغام تجھ کو پہنچایا تھا اور میں نے تجھ کو مال دیا تھا۔ اور میں نے تجھ کو فضیلت دی تھی سو تو نے اپنی جان لے لئے کیا بھیجا؟ وہ دیکھے گا دائیں طرف اور بائیں طرف کوئی چیز کو اس کو نظر نہیں آئے گی۔ پھر وہ اپنے آگے دیکھے گا تو سوائے جہنم کے کوئی چیز دکھائی نہیں پڑے گی۔ پس جو یہ استطاعت رکھتا ہے کہ وہ بچالے اپنے چہرے کو آگ سے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہو تو اس کو چاہئے کہ ایسا کرے۔

اور جو شخص اس کو بھی نہ پائے تو اچھے کلمہ کے ساتھ بچالے کیونکہ اس کے ذریعے بدلہ دیا جائے گا ایک نیکی کا اس جیسی دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا تک اور سلامتی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکت ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا بلاشبہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس سے مدد مانگتا ہوں ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اپنی جانوں کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیں اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیں اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں بلاشبہ کلام اللہ کی کتاب ہے وہ شخص کامیاب ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مزین کر دیا اس کے دل میں، اور اس کو اسلام میں داخل کر دیا کفر کے بعد اور اس کے سوا لوگوں کے کلام میں اس کو ترجیح دی اور پسند کیا۔ کیونکہ وہ تمام کلاموں سے زیادہ حسین کلام ہے۔ اور سب سے زیادہ بلاغت والی ہے اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں میں سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے تمام دلوں کے لئے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور نہ اکتا جاؤ اللہ تعالیٰ کی کلام سے اور اس کے ذکر سے اور نہ سخت کر لو اس سے اپنے دلوں کو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جسے پسند فرما لیتا ہے اور چن لیتا ہے تو اسے یہ نام دے دیتا ہے کہ یہ اعمال میں سے پسندیدہ ہیں بندوں میں سے یہ پسندیدہ اور چنا ہوا ہے۔ کلام کے اعتبار سے صالح ہے اور اس میں لوگوں کے لئے حلال اور حرام کا تذکرہ کیا گیا ہے پس تم ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا۔ اور اللہ تعالیٰ سے سچی بات کہو جو اپنے مونہوں سے کہتے ہو اور ایک دوسرے کی ہمدردی کیا کرو اللہ کی مدد کے ساتھ آپس میں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غصہ فرماتے ہیں اس شخص سے جو اپنے عہد کو توڑ دیتا ہے اور سلامتی ہو تم پر اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت ہو۔ (تفسیر درمنثور، سورہ انعام، بیروت)

عقیدہ توحید اور سورہ اخلاص کا بیان

106 —وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: كَذَّبَنِي عَبْدِي وَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ لَهُ، وَشَتَمَنِي عَبْدِي وَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ لَهُ، أَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ: لَنْ يُعِيدَنَا كَمَا بَدَأَنَا، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ: اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا، وَأَنَا الصَّمَدُ لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: میرا بندہ مجھے جھٹلاتا ہے اور یہ اس کے لیے مناسب نہیں

اور میرا بندہ مجھے گالی دیتا ہے اور یہ اس کے لیے مناسب نہیں اس کا یہ کہنا مجھے جھٹلانا ہے کہ: "وہ ہم کو اس طرح ہرگز دوبارہ پیدا نہ کرے گا جس طرح اس نے ابتداء میں پیدا کیا تھا۔" اس کا یہ کہنا مجھے گالی دینا ہے کہ: "اللہ نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے۔ اور میں بے نیاز ہوں نہ جنتا ہوں اور نہ جنا گیا ہوں اور نہ میر کوئی ہمسر ہے۔

سورت الاخلاص کے فضائل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لئے یہ جائز نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لئے یہ جائز نہ تھا، ابن آدم کی تکذیب یہ ہے کہ کس نے کہا: وہ اس کو دوبارہ نہیں پیدا کر سکے گا جیسے پہلے پیدا کیا تھا حالانکہ پہلے پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے، اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا، اللہ نے بیٹا بنا لیا حالانکہ میں الاحد الصمد (واحد اور بے نیاز) ہوں، حالانکہ میری اولاد ہے نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرا کفو (ہم سر) ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 4974-4975)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجیے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمادی: قل ھو اللہ احد ۔ اللہ الصمد ۔ پس مصدہ وہ ہے جو نہ کسی کی اولاد نہ ہو، نہ اس کی کوئی اولاد ہو کیونکہ ہر ولد عنقریب مر جائے گا اور جو مرتا ہے اس کا عنقریب کوئی وارث ہوتا ہے اور بے شک اللہ عزوجل مرے گا نہ اس کا کوئی وارث ہوگا، ولم یکن لہ کفواً احد آپ نے فرمایا: اس کا کوئی مشابہ ہے نہ کوئی ہم سر ہے اور نہ کوئی چیز اس کی مثال ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۴، مسند احمد ج ۵ ۱۳۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھے، صحابہ نے کہا: ہم کیسے تہائی قرآن پڑھ سکتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا: قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۱ الرقم المسلسل: ۱۸۵۵)

اسی سند سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین حصے کئے ہیں اور قل ھو اللہ احد کو قرآن مجید کا ایک حصہ بنایا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۱ (بلا تکرار) الرقم المسلسل: ۱۸۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ جمع ہو جاؤ، میں عنقریب تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا، پھر جنہوں نے جمع ہونا تھا، وہ جمع ہو گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور آپ نے سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھی، پھر آپ چلے گئے، پھر ہم میں سے بعض نے کہا، میرے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمایا: میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا، سنو! بے شک یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۲ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک لشکر میں بھیجا اور وہ اپنے اصحاب میں نماز پڑھاتے تھے، وہ سورت ملانے کے بعد آخر میں سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے، جب لشکر کے لوگ واپس آئے تو

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ان سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ان لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے کہا، یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے، اس لئے میں اس کو پڑھنا پسند کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: ان سے کہو کہ اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۳۷۵ صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۱۳ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۹۹۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص (حضرت کلثوم بن ھدم) مسجد قباء میں امامت کرتے تھے، وہ جب بھی نماز میں کئیوسورت ملاتے تو قل ھو اللہ احد سے ابتداء کرتے، پھر اس کے بعد کوئی اور سورت پڑھتے اور وہ ہر رکعت میں اسی طرح کرتے تھے، ان کے اصحاب نے کہا، آپ پہلے یہ سورت پڑھتے ہیں اور اس کو کافی نہیں سمجھتے اور کوئی اور سورت ملاتے ہیں، آپ یا تو اسی سورت کو پڑھیں یا اس کو چھوڑ کر کوئی اور سورت پڑھیں، انہوں نے کہا، میں اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، تم کو پسند ہو تو میں تم کو امامت کراؤں اور پسند نہ ہو تو امامت نہ کراؤں، اور لوگ ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور کسی اور کو امام بنانا، ناپسند کرتے تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آئے تو انہوں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا، آپ نے ان صاحب سے فرمایا، تم اپنے اصحاب کی بات کیوں نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورت کو لازماً پڑھنے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے کہا: میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: اس سورت کی محبت نے تم کو جنت میں داخل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۷۴، (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۹۰۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۹۲ مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۱)

گرمیوں میں نماز ظہر میں تاخیر کے استحباب کا بیان

107 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْرِدُوا عَنِ الْحَرِّ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دھوپ ذرا ٹھنڈی ہونے کے بعد نماز پڑھو، کیونکہ سخت دھوپ دوزخ کی بھاپ ہے۔

نماز ظہر کو گرمیوں میں ٹھنڈا کرنے پر فقہی مذاہب کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی زیادہ ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے اس باب میں ابوسعید ابوذر ابن عمر مغیرہ اور قاسم بن صفوان سے بھی روایت ہے قاسم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور ابوموسیٰ ابن عباس اور انس سے بھی روایات مذکور ہیں اس باب میں حضرت عمر سے بھی روایت ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ حسن صحیح ہے اہل علم کی ایک جماعت نے شدید گرمی میں ظہر کی نماز میں تاخیر کو اختیار کیا ہے یہی قول ہے ابن مبارک احمد اور اسحاق کا امام شافعی کے نزدیک ظہر میں تاخیر اس وقت کی جائے جب لوگ دور سے آتے ہوں لیکن اکیلا نمازی اور وہ شخص جو اپنی قوم میں نماز پڑھتا ہو اس کے لئے بہتر ہے کہ سخت گرمی میں بھی نماز میں تاخیر نہ کرے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں جن لوگوں نے شدید گرمی میں تاخیر ظہر کا مذہب اختیار کیا ہے وہ اتباع کے لئے بہتر ہے اور امام شافعی کا یہ قول کہ اس کی اجازت اس کے لئے ہے جو دور سے آتا ہو تا کہ لوگوں پر مشقت نہ ہو حضرت ابوذر کی حدیث اس کے خلاف دلالت کرتی ہے حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ بلال نے اذان دی ظہر کی نماز کے لئے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال ٹھنڈا ہونے دو پھر انہوں نے ٹھنڈا ہونے دیا اگر امام شافعی کے قول کے مطابق بات ہوتی تو ایسے وقت میں ٹھنڈا کرنے کا کیا مطلب کیونکہ سفر میں سب اکٹھے تھے دور سے آنے کی حاجت نہیں تھی۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 151)

108- وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جب وضو ٹوٹ جائے یہاں تک کہ وہ دوبارہ وضو کر لے۔

شرح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کا وضو حالت نماز میں ٹوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی ناک پکڑ کر نماز سے نکل آئے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 971)

مطلب یہ ہے کہ اگر حالت نماز میں کسی آدمی کی ریح خارج ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ناک پکڑ کر وضو کے لئے چلا جائے تاکہ لوگ یہ گمان کریں کہ نکسیر پھوٹی ہے۔ ناک پکڑ کر نماز سے نکلنے کا حکم اس لئے فرمایا گیا تاکہ ایسا آدمی ایسے موقعہ پر شرمندگی و ندامت سے بچ جائے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جس آدمی کی ریح خارج ہوئی ہے عام طور پر شرمندگی و ندامت کا باعث بنتا ہے پھر یہ کہ لوگ اس کے بارے میں کوئی چہ میگوئی نہ کریں گے بلکہ یہ جانیں گے کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے نماز سے نکل گیا ہے۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی آدمی سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو لوگوں کی نظروں میں معیوب اور محل اعتراض بنتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس فعل کو پوشیدہ رکھے اور لوگوں پر ظاہر نہ کرے تاکہ لوگ نہ اس کے بے آبروئی کے درپے ہوں اور نہ کھلم کھلا اس کی طرف وہ عیب منسوب کیا جائے جسے وہ چھپائے رکھنا چاہتا ہے اور اس کا یہ فعل چھپانا جھوٹ میں شمار نہیں ہوگا بلکہ معاریض (کسی واقعہ کو اس طرح بیان کرنا کہ واقعہ کی پوری صراحت نہ ہو ایسے انداز کو تعریض فرماتے ہیں۔۱۲)۔ کی قسم سے ہوگا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم میں سے کسی کا وضو اس وقت ٹوٹے جب کہ وہ اپنی نماز کے آخری قعدے میں (بمقدار تشہد بیٹھ چکا) ہو اور سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی اسناد مضبوط نہیں ہے اور انہوں نے اس کی اسناد میں اضطراب ہونا بیان کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 972)

حدیث کی مذکورہ صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قصداً وضو توڑے گا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی کیونکہ اس کے نزدیک نمازی کا اپنے کسی بھی فعل کے ذریعے نماز سے نکلنا فرض ہے یعنی اگر کوئی آدمی نماز کے

پورے ارکان ادا کرنے کے بعد نماز کو مکمل طور ختم کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا فعل اختیار کرے جو نماز کے خاتمے کا ذریعہ بن جائے جیسا کہ سلام پھیرنا۔

اتنی بات سمجھ لیجئے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نماز کو محض سلام کے ذریعے ہی ختم کرنا فرض نہیں ہے بلکہ اگر کوئی آدمی نماز کے ارکان کے بعد بجائے سلام پھیرنے کے کوئی ایسا دوسرا فعل اختیار کرے جو نماز کے منافی ہو تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی آخری قعدے میں تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد قصداً اپنا وضوتوڑ ڈالے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی کیونکہ اس نے نماز کے ارکان پورے کرنے کے بعد ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو نماز کے خاتمہ کا ذریعہ بن گیا ہے اگر چہ وہ ترک واجب کا گنہ گاہ ہوگا مگر فرض ادا ہو جائے گا کیونکہ امام اعظم کے نزدیک سلام کے ذریعہ نماز کو پورا کرنا واجب ہے۔ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک قصداً وضوتوڑنے کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورت میں کسی کا وضوخود بخود ٹوٹ جائے تو اس کی نماز تمام ہو جائے گی یعنی فرض پورا ہو جائے گا۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ حدیث قصداً وضوتوڑنے پر محمول ہے اور صاحبین کے نزدیک مطلق ہے خواہ کوئی قصداً وضوتوڑ دے یا اس کا وضوخود بخود ٹوٹ جائے۔

یہ حدیث حنفیہ خصوصاً صاحبین کے مسلک کی موید ہے بخلاف حضرات امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے کہ ان کے نزدیک نماز کو صرف سلام کے ذریعے پورا کرنا فرض ہے۔ حدیث مضطرب وہ حدیث کہلاتی ہے جو مختلف الفاظ اور مختلف وجوہ سے نقل کی گئی ہو اور یہ چیز حدیث کے ضعف کی علامت ہوتی ہے کیونکہ حدیث کا اس طرح مروی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ راویان حدیث کو حدیث پوری طرح یاد نہیں رہی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو مضطرب وضعیف تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے جن کو امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے اور اصول حدیث میں یہ بات مسلم ہے کہ کسی حدیث ضعیف کا متعدد طرق سے مروی ہونا اسے حسن کے قریب کر دیتا ہے۔

اطمینان اور وقار کے ساتھ مسجد میں جانے کا بیان

109 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ فَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَمْشُونَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا سُبِقْتُمْ فَأَتِمُّوا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کے لیے اذان دی جائے تو اس کے لیے لے جاؤ مگر اس طرح چلو کہ تم پرسکون واطمینان ہو، جتنی نماز ملے اس کو پڑھ لو اور جو چھوٹ گئی ہے اس کو پورا کر لو۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو تم (جماعت میں شامل ہونے کے لئے) دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ وقار وطمانیت کے ساتھ اپنی چال آؤ، جس قدر نماز تم کو (امام کے ساتھ) مل جائے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے (امام کے سلام کے بعد اٹھ کر) اسے پوری کر لو (صحیح البخاری وصحیح مسلم) اور مسلم کی ایک

روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو (حکماً) نماز ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 651)

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جاتی ہے تو وہ لوگ جو دیر سے مسجد پہنچتے ہیں نماز میں شامل ہونے کے لئے اور خصوصاً اس وقت جب کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے بہت بے تکے طریقے سے بھاگتے ہوئے آتے ہیں اور نماز میں شریک ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو اس حدیث سے متنبہ ہونا چاہئے کہ ان کا یہ طریقہ سراسر منشاء شریعت کے خلاف ہے۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جماعت کھڑی ہو جانے پر بھاگ کر آنا جائز نہیں ہے بلکہ علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر آنا کمزوری عقل اور غفلت کی علامت ہے کیونکہ نماز کے لئے مستعدی اور چستی اس طرح تو شریعت کی نظر میں قابل تعریف ہوگی کہ اگر کسی کو تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے یا کسی رکعت کے چھوڑ جانے کا خوف ہو تو وہ پہلے ہی جلدی کر لیا کرے اور جماعت شروع ہونے سے پہلے مسجد پہنچ جایا کرے۔ (حضرت شیخ عبدالحق)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کے ہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کسی آدمی کو تکبیر اولیٰ کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ دوڑتا ہوا آئے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایسا آدمی دوڑ کر آ سکتا ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بقیع میں تھے کہ انہوں نے مسجد سے تکبیر کی آواز سنی تو دوڑتے ہوئے مسجد کی طرف آئے۔ اور بعض علماء نے یہ مناسب قرار دیا ہے کہ ایسے آدمی کو اس حدیث کے پیش نظر وقار و طمانیت کے ساتھ ہی چل کر مسجد آنا چاہئے کیونکہ جو آدمی نماز کا ارادہ کرتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہوگا جو نادانستہ یا کسی مجبوری و معذوری کی بناء پر لیٹ ہو جائے ورنہ اگر کوئی آدمی دانستہ نماز میں آنے کے لئے دیر کرے تو وہ اس میں شامل نہیں۔

بہر حال اس سلسلے میں صحیح اور مناسب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی تاخیر سے مسجد میں پہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ جماعت میں شریک ہونے کے لئے وقار و طمانیت کے ساتھ تیز تیز چل کر آئے بالکل بے تکے طریقے سے دوڑتا ہوا نہ آئے تاکہ اس حدیث پر عمل بھی ہو جائے اور تکبیر اولیٰ کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اسی طرح نماز جمعہ کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر کسی آدمی کو مسجد پہنچنے میں دیر ہو جائے اور اس بات کا یقین ہو کہ اگر جلدی نہ کی تو امام سلام پھیر دے گا اور میں نماز سے رہ جاؤں گا تو اسے تیزی سے آ کر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جانا چاہئے۔

اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں

اس مسئلہ میں لوگوں نے ایک من گھڑت دلیل کو عوام الناس میں پھیلانے کی کوشش کی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے ہی اللہ کا نام لیا جائے تو تم اس کے احترام کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی بھی خلاف سنت کام کسی قسم کے ثواب یا اجر کا حامل نہیں ہوتا۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں تشریف لانے سے

پہلے اٹھ جاتے اور آپ کے آنے سے پہلے ہی اپنے کھڑے ہونے کی جگہوں کو سنبھال لیتے ،تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر تخفیف ونرمی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: نماز کیلئے جلدی کھڑے نہ ہوا کرو مجھے دیکھ کر کھڑے ہوا کرو۔

(سنن کبریٰ، ج ۲،ص ۲۰،مطبوعہ بیروت)

امام بیہقی علیہ الرحمہ کی یہ روایت بڑی واضح طور پر بتا رہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کر دیا۔لہٰذا جو لوگ اقامت کے وقت ابتداء ہی میں کھڑے ہو جائیں انہیں کھڑے ہونے سے منع کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

ایک جماعت کے بہت بڑے عالم سے ہمارا جب اس مسئلہ میں مباحثہ ہوا،تو ہم نے ان سے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے صحیح بخاری سے حدیث پیش کی ،جس میں یہ تعین موجود تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اقامت کے وقت کھڑے ہونے سے منع کیا۔اور اس طویل مباحثہ کے آخر وقت تک ہم اس سے مطالبہ کرتے رہے کہ ہمیں صحیح بخاری کی حدیث میں بیان کردہ امام کی نفی کا تعین آپ اپنے مؤقف کے مطابق بیان کردیں ،لیکن آخر کار وہ عالم صاحب عاجز آ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ۔کہ اس مسئلہ کی کچھ مزید تحقیق کے بعد وہی مؤقف اپناؤں گا جو آپ کا مؤقف ہے۔لیکن افسوس! وہ عالم عاجز آ کر بھی اس مسئلہ کو ماننے کیلئے تیار نہ ہوا۔حالانکہ اس عالم صاحب نے مسجد میں بیٹھ کر ہمارے سامنے اس بات کا اقرار کیا تھا۔اب ہم قارئین کے سامنے صحیح بخاری کی وہی حدیث بیان کر رہے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ اقامت کے شروع میں کھڑے نہ ہوں۔

عن ابی قتادة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔

(صحیح بخاری، ج ۱،ص ۸۸،قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کیلئے اقامت کہی جائے تم کھڑے نہ ہو جاؤ جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

اس حدیث مبارکہ میں لفظ ''اذا'' موجود ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کھڑا ہونا اس وقت منع ہے جس وقت اقامت کہی جائے کیونکہ اقامت سے پہلے تو کھڑے ہونے کا معنی ومفہوم بنتا ہی نہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابتدائے اقامت کے وقت کھڑے ہوئے تھے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حجرہ مبارک سے ''حی علی الصلوٰۃ'' کے وقت تشریف لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم 'قد قامت الصلوٰۃ'' کے وقت کھڑے ہوتے تھے۔اس کی تائید اس حدیث سے ہے۔

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جیسے ہی مؤذن نے اقامت کہنا شروع کی ،تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے ،اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔جب مؤذن ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہے تب کھڑے ہونا۔

(المصنف،باب قیام الناس عند الاقامۃ، ج ۱،ص ۵۰۶،دار القلم،بیروت)

اقامت میں اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی کھڑا ہونا مکروہ ہے

فقہ حنفی کے چھ سو متفقہ علماء کے بورڈ سے مرتب کیا جانے والا فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔ جب کوئی شخص اقامت میں داخل ہوتو اس کیلئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تو کھڑا ہو جائے۔

(مضمرات، عالمگیری، ج ۱، ص ۵۷، بولاق مصر)

اب بدعقیدہ لوگوں کو یا تو فقہ حنفی کا پرچار کرنا چھوڑ دینا چاہیے یا پھر صحیح معنوں میں اس پر عمل کریں ویسے عوام میں بڑے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ یہ لوگ فقہ حنفی کا نام استعمال کرتے ہیں لیکن ایک وہ عمل جس کو فقہ حنفی نے مکروہ لکھا ہے اس پر انتہائی سختی سے عمل کرتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ صرف اسے ہی اپنائے ہوئے ہیں جس میں اہل سنت و جماعت کی مخالفت لازم آئے۔

قاتل ومقتول دونوں کے جنتی ہونے کا بیان

110 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَضْحَكُ اللّٰهُ لِرَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الآخَرَ، كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ ، قَالُوا: وَكَيْفَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: يُقْتَلُ هَذَا فَيَلِجُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى الْآخَرِ فَيَهْدِيهِ إِلَى الْإِسْلَامِ، ثُمَّ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُسْتَشْهَدُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دیا ہو اور پھر بھی دونوں جنت میں جائیں۔ لوگوں نے عرض کیا: کس طرح؟ یا رسول اللہ! فرمایا: یہ قتل ہو گیا اس لیے جنت میں داخل ہوگا، پھر دوسرے پر اللہ مہربانی کرے گا اور اس کو اسلام کی ہدایت دے گا، پھر وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرے گا اور شہید ہو جائے گا۔

کسی چیز خریداری ہونے پر بیع نہ کرنے کا بیان

111 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ أَحَدُكُمْ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلَا يَخْطِبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارا بھائی کوئی چیز خرید رہا ہو تو تم اس کو نہ خریدو، اور اگر تمہارا بھائی منگنی کر رہا ہو تو تم (اسی عورت سے) منگنی نہ کرو (بلکہ انتظار کرو کہ وہ فارغ ہو جائے پھر جو چاہے کرو)

شرح

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے نکاح کے پیغام پر اپنے نکاح کا پیغام بھیجے الا یہ کہ اس کو اس کی اجازت دی جائے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 80) کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے

حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے کسی عورت کے پاس اس سے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو اب کسی دوسرے مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بھی اس عورت کے پاس اپنا پیغام بھیج دے مگر یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب کہ طرفین مہر کی ایک معین مقدار پر راضی ہو گئے ہوں تمام معاملات طے ہو چکے ہوں اور صرف نکاح ہونا باقی رہ گیا ہو۔ حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے معاملات خرید وفروخت یا پیغام نکاح میں مداخلت نہ کرنے کا حکم اسی وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ فریقین معاملے کو ترک نہ کر دیں مثلاً اگر صاحب معاملہ یہ کہہ دے کہ میں یہ چیز نہیں خرید رہا ہوں نیز تم خرید لو یا اس عورت سے میں نکاح نہیں کروں گا تم اپنا پیغام بھیج دو تو اس صورت میں اس چیز کو خریدنا یا نکاح کا پیغام بھیجنا جائز ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے یعنی کسی سے خرید وفروخت کا معاملہ ہو رہا ہو تو اس میں مداخلت نہ کرے اور چیز کے زیادہ دام نہ لگائے۔ (مسلم)

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیچنے والا اور خریدار دونوں کسی ایک قیمت پر راضی ہو گئے ہوں لہٰذا اب کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو لینے کا ارادہ کرے اور زیادہ دام لگا کر ان کا معاملہ خراب کرے ایسا کرنا مکروہ ہے اگرچہ بیع صحیح ہو جائے گی۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مسلمان کے حکم میں ذمی (وہ غیر مسلم جو اسلامی سلطنت میں رہے اور جزیہ ادا کرے) معاہد (جس سے کسی مسلمان کا معاہدہ ہو) اور مستامن (جو کسی مسلمان کے زیر پناہ ہو) بھی داخل ہیں۔

کافر کا سات آنتوں سے کھانے کا بیان

112 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے اور مومن ایک آنت سے کھاتا ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تھا، جو (پہلے تو) بہت زیادہ کھایا کرتا تھا، مگر جب مسلمان ہوا تو کم کھانے لگا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ مؤمن تو ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ (بخاری)

اور مسلم نے اس روایت کو حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جس میں (یہ واقعہ مذکور نہیں ہے بلکہ) محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مذکور ہے، لیکن مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں یوں ہے کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک مہمان آیا جو کافر تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک بکری دوہنے کا حکم دیا، بکری دوہی گئی اور اس کافر نے اس دودھ کو پی لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دوسری بکری دوہی گئی، وہ اس دودھ کو بھی پی گیا، پھر جب صبح ہوئی تو وہ مسلمان ہو گیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس وقت بھی) اس کے لئے ایک بکری دوہنے کا حکم دیا۔ بکری دوہی گئی اور اس نے اس کا دودھ پی لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بکری دوہنے کا حکم

دیا (بکری دوہی گئی) لیکن (اب) وہ اس کا پورا دودھ نہ پی سکا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "مؤمن ایک آنت میں میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 112)

کہا جاتا ہے کہ انسان کے پیٹ میں آنتیں ہوتی ہیں لیکن اس سے قطع نظر یہاں ایک آنت اور سات آنت سے مراد قلب حرص اور کثرت حرص ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کھانے پینے میں کم حرص رکھتا ہے اور کافر زیادہ حرص رکھتا ہے اور یہ بات اکثر واغلب کے اعتبار سے ہے یا اس مخصوص شخص کی حالت بیان کرنا مراد ہے، جس کا روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جب مسلمان ہوا تو کم کھانے لگا، لیکن جب کافر تھا تو زیادہ کھاتا، یا کامل الایمان مؤمن مراد ہے، کہ وہ ذکر الٰہی کی برکت اور نور ومعرفت ایمان کے سبب ہمہ وقت سیر رہتا ہے کہ اس کو نہ کھانے پینے کی حرص ہوتی ہے اور نہ کھانے پینے کے اہتمام کی طرف رغبت، اس کے برعکس کافر کا حال دوسرا ہوتا ہے! درحقیقت اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ مؤمن کی شان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صبر وقناعت کو لازم جانے، زہد وریاضت کی راہ کو اختیار کرے، خورد ونوش کی اسی حد پر اکتفا کرے جو زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہو اور معدے کو اتنا خالی رکھے۔ جو نورانیت دل، صفائی باطن اور شب بیداری وغیرہ کے لئے مدد ومعاون ہو۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک فقیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور بہت زیادہ کھا کر اٹھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کو اتنا زیادہ کھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ آئندہ اس کو میرے پاس نہ آنے دیا جائے، علماء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ جب اس فقیر نے اس قدر غیر معمولی طور پر کھایا تو گویا وہ کفار کے مشابہ ہوا اور جو شخص کافروں کی مشابہت اختیار کرے اس سے ملنا جلنا ترک کر دینا چاہئے، واضح رہے کہ کم کھانے کی عادت اختیار کرنا، عقلاء باہمت اور اہل حقیقت کے نزدیک مستحسن ومحمود ہے اور اس کے برعکس مذموم ہے، لیکن وہ بھوک جو حد افراط کو پہنچ جائے، ضعف بدن اور قوائے جسمانی کے اختلال کا باعث ہو اور جس کی وجہ سے دین ودنیا کے امور کی انجام دہی میں رکاوٹ پیدا ہو، وہ ممنوع اور طریقہ حکمت کے منافی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام اسم گرامی کا بیان

113 — وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا سُمِّيَ خَضِرٌ؛ لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلَى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ، فَإِذَا هِيَ تَهْتَزُّ تَحْتَهُ خَضْرَاءَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خضر (علیہ السلام کا نام خضر یعنی سبز) اس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ ایک مرتبہ سفید ریت پر بیٹھے تو وہ ان کے نیچے سرسبز ہو گئی۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو وہاں پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا کیا تھا۔ (الکھف:65)

حضرت خضر کو خضر کہنے کی وجہ

جمہور کے قول کے مطابق اس بندے سے مراد حضرت خضر (علیہ السلام) ہیں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے جیسا کہ ہم

پہلے صحیح بخاری کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:74،سنن ابوداؤد رقم الحدیث:4707،سنن الترمذی رقم الحدیث 3149 صحیح مسلم رقم الحدیث 2380)بعض غیر معتبر لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ(علیہ السلام)جس سے ملنے گئے تھے وہ خضر نہیں تھے کوئی اور عالم تھے اور بعض لوگوں نے کہا وہ ایک عبادت گزار بندے تھے اور صحیح یہی ہے کہ وہ حضرت خضر تھے۔مجاہد نے کہا ان کو خضر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو اردگرد کی چیزیں سرسبز ہو جاتی تھیں۔

حدیث میں ہے:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ان کو خضر اس لئے کہتے ہیں کہ جب وہ سفید پوستین(جانور کی کھال کی قمیص،چغہ)پر نماز پڑھتے تو اس کے نیچے سے سبزہ اگنے لگتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:3151،مسند احمد ج۲ص312،المسند الجامع رقم الحدیث:14715)

علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے اس حدیث میں سفید پوستین سے مراد روئے زمین ہے۔جمہور کے قول کے مطابق حضرت خضر نبی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے تھے نبی نہ تھے اور قرآن مجید کی آیتیں یہ شہادت دیتی ہیں کہ وہ نبی تھے کیونکہ بواطن امور کو نبی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔نیز انسان اسی سے علم حاصل کرتا ہے اور اس کی اتباع کرتا ہے جو مرتبہ میں اس سے بڑھ کر ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی سے بڑھ کر وہ شخص ہو جو نبی نہ ہو اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک فرشتہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ(علیہ السلام)کو اس سے علم باطن حاصل کرنے کا حکم دیا تھا۔(الجامع لاحکام القرآن ج10ص391،مطبوعہ دار الفکر بیروت،1415ھ)

حضرت خضر کے نبی ہونے کی تحقیق

حضرت خضر کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ وہ ولی ہیں یا نبی۔قشیری کا قول یہ ہے کہ وہ ولی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ خضر نبی ہیں،یہ ایک جماعت کا معتمد ہے،ثعلبی اور ابن جوزی وغیرہ کا بھی یہی مختار ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا اور فرمایا **وما فعلته عن امری** میں نے اپنی رائے سے یہ کام نہیں کیا۔اس میں یہ دلیل ہے کہ انہوں نے وحی سے اس کو قتل کیا ہے اور وحی کا تعلق نبوت سے ہے۔کسی شخص کو ناحق قتل کرنا حرام ہے اور یہ حرمت صرف دلیل قطعی سے اٹھ سکتی ہے۔اگر حضرت خضر ولی ہوتے اور الہام کی بنا پر اس کو قتل کرتے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ الہام دلیل ظنی ہے اور دلیل ظنی کی بنا پر کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔نیز تکوینی امور میں حضرت خضر کا علم حضرت موسیٰ سے زیادہ تھا اور یہ جائز نہیں ہے کہ ولی کا علم نبی سے زیادہ ہو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا حضرت خضر انسان کے بجائے فرشتہ قرار دینا

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ حضرت خضر(علیہ السلام)کا نبی ہونا یا ولی ہونا تو الگ رہا وہ سرے سے انسان ہی نہیں تھے بلکہ فرشتے تھے،پہلے ہم ان کے دلائل ذکر کریں گے۔پھر انکے شبہات کا جواب دیں گے پھر دلائل سے یہ ثابت کریں گے کہ حضرت خضر انسان اور نبی تھے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی 1399ھ لکھتے ہیں:اس قصے میں ایک بڑی پیچیدگی ہے جسے رفع کرنا ضروری ہے۔حضرت خضر نے یہ تین کام جو کئے ہیں ان میں سے تیسرا کام تو خیر شریعت سے نہیں ٹکراتا مگر پہلے دونوں کام یقیناً ان احکام سے متصادم ہوتے ہیں

جو ابتدائے عہد انسانیت سے آج تک تمام شرائع الٰہیہ میں ثابت رہے ہیں۔ کوئی شریعت بھی کسی انسان کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ کسی کی مملوکہ چیز کو خراب کر دے اور کسی متنفس کو بے قصور قتل کر ڈالے۔ حتیٰ کہ اگر کسی انسان کو بطریق الہام بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ایک کشتی کو آگے جا کر ایک غاصب چھین لے گا اور فلاں لڑکا بڑا ہو کر سرکش اور کافر نکلے گا، تب بھی اس کے لئے خدا کی بھیجی ہوئی شریعتوں میں سے کسی شریعت کی رو سے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اس الہامی علم کی بنا پر کشتی میں چھید کر دے اور ایک بے گناہ لڑکے کو مار ڈالے۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ حضرت خضر نے یہ دونوں کام اللہ کے حکم سے کئے تھے، فی الواقع اس پیچیدگی کو کچھ بھی رفع نہیں کرتا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت خضر نے یہ کام کس کے حکم سے کئے تھے۔

ان کا حکم الٰہی سے ہونا تو بالیقین ثابت ہے کیونکہ حضرت خضر خود فرماتے ہیں کہ ان کے یہ افعال ان کے اختیاری نہیں ہیں بلکہ اللہ کی رحمت ان کی محرک ہوئی ہے اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ خود فرما چکا ہے کہ حضرت خضر کو اللہ کی طرف سے ایک علم خاص حاصل تھا۔ پس یہ امر تو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یہ کام اللہ کے حکم سے کئے گئے تھے، مگر اصل سوال جو یہاں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے ان احکام کی نوعیت کیا تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ تشریعی احکام نہ تھے، کیونکہ شرائع الٰہیہ کے جو بنیادی اصول قرآن اور اس سے پہلے کی کتب آسمانی سے ثابت ہیں ان میں کبھی کسی انسان کے لئے یہ گنجائش نہیں رکھی گئی کہ وہ بلا ثبوت جرم کسی دوسرے انسان کو قتل کر دے۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ احکام اپنی نوعیت میں اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی احکام سے مشابہت رکھتے ہیں جن کے تحت دنیا میں ہر آن کوئی بیمار ڈالا جاتا ہے اور کوئی تندرست کیا جاتا ہے، کسی کو موت دی جاتی ہے اور کسی کو زندگی سے نوازا جاتا ہے، کسی کو تباہ کیا جاتا ہے اور کسی پر نعمتیں نازل کی جاتی ہیں۔ اب اگر یہ تکوینی احکام ہیں تو ان کے مخاطب صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں شرعی جواز و عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے ذاتی اختیار کے بغیر صرف اوامر الٰہیہ کی تعمیل کرتے ہیں۔ رہا انسان، تو خواہ وہ بلا ارادہ کسی تکوینی حکم کے نفاذ کا ذریعہ بنے اور خواہ الہاماً اس طرح کا کوئی غیبی علم اور حکم پا کر اس پر عملدرآمد کرے، بہر حال وہ گناہگار ہونے سے نہیں بچ سکتا اگر وہ کام جو اس نے کیا ہے کسی حکم شرعی سے ٹکراتا ہو۔ اس لئے کہ انسان بحیثیت اس کے کہ وہ انسان ہے، احکام شرعیہ کا مکلف ہے اور اصول شریعت میں کہیں یہ گنجائش نہیں پائی جاتی کہ کسی انسان کے لئے محض اس بنا پر احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی جائز ہو کہ اسے بذریعہ الہام اس خلاف ورزی کا حکم ملا ہے اور بذریعہ علم غیب اس خلاف ورزی کی مصلحت بتائی گئی ہے۔

یہ ایک ایسی بات ہے جس پر نہ صرف تمام علماء شریعت متفق ہیں بلکہ اکابر صوفیہ بھی بالاتفاق یہی بات کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی نے تفصیل کے ساتھ عبدالوہاب شعرانی، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی، شیخ عبدالقادر جیلانی، جنید بغدادی، سری سقطی، ابوالحسین النوری، ابوسعید الخراز، ابوالعباس احمد الدینوری اور امام غزالی جیسے نامور بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک بھی کسی ایسے الہام پر عمل کرنا خود صاحب الہام تک کے لئے جائز نہیں ہے جو نص شرعی کے خلاف ہو۔

(روح المعانی ج16 ص18-16)

اب کیا ہم یہ مان لیں کہ اس قاعدہ کلیہ سے صرف ایک انسان مستثنیٰ کیا گیا ہے اور وہ ہیں حضرت خضر؟ یا یہ سمجھیں کہ خضر کوئی

انسان نہ تھے بلکہ اللہ کے ان بندوں میں سے تھے جو مشیت الٰہی کے تحت (نہ کہ شریعت الٰہی کے تحت) کام کرتے ہیں؟
پہلی صورت کو ہم تسلیم کر لیتے اگر قرآن بالفاظ صریح یہ کہہ دیتا کہ وہ بندہ جس کے پاس حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اس تربیت کے لئے بھیجے گئے تھے، انسان تھے۔ لیکن قرآن اس کے انسان ہونے کی تصریح نہیں کرتا بلکہ صرف عبدا من عبادنا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کے الفاظ بولتا ہے جو ظاہر ہے کہ اس بندے کے انسان ہونے کو مستلزم نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ فرشتوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۃ انبیاء، آیت 26 اور سورۃ زخرف آیت 19 پھر کسی صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی ایسا ارشاد منقول نہیں ہے جس میں صراحت کے ساتھ حضرت خضر کو نوع انسانی کا ایک فرد قرار دیا گیا ہو۔ اس باب میں مستندترین روایات وہ ہیں جو عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس، عن ابی بن کعب، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے ائمہ حدیث کو پہنچی ہیں۔ ان میں حضرت خضر کے لئے صرف رجل کا لفظ آیا ہے جو اگرچہ مرد انسانوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر انسانوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ چنانچہ خود قرآن میں یہ لفظ جنون کے لئے مستعمل ہو چکا ہے جیسا کہ سورۃ جن میں ارشاد ہوا ہے وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن نیز یہ ظاہر ہے کہ جن یا فرشتہ یا کوئی اور غیر مرئی وجود جب انسانوں کے سامنے آئے گا تو انسانی شکل ہی میں آئے گا اور اس حالت میں اس کو بشر یا انسان ہی کہا جائے گا۔ حضرت مریم کے سامنے جب فرشتہ آیا تھا تو قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے کہ فتمثل لھا بشرا سویا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہاں انہوں نے ایک مرد کو پایا حضرت خضر کے انسان ہونے پر صریح دلالت نہیں کرتا۔ اس کے بعد ہمارے لئے اس پیچیدگی کو رفع کرنے کی صرف یہ ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم خضر کو انسان نہ مانیں بلکہ فرشتوں میں سے، یا اللہ کی کسی اور ایسی مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائط کی مکلف نہیں ہے بلکہ کارگاہ مشیت کی کارکن ہے۔ متقدمین میں سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے جسے ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ماوردی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص 42-40، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور، مارچ 1983ء)

حضرت خضر کے فرشتہ ہونے کا رد

متقدمین میں سے بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت خضر فرشتہ تھے، اسی طرح علامہ ماوردی نے بھی بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے بھی یہ قول نقل کیا ہے لیکن ان میں سے کسی کا بھی یہ مختار نہیں کہ حضرت خضر فرشتہ تھے، ان سب کا یہی مختار ہے کہ حضرت خضر نبی تھے علامہ قرطبی کی رائے ہم نقل کر چکے ہیں۔ علامہ ماوردی متوفی 450ھ کی بھی یہی رائے ہے اور اسی پر انہوں نے دلائل دیئے ہیں وہ لکھتے ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ انسانوں میں سے بشر تھے اور وہ بشر نبی تھے، کیونکہ انسان اسی سے علم حاصل کرتا ہے جس کا رتبہ اس سے بلند ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی کے اوپر ایسا انسان ہو جو نبی نہ ہو۔

(النکت والعیون ج ۶ ص 325، موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت) اور حافظ ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت خضر (علیہ السلام) نے فرمایا وما فعلتہ عن امری (الکھف: 82) یہ کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کئے۔ یعنی مجھے

ان کاموں کا حکم دیا گیا اور میں ان پر واقف ہوگیا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت خضر (علیہ السلام) نبی تھے اور دوسروں نے کہا وہ رسول تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اس قول کو علامہ ماوردی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور بہت سے لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ نبی نہ تھے اللہ کے ولی تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت 1419ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر بعض لوگوں نے حضرت خضر کو فرشتہ کہا ہے تو بعض لوگوں نے ان کو رسول اور ولی بھی کہا ہے لیکن یہ سب ساقط الاعتبار قول ہیں، جمہور کی تحقیق یہی ہے کہ وہ نبی ہیں اور ساقط الاعتبار اقوال سے استدلال کرنا انصاف سے بعید ہے۔ علامہ محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ حضرت خضر نبی ہیں اور ان کو بواطن کی معرفت کا علم دیا گیا تھا، اور موسیٰ (علیہ السلام) کو ظاہر شریعت کا علم تھا۔ (البحر المحیط ج ۷ ص 204، مطبوعہ دارالفکر بیروت، 1412ھ)

حضرت خضر کے انسان ہونے پر دلائل

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ احادیث میں حضرت خضر (علیہ السلام) کے لئے (رج) مرد کا لفظ آیا ہے لیکن مرد کا لفظ صریحاً انسان ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث میں کم از کم حضرت خضر کے لئے مرد کا لفظ تو آیا ہے لیکن قرآن اور حدیث میں کہیں بھی یہ صراحت نہیں آئی کہ حضرت خضر انسان نہیں فرشتے تھے۔ علاوہ ازیں جنات کے لئے جو رجل کا لفظ ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ برجال من الجن ہے اور حضرت جبریل کے لئے بشر کا لفظ تمثل کے ساتھ ہے بغیر قرینہ کے رجل کا لفظ صرف آدمی کے لئے ہوتا ہے۔ پھر بغیر کسی تصریح کے جمہور کے موقف کے خلاف یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ نبی نہیں فرشتہ تھے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ بلاقصور ایک لڑکے کو قتل کرنا اور کشتی کو عیب دار کرنا گناہ ہے یہ حضرت خضر کے لئے کیسے جائز ہوگیا۔ ہم کہتے ہیں کہ کوئی کام گناہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا قصد کیا جائے انہوں نے تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے تھے جیسا کہ انہوں نے فرمایا: وما فعلته عن امری (الکھف:82) آپ دیکھئے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز تھا۔ ہماری شریعت میں حرام اور گناہ ہے۔ اسی طرح بنو اسرائیل کی شریعت میں مالِ غنیمت سے کھانا گناہ تھا ہماری شریعت میں جائز ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کی شریعت میں یہ کام گناہ تھا اور حضرت خضر کے نزدیک یہ کام جائز تھے کیونکہ ان کو اسی طرح حکم دیا گیا تھا۔ باقی رہا سید مودودی کا یہ کہنا کہ تکوینی امور فرشتوں کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ نبیوں کے سپرد نہیں کئے جاتے، میں کہتا ہوں کہ یہ قاعدہ قرآن مجید کی کس آیت میں یا کس حدیث میں لکھا ہے اور بہ فرض محال اگر کہیں یہ قاعدہ لکھا ہوا بھی ہے تو یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اس قاعدہ سے کوئی استثناء نہیں ہوسکتا، جبکہ امام شافعی تو فرماتے ہیں: مامن عام الاو قدخص عنه البعض ہر عام قاعدہ سے کوئی نہ کوئی فرد مستثنیٰ ہوتا ہے۔

باقی رہا یہ کہ آپ کے پاس اس پر کیا دلیل ہے کہ حضرت خضر فرشتہ نہیں تھے انسان تھے تو ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔ فانطلقا حتی اذا اتیا اهل قریة استطعما اهلها (الکھف:77) پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے اور بستی والوں سے ان دونوں نے کھانا طلب کیا۔

امام مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: حتی اذا اتیا اھل قریۃ لئاما فطافا فی المجالس فاستطعما اھلھا فابوا ان یضیفوھما وہ دونوں کم ظرف لوگوں کی بستی میں آئے اور ان کی تمام مجالس میں گھومے اور ان دونوں نے ان سے کھانا مانگا لیکن بستی والوں نے ان دونوں کو کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ (صحیح مسلم،فضائل خضر رقم الحدیث:172)

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر دونوں نے اس بستی کی مجلسوں میں پھر پھر کر کھانا مانگا، اور ظاہر ہے کہ کھانے کی احتیاج انسانوں کو ہوتی ہے فرشتوں کو نہیں ہوتی، بلکہ فرشتوں کے سامنے حضرت ابراہیم نے کھانا رکھا انہوں نے پھر بھی کھانا نہیں کھایا اور حضرت ابراہیم ان سے اجنبیت محسوس کر کے ان سے ڈرنے لگے۔ (ھود:70) پس حضرت خضر (علیہ السلام) کا کھانا طلب کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت خضر (علیہ السلام) انسان تھے فرشتے نہ تھے۔

شیخ امین احسن اصلاحی بھی سید ابو الاعلیٰ مودودی کی طرح عقلی شہادتوں پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں لیکن انہوں نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ حضرت خضر نبی تھے وہ لکھتے ہیں:

حضرت خضر (علیہ السلام) بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی تھے۔ اس کا اول قرینہ تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جیسے جلیل القدر نبی بلکہ رسول کو ان کے پاس حصول علم اور حصول تربیت کے لئے بھیجا گیا۔ اگر حضرت خضر (علیہ السلام) نبی نہیں تھے تو ایک نبی کا غیر نبی کے پاس حصول عم و تربیت کے لئے بھیجا جانا بالکل ناموزوں سی بات ہے۔ اگرچہ اس نام کے کسی نبی کا ذکر قرآن یا تورات میں نہیں ملتا لیکن یہ چیز کچھ اہمیت رکھنے والی نہیں ہے۔ قرآن میں خود اس کی اپنی تصریح کے مطابق بہت سے انبیاء کا ذکر نہیں ہے۔ یہی حال تورات کا بھی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ قرآن میں صریح ہے اپنے ہر نبی کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت دی ہے۔ حضرت خضر (علیہ السلام) کو بھی ایک خاص پہلو سے فضیلت حاصل تھی اور اسی طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی فضیلت حاصل تھی۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ان سے کچھ باتیں سیکھنا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت خضر (علیہ السلام) کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر مطلق فضیلت حاصل تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ان کے جو اوصاف اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ حضرات انبیاء ہی سے مناسبت رکھتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ تھا، ہم نے اپنی طرف سے اس پر خاص فضل کیا تھا۔ ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔ علی ہذا القیاس انہوں نے خود اپنے کاموں سے متعلق فرمایا کہ میں نے کوئی کام بھی خود اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ خدا کے حکم سے کیا ہے۔ یہ سب باتیں دلیل ہے کہ وہ صاحب وحی نبی تھے اور ان کو یہ خاص امتیاز بھی حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بعض ارادوں کے راز کھول دیئے تھے۔ (تدبر قرآن ج۴ ص606 مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی 1396ھ لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حضرت خضر (علیہ السلام) بھی ایک نبی اور پیغمبر ہیں مگر ان کے کچھ تکوینی خدمتیں منجانب اللہ سپرد کی گئی تھیں انہی کا علم دیا گیا تھا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ اس لئے اس پر اعتراض کیا۔ تفسیر قرطبی، بحر محیط، ابوحیان اور اکثر تفاسیر میں یہ مضمون بعنوانات مختلفہ مذکور ہیں۔

(معارف القرآن ج۵ ص612، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، 1412ھ)

حضرت خضر کی حیات کے متعلق علماء امت کی آراء

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم نے ان کی لمبی زندگی کے لئے دعا کی تھی، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے آب حیات پی لیا تھا۔ علامہ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ جمہور علماء اور صالحین اور عام لوگوں کے نزدیک حضرت خضر زندہ ہیں اور بعض محدثین نے ان کی حیات کا انکار کیا اور یہ قول شاذ ہے، صحیح مسلم میں حدیث دجال میں ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کر کے پھر اس کو زندہ کرے گا اور مسلم کے راوی ابراہیم بن سفیان نے کہا اس شخص کو خضر کہا جائے گا اسی طرح معمر نے بھی اس حدیث کو سند میں بیان کیا ہے امام بخاری، ابراہیم حزبی، ابن مناوی، ابن الجوزی وغیرہ نے حضرت خضر کی حیات کا انکار کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، 1348ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ امر صوفیہ اور عرفاء کے درمیان متفق علیہ ہے اور صوفیا کی حضرت خضر کو دیکھنے، ان سے ملاقات کرنے ان سے علم حاصل کرنے اور ان سے سوال و جواب کے متعلق حکایات مشہور ہیں اور مقدس مقامات اور مواضع خیر میں ان کے موجود ہونے کے متعلق بے شمار واقعات ہیں۔ (شرح مسلم ج ۲ ص 269، مطبوعہ کراچی 1375ھ)

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں: لمبی زندگی ممکن ہے اور حضرت خضر کی حیات کے متعلق بکثرت حکایات ہیں جیسا کہ عنقریب حضرت ام سلمہ کی حدیث میں آئے گا کہ حضرت خضر حضرت ام سلمہ کے پاس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتلایا کہ یہ حضرت خضر ہیں اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ان کی دو بیویاں ہیں ایک سفید اور ایک سیاہ اور وہ رات اور دن ہیں، میرے شیخ نے یہ بیان کیا کہ ایک شخص کی خضر سے ملاقات ہوئی تھی میں نے اس سے کہا حضرت خضر سے ان کی زوجہ کے متعلق سوال کرنا، انہوں نے سوال کیا تو حضرت خضر نے کہا ان کی دو بیویاں ہیں ایک سفید اور ایک سیاہ اور اس میں رات اور دن کا ذکر نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۶ ص 172، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حیات خضر کی نفی پر دلائل

علامہ سید آلوسی لکھتے ہیں: حضرت خضر کی حیات میں اختلاف ہے ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت خضر اب زندہ نہیں ہیں۔ امام بخاری سے حضرت خضر اور حضرت الیاس کی حیات کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا وہ کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے تھوڑا عرصہ پہلے فرمایا جو لوگ اب روئے زمین پر زندہ ہیں ایک سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲) اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت سے پہلے فرمایا جو لوگ اب زندہ ہیں سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا (اس حدیث میں چونکہ روئے زمین کی قید نہیں ہے اس لئے اس حدیث میں یہ تاویل نہیں ہو سکتی کہ جب حضور نے یہ فرمایا اس وقت حضرت خضر پانی یا ہوا پر تھے۔ سعیدی غفرلہ) اور یہ حدیث تاویل کی گنجائش نہیں رکھتی، امام بخاری کے علاوہ دیگر ائمہ سے حضرت خضر کی حیات کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: **وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد** ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے دوام نہیں کیا۔ شیخ ابن تیمیہ سے

حیات خضر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو ان پر واجب تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور آپ کے ساتھ جہاد کرتے اور آپ سے علم حاصل کرتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن یہ فرمایا تھا کہ اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں ہوگی، وہ جماعت تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی جن کے اسماء اور اس کے آباؤ اجداد اور قبائل کے اسماء معروف تھے اس وقت حضرت خضر کہاں تھے؟ ابراہیم حربی سے حضرت خضر کی بقا کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا حضرت خضر کی حیات کا شوشہ شیطان نے لوگوں میں چھوڑ دیا ہے۔ البحر میں شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی الفضل مرسی کا قول بھی حضرت خضر کی موت کے متعلق نقل کیا گیا ہے اور علامہ ابن الجوزی نے علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کا حضرت خضر کی موت کے متعلق قول نقل کیا ہے اور ابو الحسین ابن المناوی اس شخص کی مذمت کرتے تھے جو حضرت خضر کو زندہ کہتا تھا۔

قاضی ابو یعلیٰ نے بعض اصحاب محمد سے حضرت خضر کی موت کو نقل کیا ہے اور حضرت خضر کی زندگی کس طرح معقول ہوگی جبکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی جمعہ پڑھا، نہ کسی جماعت میں شریک ہوئے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں گئے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اشراد ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لئے اور کوئی چارہ کار نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: (آل عمران 81) اور یاد کیجیے جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ (عظیم) رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہو، تو تم ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا؟ اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کرلیا؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا، فرمایا پس گواہ رہنا اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا زمین پر نزول ہوگا تو وہ اس امت کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے، جو شخص حضرت خضر (علیہ السلام) کی زندگی کا قائل ہے وہ یہ کیسے بھول جاتا ہے کہ ان کو زندہ ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ انہوں نے اس شریعت سے اعراض کر کے قرآن اور حدیث کی ان نصوص کی مخالفت کی ہے۔ ہمارے نزدیک معقول بات یہ ہے کہ اب خضر (علیہ السلام) زندہ نہیں ہیں کیونکہ جو لوگ ان کی حیات کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر آدم (علیہ السلام) کے صلبی بیٹے ہیں اور یہ قول دو وجہ سے فاسد ہے:

اول اس لئے کہ اس بنا پر اب ان کی عمر چھ ہزار سال یا اس سے زیادہ ہوگی اور انسانوں کی اتنی لمبی عمر عادۃً بعید ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ حضرت آدم کے صلبی بیٹے ہوں یا چوتھے درجے کے بیٹے ہوں (جیسا کہ بعض دوسروں کا قول ہے) تو ان کی خلقت عجیب وغریب ہوگی اور ان کا طول وعرض غیر معمولی ہوگا، کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کا طول ساٹھ ذراع (تیس گز) تھا پھر مخلوق کا قد بہ تدریج کم ہوتا گیا اور جو لوگ حضرت خضر کی حیات کے قائلین ہیں اور ان سے ملاقات کے مدعی ہیں ان میں سے کسی نے ان کی غیر معمولی قامت کا ذکر نہیں کیا، دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر حضرت خضر، حضرت نوح (علیہ السلام) سے پہلے تھے تو وہ ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے اور یہ کسی نے نقل نہیں کیا۔ (اس دلیل میں ضعف ہے)

تیسری دلیل یہ ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) جب کشتی سے نکلے تو ان کے ساتھ والے سب فوت ہو گئے اور حضرت نوح کی نسل کے سوا کوئی باقی نہیں بچا۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی بشر کا حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک زندہ رہنا صحیح ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک عظیم آیت تھی اور قرآن مجید میں اس کا متعدد جگہ ذکر کیا جاتا کہ یہ آیات ربوبیت میں سے ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے جس کو ساڑھے نو سو سال زندہ رکھا اس کا ذکر کیا ہے تو جو اس سے کئی گنا زیادہ زندہ ہے اس کا بہ درجہ اولیٰ ذکر کرنا چاہیے تھا۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر (علیہ السلام) کی حیات کا قول کرنا، بغیر دلیل شرعی کے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک قول کرنا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس پر قرآن مجید، سنت واجماع امت کی دلالت ہوتی۔

چھٹی دلیل یہ ہے کہ خضر (علیہ السلام) کی حیات پر زیادہ سے زیادہ جو دلیل دی جاتی ہے وہ چند حکایات منقولہ ہیں کہ فلاں شخص نے حضرت خضر کو دیکھا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ دیکھنے والے نے کس علامت سے یہ پہچان لیا کہ یہ خضر ہیں اور بہت سے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں خضر ہوں، لیکن دیکھنے والے نے کس دلیل شرعی سے اس کے قول کی تصدیق کی؟

ساتویں دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ مصاحبت نہیں کی اور کہا ھذا فراق بيني وبينك تو جب وہ حضرت موسیٰ ایسے اولوالعزم نبی کے ساتھ مصاحبت پر راضی نہیں تھے تو عوام کے ساتھ ملاقات اور ان کے ساتھ مصاحبت پر کیسے راضی ہوں گے جن میں سے اکثر لوگ غیر متشرع ہوتے ہیں اور طریقت اور معرفت کے دعویدار ہوتے ہیں۔

آٹھویں دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی آدمی کہے کہ میں خضر ہوں، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تو اس کے اس قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا اور وہ حدیث شریعت میں حجت نہیں ہوگی اور جو شخص حیات خضر کا قائل ہے وہ اس حدیث کو یا تو اس وجہ سے نہیں مانے گا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گیا اور نہ آپ سے بیعت کی یا یہ کہے گا کہ آپ اس کی طرف مبعوث نہیں ہیں اور یہ کفر ہے۔

نویں دلیل یہ ہے کہ اگر خضر زندہ ہوتے تو ان کا کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور اسلام کی سرحدوں پر پہرہ دینا، با جماعت نماز پڑھنا اور جمعہ پڑھنا اور امت کے ان پڑھ لوگوں کو وعظ کرنا، جنگلوں، صحراؤں اور میدانوں کی سیر و سیاحت سے کئی درجہ افضل ہوتا۔

حیات خضر کے ثبوت پر دلائل

حضرت خضر (علیہ السلام) کی حیات پر جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان میں سے ایک وہ روایت ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور صحابہ کرام جمع ہوئے اس وقت ایک شخص داخل ہوا جس کی رنگ دار داڑھی تھی وہ گورے رنگ کا ایک جسم آدمی تھا۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آیا اور رونے لگا پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا ہر مصیبت سے اللہ تعالیٰ کی تعزیت ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کا عوض ہے اور ہر ہلاک ہونے والی چیز کا خلیفہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرو اور اللہ تعالیٰ تم کو آزمائش میں دیکھتا ہے اور دیکھو مصیبت زدہ شخص وہ ہے جس پر جبر کیا جائے، حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے خضر (علیہ

السلام) تھے۔

ابن عسا کر نے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر ماہ رمضان میں بیت المقدس میں روزے رکھتے ہیں اور ہر سال حج کرتے ہیں اور زمزم سے اتنا پانی پی لیتے ہیں جو انہیں آنے والے سال تک کے لئے کافی ہوتا ہے۔

ابن عسا کر، عقیلی اور دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت خضر اور الیاس کی ہر سال موسم (حج) میں ملاقات ہوتی ہے اور ہر ایک دوسرے کا سر مونڈتا ہے اور پھر وہ یہ کلمات کہہ کر جدا ہو جاتے ہیں: **ماشاء اللہ لایسوق الخیر الا اللہ ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ**

ابن عسا کر نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطاب ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے اچانک ایک ہاتف نے پیچھے سے آواز دی اللہ تم پر رحم کرے ہم سے پہلے نماز نہ پڑھنا۔ حضرت عمر نے انتظار کیا حتیٰ کہ وہ شخص صف اول میں آ کر کھڑا پیچھے سے آواز دی اللہ تم پر رحم کرے ہم سے پہلے نماز نہ پڑھنا۔ حضرت عمر نے انتظار کیا حتیٰ کہ وہ شخص صف اول میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمر نے اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے اللہ اکبر کہا، ہاتف نے کہا اگر تو اس کو عذاب دے تو بہت لوگوں نے تیری نافرمانی کی ہے اور اگر تو اس کو بخش دے تو یہ تیری رحمت کا محتاج ہے حضرت عمر اور ان کے اصحاب نے اس شخص کی طرف نافرمانی کی ہے اور اگر تو اس کو بخش دے تو یہ تیری رحمت کا محتاج ہے حضرت عمر اور ان کے اصحاب نے اس شخص کی طرف نافرمانی کی ہے اور اگر تو اس کو بخش دے تو یہ تیری رحمت کا محتاج ہے ذحضرت عمر اور ان کے اصحاب نے اس شخص کی طرف نافرمانی کی ہے اور اگر تو اس کو بخش دے تو یہ تیری رحمت کا محتاج ہے حضرت عمر اور ان کے اصحاب نے اس شخص کی طرف نافرمانی کی ہے اور اگر تو اس کو بخش دے تو یہ تیری رحمت کا محتاج ہے حضرت عمر اور ان کے اصحاب نے اس شخص کی طرف دیکھا، جب میت کو دفن کر کے قبر پر مٹی ڈال دی گئی تو اس نے کہا اے قبر والے! اگر تو راستہ میں گری ہوئی چیز کا اعلان کرنے والا یا ٹیکس وصول کرنے والا یا خازن یا کاتب یا سپاہی نہیں تھا تو تیرے لئے خوشی ہو، حضرت عمر نے کہا اس شخص کو بلاؤ ہم اس کی نماز اور اس کے اس کلام کے متعلق اس سے سوال کریں۔ اچانک وہ شخص غائب ہو گیا انہوں نے اس کے قدموں کے نشانات دیکھے تو وہ ایک ایک ہاتھ کے تھے۔ حضرت عمر نے کہا، بخدا یہ شخص وہ تھا جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا اور یہ استدلال اس پر مبنی ہے کہ جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا وہ حضرت خضر تھے۔

اس قسم کی روایات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت خضر اب بھی زندہ ہیں اگر چہ ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ تھے اور اس وقت زندہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اب بھی زندہ ہوں، البتہ خصم کا رد کرنے کے لئے یہ روایات کافی ہیں کیونکہ وہ جس طرح اب زندہ نہیں مانتا، اس وقت بھی زندہ نہیں مانتا، ہاں اگر کوئی شخص اس وقت حضرت خضر کو زندہ مانتا ہو اور اب زندہ نہ مانتا ہو تو اس کے لئے یہ روایات کافی نہیں ہیں، لیکن اس قسم کا نظریہ رکھنے والے لوگ نہیں ہیں (یا وہ لوگ ہیں جو مطلقاً زندہ نہیں مانتے یا وہ ہیں جو مطلقاً زندہ مانتے ہیں) تابعین اور صوفیا کی حضرت خضر سے ملاقات اور ان سے فیض حاصل کرنے کے متعلق ہر دور میں اس قدر زیادہ حکایات ہیں جو بیان اور شمار سے باہر ہیں۔ ہاں جو محدثین حضرت خضر کی

حیات کے قائل ہیں ان کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت خضر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں ہے، جیسا کہ علامہ عراقی نے احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج میں تصریح کی ہے اور یہ چیز صوفیہ کے نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ شیخ علاؤ الدین نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت خضر سے بلا واسطہ احادیث حاصل کی ہیں۔

حیات خضر کے حق میں اور اس کے خلاف دلائل پر بحث ونظر

سہروردی نے السر المکتوم میں ذکر کیا ہے کہ خضر (علیہ السلام) نے ہم کو تین سو احادیث بیان کیں جن کو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ سنا تھا۔ حیات خضر کے بعض قائلین نے استصحاب سے استدلال کیا ہے، کیونکہ حضرت خضر کی حیات پہلے دلیل سے ثابت ہے اس لئے جب تک دلیل سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو حیات ثابت رہے گی، اور امام بخاری کی حدیث (جو لوگ اب روئے زمین پر زندہ ہیں ایک سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا) کا یہ جواب دیا ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اس وقت حضرت خضر زمین پر نہیں تھے بلکہ پانی پر تھے نیز یہ حدیث ان لوگوں کے متعلق ہے جن کا عام مشاہدہ ہوتا تھا کیونکہ ملائکہ اور شیطان اس حدیث کے عموم سے خارج ہیں اور اس کا خلاصہ قرن اول ہونا ہے۔ ہاں یہ حدیث ان لوگوں کے رد میں نص ہے جنہوں نے لمبی عمر کا دعویٰ کیا جیسا کہ رتن بن عبداللہ ہندی تبریزی جو ساتویں صدی میں ظاہر ہوا اور اس نے صحابیت کا دعویٰ کیا۔

اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ روئے زمین پر سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ عرفاً زمین پر رہنے والے ہوں اور یہ معنی ان کو بھی شامل ہے جو اس وقت پانی پر تھے اور اگر یہ معنی مراد نہ لیا جائے تو پھر اس حدیث سے رتن ہندی پر بھی رد نہیں ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی اس وقت پانی پر ہو، اور دوسرے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر حضرت خضر موجود ہوتے تو ان کا مشاہدہ ہوتا جیسا کہ دوسرے انسانوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے جو کہا ہے کہ اگر حضرت خضر ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے اور جہاد کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اویس قرنی جو خیر التابعین ہیں وہ بھی اس زمانہ میں تھے لیکن وہ حضور کے ساتھ نماز اور جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اسی طرح نجاشی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی خدمت میں آنا میسر نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے پوشیدہ طور پر علم حاصل کرتے تھے کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کی وجہ سے ظاہر ہونے کا حکم نہیں تھا اور حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ میں ایک جہاد میں تھا میرا گھوڑا گر کر مر گیا، پھر میں نے ایک حسین وجمیل شخص کو دیکھا جس سے خوشبو آرہی تھی اس نے کہا کیا تم اپنے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ہاں اس نے گھوڑے پر ہاتھ پھیرا اور کچھ دعائیہ کلمات پڑھے اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ گھوڑا اٹھ کر کھڑا ہوگیا، اس شخص نے میری رکاب پکڑ کر کہا اب سوار ہو جاؤ، میں سوار ہو کر اپنے ساتھیوں سے مل گیا، دوسرے دن ہم نے دشمن پر فتح حاصل کر لی تو میں نے اس شخص کو اپنے سامنے دیکھا، میں نے پوچھا کیا تم کل والے شخص نہیں ہو؟ اس نے کہا کیوں! میں نے کہا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں بتاؤ تم کون ہو؟ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس کے نیچے جو زمین تھی اس پر سبزہ پیدا ہوگیا۔ اس نے کہا میں خضر ہوں، اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

خضر جہاد کے معرکوں میں شریک ہوتے تھے۔

شیخ ابن تیمیہ نے جو یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن دعا کی تھی اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ ظہور، غلبہ اور قوت کے ساتھ تیری عبادت نہیں ہوگی ورنہ مدینہ منورہ وغیرہا میں کئی مسلمان تھے جو جنگ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔

یہ بات واضح ہے کہ حضرت خضر کو اویس قرنی اور نجاشی وغیرہ کی سلک میں منسلک کرنا انصاف سے بعید ہے۔ اگرچہ حضرت خضر پر آپ کے پاس آنا واجب نہیں تھا لیکن جو شخص شب معراج کو تمام انبیاء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنا مانتا ہے اس کے لئے حضرت خضر کا باوجود کسی ظاہری مانع کے نہ ہونے کے آپ کے پاس نہ آنا بعید از فہم ہے اور یہ دعویٰ کرتا کہ وہ کسی حکمت کی بنا پر خفیہ طریقے سے آتے تھے بلا دلیل ہے اور اگر کوئی حکمت ہوتی تو حضور بتا دیتے۔ جب حضرت جبرائیل وحیہ کلبی کی شکل میں حضور کے پاس آ سکتے تھے تو حضرت خضر کے آنے میں کیا اشکال تھا؟ جب وہ عبداللہ بن مبارک کے ساتھ جہاد میں شریک ہو سکتے تھے اور ان پر اپنے آپ کو ظاہر کر سکتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے جہاد میں شریک ہوئے اور ظاہر ہونے میں کیا اشکال تھا جنگ بدر میں فرشتے شریک ہوئے اور حضور نے ان کی خبر دی تو اگر حضرت خضر شریک ہوئے تو حضور انکی خبر بھی بیان کرتے۔

وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد سے جو حیات خضر کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ خلد کا معنی دوام ابدی ہے، لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ خلد کا معنی حقیقت میں مکث طویل ہے اور اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ حضرت نوح کے لئے مکث طویل ثابت ہے۔ بہر حال حیات خضر کی نفی پر اس آیت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

حیات خضر کے سلسلہ میں حرف آخر

تمام بحث و تمحیص کے بعد یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ اور دلائل عقلیہ سے ان علماء کے نظریہ کی تائید اور تقویت ہوتی ہے۔ جو حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں اور ان احادیث کے ظاہر سے عدول کرنے کا کوئی مقتضی نہیں ہے۔ ماسوا ان احکایات کے جو بعض صالحین سے منقول ہیں جن کی صحت کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۴۷۴۔۴۶۱ دار الفکر ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حیات خضر پر طویل بحث کی ہے اور جن روایات سے حیات خضر پر استدلال کیا جاتا ہے ان کی اسانید پر جرح کی ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء حیات کے قائل ہیں اور ان کے دلائل کو رد کیا ہے لیکن اپنا مختار ذکر نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر نے آب حیات پی لیا تھا اس لئے وہ عرصہ دراز سے زندہ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اور علامہ ابو جعفر مناوی نے ایک کتاب لکھ کر یہ بیان کیا ہے کہ اس قسم کی نقول پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ (تبیان القرآن، سورہ کہف، لاہور)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی متوفی 1225ھ لکھتے ہیں: یہ اشکال صرف حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے کلام سے

حل ہوسکتا ہے جب آپ سے حضرت خضر (علیہ السلام) کی حیات اور وفات کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں متوجہ ہوئے اور اس مسئلہ کے انکشاف کی درخواست کی تو آپ نے دیکھا کہ حضرت خضر (علیہ السلام) آپ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت مجدد نے ان سے ان کے حال کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں ہیں بلکہ اللہ سبحانہ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ ہم اجسام میں متشکل ہوجاتے ہیں اور زندہ لوگوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ گم کردہ راہ لوگوں کو راستہ دکھاتے ہیں اور اللہ کی اجازت سے مظلوم کی دادرسی کرتے ہیں اور علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے لئے اللہ چاہتا ہے اس کو نسبت عطا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں الویاء اللہ میں سے اس قطب مدار کا مددگار بنادیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس جہان کا مدار بنادیا ہے اور اس جہان کی بقا اس کے وجود کی برکت اور اس کے فیضان سے ہے، اور اس زمانہ کا قطب یمن کے ملک میں فقہ شافعی کا مقلد ہے اور ہم اس قطب کی اقتدا میں مذہب شافعی کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ لکھتے ہیں اس کشف صحیح کی وجہ سے تمام اقوال میں تطبیق ہوجاتی ہے اور اشکال دور ہوجاتا ہے۔ **وللہ الحمد۔**

(التفسیر المظہری ج ۶ ص ۶۲، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ)

علم لدنی کی تعریف

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا فرمایا۔

علم لدنی کی تعریف میں ملا علی قاری متوفی 1014 ھ لکھتے ہیں: علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔ یہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال آپ کے افعال اور آپ کے احوال سے مستفاد ہوتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اس کے افعال اور احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو علم کسبی ہے اور اگر یہ علم کسی واسطے کے بغیر حاصل ہو تو یہ علم لدنی ہے اور وحی الہام اور فراست علم لدنی کی اقسام ہیں۔ (مرقات ج ا ص 264، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، 1390ھ)

علامہ آلوسی متوفی 1270 ھ لکھتے ہیں: یہ آیت علم لدنی کے اثبات میں اصل ہے۔ علم لدنی کو علم الحقیقۃ اور علم الباطن بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۵ ص 476 مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1417ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505 ھ علم المکاشفہ اور علم باطن (علم لدنی) کی تعریف میں لکھتے ہیں: ہم علم المکاشفہ سے یہ مراد لیتے ہیں حق اس طرح جلی اور واضح ہوجائے گویا کہ ہم اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب انسان کے دل پر دنیا کے میل کچیل کا زنگ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کی معرفت پر دل کے آئینہ میں خبیث چیزوں کے جو حجابات ہیں وہ زائل ہوجائیں اور یہ اس وقت ہوگا جب انسان اپنے آپ کو شہوات کی اتباع سے روک لے اور اپنے تمام احوال میں انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کرے، پھر اس کے دل میں حق روشن ہوجائے گا اور اس پر حقائق منکشف ہوجائیں گے۔

(احیاء العلوم ج ا ص 26۔27، ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1419ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606 ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم (لدنی) سکھایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ علوم ان کو اللہ تعالیٰ سے بغیر واسطہ کے حاصل ہوئے۔ یہ علوم جو بہ طریق مکاشفہ حاصل ہوتے ہیں صوفیاء ان

علوم کو علوم لدنیہ کہتے ہیں۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ بعض علوم ہم کو کسب سے حاصل ہوتے ہیں ان میں سے بعض علوم ہم کو بغیر غور وفکر کے حاصل ہوتے ہیں جیسے ہم کو درد اور لذت کا علم ہوتا ہے اور بعض علوم ہم کو غور وفکر سے حاصل ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا علم اور قیامت کے برحق ہونے کا علم۔

اور بعض علوم وہ ہیں جو ہم کو ریاضت اور مجاہدہ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں بایں طور کہ قوت حسیہ اور قوت خیالیہ ضعیف ہو جاتی ہیں اور جب یہ قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں تو قوت عقلیہ قوی ہو جاتی ہے اور انوار الٰہیہ عقل میں روشن ہو جاتے ہیں اور بغیر کسی واسطہ کے اور غیر سعی اور طلب کے علوم اور معارف حاصل ہو جاتے ہیں اور ان کو علوم لدنیہ کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفوس ناطقہ ماہیت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، بعض نفوس انوار الٰہیہ سے روشن ہوتے ہیں۔ ان کا بدنی لذتوں سے بہت کم تعلق ہوتا ہے اور وہ کسی قسم کے گناہ سے بھی ملوث نہیں ہوتے اور ان میں ہر وقت فیضان قدسیہ اور انوار الٰہیہ کے حصول کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے۔ پس عالم الغیب سے ان پر علوم اور معارف اور انوار قسدیہ کا مکمل فیضان ہوتا ہے اور علم لدنی اسی کو کہتے ہیں اور سورۃ کہف کی اس آیت سے بھی یہی مراد ہے اور جو نفوس ناطقہ گناہوں کی آلوگدی سے صاف نہیں ہوتے اور بدنی لذتوں میں ڈوبے رہتے ہیں ان پر علوم اور معارف کا بلاواسطہ فیضان نہیں ہوتا ان کو علوم و معارف کے حصول کے لئے کسی انسان کے واسطے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص 482۔483 ملخصا، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، 1415ھ) ہیں تمام ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین علوم لدنیہ کے حامل ہیں لیکن ان کے درجات اور مراتب مختلف ہیں۔ اسی طرح علوم لدنیہ کی انواع بھی مختلف ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو عالم تشریع کا علم لدنی حاصل تھا اور حضرت خضر (علیہ السلام) کو عالم تکوین کا علم لدنی حاصل تھا۔ عالم تشریع سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جن کا انسان مکلف ہے اور جن کا اسے اختیار دیا اور زنا نہ کرنا اور جھوٹ نہ بولنا وغیرہ اور عالم تکوین سے مراد وہ امور ہیں جن میں انسان کا دخل اور اختیار نہیں ہے جیسے قدرتی آفات اور قدرتی انعامات، بارشوں، طوفانوں، زلزلوں، قحط زمین کی زرخیزی وغیرہ کا ہونا یا نہ ہونا، موت، حیات، مرض، صحت اور حادثات وغیرہ کا ہونا یا نہ ہونا۔ یہ تکوینی امور ہیں ان کا علم حضرت خضر کو دیا تھا اور ان کی حکمتوں کا علم بھی دیا گیا تھا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو شریعت کا علم دیا گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ احکام جن پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کرتا ہے اور یہ دونوں علوم لدنیہ ہیں۔

حضرت خضر (علیہ السلام) کو علم غیب دیئے جانے کی تصریحات

امام ابوجعفر محمد بن جریر متوفی 310ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: وکان رجلا یعلم علم الغیب ۔ حضرت خضر ایسے شخص تھے جو علم الغیب جانتے تھے۔ (جامع البیان جز ۱۵ ص 347، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

امام علی بن احمد نیشا پوری متوفی 450ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: قال ابن عباس رضی اللہ عنہما اعطیناہ علما من علم الغیب ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نے اس کو علم غیب سے علم عطا فرمایا۔

(الوسیط ج ۳ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1415ھ)

علامہ ابن عطیہ اندلسی متوفی 546ھ نے لکھا ہے حضرت خضر کو باطن کا علم دیا گیا تھا۔

(المحرر الوجیز ج10 ص425، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ، 1407ھ)

علامہ قرطبی مالکی اندلسی متوفی 668ھ نے لکھا ہے: ہم نے ان کو علم الغیب کی تعلیم دی تھی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز10 ص391، مطبوعہ دار الفکر، 1415ھ) قاضی بیضاوی متوفی 685 لکھا ہے۔ ان کو ان علوم کی تعلیم دی تھی جو ہمارے ساتھ خص ہیں اور جن کا علم ہماری توفیقف کے بغیر نہیں ہوتا اور وہ علم الغیوب ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج٦ ص205۔206 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1412ھ)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں: یعنی وہ علم سکھایا جس کی کنہ کو جانا نہیں جا سکتا نہ ان کی مقدار کا اندازہ ہو سکتا ہے اور وہ علم الغیوب ہے۔ (تفسیر ابی السعود ج٤ ص203، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1416ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی 1250ھ لکھتے ہیں: اللہ سبحانہ نے ان کو اس علم غیب سے تعلیم دی جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ (فتح القدیر ج٣ ص412۔413، مطبوعہ دار الوفا بیروت، 1418ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ نے لکھا ہے وہ علم الغیوب اور اسرار العلوم الخفیہ ہیں۔

(روح المعانی جز١٥ ص475، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1417ھ)

نواب صدیق حسن خاں متوفی 1307ھ لکھتے ہیں: ہم نے ان کو اس غیب سے تعلیم دی جو ہمارے ساتھ مختص ہے (الی قولہ) حضرت موسیٰ کو احکام شرعیہ اور ظاہر قضا کا علم دیا گیا تھا اور حضرت خضر کو بعض غیب کا علم دیا گیا تھا اور بواطن کی معرفت کا۔

(فتح البیان جز٨ ص81۔80 مطبوعہ المکتبہ العصریۃ 1415ھ)

شریعت طریقت اور حقیقت کی تعریفیں

علامہ ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی 606ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جو احکام مقرر کئے وہ شریعت ہے۔ (النہایہ ج٢ ص413، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ)

زیادہ بہتر تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام مقرر کئے وہ شریعت ہے، پس حلال حرام، فرض، واجب، سنن اور مستحبات، اسی طرح مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ یہ سب شریعت ہیں۔ شرع کا معنی ہے راستہ، اللہ اور اس کے رسول نے بندوں کے عمل کرنے اور بعض اعمال سے رکنے کا جو طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ شریعت ہے۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی 716ھ لکھتے ہیں: جو سیرت ان لوگوں کے ساتھ مختص ہے جو اللہ کی طرف چلتے ہیں، منازل طے کرتے ہیں اور مقامات میں ترقی کرتے ہیں وہ طریقت ہے۔ (التعریفات ص101، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1418ھ)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے وہ اس سے پچھلے گناہوں پر توبہ کراتا ہے اور آئندہ کے لئے اس سے اس پر بیعت لیتا ہے کہ وہ دائماً گناہوں سے مجتنب رہے گا۔ تمام فرائض اور واجبات ادا کرے گا، جو فرائض اور واجبات چھوٹ گئے ہیں ان کو قضا کرے گا اور ان کلمات کے ساتھ استغفار کرے گا اور اس طرح اوراد اور وظائف پڑھے گا اور اس

طرح اوراتنے نوافل پڑھے گا ذکر بالسر یا ذکر بالجبر کرے گا اس کو سلوک کہتے ہیں اور اس پر عمل کرنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ اس سلوک پر عمل کرنے سے اس کے دل سے گناہوں کا زنگ اتر جاتا ہے اور غفلت کے حجابات زائل ہو جاتے ہیں اور وہ دن بہ دن اس راہ میں ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ معرفت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے حتیٰ کہ اس دنیا میں جو بھی واقعہ یا حادثہ رونما ہو وہ اس کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے جوڑ لیتا ہے اور اس پر منکشف ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی فلاح صفت کا ثمرہ ہے۔ سو سالکین کی اس سیرت کو طریقت کہتے ہیں۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی 1252 ھ لکھتے ہیں: حقیت کا باطن شریعت اور طریقت میں ہے جیسا کہ مکھن کا باطن دودھ میں ہے، جس طرح جب تک دودھ کو بلویا نہ جائے اس سے مکھن حاصل نہیں ہوسکتا اسی طرح جب تک شریعت اور طریقت پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

(ردالمحتارج ۶ص289-290 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، 1419ھ)

ملا علی قاری متوفی 1014 ھ لکھتے ہیں: ظاہر احکام پر عمل کرنا شریعت ہے اور یہ عام لوگوں کے لئے ہے اور شریعت کے باطن پر عمل کرنا طریقت ہے اور یہ خاص لوگوں کے لئے منہاج ہے اور شریعت کا خلاصہ حقیقت ہے اور یہ اخص الخواص کی معراج ہے۔ شریعت کا تعلق ابدان اور اجسام سے ہے اور طریقت کا تعلق دلوں سے ہے، یعنی دلوں میں علوم اور معرفت کا حصول اور حقیقت کا تعلق ارواح سے ہے یعنی حق کو دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے۔

(مرقات ج اص248، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، 1390ھ)

علامہ ابن حجر ھیتمی مکی متوفی 974ھ لکھتے ہیں: حقیقت اسرار ربوبیت کے مشاہدہ کو کہتے ہیں۔

(فتاویٰ حدیثیہ ص408، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت 1419ھ)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن قشیری متوفی 465 لکھتے ہیں: شریعت التزام عبودیت ہے اور حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے، پس ہر شریعت جس کی حقیقت سے تائید نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور ہر حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔ شریعت میں مخلوق کو مکلف کرنا ہے اور حقیقت میں حق کے تصرفات کی خبر دینا ہے۔ شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ کا مشاہدہ رو۔ شریعت میں ظاہر احکام پر قائم رہنا اور حقیقت میں قضاوقدر اور ظاہر اور مخفی چیزوں کا مشاہدہ کرنا ہے۔

(الرسالۃ القشیر یہ ص118، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت 1418ھ، تبیان القرآن، کہف لاہور)

تکبر سے چادر ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کیلئے وعید کا بیان

114 — وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى الْمُسْبِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَعْنِي إِزَارَهُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسبل کی طرف (نظر رحمت) سے نہ دیکھے گا (یعنی جس کی لنگی (بہت لمبی ٹخنوں سے نیچے تک ہو)۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ازقسم ازار (یعنی پائجامہ وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 249)

مطلب یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے پیر کے جتنے حصہ پر تہبند وغیرہ لٹکا ہوا ہوگا وہ پورا حصہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ عمل یعنی ٹخنے سے نیچے تہبند وغیرہ لٹکانا) ایک مذموم عمل ہے اور دوزخیوں کا کام ہے ٹخنے سے نیچے ازار وغیرہ لٹکانے کے مسئلہ میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں ان میں زیادہ تر ازار کے لٹکانے کا ذکر ہے اور ازار لٹکانے والے کے حق میں بہت سخت وعیدیں بھی بیان کی گئی ہے یہاں تک کہ ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک شخص کو اس حال میں نماز پڑھتے دیکھا کہ اس کے پائچے ٹخنوں سے نیچے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ وضو کرنے اور نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ شعبان کی پندرھویں شب میں سب (مسلمانوں) کی بخشش کی جاتی ہے علاوہ عاق، مدمن خمر اور مسبل ازار کے کہ ان لوگوں کی بخشش نہیں ہوتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان ساری وعیدوں اور ممانعت کا تعلق محض ازار ہی سے نہیں ہے بلکہ سب کپڑوں سے ہے یعنی بدن پر جو بھی کپڑا ضرورت سے زائد اور سنت کے دائرے سے باہر ہوگا اس پر مذکورہ ممانعت کا حکم عائد ہوگا جہاں تک ازار کی تخصیص کا تعلق ہے تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اس زمانہ میں چادر اور ازار عام طور پر لباس ہوتا تھا اس لئے اس کے استعمال کی کثرت کی بنا پر اس کا ذکر کیا گیا ویسے بعض روایتوں میں ازار کے ساتھ دوسرے کپڑوں جیسے قمیص اور پگڑی کا بھی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل ہوگی کہ **الا سبال فی الا زار والقمیص والعمامة من جر منها شیا خیلا** الخ اسی طرح اسی فصل میں ابھی اوپر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی جو روایت گزری ہے اس میں مطلق کپڑے کا ذکر ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ لباس میں ضرورت سے زائد کپڑا رکھنے کی ممانعت کا تعلق ہر کپڑے سے ہے، بہرحال عزیمت یعنی اولی درجہ یہ ہے کہ ازار یعنی تہبند و پائجامہ کو نصف پنڈلی تک رکھا جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند نصف پنڈلی ہی تک رکھتے تھے البتہ رخصت یعنی اجازت و آسانی کا درجہ ٹخنوں تک ہے کہ تہبند و پائجامے کو زیادہ سے زیادہ ٹخنوں تک رکھا جا سکتا ہے کرتے وقمیص اور عبا د شیروانی وغیرہ کے دامن کا بھی یہی حکم ہے اسی طرح قمیص و کرتے وغیرہ کی آستینوں کی مسنون لمبائی یہ ہے کہ وہ بند دست یعنی ہاتھ کے جوڑ تک ہوں عمامہ کا شملہ زیادہ سے زیادہ اتنا چھوڑا جانا چاہئے جو نصف پشت تک رہے جو شملہ لمبائی یا چوڑائی میں اس سے زائد ہوگا وہ بدعت اور اس زائد لٹکانے میں شمار ہوگا جو ممنوع ہے۔

بعض علاقوں اور شہروں کے لوگ اپنے لباس میں جو زائد از ضرورت کپڑا استعمال کرتے ہیں جیسے ضرورت سے زائد لمبی لمبی آستینوں اور وسیع وعریض دامنوں والے کرتے کئی کئی گز کے پاجامے اور شلواروں اور بڑے بڑے عمامے اور پگڑ کا رواج بعض جگہ پایا جاتا ہے وہ خلاف سنت ہے بلکہ یہ زائد از ضرورت کپڑے صرف کرنا اگر تکبر و غرور کی نیت سے ہوگا تو اس کو حرام کہیں گے اور اگر لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کسی رواج کے تحت ہوگا تو اس کو مکروہ کہا جائے گا کپڑوں میں ضرورت سے زائد لمبائی چوڑائی رکھنا عورتوں

کے لئے بھی ممنوع ہے لیکن مردوں کی بہ نسبت ایک بالشت کے بقدر زائد ہونا جائز ہے بلکہ اتنی زائد مقدار تو مستحب ہے جو پردہ پوشی کے بقدر ہو جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوگا۔

بنی اسرائیل کے تحریف لفظ کا بیان

115 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ يَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ . فَبَدَّلُوا، فَدَخَلُوا الْبَابَ يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ، وَقَالُوا: حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل سے کہا گیا۔اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّداً وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ يَّغْفِرْلَكُمْ خَطَايَاكُمْ ہتم دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو "حطۃ" (ہمارے گناہوں کو معاف کر) وہ تمہاری خطاؤں کو معاف کریگا مگر انہوں نے (ان الفاظ کو بدل دیا: اور دروازہ میں اپنی چوتڑوں سے رینگتے ہوئے داخل ہوئے اور حبۃ فی شیرۃ (جو میں گیہوں) کہنے لگے۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے کہا: اس شہر میں داخل ہو اور اس میں تم جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ اور دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہونا اور یہ کہو: حطۃ (ہمارے گناہ معاف فرما)۔(البقرہ:۵۸)

بنو اسرائیل کا حطۃ کو حنطۃ کہنا

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ عنہ لکھتے ہیں: جمہور کے قول کے مطابق اس شہر سے مراد بیت المقدس ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اریحا ہے ابن کیسان نے کہا: اس سے مراد شام ہے اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد رملہ ہے یعنی اردن اور فلسطین۔اس آیت میں ایک اور نعمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو میدان تیہ سے نجات دی اور بیت المقدس میں داخل ہونے کا موقع عنایت فرمایا اس کی تفصیل اس جیسا کہ پچھلی آیت میں بیان فرمایا ہے بنو اسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں سرگرداں رہے اس عرصہ میں پہلے حضرت ہارون (علیہ السلام) کی اور پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات ہوگئی۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد حضرت یوشع بن نون (علیہ السلام) نے قوم عمالقہ سے جہاد کیا اور جو بنو اسرائیل زندہ بچ گئے تھے انہوں نے حضرت یوشع بن نون کا ساتھ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور چالیس سال بعد بنو اسرائیل کو میدان تیہ سے نجات حاصل ہوئی جب بیت المقدس میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیت المقدس کے ددوازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور حطۃ (ہمارے گناہوں کو معاف فرما) کہتے ہوئے داخل ہونا مگر یہ لوگ اللہ کے حکم کے برخلاف سرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور حطۃ یا حطۃ فی شعرۃ (گندم گندم بالی میں) کہتے ہوئے داخل ہوئے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ان کو گندم چاہیے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج اص ۴۱۱۔۴۰۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو قول کہنے کے لیے ان سے کہا گیا تھا اس کو ظالموں نے بدل دیا پس ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ (البقرہ: ۵۹)

بنو اسرائیل پر طاعون کا عذاب

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ عنہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ابن زید نے بیان کیا کہ جب بنو اسرائیل سے کہا گیا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور وہ سرین کے بل داخل ہوئے اور حطۃ کی جگہ انہوں نے حنطۃ کہا تو طاعون کی وبا کی شکل میں ان پر آسمانی عذاب آیا جس سے ان کے تمام بڑے لوگ ہلاک ہو گئے اور ان کے بیٹے بچ گئے اور بنو اسرائیل میں جس فضل اور عبادت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ان کے بیٹوں میں تھا اور ان کے تمام آباء و اجداد طاعون کی اس وبا میں ہلاک ہو گئے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

یہود کی پھر حکم عدولی

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے آئے اور انہیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم ہوا جو ان کی موروثی زمین تھی ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان تیہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورۃ مائدہ میں ذکر ہے قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ سدی، ربیع، قتادہ، ابو مسلم وغیرہ نے یہی کہا ہے، قرآن میں ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اس پاک زمین میں جاؤ جو تمہارے لئے لکھ دی گئی ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد ریحاء ہے بعض نے کہا ہے مصر مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے جمعہ کے دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا کی بلکہ سورج کو ان کے لئے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تھا تا کہ فتح ہو جائے فتح کے بعد انہیں حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ جو اس فتح کی اظہار تشکر کا مظہر ہوگا ابن عباس نے سجدے سے مراد رکوع لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدے سے مراد یہاں پر خشوع خضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الحطہ تھا۔ رازی نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکنا شروع کیا اور کروٹ کے بل داخل ہونے لگے سروں کو جھکانے کے بجائے اور اونچا کر لیا حطۃ کے معنی بخشش کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے عکرمہ کہتے ہیں اس سے مراد آیت (لا الٰہ الا اللہ) کہنا ہے ابن عباس کہتے ہیں ان میں گناہوں کا اقرار ہے حسن اور قتادہ فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں اللہ ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دے۔ پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح یہی کہتے ہوئے شہر میں جاؤ گے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی پستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کرو گے اور مجھ سے بخشش مانگو تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں میں تمہاری خطاؤں سے درگزر کر لوں گا۔

فتح مکہ کے موقع پر فرمان الٰہی سورۃ اذا جاء نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ جب اللہ کی مدد آ جائے مکہ فتح ہو اور لوگ دین اللہ میں فوج در فوج آنے لگیں تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنے رب کی تسبیح اور حمد وثنا بیان کرو اس سے استغفار کرو وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس سورت میں جہاں ذکر واستغفار کا ذکر ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت کی خبر تھی۔ حضرت ابن عباس نے حضرت عمر کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا جسے آپ نے فرمایا تھا جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ پر تھے یہاں تک کے سر جھکائے ہوئے تھے اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کے ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی جو ضحیٰ کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکریہ کی بھی دونوں طرح کے قول محدثین کے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسریٰ کے شاہی محلات میں پہنچے تو اسی سنت کے مطابق آٹھ رکعتیں پڑھیں دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنے کا بعض کا مذہب ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آٹھ ایک ساتھ ایک ہی سلام سے پڑھیں واللہ اعلم۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطۃ کے بجائے حبۃ فی شعرۃ کہتے ہوئے جانے لگے۔

نسائی، عبدالرزاق، ابو داؤد، مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ موجود ہے اور سنداً صحیح ہے حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے۔ ذات الحنظل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔

حضرت براءؓ فرماتے ہیں: **سیقول السفهاء** میں سفہاء یعنی جاہلوں سے مراد یہود ہیں جنہوں نے اللہ کی بات کو بدل دیا تھا حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں حطۃ کے بدلے انہوں نے **حنطة حبته حمراء فيها شعيرة** کہا تھا ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے **هطا سمعانا ازبته مزبا** ابن عباس بھی ان کی اس لفظی تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطۃ کے بدلے حنطۃ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

حضرت عطا، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع، یحییٰ نے بھی یہی بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے مذاق اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ رجز سے مراد عذاب ہے کوئی کہتا ہے غضب ہے کسی نے طاعون کہا ہے ایک مرفوع حدیث ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے اگلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔ بخاری اور مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے تم سے پہلے لوگ انہی سے عذاب دیئے گئے تھے۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، بیروت)

نماز میں قرأت کی صحیح ادائیگی کا بیان

116 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَاسْتَعْجَمَ الْقُرْآنُ عَلَى لِسَانِهِ فَلَمْ يَدْرِ مَا يَقُولُ فَلْيَضْطَجِعْ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رات کو نماز کے لیے کھڑا رہے پھر اس کی زبان سے قرآن صاف نہ نکلے اور جاننے کے قابل نہ رہے کہ کیا کہہ رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ سو جائے۔

خشوع کے معنی ومفہوم کا بیان

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابن فارس نے کہا خشوع کا صرف ایک معنی ہے جھکنا اور پست ہونا، جب کوئی شخص جھک جائے اور سر کو جھکالے تو کہا جاتا ہے: خشع فلان، اور یہ لفظ خضوع کے قریب المعنی ہے مگر بدن کے ساتھ عاجزی اور ذلت کے ساتھ اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کو خضوع کہتے ہیں اور خشوع، بدن، آواز اور بصر سب میں عام ہے، بدن کو جھکانا، پست آواز سے بات کرنا، نظریں جھکانا یہ سب خشوع ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خاشعة ابصارھم (القلم:۴۳) درآں حالیکہ ان کی نظریں جھکی ہوئی ہیں اور قرآن مجید میں ہے: وخشعت الاصوات للرحمن (طٰہٰ:۱۰۸) رحمٰن کے لئے آوازیں پست ہوگئیں۔ ابن درید نے کہا رکوع کرنے والے کو الخاشع کہتے ہیں، علامہ راغب نے کہا الخشوع کا معنی ہے عاجزی اور انکسار کرنا اس کا اطلاق زیادہ تر ظاہری اعضاء سے عاجزی اور انکسار پر ہوتا ہے اور ضراعت کا اطلاق دل کی عاجزی اور انکسار پر ہوتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب دل میں عاجزی ہو تو ظاہری اعضاء میں خشوع ہوتا ہے، زجاج نے کہا جو بستی اجڑی ہوئی ہو اور اس میں کوئی ٹھہرتا نہ ہوا اس کو الخاشعہ کہتے ہیں اور جو زمین میں خشک ہو اور اس پر بارش نہ ہو اس کو بھی الخاشعہ کہتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

ومن ایتہ انك تری الارض خاشعة فاذا انزلنا علیھا المآء اھترت وربت (حم السجدہ:۳۹)

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے تم زمین کو سوکھا اور خشک دیکھتے ہو، پھر جب ہم اس پر بارش نازل کرتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر بڑھنے لگتی ہے (یعنی سرسبز ہو جاتی ہے۔

(مقاییس اللغہ لابن فارس ج ۲ ص ۱۸۲ المفردات ج ۱ ص ۱۹۷ الصحاح للجوھری ج ۳ ص ۱۲۰۴ النھایہ لابن الاثیر ج ۲ ص ۳۴ لسان العرب لابن منظور ج ۸ ص ۷۱)

الخشوع کا اصطلاحی معنی

علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں: الخشوع کا معنی ہے حق کی اطاعت کرنا اور التواضع کا معنی ہے حق کو ماننا اور اس کو تسلیم کرنا اور کسی حکم پر اعتراض نہ کرنا۔

حضرت حذیفہ نے کہا تمہارے دین سے جو چیز سب سے پہلے گم ہوگی وہ خشوع ہے۔ محمد بن علی الترمذی نے کہا الخاشع وہ شخص ہے جس کی شہوت کی آگ بجھ گئی ہو اور اس کی سینہ میں غضب کا دھواں ٹھنڈا ہو چکا ہو، اس کے دل میں اللہ کی تعظیم کا نور روشن ہو اور اس کے اعضاء سے تواضع ظاہر ہو۔

حسن بصری نے کہا الخشوع اس خوف کو کہتے ہیں جو دل میں ہمیشہ لازم رہے۔ جنید بغدادی سے الخشوع کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا علام الغیوب کے لئے دلوں کا نرم اور ذلیل ہونا۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔

ایک قول یہ ہے کہ نماز میں خشوع یہ ہے کہ اس کو نماز میں یہ پتا نہ چلے کہ اس کے دائیں جانب کون ہے اور بائیں جانب کون ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ ص۱۸۲۔۱۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ لکھتے ہیں: حق یہ ہے کہ الخشوع ایسا معنی ہے جو اللہ کی تعظیم، اس کی محبت اور اس کی جناب میں ذلت اور انکسار کے مجموعہ سے مرکب ہے۔ (مدارج السالکین ج۱ ص۵۵۹۔۵۵۸ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

خشوع کے درجات

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں: الخشوع کے حسب ذیل تین درجات ہیں:

(۱) حکم کے سامنے سرنگوں ہونا، حکم کو تسلیم کرنا اور نظر حق کے لئے عاجزی کرنا، حکم کے سامنے سرنگوں ہونے کا معنی ہے عاجزی کے ساتھ حکم کی اطاعت اور فرماں برداری کرنا اور اپنے ضعف اور ہدایت کی احتیاج کو ظاہر کرتے ہوئے اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ حکم کی موافقت کرنا اور حکم کو تسلیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ حکم شرعی کے بالمقابل اپنی رائے اور خواہش کا اظہار نہ کرنا اور اس پر غضب اور کراہت کا اظہار نہ کرنا اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا اور نظر حق کے لئے عاجزی کرنے کا معنی یہ ہے کہ دل کو اور اعضاء کو نظر حق کے جھکا دینا۔

(۲) نفس اور عمل کی آفات کا انتظار کرنا اور ہر صاحب فضل کی فضیلت کو دیکھنا اور یہ اس وقت ہوگا جب تم اپنے نفس اور عمل کے نقائص اور عیوب کے ظہور کا انتظار کرو اور جب تم اپنے نفس کے نقائص اور عیوب کے ظہور کا انتظار کرو گے اور اپنے فخر اور تکبر اور صدق کے ضعف اور یقین کی کمی اور نیت کے پختہ نہ ہنے کا مطالعہ کرو گے تو لامحالہ اس سے تمہارا دل خشوع کرنے والا ہو جائے گا اور رہا صاحب فضل کی فضیلت میں غور وفکر کرنا تو اس کی وجہ سے تم لوگوں کے حقوق کی رعایت کرو گے اور ان کو ادا کرو گے، اور اگر کوئی شخص تمہارے حق کی ادائیگی میں کمی کرتا ہے تو تم اس سے بدلہ نہ لینا کیونکہ یہ نفس کی رعونت اور اس کی حماقت ہے۔

(۳) جب کسی چیز کا شکف ہو جائے تو اس کی حفاظت کرنا اور دل کو مخلوق کے دکھاوے سے صاف رکھنا، اور عاجزی اور انکسار کے ساتھ دل کو منضبط رکھنا۔ (مدارج السالکین ج۱ ص559۔560 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

قرآن مجید میں الخشوع کے اطلاقات

قرآن مجید میں الخشوع کا اطلاق حسب ذیل معانی پر ہے:

(۱) خشوع بہ معنی ذلت، عاجزی اور انکسار، اس کی مثال یہ آیت ہے:

وخشعت الاصوات للرحمٰن (طٰہٰ:۱۰۸) اور رحمان کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی۔

(۲) اعضاء کا پرسکون اور مؤدب رہنا، اس کی مثال یہ آیت ہے:

الذین ھم فی صلاتھم خشعون (المؤمنون:۲) اور جو لوگ سکون اور ادب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، (یعنی نماز میں اعضاء کو ادھر ادھر فضول حرکت نہیں دیتے، اپنے اعضاء سے صرف افعال نماز انجام دیتے ہیں۔)

(۳) خشوع بہ معنی خوف، جیسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

ویدعوننا رغبا ورھباً ط وکانوا لنا خاشعین ۔ (الانبیاء:۹۰)

وہ رغب اور خوف کے ساتھ ہماری عبادت کرتے ہیں اور وہ ہم سے ڈرنے والے ہیں۔

(۴) خشوع کا اطلاق قرآن مجید میں تواضع پر بھی ہے، اس کی مثال یہ آیت ہے:

وانھا لکبیرۃ الا علی الخشعین ۔ (البقرہ:۴۵) بے شک یہ نماز ضرور بھاری ہے سوا ان پر جو تواضع اور عاجزی کرنے والے ہیں۔

(۵) خشوع کا اطلاق سوکھی ہوئی اور خشک چیز پر بھی کیا گیا ہے اس کی مثال یہ آیت ہے:

وتری الارض خاشعۃ (حم السجدہ:۳۹) تم زمین کو سوکھی ہوئی اور خشک دیکھتے ہو۔

خشوع کے متعلق لفظاً اور معنی احادیث

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مسلمان شخص پر فرض نماز کا وقت آئے وہ اس نماز کا اچھی طرح وضو کرے اور نماز میں اچھی طرح خشوع اور رکوع کرے تو وہ نماز اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، جب تک کہ وہ کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور یہ سلسلہ تمام دہر تک رہے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۸، سنن بیہقی ج ا ص ۱۸۷ کنز اعمال رقم الحدیث:۱۹۰۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس طرح ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے، جس طرح روز ہ رکھنے والا نماز میں قیام کرنے والا، خشوع کرنے والا رکوع کرنے والا اور سجدے کرنے والا ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث،۳۱۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری توجہ صرف سامنے ہوتی ہے اللہ کی قسم مجھ پر نہ تمہارا رکوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا خشوع مخفی ہوتا ہے اور بے شک میں تم کو ضرور اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۱۷ صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۲۵، ۴۲۴، مسند احمد رقم الحدیث:۸۰۱۱، ۸۵۷۶، ۸۸۶۴، عالم الکتب)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب آدھی رات کو ہوتا ہے اگر تم اس وقت میں اللہ کا ذکر کر سکتے ہو تو کرو۔ (یہ حدیث حسن صحیح، غریب ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۷۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۲ مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۱ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۱۱۴۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵۶۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی اچھے طریقہ سے وضو کرتا ہے پھر اس طرح کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے کہ وہ ان دو رکعتوں کی طرف اپنے دل اور چہرہ سے متوجہ ہوتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۶، ۱۶۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز استقاء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر زینت کے عام لباس میں باہر آئے عاجزی کرتے ہوئے اور گڑ گڑاتے ہوئے حتیٰ کہ عید گاہ پہنچے پھر تمہارے خطبوں کی طرح خطبہ نہیں دیا، لیکن آپ دعا کرنے، آہ زاری کرنے اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے میں مصروف رہے۔ وہ اس طرح نماز پڑھی جس طرح عید کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۶۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث، ۱۱۸۶ سنن النسائی رقم الحدیث، ۱۵۰۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۷۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۰ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۴۰۵، سنن الدارقطنی ج ۲ ص ۶۷ المستدرک ج ۱ ص ۳۲۶ سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۴۷)

حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہو نماز میں آپ کے رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز آتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۹۰۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۲، شمائل الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے قرآن پڑھو میں نے عرض کیا میں آپ کے سامنے قرآن پڑھیں! حالانکہ آپ پر تو خود قرآن مجید نازل کیا گیا ہے! آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے قرآن سنوں، میں نے آپ کے سامنے سورۃ النساء پڑھی جب میں اس آیت پر پہنچا چاہتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے قرآن سنوں، میں نے آپ کے سامنے سورۃ النساء پڑھی جب میں اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بك علی هنولاء شهیدا تو آپ نے فرمایا رک جاؤ اس وقت آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۸۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۸ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۰۲۵)

خشوع کے متعلق آثار صحابہ اور اقوال تابعین

حضرت عبداللہ بن معسود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے لئے خشوع کرتے ہوئے عاجزی کی، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سر بلند کرے گا اور جس شخص نے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے تکبر کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو سرنگوں کرے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۲۶۲ المعجم الکبیر ج ۹ ص ۱۶۳ ج ۹ ص ۹۵ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۳، ۲۳۵ کتاب الزھد للوکیع بن الجراح رقم الحدیث: ۲۱۶ کتاب الزھد لاحمد بن حنبل رقم الحدیث: ۱۴۲ مختصر تاریخ دمشق ج ۱۳ ص ۳۷۷)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص گردن جھکا کر نماز پڑھ رہا تھا، حضرت عمر نے فرمایا: اے گردن والے اپنی گردن اوپر اٹھاؤ، خشوع گردنوں میں نہیں ہوتا خشوع دل میں ہوتا ہے۔ (مدارج السالکین ج ا ص ۵۵۹ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے **الذین ھم فی صلوتھم خاشعون** کی تفسیر میں فرمایا جب صحابہ نماز پڑھتے تھے تو اپنی نماز کی طرف متوجہ رہتے تھے، اپنی نظریں جھکا کر سجدہ کی جگہ رکھتے تھے اور ان کو یہ یقین ہوتا تھا کہ اللہ ان کی طرف متوجہ ہے اور وہ دائیں بائیں التفات نہیں کرتے تھے۔ (الدرالمنثور ج ۶ ص ۸۴ بہ حوالہ تفسیر ابن مردویہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے **ویل للمطففین** کی چھ ابتدائی آیتیں پڑھیں جب وہ **یوم یقوم الناس لرب العالمین** پر پہنچے تو ان پر گریہ طاری ہوا اور وہ زمین پر گر گئے اور آگے نہ پڑھ سکے۔

(کتاب الزھد للوکیع بن الجراح رقم الحدیث: ۲۷ کتاب الزھد لاحمد بن حنبل رقم الحدیث: ۱۹۲ حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۳۰۵ المستدرک ج ۵ ص ۲۱۷)

حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہ جب وضو کرتے تو ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا اور متغیر ہو جاتا، ان سے پوچھا جاتا آپ کو کیا ہوا وہ کہتے کیا تم کو معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

(مختصر منہاج القاصدین لابن قدامہ ص ۲۷۳ دارالتراث العربی بیروت، ۱۹۸۲ء)

قتادہ نے کہا دل میں جب خشوع ہو تو خدا کا خوف ہوتا ہے اور نماز میں نظریں نیچے ہوتی ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۳۹، الدرالمنثور ج ۶ ص ۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دل میں خشوع یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے لئے نرم ہو اور نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۳۶ المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳ المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳، حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی)

حافظ جلال الدین سیوطی نے الخشوع کی تفسیر میں حسب ذیل احادیث اور آثار نقل کئے ہیں: حکیم ترمذی اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نفاق کے خشوع سے اللہ کی پناہ طلب کرو، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ نفاق کا خشوع کیسا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا بدن میں خشوع ہوتا ہے اور دل میں نفاق ہوتا ہے۔ (نوادر الاصول ج ۲ ص ۱۷۲)

امام ابن المبارک، امام ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے کتاب الزھد میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا نفاق کے خشوع سے اللہ کی پناہ طلب کرو ان سے پوچھا نفاق کا خشوع کس طرح ہوتا ہے انہوں نے کہا جسم خوف خدا سے کانپ رہا ہو اور دل میں خوف خدا نہ ہو۔ (کتاب الزھد لامام احمد بن حنبل ص ۱۸۲، مکتبہ دارالباز، ۱۴۱۴ھ)

امام عبدالرزاق، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے زہری نے روایت کیا ہے کہ نماز کو سکون سے پڑھنا خشوع ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۲۶۲، بیروت)

امام حکیم ترمذی نے حضرت ام رومان والدہ حضرت عائشہ سیروایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے نماز میں آگے پیچھے جھولتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے مجھے اس قدر سختی کے ساتھ ڈانٹا کہ قریب تھا میری نماز ٹوٹ جاتی، پھر حضرت ابوبکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے تمام اعضاء کو ساکن

رکھے اور نماز میں یہودیوں کی طرح آگے پیچھے ہلے نہیں کیونکہ تمام اعضاء کو ساکن رکھنا نماز کی تکمیل سے ہے۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۱۷۱)

امام حکیم ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ روسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا وہ نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا آپ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۱۷۲)

امام ابن ابی شیبہ، امام بخاری، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر، ادھر التفات (مڑنے) کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا یہ شیاطن کا اچکنا اور چھینا ہے، بندہ کی نماز سے اتنا حصہ شیطان اچک لیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۱۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۰ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۹۵)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیر وایت کیا ہے انہوں نے اپنے ایام مرض میں کہا میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی ہوئی ایک امانت ہے وہ میں تم تک پہنچا رہا ہوں آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص نماز میں التفات نہ کرے (ادھر ادھر مڑ کر نہ دیکھے) اگر ضرور ایسا کرنا ہو تو فرائض کے غیر میں کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۴۵۴۴)

امام عبد الرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے عطا کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب تم نماز پڑھ رہے ہوتے ہو تو تمہارا رب تمہارے سامنے ہوتا ہے اور تم اس سے مناجات کر رہے ہوتے ہو، پس تم ادھر ادھر التفات نہ کرو اور عطا نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رب فرماتا ہے اے ابن آدم! تو کس کی طرف التفات کر رہا ہے؟ میں تیرے لئے اس سے بہتر ہوں جس کی طرف تو التفات کر رہا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۳۸)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تم نماز میں ادھر ادھر التفات کرنے سے خود کو بچاؤ کیونکہ التفات کرنے والے کی نماز (کامل) نہیں ہوتی اور اگر تم کو ایسا کرنا ہی ہو تو نوافل میں کرو فرائض میں نہ کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۳۵)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، بے شک اللہ بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اپنا وضو نہ توڑے یا جب تک ادھر ادھر التفات نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۳۴)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبد اللہ بن متقذ سے روایت کیا ہے کہ جب بندہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اپنے بندہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور جب وہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اس سے اعراض کر لیتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۴۵۴۰)

امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں وہ اس سے باز آ جائیں ورنہ ان کی نظریں واپس نہیں آئیں گی۔ (مصنف ابی شیبہ رقم الحدیث، ۶۳۱۸)

امام ابن ابی شیبہ، امام بخاری، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنی نمازوں میں آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں پھر آپ نے اس میں بہت سختی کی اور فرمایا وہ لوگ اس سے باز آ جائیں ورنہ ان کی آنکھیں چھین لی جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۴۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۹۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۸۸، عالم الکتب بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۷۵۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۴۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۹۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۸۸، عالم الکتب بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۱۶ بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں وہ اس سے باز آ جائیں ورنہ ان کی نظریں واپس نہیں آئیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۴۱۵)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کی نظر واپس نہ آئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث، ۶۳۷۱ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابن سعد امام ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے کتاب الزھد میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن الزبیر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے کوئی لکڑی کا ستون کھڑا ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے مجاہد نے کہا یہ نماز میں ان کا خشوع تھا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص 84۔87 ملتقطا مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: خشوع کی تعریف میں اختلاف ہے، بعض علماء نے خشوع کو افعال قلوب سے قرار دیا ہے، جیسے خوف اور ڈر، بعض نے خشوع کو اعضاء ظاہرہ سے قرار دیا ہے مثلاً جسم کو ساکن رکھنا اور ادھر ادھر التفات نہ کرنا اور بعض نے کہا کہ خشوع ان دونوں چیزوں کو شامل ہے اور یہی تعریف راجح اور اولیٰ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۹ مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نماز میں خشوع کرنا آیا واجب ہے یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نماز میں خشوع کرنا واجب ہے اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

نماز میں خضوع اور خشوع کے وجوب پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(۱) افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالها (محمد: ۲۴)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟

قرآن میں تدبر اسی وقت متصور ہوگا جب نماز میں قرآن کے معانی پر غور کرے گا اور نماز میں قرآن کے معانی پر غور کرنا ہی خشوع ہے۔

(۲) واقم الصلوة للذکری (طٰہٰ: ۱۴) اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم رکھو۔

نماز غفلت سے پڑھنا اللہ کو یاد کرنے کے منافی ہے اور یاد رکھنے کا امر ہے اور امر حقیقتاً وجوب کے لئے آتا ہے پس نماز میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہونا واجب ہے اور یہی خشوع ہے۔

(۳) **ولا تکن من الغافلین** (الاعراف:۲۰۵) اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

اس آیت کا تقاضا ہے کہ نماز میں اللہ کی یاد سے غافل رہنا حرام ہے اور یہی خشوع کا معنی ہے۔

(۴) **حتی تعلموا ماتقولون** (النساء:۴۳)

(تم اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ) حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم نماز میں کیا پڑھ رہے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دنیا کے افکار میں ڈوبا ہوا اور نماز میں قرآن کے معانی کی طرف متوجہ نہ ہو وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک دنیا کی مہمات اور افکار سے فارغ نہ ہو اور نماز کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع کرنا واجب ہے۔

نماز میں خضوع اور خشوع کے وجوب پر احادیث سے دلائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من لم تنه صلاته عن الفحشاء و المنكر لم يزدد من الله الا بعدا** ۔ جس شخص کی نماز اس کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے منع کرے وہ اللہ سے صرف دور ہی ہوتا ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۱۰۲۵ مجمع الزوائد ج۲ ص۲۵۸)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **من لم تامره صلاته بالمعروف وتنهاه عن المنكر لم يزد من الله الابعدا** ۔ جس شخص کی نماز اس کو نیکی کا حکم نہ دے اور اس کو برائی سے نہ روکے وہ اللہ تعالیٰ سے صرف دور ہی ہوتا ہے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۸۵۴۳)

اور جو شخص بغیر خشوع کے غفلت سے نماز پڑھتا ہے اس کو نماز نیکی کا حکم نہیں دیتی اور برائی سے نہیں روکتی اس سے معلوم ہوا کہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے یہ احادیث ذکر کی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **كم من قائم حظه من صلوة التعب و النصب**، (کتنے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جن کو نماز پڑھنے سے سوائے تھکاوٹ اور درد کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا) اس سے آپ کی مراد غافل کی نماز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ليس للعبد من صلوته الا ماقعل منها** (نماز میں سے بندہ کا اتنا ہی حصہ ہے جو اس نے سمجھ کر پڑھا ہے) (احیاء العلوم ج ا ص ۱۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔ ۱۴۱۹ھ)

امام غزالی نے یہ احادیث معنیً روایت کی ہیں ان احادیث کے الفاظ اس طرح ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جس کو روزہ رکھنے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور بہت سے رات کو نماز میں قیام کرنے والے ایسے ہیں جن کو قیام سے سوائے جاگنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۹۰ (اس حدیث کی سند حسن ہے) مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱، سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۷۳۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث

:۳۴۸۱سنن کبری للبیہقی ج ۴ص ۲۷۰شرح السنۃ رقم الحدیث:۷۴۷)

علامہ زین الدین عراقی متوفی ۸۰۶ھ نے احیاء العلوم کی تخریج میں لکھا ہے: **لیس للعبد من صلاته الا ماعقل** اس حدیث مرفوع کو میں نے نہیں پایا اور محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلوۃ میں یہ حدیث مرسل لکھی ہے کہ اللہ بندہ کا وہ عمل قبول نہیں کرتا جس میں بدن کے ساتھ اس کا قلب حاضر نہ ہو، اور ابو منصور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابی بن کعب سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص غفلت سے نماز پڑھتا ہے اس کی نماز نہیں لکھی جاتی۔

(المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار مع احیاء العلوم ج ۱ص ۱۵۳دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس آدمی کی نماز میں خشوع نہیں ہوتا اس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۷۹۳۵زہر الفردوس ج ۴ص ۱۲۳۹تحاف السادۃ المتقین ج ۳ص ۱۱۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو نماز کی اطاعت نہ کرے اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ نماز اس کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے منع کرے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث، ۷۹۲۸زہر الفردوس ج ۴ص ۴۰ ۱۰تحاف السادۃ المتقین ج ۳ص ۱۱۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی جانب میں بلغم پڑا ہوا دیکھا یہ آپ پر بہت ناگوار گزرا حتیٰ کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دکھائی دیئے، آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو کھرچ کر صاف کر دیا پھر آپ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات اس کو کھرچ کر صاف کر دیا پھر آپ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات (چپکے چپکے کلام) کرتا ہے اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے سو تم میں سے کوئی شخص قبلہ کی طرف نہ تھوکے لیکن بائیں جانب یا قدموں کے نیچے تھوکے (جب مسجد کا فرش کچا ہو) ورنہ اپنی چادر میں اس تھوک کو مل دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۵صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۱سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۵۴امسند احمد رقم الحدیث: ۷ ۱۹۱۱، عالم الکتب)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نمازی نماز میں اپنے رب سے چپکے چپکے باتیں کرتا ہے، یعنی اس کی حمد اور ثناء کرتا ہے اس سے صراط مستقیم کا سوال کرتا ہے اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہے اس کی بارگاہ میں اپنی عبادات کے تحائف پیش کرتا ہے اس کے نبی پر سلام عرض کرتا ہے صلاۃ پڑھتا ہے اور اپنے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہے اور آخر میں دائیں اور بائیں فرشتوں کو سلام کرتا ہے، یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب وہ خضوع اور خشوع سے نماز پڑھے اور جو کچھ زبان سے کہے دل اس کی طرف متوجہ ہو اور دل و دماغ حاضر ہو، اگر وہ غفلت، بے توجہی اور غائب دماغی کے ساتھ نماز پڑھے اور جو کچھ زبان سے کہے دل اس کی طرف متوجہ ہو اور دل و دماغ حاضر ہو، اگر وہ غفلت، بے توجہی اور غائب دماغی کے ساتھ نماز پڑھے گا تو یہ مناجات اور رب کے ساتھ کلام حاصل نہیں ہو سکے گا، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ غفلت اور بے توجہی سے نماز پڑھنا منع ہے اور حضور قلب اور خضوع اور خشوع کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔

نماز میں خشوع کے وجوب کا محمل

ہم نے جو کہا ہے کہ نماز خشوع کے ساتھ پڑھنا واجب ہے یہ نماز کے ظاہری اجزاء کے اعتبار سے واجب نہیں ہے لہٰذا اس کے ترک سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، یہ نماز کی صورت اور ظاہر کا متمم نہیں ہے بلکہ یہ نماز کے باطن کا متمم ہے، خشوع کو ترک کرنے سے نماز کے ظاہر میں نقص نہیں ہوگا بلکہ نماز کے باطن اور اس کی حقیقت میں نقص ہوگا اور جس طرح نماز کی قبولیت میں کمال ظاہر ضروری ہے اسی طرح اس کا کمال باطن بھی ضروری ہے، خشوع نہ کرنے سے نماز کی فرضیت ساقط ہو جائے گی، سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہوگا، لیکن اس نماز پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوگا اور نماز پڑھنے سے جو نورانیت، للّٰہیت، تقویٰ اور طہارت اور صالحیت پیدا ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہوگی، امام غزالی اور امام رازی دونوں نے نماز میں خشوع کو واجب کہا ہے (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۳ تفسیر کبیر ج ۸ کبیر ج ۸ ص ۲۵۹) لیکن دونوں نے وجوب فقہی اور ظاہری اور وجوب سری اور باطنی میں فرق نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان الصلوة تنهى عن الفحشآء والمنكر (العنکبوت: ۴۵)

بے شک نماز بے حیائی کے کاموں سے اور برائیوں سے روکتی ہے۔

اگر آپ نے نماز پڑھی اور اس کے باوجود آپ برے کام کر رہے ہیں اور نماز نے آپ کو بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکا تو پھر اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام غلط ہے اور یا پھر آپ نے نماز کی صورت میں جو کچھ پڑھا ہے وہ حقیقت میں نماز نہیں ہے اگر آپ نے حقیقت میں نماز پڑھی ہوتی تو پھر نماز آپ کو ضرور برے کاموں سے روکتی، اللہ تعالیٰ کا فرمان غلط نہیں ہے وہ سچا کلام ہے۔

نماز آپ کو بے حیائی اور برے کاموں سے ضرور روکے گی آپ خشوع اور خضوع سے نماز پڑھیں اس یقین کے ساتھ کہ آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہے، پھر اس نماز پر تقویٰ اور صالحیت کا ثمرہ مرتب ہوگا۔ میں نے بہت محنت اور عرق ریزی سے خشوع کی یہ بحث لکھی ہے اگر اس کو پڑھ کر ایک مسلمان بھی خشوع سے نماز پڑھنے لگا تو میری یہ محنت ٹھکانے لگ جائے گی!

خشوع کے فوائد

(۱) خشوع سے اللہ عزوجل کا ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ (۲) خشوع ایمان اور حسن اسلام کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ (۳) خشوع بندے کی نیکی اور استقامت کی دلیل ہے۔ (۴) اللہ کی عبودیت کا اعلان اور اس کے ماسوا کو ترک کرنا ہے۔ (۵) خشوع سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور ثواب زیادہ ملتا ہے۔ (۶) عذاب اور سزا سے نجات ملتی ہے۔ (۷) جنت کی کامیابی ملتی ہے۔ (۸) قیامت کے دن خشوع کرنے والوں کا مرتبہ بلند ہوگا۔ (۹) خشوع انسان کی نظروں اور اس کے کندھوں کو جھکا کر رکھتا ہے۔ (۱۰) خشوع دل کی سختی کو دور کرتا ہے۔ (۱۱) نماز میں خشوع اخروی فلاح تک پہنچاتا ہے، (۱۲) جس شخص کے دل میں خشوع ہو شیطان اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔

نماز میں خشوع کرنے والوں کی چند مثالیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں گئے، مسلمانوں میں سے کسی شخص نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا، اس مشرک نے قسم کھائی وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کا خون نہیں بہائے گا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرتے ہوئے نکلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ پر قیام کیا آپ نے پوچھا رات کو کون شخص ہمارا پہرہ دے گا، ایک شخص مہاجرین میں سے اور ایک شخص انصار میں سے اٹھا اور انہوں نے رات کو پہرہ دینے کی ذمہ داری قبول کی، آپ نے فرمایا تم دونوں گھاٹی کے منہ پر پہرہ دینا جب وہ دونوں گھاٹی کے منہ پر پہنچے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا جو شخص صحابہ کا پیچھا کر رہا تھا وہ بھی پہنچ گیا۔ جب اس نے انصاری کو دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ قوم کا پہرہ دار ہے اس نے اس انصاری کو تاک کر تیر مارا اور لگا تار تین تیر مارے وہ اسی طرح رکوع اور سجدہ کرتے رہے، پھر ان کا مہاجر ساتھی بیدار ہو گیا، جب اس مشرک نے دیکھا کہ یہ خبردار ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا جب مہاجر نے انصاری کے جسم سے خون بہتے ہوئے دیکھا تو کہا جب تمہیں پہلا تیر لگا تو تم نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں! اس نے کہا میں نماز میں جس سورت کی تلاوت کر رہا تھا اس کو منقطع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۹۸، دار الفکر بیروت:۱۴۱۴ھ)

سبحان اللہ! یہ ہے نماز میں خشوع کا عالم جسم پر پیہم تیر لگ رہے ہیں خون بہہ رہا ہے اور صحابی رسول اسی طرح نماز پڑھ رہے ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: عبادت میں مشغول ہونا جہان غرور سے جہان سرور کی طرف منتقل ہونا ہے اور مخلوق کو چھوڑ کر خالق کے دربار میں پہنچنا ہے اور اس سے لذت اور خوشی کا کمال پیدا ہوتا ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے ایک سانپ چھت سے گر گیا لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے اور امام ابوحنیفہ نماز میں مشغول تھے انہیں کچھ پتا نہیں چلا اور حضرت عروہ بن الزبیر کے کسی عضو میں زخم ہو گیا اس زخم کے زہر کو پھیلنے سے روکنے کے لئے اس عضو کو کاٹنا ضروری تھا جب حضرت عروہ نے نماز پڑھنی شروع کی تو لوگوں نے اس عضو کو کاٹ دیا اور عروہ کو اس عضو کے کٹنے کا مطلقاً پتا ہی نہیں چلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سینہ سے ایسی آواز تھی جیسے ہنڈیا کے ابلنے کی آواز آتی ہے۔ اور جو شخص ان مثالوں کو مستبعد سمجھتا ہو اسے اس آیت کی تلاوت کرنی چاہئے:

فلما رآنه اكبرله وقطعن ايديهن (یوسف:۳۱)

جب مصر کی عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو ان کو بہت بڑا جانا اور (پھل کے بجائے) اپنے اتھ کاٹ ڈالے۔

جب مصر کی عورتوں کے دلوں پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کے حسن و جمال کا غلبہ ہوا اور یہ غلبہ اس حد کو پہنچا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو پتا نہ چلا تو جب بشر کے حق میں یہ بے خودی اور سرشاری ممکن ہے تو جس کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال اور اس کی عظمتوں کا غلبہ ہو اس کا اس طرح بے خود، سرشار اور مستغرق ہونا تو بہ درجہ اولیٰ ممکن ہے۔

(تفسیر کبیر ج۱ ص213-214 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: ابوبکر بن منیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن امام محمد بن اسماعیل بخاری نے نماز پڑھی، زنبور (بتتیہ یا بھڑ) نے ان کی پیٹھ پر سترہ جگہ ڈنک لگائے اور انہوں نے اپنی نماز منقطع نہیں کی، نماز پوری کرنے کے بعد انہوں نے شاگردوں سے کہا ذرا دیکھو تو یہ کیا چیز ہے جو نماز میں مجھے اذیت پہنچا رہی تھی انہوں نے دیکھا تو ان کی پیٹھ سترہ جگہ سے سوجی ہوئی تھی اور انہوں نے نماز منقطع نہیں کی۔ محمد بن ابی حاتم وراق نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے انہوں نے اس واقع کے آخر میں کہا امام بخاری نے نماز نہ توڑنے کے متعلق بتائی میں جس آیت کی تلاوت کر رہا تھا، میں چاہتا تھا کہ میں اس آیت کو پورا کرلوں۔ (ھدی الساری ص ۶۶۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۳۱ھ)

ہم لوگ جو نماز میں چہرے سے مکھیوں کو اڑاتے رہتے ہیں جو جسم پر رکھی کو برداشت نہیں کرتے وہ امام بخاری کے اس خشوع کا کب اندازہ کر سکتے جن کی پیٹھ پر زنبور نے سترہ جگہ ڈنک لگائے اور وہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔

علامہ محمد بن یحییٰ حلبی التوفی ۹۶۳ھ لکھتے ہیں: احمد بن صالح الجیلی بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا الشیخ عبدالقادر کے ساتھ مدرسہ نظامیہ میں تھا، آپ کے پاس فقراء اور فقہاء بیٹھے ہوئے تھے آپ ان کے سامنے قضاء اور قدر کے موضوع پر خطاب فرما رہے تھے اچانک ایک بہت بڑا سانپ چھت سے گرا تو آپ کی مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ سب بھاگ گئے اور سوائے حضرت شیخ کے اور کوئی بیٹھا نہ رہا وہ سانپ آپ کے کپڑوں کے نیچے داخل ہو گیا اور آپ کے جسم میں پھرتا رہا، پھر وہ آپ کی گردن میں لپٹ گیا اس کے باوجود آپ نے اپنا خطاب منقطع نہیں کیا اور نہ اپنی نشست میں کوئی تغیر تبدیل کیا وہ سانپ پھر زمین پر اترا اور آپ کے سامنے اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے کچھ کلام کیا جس کو ہم سمجھ نہیں سکے پھر وہ سانپ چلا گیا اور پھر لوگ آپ کے پاس حجرہ میں آ گئے اور آپ سے پوچھا کہ سانپ نے آپ سے کیا کہا تھا اور آپ نے اس کا کیا جواب دیا تھا۔ آپ نے فرمایا سانپ نے مجھ سے کہا میں نے بہت سے اولیاء اللہ کو آزمایا لیکن آپ ایسا استقامت والا اور عالی ہمت کسی کو نہیں پایا، میں نے اس سانپ سے کہا جس وقت تم چھت سے مجھ پر گرے تھے میں اس وقت قضاء قدر کے مسئلہ پر خطاب کر رہا تھا اور تم تو صرف ایک سانپ ہو اور تم کو وقت تم چھت سے مجھ پر گرے تھے میں اس وقت قضاء قدر کے مسئلہ پر خطاب کر رہا تھا اور تم تو صرف ایک سانپ ہو اور تم کو حرکت دینے والی اور ٹھہرانے والی چیز تو تقدیر پر ہے تقدیر سے کوئی شخص بھاگ نہیں سکتا تو میں نے یہ چاہا کہ میرا فعل میرے قول کے خلاف نہ ہو۔

اور سیدی عبدالرزاق ابن سیدنا الشیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے فرمایا میں ایک رات جامع المنصوری میں نماز پڑھ رہا تھا میں نے کسی چیز کے چلنے کی آہٹ سنی پس اچانک ایک بہت زہریلا سانپ آیا وہ میرے سجدہ کی جگہ پر اپنا پھن کھول کر بیٹھ گیا جب میں نے سجدہ کا ارادہ کیا تو اس کو اپنے ہاتھ سے ہٹا دیا اور سجدہ کر لیا، جب میں تشہد میں بیٹھا تو وہ میرے زانو پر سے چلتا ہوا میری گردن تک پہنچا پھر گردن میں لپٹ گیا، جب میں نے سلام پھیرا تو وہ نظر نہیں آیا دوسرے روز میں ظاہر الجامع کے کھنڈر میں گیا وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا اس کی آنکھیں طول میں پھٹی ہوئی تھیں (یعنی اس کی آنکھیں رض میں نہیں طول میں تھیں) میں نے جان لیا کہ وہ جن ہے اس نے مجھ سے کہا میں ہی وہ زہریلا سانپ ہوں جس کو تم نے

گزشتہ کل دیکھا تھا اور میں نے جس طرح آپ کو آزمایا ہے اس طرح میں نے بہت سے اولیاء اللہ کو آزمایا سو ان میں سے کوئی بھی آپ کی طرح ثابت قدم نہیں رہا، بعض وہ تھے جن کا ظاہر اور باطن دونوں مضطرب ہو گئے اور بعض وہ تھے جن کا ظاہر ثابت قدم رہا اور ان کا باطن مضطرب رہا اور میں نے آپ کو دیکھا کہ میری وجہ سے نماز میں آپ کا ظاہر۔

(قلائد الجواہر ص ۳۴ مطبوعہ شرکتہ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر، ۱۳۷۵ھ)

یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو نماز میں اس طرح خشوع کرتے تھے کہ نماز میں ان کے جسم پر تیر لگے خون بہے، ان کا عضو کاٹ دیا جائے مسجد میں چھت سے سانپ گر جائے، زنبور جگہ جگہ ڈنک مارے اور نماز میں سانپ ان کی گردن سے لپٹ جائے تب بھی ان کی نماز کے خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، اللہ تعالیٰ ان خاشعین کے تصدق اور توسل سے ہماری نمازوں میں بھی خشوع عطا فرمائے آمین۔ (تفسیر تبیان القرآن، لاہور)

زمانے کو برا کہنے کی ممانعت کا بیان

117 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: لَا يَقُلِ ابْنُ آدَمَ يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ فَإِنِّي أَنَا الدَّهْرُ أُرْسِلُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ فَإِذَا شِئْتُ قَبَضْتُهُمَا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کہا: آدم کے کسی بیٹے (انسان کو "زمانہ کا برا ہو" نہ کہنا چاہئے کیونکہ میں ہی زمانہ (دھر) ہوں، میں ہی رات اور دن کو پے در پے بھیجتا ہوں اور جب چاہوں ان کو روک لو۔

(بخاری، مسلم)

شرح

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ابن آدم (انسان) مجھے تکلیف دیتا ہے (اس طرح کہ) کہ وہ زمانے کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں وہ) تو میں ہی ہوں، سب تصرفات میرے قبضہ میں ہیں اور شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 20)

جاہلوں کی عادت ہے کہ وہ انسانوں کو اپنی پیدا کی ہوئی پریشانیوں اور مصیبتوں کو برائی کی صورت میں زمانہ اور وقت کے سر پر ڈال دیتے ہیں اور اپنی زبان سے اس طرح کے الفاظ نکالتے ہیں "زمانہ خراب ہے، بہت برا وقت ہے" اس طرح وقت اور زمانہ کو برا کہنا نہایت غلط ہے کیونکہ زمانہ اور وقت تو کچھ بھی نہیں ہے، اصل متصرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس کے قبضہ میں لیل و نہار کی تبدیلی ہے اور اسی گردش لیل و نہار کا نام زمانہ اور وقت ہے، اگر زمانہ اور وقت کو متصرف سمجھ کر برا کہا جاتا ہے تو متصرف چونکہ اللہ تعالیٰ ہے اس لئے وہ برائی حق تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔

اطاعت گزار غلام کی فضیلت کا بیان

118 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعِمَّا لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِحُسْنِ طَاعَةِ رَبِّهِ وَطَاعَةِ سَيِّدِهِ، نِعِمَّا لَهُ نِعِمَّا لَهُ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام کے لیے یہ بات کیا ہی اچھی ہے کہ اللہ اس کو اپنے پروردگار اور اپنے آقا (ہر دو) کی اچھی اطاعت کرتے ہوئے وفات دے۔ یہ اس کے لیے بڑا ہی اچھا ہے، یہ اس کیلئے بڑا ہی اچھا ہے۔

(بخاری ومسلم)

غلام کیلئے دوہرا ثواب ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی غلام اپنے آقا کی خیرخواہی کرتا ہے یعنی اس کی دل وجان سے خدمت کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 542)

اس کو دوہرا ثواب ملنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ثواب تو اپنے آقا کی خدمت کی وجہ سے اور ایک ثواب اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سبب سے ملتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آقا کی خیرخواہی یعنی اس کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے بلکہ حقیقت میں وہ بھی اللہ کی عبادت ہے۔ کیونکہ عبادت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنے آقا کی خدمت وخیرخواہی کی جائے اس لئے جو غلام اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے جیسا کہ ماں باپ کی خدمت وفرمانبرداری کرنیوالے کو اسی لئے ثواب ملتا ہے کہ وہ والدین کی خدمت واطاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے بعض حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ غلام کو اس کے ہر عمل پر دوہرا ثواب ملتا ہے۔

نمازی کو سامنے اور دائیں جانب تھوکنے کی ممانعت کا بیان

119 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ؛ فَإِنَّهُ يُنَاجِي اللّٰهَ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ؛ فَإِنَّ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا، وَلَكِنْ لِيَبْصُقْ عَنْ شِمَالِهِ أَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ، فَيَدْفِنُهُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے، کیونکہ وہ جب تک اپنی نماز کی جگہ پر ہوتا ہے اللہ سے مناجات کرتا رہتا ہے اور سیدھی طرف بھی نہ تھوکے کیونکہ اس کی سیدھی جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے لیکن بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک کر اس کو دفن کردے۔

مسجد وقبلہ کے آداب کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسجد میں) قبلے کی طرف رینٹھ پڑا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ناگوار گذرا یہاں تک کہ اس ناگواری کا اثر آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہورہا تھا۔ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور اسے خود اپنے دست مبارک سے کھرچ کر پھینکا اور فرمایا کہ، تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے اور اس وقت اس کا پروردگار اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک کو چاہئے کہ قبلے کی طرف

ہرگز نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کا ایک کونہ لیا اوراس میں کچھ تھوکا اور پھر کپڑے کو آپس میں رگڑ کر فرمایا کہ اس طرح کر لیا کرو۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 707)

اس کا پروردگار اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے۔ کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی آدمی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ قبلے کی طرف متوجہ ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے قریب ہونے کا ارادہ کرتا ہے لٰہذا چونکہ اس کا مطلوب اور مقصود اس کے اور قبلے کے درمیان ہے اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ قبلے کی سمت کو تھوک سے بچایا جائے۔ بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوکنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی آدمی مسجد میں نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ مسجد میں نماز پڑھنے کی صورت میں بائیں طرف اور قدموں کے نیچے بھی تھوکنا نہیں چاہئے کہ اس سے مسجد کے آداب واحترام میں فرق آتا ہے بلکہ اس صورت میں اگر تھوکنے کی ضرورت محسوس ہو تو کسی کپڑے میں تھوک لیا جائے پھر اسے رگڑ کر صاف کر لیا جائے۔

حضرت سائب ابن خلاد رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں فرمایا۔ ایک آدمی جماعت کی نماز پڑھا رہا تھا اور اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا (اتفاق سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس کی طرف) دیکھ رہے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقتدیوں سے فرمایا کہ "آئندہ سے یہ آدمی تمہیں نماز نہ پڑھائے" اس کے بعد اس آدمی نے جب ان کو نماز پڑھانی چاہی تو ان لوگوں نے اسے (امامت سے) روک دیا اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کر دیا وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں نے ہی لوگوں سے تمہیں امام نہ بنانے کے لئے کہا تھا اور راوی فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے (امامت سے روک دینے کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ بھی) فرمایا تھا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 708)

خطبہ جمعہ کے وقت خاموش رہنے کا بیان

120 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قُلْتَ لِلنَّاسِ أَنْصِتُوا وَهُمْ يَتَكَلَّمُونَ فَقَدْ لَغَوْتَ عَلَى نَفْسِكَ، يَعْنِي يَوْمَ الْجُمُعَةِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے لوگوں سے کہا کہ "خاموش رہو" اور وہ باتیں کرتے ہی رہیں یعنی جمعہ کے دن تو تم نے اپنے نفس پر ایک لغو کام کیا۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اگر تم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے یہ بھی کہا" چپ رہو "تو تم نے بھی لغو کام کیا۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1357)

خطبہ کے وقت چونکہ کسی بھی قسم کے کلام اور گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اس وقت ایسے آدمی کو جو گفتگو کر رہا ہو خاموش

ہو جانے کے لئے کہنا بھی اس حدیث کے مطابق "لغو" ہے اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت مطلقاً کلام اور گفتگو ممنوع ہے اگر چہ وہ کلام و گفتگو امر بالمعروف (اچھی بات کے کرنے) اور نہی عن المنکر) بری بات سے روکنے ہی سے متعلق کیوں نہ ہو۔ ہاں اس وقت یہ فریضہ اشارہ کے ذریعے ادا کیا جا سکتا ہے لیکن زبان سے کہنے کی اجازت نہیں ہے۔ خطبے کے وقت خاموشی اختیار کرنے کا مسئلہ: جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت خاموش رہنا اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے امام ابوحنیفہ بھی انہیں میں شامل ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے۔

امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے لیکن مذاہب لدنیہ" میں لکھا ہے اس مسئلہ میں امام شافعی کے دو قول ہیں ایک قول وجوب کا ہے اور دوسرا استحباب کا، امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ جس وقت امام خطبے کے لئے چلے اس وقت بھی نماز شروع کرنا یا کلام کرنا دونوں ممنوع ہیں اگر کوئی آدمی نماز (مثلاً سنت وغیرہ) پڑھ رہا ہو اور امام خطبہ شروع کر دے تو اس آدمی کو دو رکعت پوری کر کے نماز توڑ دینی چاہیے، مگر حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک امام کے خطبے کے لئے چلنے اور خطبہ شروع کرنے کے درمیان اسی طرح اس کے خطبہ ختم کرنے کے بعد سے تکبیر تحریمہ شروع ہو جانے تک کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کراہیت کلام اس وجہ سے ہے کہ کلام میں مشغول رہنے والا آدمی خطبہ نہیں سن سکتا اور ظاہر ہے کہ یہ مواقع خطبہ سننے کے نہیں ہیں اس لئے ایسے اوقات میں کلام کرنا جائز ہے۔

مگر حضرت امام ابوحنیفہ ان دونوں کی ممانعت کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حدیث ہے اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام (جب امام خطبہ کے لئے چلے تو اس وقت نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام) نیز صحابہ کے اقوال بھی اسی طرح ہیں۔ اور صحابی کے قول کو حجت اور دلیل قرار دینے میں نہ صرف یہ کہ کوئی شک وشبہ نہیں ہے بلکہ قول صحابی کی تقلید و پیروی واجب ہے علماء نے لکھا ہے کہ خطبے کے وقت صاحب ترتیب کے لئے قضا نماز پڑھنی مکروہ نہیں ہے۔ اس آدمی کے بارے میں جو امام سے دور ہو اور خطبے کی آواز اس تک نہ پہنچ رہی ہو علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ وہ آدمی بھی گفتگو و کلام نہ کرے بلکہ اس کے لئے بھی خاموش رہنا واجب ہے۔

خطبہ کے وقت کے آداب: علماء نے صراحت کی ہے کہ جس وقت امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت کھانا پینا یا کتابت وغیرہ دنیوی امور میں مشغول ہونا حرام ہے سلام اور چھینک کا جواب دینا بھی مکروہ ہے اس سلسلہ میں درمختار میں ایک کلمہ لکھا گیا ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ حُرِّمَ فِيْ الصَّلٰوةِ حُرِّمَ فِيْ الْخُطْبَةِ یعنی جو چیزیں نماز میں حرام ہیں وہ خطبے کے وقت بھی حرام ہیں۔ خطبے کے وقت درود بھی زبان سے نہیں بلکہ دل میں کہہ لیا جائے۔

خطبے کے وقت کسی آدمی کو اس کی خلاف شرع حرکت سے روکنا زبان سے تو مکروہ ہے لیکن ہاتھ یا آنکھ کے اشارے سے اسے منع کر دینا مکروہ نہیں ہے۔ بہر حال اس حدیث کی باب سے وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس باب کا مقتضی یہ ہے کہ جمعے کو صبح سویرے جانا ثواب کی زیادتی کا باعث ہے اور کوئی آدمی صبح سویرے سے مسجد پہنچ گیا مگر اس نے وہاں امام کے خطبہ پڑھتے وقت کسی کو زبان سے نصیحت کی تو گویا اس سے ایک لغو کام صادر ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سویرے سے مسجد میں پہنچ جانے کا ثواب جاتا رہا۔ لہٰذا اسے

چاہیے کہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں صبح سویرے پہنچ جائے اور وہاں ایسی کوئی حرکت نہ کی جائے جس سے ثواب جاتا رہے۔

نبی کریم ﷺ کا اہل ایمان کے قریب ہونے کا بیان

121 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِينَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَأَيُّكُمْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيْعَةً فَادْعُونِي فَإِنِّي وَلِيُّهُ، وَأَيُّكُمْ مَا تَرَكَ مَالًا فَلْيُؤْثِرْ بِمَالِهِ عَصَبَتَهُ مَنْ كَانَ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہ نسبت اور لوگوں کے میں مومنوں کے حق میں اللہ کے نوشتہ احکام میں زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں چنانچہ تم میں سے اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مرے یا اس طرح فوت ہو کہ کفن دفن کو بھی پیسے نہ ہوں تو مجھے بلاؤ۔ میں اس کا ولی ہوں، اور اگر تم میں سے کوئی شخص مال چھوڑے تو جو کوئی اس کا قرابت دار ہو اسے اس مال پر ترجیح حاصل ہوگی۔

یقین کے ساتھ دعا مانگنے کے حکم کا بیان

122 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، أَوِ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، أَوِ ارْزُقْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ، إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ لَا مُكْرِهَ لَهُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس طرح نہ کہے: "اگر تو چاہے تو میری مغفرت کر" یا "اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر" یا "اگر تو چاہے تو مجھے رزق دے۔" اس کو چاہئے کہ پورے عزت کے ساتھ سوال کرے، بے شک وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں۔

(بخاری، شیخ ولی الدین عراقی، مشکوۃ المصابیح، بیروت، رقم الحدیث، 748)

شرح

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگو جزم و یقین کے ساتھ مانگو یعنی یہی کہو کہ اے اللہ ہمارا فلاں مطلب پورا کر، جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اس لئے یہ نہ کہو۔ کہ اگر تو چاہے تو ہمارا فلاں مطلب پورا کر دے۔ کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت دعا میں شک پیدا کرنا ہے حالانکہ قبولیت دعا میں یقین ہونا چاہئے کیونکہ اس نے قبولیت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کیا کرتا اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات چونکہ بے پروا اور مستغنی ہے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں اس پر کسی کا کوئی زور نہیں ہے بلکہ وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے اس لئے اپنی دعا کے ساتھ یہ کہنا کہ اگر تو چاہے بالکل بے فائدہ اور لاحاصل ہے۔

مال غنیمت کو آگ کے کھانے کا بیان

123 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقَالَ لِلْقَوْمِ: لَا يَتْبَعْنِي رَجُلٌ قَدْ كَانَ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا وَلَمَّا بَنَى، وَلَا آخَرُ بَنَى بِنَاءً لَهُ وَلَمَّا يَرْفَعْ

سُقُفَهَا، وَلَا آخَرُ قَدِ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ وِلَادَهَا، فَغَزَا فَدَنَا الْقَرْيَةَ حِينَ صُلِّيَ الْعَصْرُ، أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ: أَنْتِ مَأْمُورَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ، اللَّهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيَّ شَيْئًا، فَحُبِسَتْ عَلَيْهِ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَجَمَعُوا مَا غَنِمُوا فَأَقْبَلَتِ النَّارُ لِتَأْكُلَهُ فَأَبَتْ أَنْ تَطْعَمَهُ، فَقَالَ: فِيكُمُ الْغُلُولُ، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ، فَبَايَعُوهُ فَلَصِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ فَقَالَ: فِيكُمُ الْغُلُولُ، فَلْتُبَايِعْنِي قَبِيلَتُهُ، فَبَايَعَتْهُ قَبِيلَتُهُ فَلَصِقَ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ: فِيكُمُ الْغُلُولُ، أَنْتُمْ غَلَلْتُمْ، قَالَ: فَأَخْرَجُوا لَهُ مِثْلَ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَوَضَعُوهُ فِي الْمَالِ وَهُوَ بِالصَّعِيدِ فَأَقْبَلَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْ. قَالَ: فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا؛ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر نے (ایک مرتبہ) جنگ کی اور اپنی قوم سے کہا: میرے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ آئے جس نے کسی عورت سے شادی کی ہو اور اس کے ساتھ زفاف کرنا چاہتا ہو اور زفاف نہ کیا ہو اور نہ ہی کوئی ایسا شخص جو اپنا مکان بنا رہا ہو اور ابھی اس کی چھت بلند نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی اور جس نے بکریاں یا اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچے پیدا ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔ پھر انہوں نے جنگ کی، پھر جب کہ عصر کی نماز کا وقت ہوا یا اس کے لگ بھگ تو (دشمن) کے شہر کے پاس پہنچے اور سورج سے کہا تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، یا اللہ! اس کو کچھ دیر تک میرے لیے روک دے، اس پر ان کے لیے سورج رک گیا، یہاں تک اللہ نے اس کو فتح دی، پھر لوگوں نے جو مالِ غنیمت حاصل کیا تھا جمع کیا اور اس کو کھانے کیلئے آگ آگے بڑھی لیکن اس کے کھانے سے انکار کر دیا، پیغمبر نے کہا: "تم میں خیانت ہے، اس لیے چاہئے کہ ہر قبیلے سے ایک شخص مجھ سے بیعت کرے۔ پھر انہوں نے ان سے بیعت کی اور ایک آدمی کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چمٹ گیا، اس پر انہوں نے کہا: "تم میں خیانت ہے اس لیے چاہئے کہ اس کا قبیلہ مجھ سے بیعت کرے۔" پھر اس کے پورے قبیلے نے ان سے بیعت کی تو دو تین آدمیوں کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چمٹ گیا، اس پر انہوں نے کہا: "تم میں خیانت ہے، تم نے خیانت کی ہے۔ کہا: پھر ان کے پاس گائے کے سر کے جیسی کوئی سنہری چیز نکال کر لائے، اس کو بھی مالِ غنیمت میں رکھ دیا گیا اور وہ پاک مٹی پر تھا، تو آگ آگے بڑھی اور کھا لیا، فرمایا: غنیمت کا مال ہم سے پہلے کسی پر حلال نہ تھا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے ہمارے ضعف اور ہماری عاجزی کو دیکھا، اس لیے اس نے اس کو ہمارے لیے پاک بنا دیا۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا بیان

124 –وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ، رَأَيْتُ أَنِّي أَنْزِعُ عَلَى حَوْضٍ أَسْقِي النَّاسَ، فَأَتَانِي أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ الدَّلْوَ مِنْ يَدِي لِيُرِيحَنِي فَنَزَعَ دَلْوَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ

وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ، قَالَ: فَأَتَانِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَأَخَذَهَا مِنْهُ، فَلَمْ يَنْزِعْ رَجُلٌ نَزْعَهُ حَتّٰى وَلَّى النَّاسُ وَالْحَوْضُ يَنْفَجِرُ.

اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بار جب کہ میں سورہا تھا میں نے (خواب میں) دیکھا کہ حوض پر لوگوں کو پانی پلانے کے لیے ڈول سے پانی کھینچ رہا ہوں۔ پھر میرے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا تا کہ مجھے راحت پہنچائیں۔ پھر انہوں نے دو ڈول نکالے اور ان کے نکالنے میں ضعف تھا، اللہ ان کو معاف کرے، فرمایا: پھر میرے پاس عمر بن الخطاب آئے اور ڈول کو ان سے لے لیا، پھر کوئی شخص ان کے جیسا کھینچ نہ سکا، یہاں تک کہ سب لوگ (سیراب ہوکر) واپس ہو گئے اور حوض بہتا ہی رہا۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے۔ سو آپ اپنے رب کی رضا کے لئے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں۔ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے۔ (الکوثر:۳۔۱)

اس آیت میں انا اور اعطاء کے فوائد اور نکات

اس آیت کے شروع میں لفظ انا ہے اور یہ جمع کا لفظ ہے اور اس لفظ سے کبھی جمعیت مراد ہوتی ہے اور کبھی تعظیم مراد ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، اس لئے اس سے جمعیت مراد نہیں ہوسکتی، تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کوثر عطا فرمائی ہے، اس میں کئی افراد وسیلہ ہیں، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے آپ کو اہل مکہ میں رسول بنا کر بھیجنے کی دعا کی:

(البقرہ:۱۲۹) اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے امت احمد میں سے بنا دے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے آپ کی آمد کی بشارت دی:

(الصف:٦) اور میں اپنے بعد ایک آنے والے رسول کی تم کو بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

لفظ انا میں جمع کے لفظ کی دوسری وجہ تعظیم ہے یعنی آپ کو کوثر عطا کرنے والا تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور مالک ہے اور جب آپ کو عطا کرنے والا اس قدر عظیم ہے تو اس کا عطیہ بھی بہت عظیم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ماضی کے صیغہ سے فرمایا ہے: ہم نے آپ کو کوثر عطا کر دی اور مستقبل کے صیغہ سے نہیں فرمایا کہ ہم آپ کو کوثر عطا کریں گے، یہ اس کی دلیل ہے کہ کوثر آپ کو ماضی میں حاصل ہو چکی ہے اور اس میں حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جس کو ماضی میں بہت عظیم نعمت حاصل ہو چکی ہو، وہ اس سے بہت افضل ہے جس کو مستقبل میں وہ نعمت حاصل ہو، اسی لئے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: آپ کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا: اس وقت جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۰۹)

(۲) گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ہم نے آپ کی ولادت سے پہلے ہی آپ کی سعادت کے اسباب مہیا کر دیئے تھے تو ہم آپ کی ولادت اور آپ کی عبادت کے بعد آپ کو کب فراموش کرنے والے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو کوثر عطا کرنے کا ذکر کیا، اس کے بعد آپ کو نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو کوثر عطا کرنا محض اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل اور احسان ہے، آپ کی عبادت اور ریاضت کا معاوضہ نہیں ہے۔

(۴) نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے کوثر آپ کو دی ہے، یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے یہ کوثر نبی کو دی ہے یا رسول کو دی ہے کیونکہ اگر فرماتا: یہ کوثر نبی کو دی ہے تو یوں سمجھا جاتا کہ یہ کوثر نبوت کا مقتضیٰ ہے، سو جو بھی نبی ہوگا اس کو یہ کوثر مل گئی ہوگی اور اگر فرماتا: یہ کوثر رسول کو دی ہے تو یوں سمجھا جاتا کہ یہ کوثر رسالت کا تقاضا ہے، سو جو بھی رسول ہوگا اس کو یہ کوثر مل گئی ہوگی اور جب فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے تو پتا چلا کہ یہ کوثر نہ نبوت کا تقاضا ہے نہ رسالت کا تقاضا ہے، یہ کوثر تو صرف آپ کی ذات کا تقاضا ہے۔

(۵) عربی میں اعطاء اور ایتاء دونوں کا معنی دینا اور نوازنا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اعطاء کا لفظ فرمایا ایتاء کا لفظ نہیں فرمایا کیونکہ اعطاء کا متبادر معنی ہے: محض اپنے فضل سے دینا، نیز اعطاء کا معنی ہے، کسی چیز کا مالک بنا دینا اور ایتاء سے یہ متبادر نہیں ہوتا، پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو کوثر کا مالک بنا دیا ہے، آپ جس کو چاہیں اس کو کوثر میں سے دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت سلیمان کو ملک عظیم عطا کیا تو فرمایا:

(ص:۳۹) یہ ہماری عطا ہے، اب آپ کسی پر احسان کر کے اس کو دے دیں یا روک کر رکھیں۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوثر عطا کی تو آپ کو اس کا مالک بنا دیا، چاہے آپ کسی کو دیں یا نہ دیں۔

لفظ کوثر کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الکوثر جنت میں نہر ہے، اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں، اس میں موتی اور یاقوت جاری ہیں، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے، اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۶۱ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(۲) کوثر سے مراد حوض ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ کو اونگھ آ گئی، آپ نے مسکراتے ہوئے سر بلند کیا اور فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے پڑھا: بسم الله الرحمٰن الرحيم ۔ انا اعطينك الكوثر ۔ فصل الربك وانحر ۔ ان شانئك هو الابتر ۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: یہ وہ نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس میں خیر کثیر ہے اور یہ وہ حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت وارد ہوگی، اس کے برتن ستاروں کے عدد کے برابر ہیں، اس پر ان میں سے ایک بندہ وہاں سے نکالا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرا امتی ہے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آپ از خود نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد دین میں کیا نیا کام نکالا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۰۰)

اس حدیث سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ما کان وما یکون کا علم نہیں تھا ورنہ آپ کو از خود معلوم ہوتا کہ یہ شخص آپ کے دین اور آپ کی امت سے نکل چکا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (الوفا ص 810 مطبوعہ مصر 1369ھ) سو جس شخص نے دین میں نیا کام نکالا اس کا عمل بھی آپ پر پیش کیا گیا تھا، لہٰذا اس حدیث سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوتی، البتہ اس میں آپ کی توجہ کی نفی ہے۔

کوثر سے مراد حوض ہو یا جنت میں نہر، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر ہے، اس لئے یہ تفسیر تمام اقوال پر راجح اور فائق ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوثر سے مراد خیر کثیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر خیر کثیر آپ کو عطا کر دی اور اسلام، قرآن، نبوت اور دنیا اور آخرت میں تعریف اور تحسین اور ثناء جمیل خیرات کثیرہ ہیں اور جنت کی سب نعمتیں خیر کثیر ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۹۶۶)

(۴) عکرمہ نے کہا: کوثر سے مراد نبوت اور کتاب ہے۔

(۵) حسن بصری نے کہا: کوثر سے مراد قرآن ہے۔

(۶) المغیرہ نے کہا: کوثر سے مراد اسلام ہے۔

(۷) الحسین بن الفضل نے کہا: کوثر سے مراد قرآن کو آسان کرنا اور احکام شرعیہ میں تخفیف ہے۔

(۸) ابوبکر بن عیاش نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے اصحاب آپ کی امت اور آپ کے متبعین کی کثرت ہے۔

(۹) الماوردی نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے ذکر کی بلندی ہے۔

(۱۰) الماوردی نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے ذکر کی بلندی ہے۔

(۱۱) الکوثر سے مراد آپ کے دل کا وہ نور ہے، جس نے آپ کو اللہ کے ماسوا سے منقطع کر دیا۔

(۱۲) کوثر سے مراد شفاعت ہے۔

(۱۳) الثعلبی نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے معجزات ہیں، جن سے آپ کی امت کو ہدایت حاصل ہوئی۔

(۱۴) بلال بن یساف نے کہا: کوثر سے مراد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور ایک قول ہے: کوثر سے مراد دین کی فقہ ہے اور ایک قول ہے: پانچ نمازیں ہیں۔

ان اقوال میں سے صحیح ترین قول اول اور ثانی ہے یعنی کوثر سے مراد جنت میں ایک نہر ہے یا حوض ہے، جو محشر میں قائم ہوگا کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۹۴، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حوض کوثر کے متعلق یہ ایمان افروز حدیث ہے:

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی، پھر

آپ منبر پر گئے، پس فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا، اور بے شک اللہ کی قسم! میں اپنے حوض کو اب بھی ضرور دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم سے یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:1344۔6590(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۲۳، مسند حمد ج ۴ص ۱۴۸)

الکوثر:۲ میں فرمایا: سو آپ اپنے رب کی رضا کے لئے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں۔

تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین کے متعلق ضعیف روایات

اللہ تعالیٰ نے آپ کو، کوثر ایسی عظیم نعمت عطا کی ہے تو آپ اس کا شکر ادا کرنے کے لئے ہمیشہ نماز پڑھتے رہیں اور قربانی ادا کرتے رہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ہے کہ وہ آپ کو اس قدر خوش حال کر دے گا کہ آپ قربانی کرتے رہیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ نماز سے مراد عید کی نماز ہے اور دو انحر سے مراد عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنا ہے۔

مجاہد، طعاء اور عکرمہ سے روایت ہے کہ نماز سے مراد مزدلفہ میں صبح کی نماز پڑھنا اور اس کے بعد منیٰ میں قربانی کرنا ہے۔

ابوالاحوص سے روایت ہے کہ اونٹ کو نحر کرتے وقت آپ قبلہ کی طرف منہ کریں۔

امام ابن ابی حاتم، حاکم، ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے فرمایا: یہ کون سا نحیرہ ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے تو حضرت جبریل نے کہا، یہ نحیرہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ پڑھیں تو رفع یدین کریں اور جب رکوع کریں تو رفع یدین کریں اور جب رکوع سے سر اٹھائیں تو رفع یدین کریں کیونکہ یہی ہماری نماز ہے اور آسمانوں کے فرشتوں کی نماز ہے اور ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ص ۳۴۷۰، المستدرک ج ۲ص ۵۳۸ ذہبی نے کہا، اس کی سند میں اسرائیل غیر معتمد ہے اور امام نسائی کے نزدیک متروک ہے۔)

حاکم نے مستدرک میں دار قطنی نے الافراد میں حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے، اپنا دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں، پھر نماز میں اپنے ہاتھوں کو اپنے سینہ پر رکھیں۔ (المستدرک ج ۲ص ۵۳۷ حافظ ذہبی نے اس سے سکوت کیا ہے۔)

حافظ جلال الدین سیوطی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت کے متعلق کہا ہے: اس کو امام ابن ابی حاتم نے اور حاکم نے مستدرک میں سند ضعیف سے روایت کیا ہے اور ابن کثیر نیا س حدیث کے متعلق کہا: یہ شدید منکر ہے بلکہ امام دین جوزی نے اس کو موضوعات میں درج کیا ہے اور حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی دوسری حدیث کے متعلق حافظ جلال الدین سیوطی نے کہا: اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم حاکم نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ نحر کا لفظ اونٹوں کو نحر کرنے میں استعمال ہوتا ہے، نہ کہ ان معانی میں اور قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد زکاۃ کا ذکر کیا جاتا ہے اور قربانی کرنا اور اونٹوں کو نحر کرنا زکاۃ کے معنی کے قریب ہے، بہ خلاف ان مذکورہ معانی کے علاوہ

ازیں مکہ کے مشرکین بتوں کے آگے سجدہ رکھتے تھے اوران کے لئے اونٹوں کونحر کرتے تھے توزیادہ مناسب یہ ہے کہ اس آیت کو اس پر محمول کیا جائے کہ آپ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے اللہ کی رضا کی خاطر نماز پڑھیں اور اس کی رضا کے لئے قربانی کریں۔

(روح المعانی جز ۳۰ص ۴۴۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

الکوثر: ۳ میں فرمایا: بے آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے۔

شانی اور ابتر کے معنی

اس آیت میں شانی اور ابتر کے دولفظ ہیں، علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

دشنا کا معنی ہے: کسی شخص سے بغض کی بناء پر اس کو ناپسند کرنا، قرآن مجید میں ہے: شنان قوم (المائدہ:۸) کسی قوم کی دشمنی اور اس سے بغض شانئک کا معنی ہے: آپ سے بغض رکھنے والا آپ کا دشمن۔ (المفردات ج ۱ص352)

ابتر کا لفظ بتر سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: جس کی جڑ کٹی ہوئی ہو، پھر اس کا استعمال اس شخص کے لئے ہونے لگا، جس کے بعد اس کی نسل جاری نہ ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کام سے پہلے اللہ کا ذکر نہ کیا جائے وہ ابتر ہے یعنی ناتمام اور نامکمل ہے (تلخیص الحبیر ج ۵ص76) قرآن مجید میں ہے: ان شانئک هو الابتر ۔ (الکوثر:۳) یعنی جس کا ذکر اس کے بعد نہ چلے، اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار کا زعم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر منقطع ہو جائے گا، جب آپ کی عمر ختم ہو جائے گی کیونکہ آپ کی نسل منقطع ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا: جس کا ذکر منقطع ہوگا، وہ آپ کا دشمن ہے اور رہے آپ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ورفعنالك ذكرك ۔ (الانشراح:۴) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

کیونکہ آپ تمام مؤمنین کے بہ منزلہ باپ ہیں اور تمام مؤمنین حکماً آپ کی اولاد ہیں، اللہ عزوجل نے آپ کا ذکر بلند کیا ہے اور آپ کو خاتم الانبیاء بنایا ہے۔ (المفردات ج ۱ص ۴۶)

الکوثر: ۳ کا شان نزول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شان نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص نے آپ کو ابتر کہا تھا، وہ العاص بن وائل السہمی تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۵۳)

ابن زید نے کہا، وہ شخص یہ کہتا تھا کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جڑ کٹ گئی اور ان کی نسل آگے نہیں چلے گی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۵۸)

شمر بن عطیہ بیان کرتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط یہ کہتا تھا کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل باقی نہیں رہے گی اور وہ ابتر ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۵۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کعب بن اشرف مدینہ آیا تو قریش اس کے پاس گئے اور کہا: ہم حرم کا

نظام اور حفاظت کرنے والے ہیں اور زمزم کے پانی پلانے والے ہیں اور تم اہل مدینہ کے سردار ہو، یہ بتاؤ کہ ہم بہتر ہیں یا یہ شخص جو اپنی قوم سے کٹ چکا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے افضل ہے؟ کعب بن اشرف نے کہا، بلکہ تم اس سے افضل ہو، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۶۲)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں: امام محمد بن سعد اور امام ابن عسا کر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم تھے، پھر حضرت زینب تھیں، پھر حضرت عبداللہ تھے، پھر حضرت ام کلثوم تھیں، پھر حضرت فاطمہ تھیں، پھر حضرت رقیہ تھیں، پس حضرت قاسم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور وہ مکہ میں سب سے پہلے آپ کی اولاد میں سے فوت ہونے والے تھے، پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے، اس وقت العاص بن وائل السہمی نے کہا، ان کی نسل منقطع ہو گئی اور یہ ابتر (جڑ کٹے) ہیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ان شانئك هو الابتر ۔ (الکوثر: ۳)۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۹۵ دار احیاء التراث العربی، بیروت) (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص 106، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص 69 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں محمد بن علی سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اتنی عمر کو پہنچ گئے کہ وہ سواری پر سوار ہو سکیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا، اس وقت عاص بن وائل نے کہا: (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج صبح ابتر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر نازل فرمائی۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص 289، الدر المنثور ج ۸ ص 595)

امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ابو جہل نے آپ کو ابتر کہا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۱۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

شمر بن عطیہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط یہ کہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد باقی نہیں رہے گی۔ اور وہ جڑ کٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان شانئك هو الابتر ۔ (الکوثر: ۳)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۱۷ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جب آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو العاص بن وائل، ابو جہل، عقبہ بن ابی معیط اور کعب بن اشرف تمام دشمنان مصطفیٰ نے آپ کو ابتر (مقطوع النسل) کہا، جب کسی شخص کا بیٹا فوت ہو جائے تو اس کے ہم وطن اور رشتہ دار اس کی تعزیت کرتے ہیں اور اس کو تسلی دیتے ہیں، یہ کیسے ہم وطن اور رشتہ دار تھے، جو ایسے رنج و غم کے موقع پر آپ کو تسلی دینے کے بجائے آپ کو طعنے دے رہے تھے اور آپ کو ابتر کہہ رہے تھے، اس جاں کاہ وقت میں آپ کو صرف رب ذوالجلال نے تسلی دی اور فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے۔ سو آپ اپنے رب کی رضا کے لئے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں۔ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے۔ (الکوثر: ۳-۱)

اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت فرمانا

کفار نے جب آپ کو طعنہ دیا کہ آپ ابتر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے بالواسطہ مدافعت کی اور فرمایا: بے شک

آپ کا دشمن ہی ابتر (مقطوع النسل) ہے اور یہی محبین کا طریقہ ہے کہ جب ان کے محبوب کو کوئی عطنہ دے تو وہ اپنے محبوب کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اور اس کی قرآن مجید میں اور بھی کئی مثالیں ہیں، جب کفار نے آپ کی شان میں یہ بدگوئی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل فرمایا:

(سباء: ۸۔۷) اور کفار نے کہا: آؤ ہم تمہیں ایسا شخص بتائیں، جو تمہیں یہ خبر دے رہا ہے کہ جب تم پورے پورے ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تمہاری ضرور نئی تخلیق کی جائے گی۔ اس نے یا تو اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا یہ دیوانہ ہے۔

جب کفار نے آپ کو جھوٹا اور دیوانہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ کی مدافعت کی اور فرمایا:

(سبا: ۸) بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں ہے، وہ عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں۔

اسی طرح جب ولید بن مغیرہ نے آپ کو دیوانہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدافعت میں فرمایا:

(القلم: ۲) آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں۔ اور القلم: ۱۳۔۸) میں ولید بن مغیرہ کی مذمت میں اس کے نو عیوب بیان فرمائے اور نواں عیب یہ بیان کیا کہ وہ بداصل ہے۔

اسی طرح منکرین نے آپ کے متعلق کہا: لست مرسلاً (الرعد: ۴۳) آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت میں فرمایا:

(یٰسین: ۳۔۱) یٰسین۔ قرآن حکیم کی قسم۔ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں۔

(الصفت: ۳۶) کیا ہم شاعر دیوانے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں۔

(الصفت: ۳۷) (نہیں نہیں) بلکہ وہ تو سچا دین لے کر آئے ہیں اور انہوں نے سب رسولوں کی تصدیق کی۔ پھر آپ کے دشمنوں کو وعید سنائی،

(الصفت: ۳۸) بے شک تم ضرور دردناک عذاب کو چکھنے والے ہو۔ اسی طرح کفار کے اس قول کو نقل فرمایا:

(الفرقان: ۷) اس رسول کو کیا ہوا کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ تو اللہ نے ان کے رد میں فرمایا:

(الفرقان: ۲۰) ہم نے آپ سے پہلے جن رسولوں کو بھی بھیجا وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنی قوم کو توحید کا پیغام سنایا اور فرمایا: اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے گھوڑ سواروں کا ایک لشکر ہے، جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا، کیوں نہیں! ہم نے آپ کو کبھی جھوٹا نہیں پایا، آپ نے فرمایا: تب میں تم کو یہ خبر دیتا ہوں کہ اگر تم اسی طرح اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہے تو تم پر بڑا عذاب آئے گا، یہ سن کر ابولہب نے کہا: تبا لک تمہارے لئے ہلاکت ہو، کیا تم نے اس لئے ہم سب کو جمع کیا تھا؟ جب ابولہب نے آپ سے کہا: تبا لک تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت اور ابولہب کی مذمت میں پوری سورت نازل فرمادی:

(اللہب: ۵۔۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔ اسے اس کے مال اور اس کی کمائی نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ وہ عنقریب زبردست شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی (بھی)، لکڑیوں کا گھٹا اٹھانے والی۔ اس کی گردن

ہیں درخت کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

انبیاء سابقین کا خود اپنی مدافعت کرنا

پہلے نبیوں کی شان میں اگر کافر کوئی نا گفتنی بات کہتا تو وہ خود اپنی مدافعت کرتے تھے۔

حضرت نوح (علیہ السلام) کے متعلق ان کی نا گفتنی بات کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا: (الاعراف: ۶۰) حضرت نوح کی قوم کے سرداروں نے کہا، بے شک ہم تم کو ضرور کھلی ہوئی گم راہی میں دیکھتے ہیں۔ تو حضرت نوح (علیہ السلام) نے خود اپنی مدافعت فرمائی۔

(الاعراف: ۶۰) حضرت نوح نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گم راہی نہیں ہے، لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں۔ حضرت ھود (علیہ السلام) کی قوم نے ان کے متعلق بدگوئی کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل فرمایا:

(الاعراف: ۶۱) حضرت نوح نے کہا، اے میری قوم! مجھ میں کوئی گم راہی نہیں ہے، لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

حضرت ھود (علیہ السلام) کی قوم نے ان کے متعلق بدگوئی کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل فرمایا:

(الاعراف: ۶۶) حضرت ھود کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: بے شک ہم تم کو بے وقوفی میں دیکھتے ہیں اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔

تب حضرت ھود نے از خود اپنی مدافعت فرمائی:

(الاعراف: ۶۷) حضرت ھود نے کہا، اے میری قوم! مجھ میں کوئی کم عقلی نہیں ہے لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محبوبیت

یہ تو انبیاء سابقین تھے، لیکن جب محبوب رب العلمین کو مبعوث فرمایا اور کفار نے آپ کی شان میں بدگوئی کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ خود اپنی مدافعت فرمائیں بلکہ جیسے ہی کسی نے آپ کی شان کے خلاف کوئی بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً کا رد فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے چند دن آپ پر وحی نازل نہیں فرمائی، تو کافروں نے کہا، (سیدنا) محمد کو اس کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے بے زار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فوراً سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی جس میں یہ آیات ہیں:

(الضحیٰ: ۳۔۱) چاشت کے وقت کی قسم۔ اور رات کی قسم جب وہ چھیل جائے۔ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے۔ اسی طرح جب کافروں نے آپ کو ابتر کہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت میں پوری سورۃ کوثر نازل فرما دی۔ (تفسیر تبیان القرآن، سورہ الکوثر، لاہور)

انا اعطینك الکوثر . اہل لغت نے لکھا ہے کہ کوثر بروزن فوعل کثرت سے مشتق ہے جیسے نوفل نفل سے۔ جو چیز تعداد میں زیادہ یا مرتبہ اور قدر میں بڑی ہو عرب اس کو کوثر کہتے ہیں۔ اسی کی تائید کرتا ہے حضرت ابن عباس کا یہ قول کے کوثر سے مراد ہے وہ خیر کثیر جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی تھی۔

اس قول کے راوی ابو بشر اور عطاء بن سائب ہیں۔ دونوں نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے۔ ابو بشر کا بیان ہے میں نے سعید بن جبیر سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ کوثر جنت کے اندر ایک نہر ہے۔ سعید نے جواب دیا: جنت کے اندر والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر کا ایک حصہ ہے جو اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی تھی اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے الکوثر کے لام کو جنسی قرار دیا ہے اور آپ کے خیال میں حوض کوثر الکوثر (یعنی نعمت کثیرہ) کا ایک حصہ ہے۔ اسی طرح جن لوگوں نے الکوثر کو نبوت اور قرآن کہا ہے ان کے نزدیک بھی لام جنسی ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ لام کو عہدی قرار دیا جائے اور وہی تفسیر کی جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ جس کا ذکر مسلم میں حضرت انس کی روایت کردہ حدیث میں آ چکا ہے۔

صحیحین میں بھی حضرت انس کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں جنت میں گیا تو وہاں ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر موتی کے خیمے تھے۔ میں نے نہر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو خالص مشک (کی طرح خوشبودار) تھا۔ میں نے کہا: جبرئیل (علیہ السلام) یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: یہی وہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔

حضرت انس کی مرفوع روایت میں آیا ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے بڑھ کر شیریں ہے۔ اس میں پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر وہ تو بڑے لطیف ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر ان کا کھانا ان سے زیادہ لطیف ہے۔ (احمد و ترمذی)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی بیوی نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کے اندر ایک نہر دی گئی ہے جس کو کوثر کہا جاتا ہے فرمایا: ہاں! اور اس کی زمین موتی مونگے زبرجد اور یاقوت کی ہے وہ (اتنی بڑی ہے جیسے) ایلہ سے صنعاء تک مسافت ہے اس کے کوزے ستاروں کی تعداد کے موافق ہیں۔ (طبرانی)

طبرانی کی دوسری روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انا اعطیناك الکوثر کی تشریح میں فرمایا: جنت میں ایک بہت بڑے پاٹ کی نہر ہے۔ جس کے ظروف سونے چاندی کے ہوں گے جن (کی تعداد) سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں۔
حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتیوں (کی زمین) پر بہتا ہے۔ (ابن ماجہ واحمد و ترمذی) ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انا اعطیناك الکوثر کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: ایک نہر ہے جو اللہ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ (رواہ البخاری)

حوض کوثر کا تذکرہ کچھ اوپر پچاس صحابیوں کی روایات میں آیا ہے۔ چاروں خلفاء حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس حضرت

امام حسن بن علی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب حضرت عائشہ حضرت ام سلمہ حضرت ابو ہریرہ حضرت ابی بن کعب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت جابر بن عبداللہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور دوسرے صحابہ کی روایت کردہ احادیث میں حوض کوثر کا ذکر موجود ہے۔ سیوطی رحمۃ اللہ عنہ نے بدورسافرہ میں تقریباً ستر احادیث نام بنام ترتیب وار صحابہ کرام کی نقل کی ہیں۔

تفسیر سورت الکوثر سے متعلق احادیث وآثار کا بیان

۱۔ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سورۃ انا اعطیناك الکوثر مکہ میں نازل ہوئی۔

۲۔ابن مردویہ نے ابن الزبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح روایت کیا۔

۳۔ابن ابی شیبہ نے عمرو بن میمون رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا گیا اور لوگ مضطرب اور بکھر گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انہوں نے قرآن میں سب سے چھوٹی سورتیں پڑھیں اور نماز مکمل کی۔یعنی آیت انا اعطینك الکوثر اور آیت اذا جاء نصر اللہ و الفتح ۔

۴۔بیہقی نے اپنی سنن میں ابن شبرمہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ قرآن میں تین آیات سے کم کوئی سورۃ نہیں ہے۔

۵۔طستی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نافع بن ازرق رحمہ اللہ نے ان سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول آیت انا اعطینک الکوثر کے بارے میں بتائیے۔تو انہوں نے فرمایا کہ جنت کے اندر کے حصے میں ایک نہر ہے۔اس کے کناروں پر موتی اور یاقوت کے گنبد ہیں۔جن میں آپ کی ازواج اور خدام ہیں۔پھر پوچھا کونسی چیز ہے کہ جس کے سبب اس کا ذکر کیا گیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب صفا سے داخل ہوئے اور باب المروہ سے باہر نکل گئے۔عامر بن وائل السہمی آپ کے سامنے آ گیا۔پھر عاص قریش کی طرف لوٹ آیا۔قریش نے اس سے کہا اے ابو عمرو! ابھی ابھی تیرے سامنے کون آیا؟ اس نے کہا وہ ابتر تھا۔اور اس لفظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا۔تب اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ کوثر نازل فرمائی آیت انا اعطینك الکوثر فصل لربك وانحر، ان شانئك هوا لابتر ۔ بے شک ہم نے آپ کو کوثر دی پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے، بے شک آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔یعنی آپ کا دشمن عاص بن وائل ہی خیر سے خالی اور بے نام ونشان ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جہاں میرا ذکر کیا جائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔اور جس نے میرا ذکر کیا اور آپ کا ذکر نہ کیا تو اس کے لیے جنت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔پھر پوچھا کیا عرب کے لوگ اس معنی سے واقف ہیں؟ فرمایا ہاں کیا تو نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا۔

وحباء الاله بالکوثر الاکبر فیه النعیم والخیرات

ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوثر عطا فرمائی اس میں بے شمار نعمتیں اور خیرات وبرکات ہیں۔

۶۔ابن ابی شیبہ واحمد ومسلم وابوداود والنسائی وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں انس بن مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ اونگھ آ گئی۔اور پھر مسکراتے ہوئے اپنے سر مبارک کو اٹھایا اور فرمایا کہ مجھ پر ابھی ابھی ایک سورۃ نازل ہوئی اور آپ نے سورۃ کوثر پڑھی آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطینك الکوثر یہاں

تک کہ اس کو ختم فرمایا۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ ایک نہر ہے میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے جنت میں اس میں خیر کثیر ہے۔ میری امت اس پر آئے گی قیامت کے دن۔ اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ ایک بندے کو اس میں سے کھینچ کر نکال لیا جائے گا تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ میری امت میں ہے کہا جائے گا۔ آپ نہیں جانتے کہ جو کچھ اس نے آپ کے بعد کیا۔

۷۔ مسلم اور بیہقی نے ایک دوسری سند سے اس طرح بیان کیا پھر آپ نے اپنے سر مبارک کو اٹھایا اور یہ سورۃ آخر تک پڑھی اور بیہقی نے کہا کہ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اہل التفاسیر والمغازی کے درمیان کہ یہ سورۃ مکی ہے اور یہ الفاظ اس کے مخالف نہیں ہے۔ پس اس کا مشابہ ہونا اولیٰ ہے۔

۸۔ الطبرانی والحاکم وصححہ وابن مردویہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

انا اعطینک الکوثر ۔

۹۔ احمد وابن المنذر وابن مردویہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے یہ آیت **انا اعطینک الکوثر** پڑھی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کوثر عطا کی گئی ہے پس یہ جنت میں ایک نہر ہے جو جاری ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے گنبد ہیں۔ میں نے اپنا ہاتھ اس کی مٹی تک مارا تو وہ انتہائی خوشبودار کستوری تھی۔

۱۰۔ الطیالسی وابن ابی شیبہ واحمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا اچانک میں ایسی نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے۔ تو میں نے اپنا ہاتھ وہاں تک مارا جہاں پانی چل رہا تھا۔ تو وہ انتہائی خوشبودار کستوری تھی۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا یہ وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

کوثر کیا چیز ہے؟

۱۱۔ احمد والترمذی وابن جریر وابن المنذر والحاکم وابن مردویہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! کوثر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ جنت میں ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے اور وہ دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ اس میں ایسے پرندے ہیں کہ ان کی گردنیں اونٹ کے گردنوں کی طرح ہی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک وہی بڑے موٹے تازے ہوں گے۔ تو آپ نے فرمایا اے عمر! اس کے پھل اس سے بڑھ کر لذیذ اور ملائم ہوں گے۔

۱۲۔ ابن مردویہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے کوثر عطا کی گئی ہے میں نے کہا یا رسول اللہ! کوثر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک نہر ہے جنت میں اس کا عرض اور لمبائی اتنی ہے جیسے مشرق اور مغرب کے درمیان کا فاصلہ ہے اس میں سے جو کوئی پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور اس میں جو کوئی وضو کرے گا تو وہ کبھی غبار آلود نہ ہوگا اس میں سے وہ نہیں پیئے گا۔ جس نے میرے عہد کو توڑ دیا اور نہ ہی وہ پیئے گا جس نے میرے اہل بیت میں

سے کسی کو قتل کیا۔

۱۳۔ ابن ابی شیبہ واحمد والترمذی وصححہ وابن ماہ وابن جریروابن المنذر روابن مردویہ نے عطا بن سائب رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ مجھ کو محرب بن دثار نے کہا کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کوثر کے بارے میں کیا فرمایا؟ میں نے کہا کہ انہوں نے ہم کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بیان کیا کہ اس سے مراد خیر کثیر ہے تو اس نے کہا تو نے سچ کہا اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ خیر کثیر ہے۔ لیکن ہم ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ آیت انا اعطینک الکوثر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے اس کے کنارے سونے کے ہیں وہ موتیوں اور یاقوت پر جاری ہے۔ اس کی مٹی عمدہ مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

کوثر جنتی نہر ہے۔

۱۴۔ ابن ابی شیبہ والبخاری وابن جریر وابن مردویہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے اس قول آیت انا اعطینک الکوثر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہے جنت کے اندر اور اس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتی ہیں جس میں برتن اور لوٹے ستاروں کی تعداد میں پڑے ہوئے ہیں۔

۱۵۔ ابن جریروابن مردویہ نے ابن ابی نجیح کے طریق سے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا آیت انا اعطینک الکوثر میں الکوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا وہ ایک جنت میں ہر ہے کوئی آدمی اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کرے گا وہ اس نہر کے چلنے کی آواز سنے گا۔

۱۶۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کوثر دی گئی۔ اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔

۱۷۔ ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

۱۸۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت انا اعطینک الکوثر کے بارے میں روایت کیا کہ وہ ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں عطا فرمائی۔

۱۹۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے اس کے دونوں کنارے سونے اور چاندی کے ہیں۔ وہ یاقوت اور موتیوں پر جاری ہے۔ اس کا پانی برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

۲۰۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آیت انا اعطینک الکوثر سے مراد ایک نہر ہے جنت میں۔ اس کی گہرائی ستر ہزار فرسخ ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اس کے دونوں کنارے موتی، یاقوت اور زبرجد کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص فرمایا دوسرے انبیاء میں سے۔

۲۱۔ بخاری وابن جریر والحاکم نے ابی بشر کے طریق سے سعید بن جبیر سے روایت کیا اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما

سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کوثر وہ خیر ہے جو اللہ تعالیٰ خاص طور پر آپ کو عطا فرمائی۔ ابو بشر نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ کوثر جنت کی نہر ہے تو انہوں نے کہا وہ نہر جو جنت میں ہے وہ بھی اسی خیر میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص کر آپ کو عطا فرمائی۔

۲۲۔ طبرانی نے الاوسط میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آیت انا اعطینك الكوثر کے بارے میں روایت کیا کہ کوثر جنت میں ایک وسیع نہر ہے۔ جس میں سونے اور چاندی کے برتن ہے ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۲۳۔ ابن جریر وابن مردویہ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حمزہ بن عبدالمطلب کے گھر تشریف لائے۔ اس کو نہ پایا تو ان کی بیوی سے ان کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے کہا ابھی باہر گئے ہیں۔ یا رسول اللہ! کیا آپ اندر تشریف نہیں لاتے۔ آپ اندر داخل ہوئے تو اس نے کہا ابھی باہر گئے ہیں یا رسول اللہ! کیا آپ اندر تشریف نہیں لاتے۔ آپ اندر داخل ہوئے تو اس نے آپ کو حیس (ایک قسم کا حلوا) پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے کھایا۔ توان کی بیوی نے کہا مبارک ہو آپ کو یا رسول اللہ! آپ تشریف لائے۔ اور میں ارادہ رکھتی تھی کہ میں آپ کے پاس آؤں تا کہ آپ کو مبارک باد پیش کروں۔ کیونکہ مجھے ابو عمارہ نے یہ خبر دی کہ بلاشبہ آپ کو نہر عطا کی گئی ہے جنت میں جس کو کوثر کہا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اور اس کی زمین یاقوت، مرجان اور زبرجد اور موتیوں کی ہے۔

۲۴۔ ابن مردویہ نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! کوثر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ اس کا عرض اتنا ہے جتنا ایلہ ہے پھر اس نے کہا اس کے سنگریزے اور کنکریاں بھی ہیں؟ فرمایا ہاں اس کی کنکریاں ہیرے اور جواہر ہیں۔ اور اس کے سنگریزے موتی ہی۔ پھر اس نے کہا اس کے لیے درخت بھی ہیں؟ فرمایا ہاں اس کے دونوں کناروں پر سونے کے درخت ہیں جن کی لمبی شاخیں اس پر جھکی ہوئی ہیں۔ پھر پوچھا کیا ان شاخوں کے ساتھ پھل بھی ہیں۔ فرمایا ہاں وہاں سرخ یاقوت اور زبرجد کئی قسمیں اگی ہیں۔ اس میں آبخورے اور برتن پیالے بھی ہیں۔ وہ دوڑ کر آئیں گے اس کی طرف جو ان سے پینے کا ارادہ کرے گا۔ جو بکھرے ہوئے ہیں اس کے درمیان میں گویا کہ وہ چمکتے ہوئے ستارے ہیں۔

۲۵۔ ابن المنذر نے ضحاک رحمہ اللہ آیت انا اعطینك الكوثر کے بارے میں روایت کیا کہ یہ ایک نہر ہے جنت میں اس کے دونوں کنارے موتیوں کے گنبد ہیں اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہوں گی۔

۲۶۔ ہناد وابن جریر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ وہ کوثر کے چلنے کی آواز کو سنے تو وہ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھے۔

۲۷۔ ابن جریر وابن عساکر نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ کوثر سے مراد دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔

۲۸۔ ہناد وابن جریر وابن ابی حاتم وابن عساکر نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ کوثر سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت، خیر اور قرآن عطا فرمایا۔

وانحر سے کونسی قربانی مراد ہے

۲۹۔ابن ابی حاتم نے حسن رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ کوثر سے مراد ہے قرآن۔

۳۰۔ابن ابی حاتم والحاکم نے وابن مردویہ وبیہقی نے اپنی سنن میں علی بن اطالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب یہ سورۃ آیت **انا اعطینك الكوثر** نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ یہ قربانی کیا ہے۔جس کا میرے رب نے مجھے حکم فرمایا ہے تو انہوں نے فرمایا وانحر سے مراد ذبح کرنا نہیں ہے لیکن آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب آپ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہیں تو آپ اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھایا کریں۔جب آپ تکبیر کہیں اور جب آپ رکوع کریں اور جب آپ اپنے سر کو رکوع سے اٹھائیں کیونکہ یہ ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو ساتوں آسمانوں میں ہیں۔اور بے شک ہر چیز کے لیے ایک زینت ہے اور نماز کی زینت ہے ہر تکبیر کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھوں کا اٹھانا اسی اطاعت اور عاجزی میں سے ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا آیت **فما استكانوا لربهم وما يتضرعون** (المومنون آیت ۷۶) پھر بھی اپنے رب کے سامنے عاجزی نہ کی اور نہ گڑگڑائے۔

۳۱۔ابن جریر نے ابوجعفر رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ آیت **فصل لربک** سے مراد ہے اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے آیت **وانحر** اور قربانی کیجیے یعنی نماز کو شروع کرنے کے وقت تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھائیے۔

۳۲۔ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آیت **فصل لربك وانحر** اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف وحی فرمائی کہ جب آپ نماز کے لیے تکبیر کہیں۔تو اپنے ہاتھ اپنے سینے تک بلند کریں۔پس یہی نحر ہے۔

۳۳۔ابن ابی شیبہ نے المصنف میں والبخاری فی تاریخہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والدارقطنی فی الافراد وابوالشیخ والحاکم وابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے آیت **فصل لربك وانحر** کے کے بارے میں روایت کیا کہ آپ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی کے درمیان رکھا اور پھر ان دونوں کو اپنے سینے پر رکھا۔

۳۴۔ابوالشیخ وبیہقی نے اپنی سنن میں انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا۔

۳۵۔ابن ابی حاتم وابن شاہین وسنہ وابن مردویہ وبیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت **فصل لربك وانحر** کے بارے میں روایت کیا کہ آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔نماز میں تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے۔

۳۶۔ابن ابی حاتم نے عطاء رحمہ اللہ سے آیت **فصل لربك وانحر** کے بارے میں روایت کیا کہ جب آپ نماز پڑھیں اور اپنے سر کو رکوع سے اٹھائیں تو سیدھے کھڑے ہو جائیں۔

۳۷۔ابن ابی حاتم نے ابوالاحوص رحمہ اللہ سے آیت **فصل لربك وانحر** کے بارے میں روایت کیا کہ آپ اپنے سینے کو قبلہ طرف کریں۔

۳۸۔ابن جریر وابن ابی حاتم نے ضحاک رحمہ اللہ سے آیت **فصل لربك وانحر** کے بارے میں روایت کیا کہ اپنے رب

کے لیے فرض نماز پڑھ اور اسی سے سوال کیجیے۔

۳۹۔ ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ آیت **فصل لربک وانحر** سے مراد ہے کہ اپنے رب کا شکر کا ادا کیجیے۔

۴۰۔ ابن جریر و ابن مردویہ نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ یہ آیت حدیبیہ کے دن نازل ہوئی کہ آپ کے پاس جبرئیل (علیہ السلام) تشریف لائے اور کہا کہ آپ قربانی کیجیے۔ اور واپس لوٹ جائیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور قربانی کے متعلق خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر دو رکعت پڑھیں پھر آپ قربانی کے اونٹوں کی طرف تشریف لے گئے۔ اور ان کو نحر کیا اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں آیت **فصل لربک وانحر**۔

۴۱۔ عبدالرزاق و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے مجاہد، عطا اور عکرمہ رحمہم اللہ سے آیت **فصل لربک وانحر** کے بارے میں روایت کیا کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ صبح کی نماز مزدلفہ میں ادا کیجیے اور قربانی کا جانور منیٰ میں ذبح کیجیے۔

۴۲۔ ابن جریر و ابن المنذر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آیت **فصل لربک وانحر** سے مراد ہے فرض نماز اور وانحر سے مراد ہے عیدالضحیٰ کے دن جانور ذبح کرنا۔

۴۳۔ ابن جریر نے قتادہ رحمہ اللہ سے آیت **فصل لربک وانحر** کے بارے میں روایت کیا کہ اس سے مراد ہے اضحیٰ کی نماز اور انحر سے مراد ہے اونٹ کو نحر کرنا۔

۴۴۔ ابن ابی حاتم نے عطاء رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ آیت **فصل لربک وانحر** سے مراد ہے عید کی نماز۔

۴۵۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ آیت وانحر سے مراد ہے اونٹ کو نحر کرنا۔

۴۶۔ ابن جریر نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے قربانی کرتے تھے پھر حکم کیا گیا کہ پہلے نماز پڑھیں پھر قربانی کریں۔

۴۷۔ بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت وانحر کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ قربانی کے دن دعا کیجیے۔

۴۸۔ عبدالرزاق و ابن جریر و ابن المنذر نے عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی تو قریش نے کہا کہ ہم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے نام ونشان ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی آیت **ان شانئک هو الابتر** بے شک آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

کفار ہی ابتر ہیں

۴۹۔ بزار و ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ کعب بن اشرف مکہ آیا تو قریش نے اس سے کہا کہ تو اہل مدینہ میں سے سب سے بہتر ہے اور ان کا سردار ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا اس صابی کی طرف جو اپنی قوم میں ابتر ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے اور ہم حاجیوں کے میزبان ہیں۔ اور حاجیوں کو پانی پلانے والوں میں سے

ہیں۔اور بیت اللہ کی خدمت کرنے والوں میں سے ہیں۔کعب بن اشرف نے کہا تم اس سے بہتر ہو تو یہ آیت نازل ہوئی آیت ان شانئک ہوالابتر اور یہ آیت بھی نازل ہوئی آیت الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب سے لے کر آیت فلن تجد لہ نصیرا تک۔کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا سے لے کر تو اس کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ تک۔

۵۰۔طبرانی وابن مردویہ نے ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم وفات پا گئے تو بعض مشرکین بعض کی طرف چلے اور کہنے لگے بے شک یہ صابی آج کی رات بے نام ونشان ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا آیت انا اعطینك الکوثر سورۃ کے آخر تک۔

۵۱۔ابن سعد وابن عساکر نے کلبی کے طریق سے ابوصالح سے روایت کیا اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ کے بڑے صاحبزادے حضرت قاسم تھے پھر زینب، پھر عبداللہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ پھر رقیہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ قاسم وفات پا گئے۔یہ آپ کی اولاد میں سے سب سے پہلے مکہ میں فت ہونے والے یہی تھے۔پھر عبداللہ بھی وفات پا گئے۔تو عیاض بن وائل سہمی نے کہا کہ ان کی نسل کٹ گئی اور وہ بے نام ونشان ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری آیت ان شانئک ہوا الابتر۔

۵۲۔ابن عساکر نے میمون بن مہران کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ کو جنم دیا۔پھر ان کے بعد اولاد کے پیدا ہونے میں دیر لگی۔اس درمیان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی سے بات کر رہے تھے اور عاص بن وائل آپ کی طرف دیکھنے لگا اچانک اس آدمی نے اس سے کہا یہ کون ہے؟ وائل نے کہا کہ یہ ابتر ہے یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کہتے تھے جب کسی آدمی کا کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری آیت ان شانئك هوا الابتر ۔یعنی آپ کے ساتھ بغض وعداوت رکھنے والا ہی ابتر ہے۔جو ہر خیر سے کٹا ہوا ہے۔

۵۳۔بیہقی نے دلائل میں محمد بن علی رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے قاسم اس عمر کو پہنچے کہ وہ جانور پر سواری کر سکیں۔اور تیز رفتاری کے ساتھ چل سکیں۔تب اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی۔تو عمرو بن عاص نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے کی موت کے سبب ابتر ہو گئے۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت انا اعطینك الکوثر یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ بدلہ ہے حضرت قاسم کے وصال کی مصیبت کے عوض۔آیت فصل لربك وانحر ان شانئك هو الابتر ۔بیہقی رحمہ اللہ نے کہا کہ اسی طرح اس سند کے ساتھ روایت کیا اور یہ ضعیف ہے اور مشہور ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی۔

۵۴۔الزبیر بن بکار وابن عساکر نے جعفر بن محمد رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم مکہ میں فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ سے واپس آتے ہوئے عاص

بن وائل اور اس کے بیٹے عمرو کے پاس سے گذرے۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگا بے شک میں اس سے دشمنی رکھتا ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتر ہو گیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان شانئک ھو الابتر نازل فرمائی۔

۵۵۔ ابن جریر و ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت ان شانئک ھو الابتر کے بارے میں روایت کیا کہ اس سے عاص بن وائل مراد ہے۔

۵۶۔ ابن ابی حاتم نے سدی رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ جب کسی آدمی کی نرینہ اولاد مر جاتی تھی تو قریش کہا کرتے تھے بتر فلاں یعنی فلاں بے نام و نشان ہو گیا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے وفات پا گئے تو عاص بن وائل نے کہا کہ آپ ابتر ہو گئے ہیں اور ابتر سے مراد ہے منفرد ہونا یعنی اکیلا رہ جانا۔

۵۷۔ ابن المنذر و ابن جریج و عبدالرزاق و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آیت ان شانئک سے مراد ہے بے شک آپ کا دشمن۔

۵۸۔ ابن ابی حاتم نے عطاء رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ آیت ان شانئک سے مراد ہے ابو جہل۔

۵۹۔ ابن جریر و ابن ابی حاتم نے شہر بن عطیہ سے روایت کیا اور انہوں نے ابن ابراہیم رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ عقبہ بن ابی معیط کہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا باقی نہیں رہا اور یہ ابتر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں آیت ان شانئک ھو الابتر بے شک آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔ نازل فرمایا۔ (تفسیر درمنثور، سورہ الکوثر، بیروت)

قرب قیامت اور قتال کا بیان

125 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا جُورَ كِرْمَانَ، قَوْمًا مِنَ الْأَعَاجِمِ حُمْرَ الْوُجُوهِ، فُطْسَ الْأُنُوفِ، صِغَارَ الْأَعْيُنِ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت نہ آئے گی، یہاں تک کہ تم جور کرمان سے لڑیں، وہ ایک عجمی (غیر عرب) قوم ہے، سرخ چہرے، چپٹی ناک اور چھوٹی آنکھوں والی، گویا کہ ان کے چہرے پٹی ہوئی ڈھال ہیں۔

وفي الأدب المفرد، رقم (781) ومن طريق موقفاً علي أبو هريرة، وفي إسناده ضعف. والإمام مسلم في صحيحه، أرقام (62) 2912 (63) 2912 (64). (65). (66) من طرق كلها عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم، والإمام الترمذي في سننه، رقم (2215) قال: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فذكره. ثم قال عقبه (4/497) : ((وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَبُرَيْدَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَعَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ، وَمُعَاوِيَةَ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ)) ا.هـ والإمام النسائي في سننه، رقم (3177) قال: أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ

أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، فذكره،وفي سننه الكبرى، رقم (4371) من نفس الطريق أعلاه. الإمام أبو داود في السنن، رقم(4304.4303) الأولى من طريق عن سُهَيْلِ ابْنَ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..والثانية من طريق عن سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً، قَالَ ابْنُ السَّرْحِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ..والإمام ابن ماجه في السنن، رقم (4097.4096)والإمام أحمد في مسنده: أرقام (10860.10150.8453.7987.7676.7263)والإمام ابن حبان في صحيحه، أرقام (6765.6746.6745.6744.6743)وأخرج هذ الحديث غير واحد من الإئمة، مرة موصولًا ومرة موقوفاً ومرة مرسلًا، هذا وانظر مسند الإمام أحمد(ط. دار الرسالة((12/205) هذا والله أعلم.

قیامت کی دس بڑی نشانیوں کا بیان

حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن، ہم لوگ آپس میں قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف آ نکلے اور پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یقیناً قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیوں کو نہ دیکھ لو گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دس نشانیوں کو اس ترتیب سے ذکر فرمایا ۱ دھواں ۲ دجال ۳ دابہ الارض ۴ سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا ۵ حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نازل ہونا، یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا اور (چھٹی، ساتویں اور آٹھویں نشانی کے طور پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین خسوف کا (یعنی تین مقامات پر زمین کے دھنس جانے کا) ذکر فرمایا ایک تو مشرق کے علاقہ میں، دوسرے مغرب کے علاقہ میں اور تیسرے جزیرہ عرب کے علاقہ اور دسویں نشانی، جو سب کے بعد ظاہر ہوگی، وہ آگ ہے جو یمن کی طرف سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو گھیر ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ وہ ایک ایسی آگ ہوگی جو (یمن کے مشہور شہر عدن کے آخری کنارے سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی نیز ایک روایت میں دسویں نشانی کے طور پر یمن کی طرف سے یا عدن کے آخری کنارے سے آگ کے نمودار ہونے کے بجائے) ایک ایسی ہوا کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 30)

حدیث میں قیامت کی جن دس بڑی نشانیوں اور علامتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں پہلی نشانی کے طور پر دھویں کا ذکر ہے، چنانچہ وہ ایک بڑا دھواں ہوگا جو ظاہر ہو کر مشرق سے مغرب تک تمام زمین پر چھا جائیگا اور مسلسل چالیس روز تک چھایا رہے گا اس کی وجہ سے تمام لوگ سخت پریشان ہو جائیں گے، مسلمان تو صرف دماغ وحواس کی کدورت اور زکام میں مبتلا ہوں گے مگر منافقین و کفار بیہوش ہو جائیں گے اور ان کے ہوش و حواس اس طرح مختل ہو جائیں گے کہ بعضوں کو کئی دن تک ہوش نہیں آئے گا واضح رہے کہ قرآن کریم میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آیت (فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ، (الدخان:10) تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تابعین کے قول کے مطابق اس آیت میں اسی دھویں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن حضرت ابن مسعود اور ان کے تابعین کے نزدیک اس آیت میں دھویں سے مراد غلہ کا وہ قحط ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریش مکہ پر نازل ہوا

تھا اور جس کا حقیقی سبب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بدعا تھی کہ اے اللہ ! تو ان لوگوں پر (جو سرکشی اور اسلام دشمنی میں حد سے بڑھ گئے ہیں سات سال کا قحط نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصریوں پر نازل فرمایا تھا، چنانچہ اس بددعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو سخت ترین غذائی قحط میں مبتلا کیا یہاں تک کہ وہ چمڑے، ومردے اور دوسری الا بلا چیزیں کھانے لگے تھے اس عرصہ میں انہیں فضا میں دھویں کی مانند ایک چیز نظر آتی تھی جس کو وہ اپنے اوپر منڈلاتے ہوئے دیکھا کرتے تھے جیسا کہ کوئی بھوکا ضعف وکمزوری کی شدت کے سبب اپنی آنکھوں کے آگے تاریکی محسوس کرتا ہے اور فضا میں بھری ہوئی ہوا اس کو دھویں کی شکل میں دکھائی دیتی ہے، ویسے بھی جب کسی علاقہ میں قحط سالی پھیل جاتی ہے تو بارش نہ ہونے کی وجہ سے پورے ماحول میں خشکی اور گردوغبار کی جو کثرت ہو جاتی ہے وہ فضا کو اس طرح مکدر کر دیتی ہے کہ چاروں طرف دھویں کی صورت میں اندھیرا معلوم ہونے لگتا ہے۔

دابۃ الارض" سے مراد ایک عجیب الخلقت اور نادر شکل کا جانور ہے جو مسجد حرام میں کوہ صفا ومروہ کے درمیان سے برآمد ہوگا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ان الفاظ واخرجنا لھم دابۃ من الارض کے ذریعہ کیا گیا ہے !علماء نے لکھا ہے کہ وہ جانور چوپایہ کی صورت میں ہوگا جس کی درازی ساٹھ گز کی ہوگی اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس عجیب الخلقت جانور کی شکل یہ ہوگی کہ چہرہ انسانوں کی طرح پاؤں اونٹ کی طرح گردن گھوڑے کی طرح سرین ہرن کی طرح سینگ بارہ سنگے کی طرح اور ہاتھ بندر کی طرح ہوں گے !نیز اس کے نمودار ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ کوہ صفا جو کعبہ کی مشرقی جانب واقع ہے، یکایک زلزلہ سے پھٹ جائے گا اور اس میں سے یہ جانور نکلے گا، اس کے ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں حضرت سلیمان کی انگشتری ہوگی تمام شہروں اور علاقوں میں اتنی تیزی کے ساتھ دورہ کرے گا کہ کوئی فرد بشر اس کا پیچھا نہ کر سکے گا اور دوڑ میں اس کا مقابلہ کر کے اس سے چھٹکارا نہ پا سکے گا جہاں جہاں جائے گا ہر شخص پر نشان لگاتا جائے گا جو صاحب ایمان ہوگا اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء سے چھوئے گا اور اس کی پیشانی پر "مومن" لکھ دے گا اور جو کافر ہوگا اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے سیاہ مہر لگا دے گا اور اس کے منہ پر کافر لکھ دے گا !بعض حضرات نے کہا ہے کہ دابۃ الارض تین مرتبہ نکلے گا ایک دفعہ تو حضرت امام مہدی کے زمانہ میں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور پھر آخری دفعہ آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے بعد۔آفتاب کے مغرب کی طرف سے نکلنے کے سلسلے میں وضاحت آگے آنے والی ایک حدیث کی تشریح میں بیان ہوگی !آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حضرت امام مہدی کے ظہور کے بعد ہوگا، چنانچہ آپ ایک دن شام کے وقت آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے اور پھر دجال کو تلاش کر کے اس کو دروازہ لد پر قتل کریں گے "لد" شام میں ایک موضع کا نام ہے اور بعض حضرات نے اس کو فلسطین کے ایک موضع کا نام بتایا ہے واضح رہے کہ یہاں حدیث میں جن دس نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی ترتیب کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ان میں سے سب سے پہلے جس نشانی کا ظہور ہوگا وہ دھواں ہے، اس کے بعد دجال نکلے گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے، پھر یاجوج ماجوج نکلیں گے، پھر دابۃ الارض نکلے گا اور پھر آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا یہ بات اس لئے کہی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں

تمام روئے زمین پر اہل ایمان کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا کیونکہ سارے کفار مسلمان ہو نگے ان کا ایمان مقبول ہوگا، اس کے برخلاف اگر یہ کہا جائے کہ مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع ہونا، دجال کے نکلنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے سے پہلے ہوگا تو ظاہر ہے کہ جو کفار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مسلمان ہوں گے ان کا ایمان مقبول قرار نہ پائے کیونکہ آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اس وقت کسی کافر کا ایمان قبول کرنا معتبر نہیں ہوگا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایمان قبول کرنے والے تمام لوگوں کا ایمان معتبر ہوگا اور وہ مسلمان مانے جائیں گے! پس حدیث میں مذکورہ نشانیوں کو جس ترتیب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہ ان نشانیوں کے وقوع پذیر ہونے کی اصل ترتیب نہیں ہے اور نہ یہاں اصل ترتیب کا ذکر کرنا مراد ہے بلکہ اصل مقصد ان نشانیوں کو ایک جگہ ذکر کرنا ہے سو بلا لحاظ ترتیب ان کو ایک جگہ ذکر کر دیا گیا لہٰذا یہ اشکال وارد نہیں ہوسکتا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے واقعہ سے پہلے ہوگا تو یہاں نزول آفتاب کے بعد کیوں ذکر کیا گیا۔

"یاجوج ماجوج" دراصل دو قبیلوں کے نام ہیں جو یافث ابن نوح کی اولاد میں سے ہیں، یہ دونوں قبیلے بہت وحشی مگر طاقتور تھے ان کا خاص مشغلہ لوٹ مار اور زمین پر فساد پھیلانا تھا، یہ قبیلے جس گھاٹی میں رہا کرتے تھے اس کو ذوالقرنین نے ایک ایسی دیوار سے جس کی بلندی اس گھاٹی کے دونوں طرف کے پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچتی ہے اور موٹائی ۶۰ گز کی ہے، بند کرا دیا تھا تا کہ لوگ ان قبیلوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہ سکیں، جب قیامت آنے کو ہوگی اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت آئے گا تو دیوار ٹوٹ جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین خسوف کا ذکر فرمایا" کے بارے میں ابن مالک نے کہا ہے کہ عذاب الٰہی کے طور پر زمین کا دھنس جانا مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں واقع ہو چکا ہے لیکن احتمال ہے کہ یہاں حدیث میں جن تین خسوف کا ذکر فرمایا ہے وہ پہلے واقع ہو چکنے والے خسوف کے علاوہ ہوں گے اور ان سے بھی زیادہ سخت ہوں گے۔

"اور لوگوں کو ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی" میں زمین حشر سے مراد ملک شام کا وہ علاقہ ہے جہاں وہ آگ لوگوں کو لے جا کر چھوڑے گی بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس آگ کی ابتداء ملک شام سے ہوگی، یا یہ کہ ملک شام کو اس قدر وسیع و فراخ کر دیا جائے گا کہ پورے عالم کے لوگ اس میں جمع ہو جائیں گے بہر حال حدیث کے اس جملہ کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اس آگ کا لوگوں کو ہانکنا، حشر کے بعد ہوگا۔ اگر زمین حشر سے مراد میدان حشر لیا جاتا تو یقیناً یہ مفہوم پیدا ہوتا اور اس پر اعتراض بھی واقع ہوتا، لیکن جب یہاں "میدان حشر" مراد ہی نہیں ہے تو پھر کوئی اعتراض بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔

نیز ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ وہ آگ حجاز کی سرزمین سے نمودار ہوگی، جب کہ یہاں حدیث میں اس کا یمن کی جانب سے نمودار ہونا بیان کیا گیا ہے) لہٰذا قاضی عیاض نے یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ قیامت کی نشانی کے طور پر جس آگ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک نہیں دو ہوں گی اور وہ دونوں، لوگوں کو گھیر کر ہانک کر زمین حشر (یعنی ملک شام) کی طرف لے جائیں گی۔ یا یہ کہ وہ آگ تو ایک ہی ہوگی جو ابتداء میں یمن کی جانب سے نکلے گی لیکن اس کا ظہور حجاز کی سرزمین سے ہوگا۔ اس موقع پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں بخاری کی جو روایت ہے اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے سب سے پہلی علامت

وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے گھیر ہانک کر مغرب کی طرف لے جائے گی جب کہ حقیقت میں وہ آگ سب سے آخری علامت ہوگی جیسا کہ یہاں حدیث میں مذکور ترتیب سے بھی واضح ہوتا ہے، پس اس تضاد کو اس تاویل کے ذریعہ دور کیا جائے گا کہ آگ کی سب سے آخری نشانی مذکورہ آگ ہوگی اور بخاری کی روایت میں آگ کو جو سب سے پہلی نشانی قرار دیا گیا ہے تو وہ اس اعتبار سے کہ آگ، قیامت کی ان نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی ہوگی جن کے بعد دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی بلکہ ان نشانیوں کے وقوع پذیر ہونے کے ساتھ ہی صور پھونکا جائیگا، ان کے برخلاف یہاں حدیث میں جن نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک نشانی کے بعد بھی دنیا کی چیزیں باقی رہیں گی۔ ایک ایسی ہوا کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔

یہ روایت بظاہر اس روایت کے خلاف ہے جس میں آگ کا ذکر ہے پس ان دونوں روایتوں کے درمیان مطابقت و یکسانیت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ اس دوسری روایت میں لفظ ناس (لوگوں) سے مراد کفار ہیں اور ان کو ہانکنے والی آگ ہوا کے سخت جھکڑ کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی تا کہ ان کفار کو سمندر میں دھکیلنے کا عمل زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پورا ہو، نیز مذکورہ آگ جس کا پانی آگ کی صورت میں تبدیل ہو جائے گا، چنانچہ قرآن کریم ان الفاظ واذ البحار سجرت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ تبدیل ہو جائے گا چنانچہ قرآن کریم کے ان الفاظ میں اسی حقیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کے برخلاف مومنین کے لئے جو آگ ہوگی وہ محض ان کو ڈرانے کے لئے ہوگی اور کوڑے کی طرح اس کا کام یہ ہوگا کہ انہیں ہانک کر زمین حشر اور موقف اعظم کی طرف لے جائے۔

گھوڑے اور اونٹ والوں میں تکبر ہونے کا بیان

126 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْخُيَلَاءُ وَالْفَخْرُ فِي أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ، وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فخر و تکبر گھوڑے اور اونٹ والوں میں ہوتا ہے اور بردباری بکری والوں میں۔

قیامت کے نشانیوں کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت کی علامتوں کے بارے میں حدیثیں اس ٹاپک میں جمع کی گئی ہیں یہ وہ علامتیں ہیں جو قیامت کے بالکل ساتھ والے زمانے کے لئے نہیں ہیں یعنی یاجوج ماجوج اور دجال وغیرہ بلکہ اس سے پہلے والے زمانے کے لئے ہیں یہ سب کام کسی نا کسی لحاظ سے شروع ہو چکے ہیں اس لئے اب ہمیں اس وقت کو قرب قیامت کا وقت سمجھ کر زندگی گزارنی چاہئے اللہ ہمیں علم و عمل کی توفیق دے۔ آمین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بیچ کی اور انگوٹھے کے پاس والی انگلی کے اشارے سے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔ الفاظ بخاری کے ہیں

صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2079 صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 278 صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2903 صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2908 جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 96 سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 920

یہود و نصاریٰ کی پیروی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت نہ آئے گی جب تک کہ میری امت تمام باتوں میں اگلی امتوں کے بالکل اسی طرح برابر نہ ہو جائے گی، جس طرح ایک بالشت بالشت کے برابر اور ایک گز گز کے برابر ہوتا ہے، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا روم اور فارس کی طرح؟ آپ نے فرمایا کہ کیا ان کے علاوہ اور کوئی ہیں۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔

صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2195 صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2194 سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 874

نافرمان اولاد اور عمارتوں پر فخر کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس شخص (حضرت جبرائیل علیہ السلام) نے کہا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے یہ بات پوچھی جارہی ہے سائل سے زیادہ نہیں جانتا (بلکہ ناواقفی میں دونوں برابر ہیں) اور میں تم کو اس کی علامتیں بتائے دیتا ہوں، جب لونڈی اپنے سردار کو جنے اور جب سیاہ اونٹوں کو چرانے والے عمارتوں میں رہنے لگیں تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب ہے) (الفاظ بخاری کے ہیں)

صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 49 صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1920 صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 100 صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 101 سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1294 سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1295 سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر 64

لونڈی کا اپنے مالک کو جننے سے مراد زنا کی اولاد بھی ہے اور نافرمان اولاد بھی اور اونٹ چرانے والے اکثر عرب تیل کی برکت سے مالدار ہو چکے ہیں اور بڑی بڑی عمارتوں میں رہ رہے ہیں۔

علم کا خاتمہ، جہالت، زنا، شراب، مردوں کی کمی، عورتوں میں اضافہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا اٹھ جانا اور جہالت کا غالب ہو جانا اور زنا کا عام ہو جانا اور شراب کا پیا جانا، مردوں کا کم ہونا اور عورتوں کا باقی رہنا یہاں تک کہ پچاس عورتوں کے لئے ایک مرد ہی نگران ہوگا قیامت کی علامات میں سے ہیں۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 81 صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 82 صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2285 صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2286 جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 86 سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 925)

مختصر زمانہ، علم کی کمی، بخل، قتل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ مختصر ہو جائیگا (وقت بے برکتی

مصروفیات اور تفکرات کی وجہ سے بہت جلد گزرے گا) اور علم کم ہو جائیگا (قلوب میں) بخل ڈال دیا جائیگا اور فتنے ظاہر ہوں گے اور ہرج بڑھ جائیگا۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہرج کیا ہے؟ فرمایا قتل۔ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں۔

صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 982 صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1957 صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2292 صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2293 سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 862 سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 932

امامت کے مسئلے پر جھگڑنا

حضرت سلامہ بنت حر سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ نشانی بھی ہے کہ اہل مسجد آپس میں جھگڑیں گے اور ان کو کوئی نماز پڑھانے والا نہیں ملے گا۔ الفاظ سنن ابوداؤد کے ہیں۔

(سنن ابوداؤد: جلد اول: حدیث نمبر 578 سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر 982)

مشرکین کے ساتھ الحاق واتحاد

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کے کئی قبائل مشرکین کے ساتھ الحاق نہیں کریں گے اور بتوں کی پوجا نہیں کریں گے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ الفاظ جامع ترمذی کے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 101 سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 859 سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 832)

اس کی مثال بھارتی ہندو، بت پرستوں کے ساتھ دوستی کرنے والے ملک اور لوگ ہیں۔

ایمان کا صبح شام بدلنا اور مسلمانوں کی آپس کی لڑائی

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب فتنے سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح ظاہر ہوں گے (جس طرح رات کی سیاہی ایک دم چھا جاتی ہے اس طرح فتنے یکے بعد دیگرے آئیں گے۔) آدمی اس وقت صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر ہوگا اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر۔ بیٹھا ہوا شخص اس میں کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا اس میں کوشش کرنے والے سے بہتر ہے تو تم اپنی کمانوں کو توڑ ڈالو اور اپنے چلو (کمانوں کی تانت) کو کاٹ ڈالو اور اپنی تلواریں پتھروں سے دے مارو پس اگر کوئی تم میں سے کسی کے اوپر چڑھ آئے (اسے قتل کرنے کے لیے) تو تم آدم کے بیٹوں میں سے اچھے (ہابیل) کی طرح ہو جاؤ۔ (خود قتل ہو جاؤ دوسرے مسلمان کو قتل نہ کرو)۔ الفاظ سنن ابوداؤد کے ہیں۔

(سنن ابوداؤد۔ جلد سوم: حدیث نمبر 866 سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 869 سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 841 جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 78)

مسجدیں بنانے میں فخر کرنا

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علامات قیامت یہ ہے کہ لوگ فخر کریں گے مسجدوں میں (مطلب یہ ہے کہ لوگ تکبر کی نیت سے ایک دوسرے سے بڑھ کر عمدہ عمدہ مساجد تعمیر کریں گے اور ایک دوسرے کی تقلید میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی نیت سے مساجد تعمیر کریں گے اور ان کا مقصد رضائے خداوندی نہ ہوگا۔ الفاظ سنن نسائی

ے ہیں۔(سنن نسائی: جلداول: حدیث نمبر 693 سنن ابن ماجہ: جلداول: حدیث نمبر 739)

ملمانوں کی آپس کی لڑائی اور مجرموں کا حاکم بننا

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھہ ں میری جان ہے قیامت اس وقت تک نہ آئے گی یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کرواپنی تلواروں سے لڑائی کرواور تمہارے دنیاوی ور شریر لوگوں کے ہاتھہ میں آ جائیں۔یہ حدیث حسن ہے۔الفاظ جامع ترمذی کے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 47 سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 923)

ملمانوں کی آپس کی لڑائی قیامت تک چلے گی

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت میں تلوار رکھہ دی ئے گی تو پھر قیامت تک نہیں اٹھائی جائے گی۔یہ حدیث صحیح ہے۔الفاظ جامع ترمذی کے ہیں۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 859 جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 83 سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 832)

للہ کا نام لینے والوں کی وفات

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب ک ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا باقی رہے گا۔الفاظ مسلم کے ہیں۔

(صحیح مسلم: جلداول: حدیث نمبر 375 صحیح مسلم: جلداول: حدیث نمبر 376 جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 88 جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 89)

ہمارے معاشروں میں اللہ کا نام لینے کا رواج کم ہوتا جارہا ہے۔

ر جمعہ کو مخلوق قیامت کے آنے سے ڈرتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس دن سے یہ سورج روشن ہے اسی دن سے یہ جمعہ کا دن باقی تمام دنوں سے بہتر رہا ہے اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن آسمان سے زمین پر اتارے گئے ی دن ان کی توبہ قبول ہوئی اسی دن انھوں نے وفات پائی اور اسی دن قیامت برپا ہوگی اور کوئی جاندار ایسا نہیں جو اس دن قیامت کے ڈر سے، صبح سے لے کر آفتاب نکلنے تک کان نہ لگائے رہتا ہو بجز جنوں اور انسانوں کے۔(الفاظ سنن ابوداؤد کے ہیں۔

(سنن ابوداؤد: جلداول: حدیث نمبر 1043 سنن نسائی: جلداول: حدیث نمبر 1435)

وتے بالوں کے ہونے والی قوم کا بیان

127 - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہ آئے گی یہاں تک کہ تم ایک ایسی قوم سے لڑو جن کے

جوتے بالوں کے ہوں گے۔

امارت میں قریش کے تابع ہونے کا بیان

128 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِي هٰذَا الشَّأْنِ ۔ أُرَاهُ يَعْنِي الْإِمَارَةَ ۔ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ، وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِكَافِرِهِمْ ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس معاملہ میں یعنی میں سمجھتا ہوں امارت کے بارے میں لوگ قریش کے تابع ہیں، ان میں سے مسلمان ان کے مسلمانوں کے تابع، اور ان میں سے کافر ان کے کافروں کے تابع ہیں۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس بات میں لوگ قریش کے تابع ہیں، قریش کے مسلمان (تمام غیر قریشی) مسلمانوں کے اور قریش کے کافر (تمام غیر قریشی) کافروں کے سردار ہیں۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 579)

حدیث کے ظاہر سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اس بات" سے مراد دین وشریعت ہے خواہ اس کے وجود کا اعتبار ہو یا اس کے عدم کا۔ مطلب یہ کہ دین کے قبول یا عدم قبول یعنی ایمان وکفر کے معاملہ میں تمام لوگ قریش کے پیچھے ہیں اور قریش اقدامی وپیشوائی حیثیت رکھتے ہیں، بایں طور کہ ایک طرف تو دین کا ظہور سب سے پہلے قریش میں ہوا اور سب سے پہلے قریش کے لوگ ایمان لائے اور پھر ان کی اتباع میں دوسرے لوگوں نے بھی ایمان لانا شروع کیا، دوسری طرف وہ یعنی قریش ہی کے لوگ تھے جنہوں نے دین کی سب سے پہلے مخالفت کی اور مسلمانوں کی راہ روکنے کے لئے سب سے پہلے آگے آئے اس طرح اگر قریش کے کافروں کے تابعدار ہوئے چنانچہ اسلام کی تاریخ جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے تمام اہل عرب، قریش مکہ کے اسلام لانے کا انتظار کرتے تھے، جب اہل اسلام کے ہاتھوں مکہ فتح ہو گیا اور قریش مکہ مسلمان ہو گئے تو تمام عرب کے لوگ بھی جماعت در جماعت اسلام میں داخل ہو گئے جیسا کہ سورت اذا جاء نصر اللہ سے واضح ہوتا ہے۔

بہر حال اس ارشاد کا مقصد قریش کی قائدانہ حیثیت کو بیان کرنا ہے کہ قیادت امارت کا جوہر انہی کو نصیب ہے خواہ وہ اپنے عہد جاہلیت سے وابستہ رہے ہوں یا عہد اسلام سے لیکن ان کی قیادت وامارت کو "فضل وشرف" کا اعتبار صرف اسلام کی صورت میں حاصل ہے نہ کہ کفر کی حالت میں۔ اور اگر "فضل وشرف" کی قید مقصود نہ ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ اس ارشاد گرامی میں قریش مطلق قیادت وامارت کا ذکر ہے خواہ اس کا دنیاوی امور سے ہو خواہ مذہبی امور سے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ صرف دنیاوی اعتبار سے قریش مکہ تمام عرب قبائل میں "سردار" قبیلہ کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ اس وقت کے ان مذہبی معاملات جیسے اللہ کی تولیت وکلید داری اور پانی پلانے وغیرہ کی ذمہ داریوں کا اعزاز بھی انہی کو حاصل تھا۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "اس بات" سے مراد امامت کبریٰ اور منصب خلافت ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں میں وضاحت کے ساتھ منقول بھی ہے اور اس ارشاد گرامی کا مقصد قریش کی قیادت تسلیم کرنے اور ان کی اتباع کا حکم دینا ہے۔ پس اگر

لوگ اس ارشادگرامی کی روح اوراس سے اخذ شدہ حکم پرعمل نہ کرتے ہوئے قریش کی قیادت کوتسلیم نہ کریں اوران کی اتباع سے انکارکریں تو یہ بات اس ارشادگرامی کے اثبات کے منافی نہیں ہوگی۔

کیونکہ کسی بھی حکم کے اثبات کے لئے ضروری نہیں ہوتا کہ عملی اورواقعاتی طور پراس کاظہور بھی ہوحکم کا مقصد توکسی چیز کوثابت کرنا ہوتا ہے،اگراس حکم پرعمل نہ کرے تواس کا یہ مطلب ہرگزنہیں ہوتا کہ وہ حکم اپنی قوت اثبات ونفاذ سے خالی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ قریش کی قیادت وامارت کواختیاروقبول کرنے کا جوحکم دیا ہےاس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ قریش قیادت وامارت کا استحقاق اوراس کی ذمہ داریوں کوسنبھالنے کی اہلیت رکھتے ہیں،خواہ کوئی ان کی قیادت وامارت کوتسلیم کرےاوران کی تابعداری کرے یا نہ کرے۔

امارت کے معنی ومفہوم کا بیان

امارت سے مراد "سرداری وحکمرانی" ہےاورقضاء سے مراد "شرعی عدالت" ہے اسلامی نظام حکومت کی عمارت کے یہ دو بنیادی ستون ہیں! امیروامام (یعنی سربراہ مملکت) اسلام کے قانون اساسی کا محافظ، نظم حکومت اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ذمہ دارحفاظت مذہب اورامت اسلامیہ کی طاقت وقوت کا امین اورامورعامہ کا نگہبان ہوتا ہےاسلامی معاشرہ کےافراد کاتعلق جن امور سے ہےان سب پرامیروامام ہی کا اختیار کارفرما ہوتا ہے۔

قاضی،اسلامی عدالت کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے شہریوں کےحقوق (امن،آزادی،مساوات) کا محافظ ہوتا ہےاوروہ معاملات کا فیصلہ کرنے میں شریعت کی طرف سے حکم کی حیثیت رکھتا ہے،اس کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کےنزاعی مقدمات کا شریعت کے مطابق فیصلہ کرےاوراس کا اس سے بڑافرض یہ ہوتا ہے کہ وہ عدل وانصاف،دیانت داری اور ایمانداری کے تقاضوں کو ہر حالت میں مدنظر رکھے۔اسلام اورحکومت اسلام،دنیا کا یگانہ مذہب بھی ہےاوردنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی اسلام جس طرح انسانیت عامہ کی دینی،مذہبی اوراخلاقی،اخروی فلاح کا سب سے آخری اورمکمل قانون ہدایت ہےاس طرح وہ ایک ایسی لافانی سیاسی طاقت بھی ہے جوانسانوں کے عام فائدے،عام بہتری اورعام تنظیم کے لئے حکومت وسیاست سے اپنے تعلق کوبرملااظہار کرتی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مذہب کی حیثیت سے کچھ اوربھی ہےاس کوحکومت حاکمیت،سیاست اورسلطنت سے وہی تعلق ہے جواس کائنات کی کسی بھی بڑی حقیقت سے ہوسکتا ہےاس کومحض ایک ایسانظام نہیں کہا جاسکتا ہے جوصرف باطن کی اصلاح کا فرض انجام دیتا ہے بلکہ اس کوایسا دینی نظام بھی سمجھنا چاہئے جواللہ ترس وخداشناس روح کی قوت سے دنیا کے مادی نظام پرعالمگیرغلبہ کا دعویٰ رکھتا ہے،یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جواسلامی تصورات ونظریات کا سرچشمہ ہے اوراحادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جوہدایات کی شارح وترجمان ہیں،ان کا ایک بہت بڑاحصہ اسلام اورحکومت وسیاست کےتعلق کو ثابت کرتا ہےکہیں تاریخی انداز میں،کہیں تعلیمات کے پیرایہ میں اورکہیں نعمت الٰہی کوظاہری کرتے ہوئے ہم پہ یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اسلام اورحکومت اللہ کاحق ہےاس لئے اسلام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ اس زمین پراللہ کی حکومت قائم کی جائے اور

اس کا اتارا ہوا قانون نافذ کیا جائے۔ ہم میں سے جو کج فکر لوگ "مذہب اور سیاست" کے درمیان تفریق کی دیوار حائل کر کے اسلام کو سیاست وحکومت سے بالکل بے تعلق و بے واسطہ رکھنا چاہتے ہیں وہ دراصل مسلم مخالف عناصر کے اس شاطر دماغ کی سازش کا شکار ہیں جو خود تو حقیقی معنے میں آج تک حکومت کو "مذہب" سے آزاد نہ کر سکا لیکن مسلمانوں کی سیاسی پرواز اور ہمہ گیر پیش قدمی کو مضمحل کرنے کے لئے "مذہب" اور سیاست وحکومت" کی مستقل بحثیں پیدا کر کے مسلمانوں کے چشمہ فکر وعمل میں دین اور دنیا کی پلیدگی کا زہر گھول رہا ہے۔

قریش کی عورتوں کی فضیلت کا بیان

129 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ نِسَاءُ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ، وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین عورتیں جو کبھی اونٹ پر سوار ہوئی ہیں وہ قریش کی عورتیں ہیں: اپنے بچوں پر ان کے بچپن میں بڑی مہربان رہتی ہیں، اور اپنے شوہر کے مال کی بڑی حفاظت کرتی ہیں۔

(بخاری، مسلم، احمد بن حنبل، ۔ابن حبان، نسائی سنن الکبری بیہقی، ابو یعلی ۔حمیدی، عبد الرزاق، ۔ابن ابی شیبہ)

نظر لگنے کے حق ہونے کا بیان

130 -وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْعَيْنُ حَقٌّ، وَنَهَى عَنِ الْوَشْمِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر لگنا حق بات ہے، اور آپ جسم گودنے سے منع کیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۵۳۴۹)

شرح

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک کے ذریعہ نظر بد، ڈنک اور نملہ کا علاج کرنے کی اجازت دی ہے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 456)

وہ جھاڑ پھونک ہے، جس میں حصول شفا کے لئے منقول دعائیں اور قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں، "نظر بد" ایک حقیقت ہے جس کو بعض حضرات نے "زہر" سے تعبیر کیا ہے ان حضرات کا کہنا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بچھو کے ڈنک اور سانپ کے منہ میں زہر رکھا ہے اسی طرح بعض آدمیوں کی آنکھوں میں بھی زہر رکھا ہے کہ ان کی نظر جس چیز کو بھی لگ جاتی ہے خواہ وہ انسان ہو یا مال واسباب، زمین جائیداد ہو یا کھیتی و باغات اور جانور ہو، اس کو کھا جاتی ہے۔

چنانچہ نظر بد کے دفیعہ کے لئے دعا و تعویز اور جھاڑ پھونک نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لئے مختلف دعائیں بھی تعلیم فرمائی ہیں جو دعاؤں کے باب میں گزر چکی ہیں۔ "ڈنک" سے مراد زہریلہ ڈنک ہے جیسے بچھو کا ڈنک، سانپ کا ڈسنا بھی اسی کے حکم میں ہے اگر کسی شخص کو بچھو ڈنک مار دے یا سانپ ڈس لے تو اس کا زہر اتارنے کا بہترین ذریعہ جھاڑ پھونک ہے۔ "نملہ" اصل میں چیونٹی کو کہتے ہیں لیکن یہاں وہ پھوڑا مراد ہے جو آدمی کے پہلو میں ہو جایا کرتا ہے، کبھی یہ پھوڑا

چھوٹی چھوٹی پھنسیوں کی صورت میں بھی ہوتا ہے جو پسلی کے اوپر نکل آتی ہیں۔

نملہ پھوڑے میں آدمی کو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے چیونٹیاں رینگ رہی ہوں اور غالبًا اسی مناسبت سے اس پھوڑے کو نملہ کہا گیا ہے اور اگر نملہ چھوٹی چھوٹی پھنسیوں کی صورت میں ہو تو اس میں وجہ مشابہت یہ ہوگی کہ وہ پھنسیاں چیونٹیوں کی طرح پھیلی اور بکھری ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ جھاڑ پھونک کے ذریعہ ہر مرض کا علاج کرنا جائز ہے، اس صورت میں خاص طور پر ان تین چیزوں کا ذکر محض اس لئے کیا گیا ہے کہ دوسرے امراض کی بہ نسبت ان تینوں میں جھاڑ پھونک کا اثر زیادہ اچھا ہوتا ہے اسی طرح جس روایت میں بطور حصر یہ فرمایا گیا ہے کہ جھاڑ پھونک صرف ان تین چیزوں میں جائز ہے اس کی تاویل بھی یہی ہوگی علاوہ ازیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب جن الفاظ وکلمات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے ان سے اجتناب کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں مسلمانوں کو جھاڑ پھونک کرنے سے منع فرمادیا تھا پھر جب ان تینوں چیزوں میں جھاڑ پھونک کی اہمیت اور لوگوں کو اس سے حاصل ہونے والے فائدے کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین چیزوں میں منتر پڑھ کر پھونکنے کی اجازت دیدی بشرطیکہ اس منتر میں مشرکانہ الفاظ وکلمات استعمال نہ ہوں یہاں تک کہ بعد میں اس اجازت کو عام کر دیا گیا کہ کسی بھی مرض میں منقول دعاؤں اور قرآنی آیات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کی جاسکتی ہے۔

نظر بد ایک حقیقت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر بد حق ہے یعنی نظر لگنا ایک حقیقت ہے اگر تقدیر پر سبقت لے جانے والی کوئی چیز ہوتی تو وہ نظر ہی ہوتی اور جب تم سے دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو تم دھو دو۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 462)

نظر حق ہے" کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والے کی نظر میں کسی چیز کا کھب جانا اور اچھا لگنا خواہ وہ چیز جاندار یعنی انسان وحیوان ہو، یا غیر جاندار جیسے مال واسباب ہو اور پھر اس چیز پر دیکھنے والے کی نظر کا اثر انداز ہو جانا ایک ایسی ثابت شدہ حقیقت ہے جو تقدیر الٰہی سے متعلق ہے، چنانچہ حق تعالیٰ نے سحر و جادو کی طرح بعضوں کی نظر میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ جس چیز کو لگ جاتی ہے اس کی ہلاکت وتباہی اور نقصان کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اگر تقدیر الٰہی بر سبقت لے جانے والی کوئی چیز ہوتی کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا مرکز اور منبع، تقدیر الٰہی ہے کہ بڑی سے بڑی طاقت کا اثر ونفوذ بھی تقدیر الٰہی سے پابستہ ہے اور چھوٹے سے چھوٹے تک کی حرکت وسکون بھی تقدیر الٰہی کے بغیر ممکن نہیں، گویا کوئی چیز بھی تقدیر کے دائرہ سے باہر نکلنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اگر بالفرض کوئی چیز ایسی طاقت رکھ سکتی کہ وہ تقدیر کے دائرہ کو توڑ کر نکل جائے تو وہ نظر بد ہوتی کہ وہ تقدیر کو بھی پلٹ دیتی اور اس پر غالب آجاتی، گویا یہ بات اشیاء میں تاثیر نظر کی شدت اور اس کے سرعت نفوذ کو زیادہ سے زیادہ کے ساتھ بیان کرنے کے لئے فرمائی گئی ہے۔ اور جب تم سے دھونے کا مطالبہ کیا جائے۔

اس وقت عرب میں یہ دستور تھا کہ جس شخص کو نظر لگتی تھی اس کے ہاتھ پاؤں اور زیر ناف حصے کو دھو کر وہ پانی اس شخص پر ڈالتے

تھے جس کو نظر لگتی تھی اور اس چیز کو شفا کا ذریعہ سمجھتے تھے اس کا سب سے ادنیٰ فائدہ یہ ہوتا تھا کہ اس ذریعہ سے مریض کا وہم دور ہو جاتا تھا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی اور فرمایا کہ اگر تمہاری نظر کسی کو لگ جائے اور تم سے تمہارے اعضاء دھو کر مریض پر ڈالنے کا مطالبہ کیا جائے تو اس کو منظور کر لو اعضاء جسم کو اس مقصد کے لئے دھونے کا طریقہ دوسری فصل کے اخیر میں ذکر ہوگا"۔۔ واضح رہے کہ جمہور علماء اہل حق کا مسلک تو یہی ہے کہ جاندار خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اور اموال میں جائیداد وغیرہ میں نظر کی تاثیر یعنی نظر لگنے سے نقصان پہنچنا ثابت ہے جب کہ بعض لوگ جیسے معتزلہ وغیرہ اس کے منکر ہیں جیسا کہ وہ اموال وغیرہ میں دوا اور صدقہ وخیرات کی تاثیر کے قائل نہیں ہیں ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جس چیز کا وقوع پذیر ہونا مقدر میں لکھ دیا گیا ہو اس میں کسی اور چیز کا دخل نہیں ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ تقدیر کے لکھے کو کوئی چیز متغیر نہیں کر سکتی۔ لیکن وہ لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے کہ تقدیر عالم اسباب کے ساتھ کوئی تضاد و منافات نہیں رکھتی، چنانچہ نظر کی تاثیر اور سببیت اس بناء پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اس طرح کی خاصیت رکھ دی ہے کہ وہ ہلاکت ونقصان کا سبب بن جائے علاوہ ازیں علماء اہل حق کے مسلک کی دلیل کے یہ ارشاد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم "العین الحق" ہے کہ جب شارع علیہ السلام نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ نظر کی تاثیر برحق ہے تو اس کا اعتقاد رکھنا واجب اور ضروری ہے۔

رہی بات یہ کہ نظر لگنے کی کیفیت وصورت کیا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے نظر زدہ کو نقصان وضرر کیسے پہنچتا ہے تو اس سلسلے میں علماء نے مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سلسلے میں بعض ایسے لوگوں نے جن کی نظر عام طور پر کسی نہ کسی کو لگتی رہتی ہے بیان کیا کہ جب ہمیں کوئی چیز اچھی لگتی ہے اور ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری آنکھوں سے حرارت نکل رہی ہو، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ نظر لگانے والے کی آنکھ سے ایک خاص قسم کی حرارت سمیہ نکلتی ہے جو ہوا میں مخلوط ہو جاتی ہے اور وہ ہوا پھر نظر زدہ تک پہنچتی ہے تو اس کے نقصان و ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے جیسا کہ بعض قدیم محققین کے مطابق اس سانپ کی زہر کی کیفیت ہوتی ہے جو محض اپنی نظر کے ذریعہ زہر کو منتقل کرتا ہے کہ اس کی نظر جس پر بھی پڑ جاتی ہے اس تک اس کا اثر پہنچ جاتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے حاصل یہ کہ دکھائی نہ دینے والی کوئی شئے نظر لگانے والے کی نظر سے تیر کی طرح روانہ ہوتی ہے اور اگر کوئی ایسی چیز درمیان میں نہ ہوتی ہے جیسے حرز وتعویز اور دوا وغیرہ تو وہ شئے نظر زدہ تک نہیں پہنچتی اور اس میں اثر ونفوذ نہیں کرتی بلکہ اگر وہ حرز وتعویز قوی ومضبوط قسم کا ہوتا ہے تو وہ شئے نظر لگانے والے ہی کی طرف پلٹ آتی ہے جیسا کہ اگر مقابل کے پاس سخت ومضبوط سپر ہوتا ہے تو تیر مارنے والے کا تیر سپر سے ٹکرا کر الٹا مارنے والے کو آ کر لگتا ہے۔

حق تعالیٰ نے جس طرح بعض لوگوں کی نظر میں مذکورہ خاصیت وتاثیر پیدا کی ہے اسی طرح نفوس کاملہ یعنی اہل اللہ اور کاملین کو بھی اس نظر بد کے دفعیہ کی قوت اور اس میں تصرف کی طاقت عطا فرما دی ہے تاکہ وہ عوام کو دعا وتعویز کے ذریعہ نظر بد کے اثرات سے محفوظ رکھنے میں مدد دیں۔

نظر بد سے متعلق ایک واقعہ کا بیان

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بن سہل ابن حنیف کہتے ہیں کہ (ایک دن) عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے (میرے والد) سہل

بن حنیف رضی اللہ عنہ کو نہاتے ہوئے دیکھا۔ تو کہنے لگا کہ اللہ کی قسم (سہل کے جسم اوران کے رنگ وروپ کے کیا کہنے) میں نے تو آج کے دن کی طرح (کوئی خوبصورت بدن بھی) نہیں دیکھا۔ اور پردہ نشین (خوبصورت عورت) کی بھی کھال (سہل کی کھال جیسی نازک وخوش رنگ) نہیں دیکھی۔ ابوامامہ کہتے ہیں کہ (عامر کا) یہ کہنا تھا کہ ایسا محسوس ہوا (جیسے) سہل کو گرادیا گیا (یعنی ان کو عامر کی ایسی نظر لگی کہ وہ فوراً غش کھا کر گر پڑے) چنانچہ ان کو اٹھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ "یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہل کے علاج کے لئے کیا تجویز کرتے ہیں! اللہ کی قسم یہ تو اپنا سر بھی اٹھانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ کیا کسی شخص کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ اس نے ان کو نظر لگائی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ (جی ہاں) عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارا گمان ہے کہ انہوں نے نظر لگائی ہے راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) عامر کو بلایا اور ان کو سخت سست کہا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں مارڈالنے کے درپے ہوتا ہے تم نے سہل کو برکت کی دعا کیوں نہیں دی (یعنی اگر تمہاری نظر میں سہل کا بدن اور رنگ وروپ بھا گیا تھا تو تم نے یہ الفاظ کیوں نہ کہے بارک اللہ علیک تا کہ ان پر تمہاری نظر کا اثر نہ ہوتا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کو حکم دیا کہ (تم سہل کے لئے اپنے اعضاء کو) دھوؤ اور اس پانی کو اس پر ڈال دو چنانچہ عامر نے ایک برتن میں اپنا منہ ہاتھ کہنیاں گھٹنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کے پورے اور زیر ناف جسم (یعنی ستر اور کولھوں) کو دھویا اور پھر وہ پانی جس سے عامر نے یہ تمام اعضاء دھوئے تھے سہل پر ڈالا گیا اس کا اثر یہ ہوا کہ سہل فوراً اچھے ہو گئے اور اٹھ کر لوگوں کے ساتھ اس طرح چل پڑے جیسے ان کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

(شرح السنہ، مؤطا امام مالک)

اور امام مالک کی ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوکنے والے سے فرمایا کہ نظر بدحق ہے تم نظر زدہ کے لئے وضو کرو چنانچہ اس نے نظر زدہ کے لئے وضو کیا۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 492)

امام نووی کہتے ہیں کہ علماء کے نزدیک نظر لگانے والے کے وضو کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں یہ تحقیق ہو کہ اس نے نظر لگائی ہے کہ اس کے سامنے کسی برتن یعنی پیالہ وغیرہ میں پانی لایا جائے اس برتن کو زمین پر نہ رکھا جائے پھر نظر لگانے والا اس برتن میں سے ایک چلو پانی لے کر کلی کرے اور اس کلی کو اسی برتن میں ڈالے پھر اس سے پانی لے کر اپنا منہ دھوئے پھر بائیں ہاتھ میں پانی لے کر دائیں کہنی اور دائیں ہاتھ میں پانی لے کر بائیں ہاتھ میں پانی لے کر بائیں کہنی دھوئے اور ہتھیلی و کہنی کے درمیان جو جگہ ہے اس کو نہ دھوئے پھر داہنا پیر اور پھر اس کے بعد بایاں پیر دھوئے پھر اسی طرح پہلے داہنا گھٹنا اور بعد میں بایاں گھٹنا دھوئے اور پھر آخر میں تہبند کے اندر زیر ناف جسم کو دھوئے اوران سب اعضاء کو اسی برتن میں دھویا جائے ان سب کو دھونے کے بعد اس پانی کو نظر زدہ کے اوپر اس کی پشت کی طرف سے سر پر ڈال کر بہادے واضح رہے کہ اس طرح کا علاج اسرار وحکم سے تعلق رکھتا ہے جو عقل وسمجھ کی رسائی سے باہر کی چیز ہے لہٰذا اس بارے میں عقلی بحث کرنا لاحاصل ہے مازری نے کہا ہے کہ مذکورہ اعضاء جسم کو دھونے کا حکم وجوب کے طور پر ہے لہٰذا نظر لگانے والے کو اس بات پر طاقت کے ذریعہ مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ نظر زدہ کے لئے مذکورہ وضو کرے نیز انہوں نے کہا ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی کرنا انسانیت سے بعید ہے خاص طور سے اس صورت میں جب کہ

نظر زدہ کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جو شخص نظر لگانے کے بارے میں مشہور و معروف ہو جائے تو اس سے اجتناب کرنا اور اس کے سامنے آنے میں احتیاط کرنا لازم ہے اور امام سربراہ حکومت کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسے شخص کو لوگوں میں آنے جانے اور بیٹھنے اٹھنے سے روک دے اور اس پر یہ پابندی عائد کر دے کہ وہ اپنے گھر میں ہی رہا کرے گھر سے باہر نہ نکلا کرے اور اگر وہ شخص محتاج و فقیر ہو کہ اپنی گزر و بسر کرنے کے لئے لوگوں کے پاس آنے جانے پر مجبور ہو تو بیت المال سرکاری خزانے سے اس کے لئے بقدر کفایت وظیفہ مقرر کر دے تا کہ وہ گزر اوقات کر سکے حاصل یہ کہ ایسے شخص کا ضرر جذامی کے ضرر سے بھی سخت و شدید ہے لہٰذا اس بارے میں احتیاط لازم ہے۔

امام نووی نے اس قول کی تائید کی ہے اور کہا کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے بالکل صحیح اور نا قابل تردید ہے کیونکہ اس کے متعلق علماء میں سے کسی کا بھی کوئی اختلافی قول ہمارے علم میں نہیں ہے۔

نماز کو خشوع و خضوع سے پڑھنے کا بیان

131 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتْ تَحْبِسُهُ، وَلَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَخْرُجَ إِلَّا انْتِظَارُهَا .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک نماز ہی میں رہتا ہے جب تک کہ نماز اس کو روکے رکھے۔ اور نماز کے انتظار کے سوائے اس کو اور کوئی چیز جانے سے نہیں روکتی۔

اوپر کا ہاتھ نیچے کے ساتھ بہتر ہے

132 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور (خیرات) اپنے قریبی رشتہ داروں سے شروع کرو۔

(1)۔أخرجہ البخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقۃ إلا عن ظہر غنی، (2/112)، برقم: (1427)، و مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، و أن الید العلیا ہی المنفقۃ و أن السفلی ہی الآخذۃ، (2/717)، برقم: (1034)(2)۔أخرجہ أحمد شاکر (8/392)، برقم: (8687)(3)۔أخرجہ البیہقی فی شعب الایمان (12/337)، برقم: (9481).

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا بیان

133 –وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ ، قَالُوا: كَيْفَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ وَأُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى، وَدِينُهُمْ

وَاحِدٌ، فَلَيْسَ بَيْنَنَا نَبِيٌّ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں کے مقابلہ میں عیسیٰ بن مریم کے ساتھ دنیا اور آخرت میں اولیٰ ہوں، لوگوں نے کہا: کس طرح؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پیغمبر علاتی بھائی ہیں، اوران کی مائیں علیحدہ ہیں اور ان کا دین ایک ہے، اور ہم دونوں کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

مسیح ابن مریم علیہ السلام

یہ خوشخبری حضرت مریم کو فرشتے سنا رہے ہیں کہ ان سے ایک لڑکا ہوگا جو بڑی شان والا اور صرف اللہ کے کلمہ " کن " کے کہنے سے ہوگا یہی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فرمان آیت (مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ) (3-آل عمران:39) کی بھی ہے۔

جیسے کہ جمہور نے ذکر کیا اور جس کا بیان اس سے پہلے گذر چکا، اس کا نام مسیح ہوگا عیسیٰ بیٹا مریم علیہ السلام کا، ہر مومن اسے اسی نام سے پہچانے گا، مسیح نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں وہ بکثرت سیاحت کریں گے، ماں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دونوں جہان میں برگزیدہ ہیں اور مقربان خاص میں سے ہیں،

ان پر اللہ عزوجل کی شریعت اور کتاب اترے گی اور بڑی بڑی مہربانیاں• ان پر دنیا میں نازل ہوں گی اور آخرت میں بھی اور اولوالعزم پیغمبروں کی طرح اللہ کے حکم سے جس کے لئے اللہ چاہے گا وہ شفاعت کریں گے جو قبول ہو جائیں گی صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین وہ اپنے جھولے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کریں گے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی لوگوں کو بچپنے ہی میں دعوت دیں گے جوان کا معجزہ ہوگا اور بڑی عمر میں بھی جب اللہ ان کی طرف وحی کرے گا، وہ اپنے قول وفعل میں علم صحیح رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے،

ایک حدیث میں ہے کہ بچپن میں کلام صرف حضرت عیسیٰ اور جریج کے ساتھی نے کیا اور ان کے علاوہ حدیث میں ایک اور بچے کا کلام کرنا بھی مروی ہے تو یہ تین ہوئے حضرت مریم اس بشارت کو سن کر اپنی مناجات میں کہنے لگیں اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میں نے تو نکاح نہیں کیا اور نہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے اور نہ میں ایسی بدکار عورت ہوں ماشاءاللہ، اللہ عزوجل کی طرف سے فرشتے نے جواب میں کہا کہ اللہ کا امر بہت بڑا ہے اسے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی وہ جو چاہے پیدا کردے، اس نکتے کو خیال میں رکھنا چاہئے کہ حضرت زکریا کے اس سوال کے جواب میں اس جگہ لفظ یفعل تھا یہاں لفظ یخلق ہے یعنی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے کہ کسی باطل پرست کو کسی شبہ کا موقع باقی نہ رہے اور صاف لفظوں میں حضرت عیسیٰ کا اللہ جل شانہ کی مخلوق ہونا معلوم ہو جائے۔ پھر اس کی مزید تاکید کی اور فرمایا وہ جس کسی کام کو جب کبھی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہوجا، بس وہ وہیں ہو جاتا ہے اس کے حکم کے بعد ڈھیل اور دیر نہیں لگتی، جیسے اور جگہ ہے آیت (وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ) (54-القمر:50) یعنی ہمارے صرف ایک مرتبہ کے حکم سے ہی بلا تاخیر فی الفور آنکھ جھپکتے ہی وہ کام ہو جاتا ہے ہمیں دوبارہ اسے کہنا نہیں پڑتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک سے چمگادڑ اڑنے لگی

جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعوٰی کیا اور معجزات دکھائے تو لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ایک چمگادڑ پیدا کریں آپ نے مٹی سے چمگادڑ کی صورت بنائی پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی چمگادڑ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اڑنے والے جانوروں میں بہت اکمل اور عجیب تر ہے اور قدرت پر دلالت کرنے میں اوروں سے ابلغ کیونکہ وہ بغیر پروں کے تو اُڑتی ہے اور دانت رکھتی ہے اور ہنستی ہے اور اس کی مادہ کے چھاتی ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے باوجودیکہ اُڑنے والے جانوروں میں یہ باتیں نہیں ہیں

ایک ایک دن میں پچاس ہزاروں مریضوں کے شفایاب ہونے کا واقعہ

جس کا برص عام ہو گیا ہو اور اطبا اس کے علاج سے عاجز ہوں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طب انتہائے عروج پر تھی اور اس کے ماہرین امر علاج میں یدطولےٰ رکھتے تھے اس لئے ان کو اسی قسم کے معجزے دکھائے گئے تا کہ معلوم ہو کہ طب کے طریقہ سے جس کا علاج ممکن نہیں ہے اس کو تندرست کر دینا یقیناً معجزہ اور نبی کے صدق نبوت کی دلیل ہے وہب کا قول ہے کہ اکثر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریضوں کا اجتماع ہو جاتا تھا ان میں جو چل سکتا تھا وہ حاضر خدمت ہوتا تھا اور جسے چلنے کی طاقت نہ ہوتی اس کے پاس خود حضرت تشریف لے جاتے اور دعا فرما کر اس کو تندرست کرتے اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی شرط کر لیتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عاشر کی لڑکی کو زندہ کرنے کا واقعہ

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا ایک عازر جس کو آپ کے ساتھ اخلاص تھا جب اس کی حالت نازک ہوئی تو اس کی بہن نے آپ کو اطلاع دی مگر وہ آپ سے تین روز کی مسافت کے فاصلہ پر تھا جب آپ تین روز میں وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کے انتقال کو تین روز ہو چکے آپ نے اس کی بہن سے فرمایا ہمیں اس کی قبر پر لے چل وہ لے گئی آپ نے اللہ تعالٰے سے دعا فرمائی عازر باذن الٰہی زندہ ہو کر قبر سے باہر آیا اور مدت تک زندہ رہا اور اس کے اولاد ہوئی ایک بڑھیا کا لڑکا جس کا جنازہ حضرت کے سامنے جارہا تھا آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی وہ زندہ ہو کر نعش برداروں کے کندھوں سے اتر پڑا کپڑے پہنے گھر آیا زندہ رہا اولاد ہوئی ایک عاشر کی لڑکی شام کو مری اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے اس کو زندہ کیا ایک سام بن نوح جن کی وفات کو ہزاروں برس گزر چکے تھے لوگوں نے خواہش کی کہ آپ ان کو زندہ کریں آپ ان کی نشاندہی سے قبر پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی سام نے سنا کوئی کہنے والا کہتا ہے اَجِبْ رُوْحَ اللّٰہِ یہ سنتے ہی وہ مرعوب اور خوف زدہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں گمان ہوا کہ قیامت قائم ہو گئی اس ہول سے ان کا نصف سر سفید ہو گیا، پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ دوبارہ انہیں سکرات موت کی تکلیف نہ ہو بغیر اس کے واپس کیا جائے چنانچہ اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا اور باذن اللہ فرمانے میں رد ہے نصاریٰ کا جو

حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے

بچوں کے سور بن جانے کا واقعہ

جب حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے بیماروں کو اچھا کیا اور مردوں کو زندہ کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور کوئی معجزہ دکھایئے تو آپ نے فرمایا کہ جو تم کھاتے ہو اور جو جمع کر رکھتے ہو میں اس کی تمہیں خبر دیتا ہوں اسی سے ثابت ہوا کہ غیب کے علوم انبیاء کا معجزہ ہیں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دستِ مبارک پر یہ معجزہ بھی ظاہر ہوا آپ آدمی کو بتادیتے تھے جو وہ کل کھا چکا اور آج کھائے گا اور جو اگلے وقت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ آپ کے پاس بچے بہت سے جمع ہو جاتے تھے آپ انہیں بتاتے تھے کہ تمہارے گھر فلاں چیز تیار ہوئی ہے تمہارے گھر والوں نے فلاں فلاں چیز کھائی ہے فلاں چیز تمہارے لئے اٹھا رکھی ہے بچے گھر جاتے روتے گھر والوں سے وہ چیز مانگتے گھر والے وہ چیز دیتے۔ اور ان سے کہتے کہ تمہیں کس نے بتایا بچے کہتے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تو لوگوں نے اپنے بچوں کو آپ کے پاس آنے سے روکا اور کہا وہ جادوگر ہیں ان کے پاس نہ بیٹھو اور ایک مکان میں سب بچوں کو جمع کر دیا حضرت عیسٰی علیہ السلام بچوں کو تلاش کرتے تشریف لائے تو لوگوں نے کہا وہ یہاں نہیں ہیں آپ نے فرمایا کہ پھر اس مکان میں کون ہے انہوں نے کہا سور ہیں فرمایا ایسا ہی ہوگا اب جو دروازہ کھولتے ہیں تو سب سور ہی سور تھے۔ الحاصل غیب کی خبریں دینا انبیاء کا معجزہ ہے اور بے وساطت انبیاء کوئی بشر امور غیب پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

صاحب صنعاء اور صاحب یمامہ کا بیان

134 —وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ، إِذْ أُوتِيتُ مِنْ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، فَوُضِعَ فِي يَدَيَّ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَيَّ وَأَهَمَّانِي، فَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنِ انْفُخْهُمَا، فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا، فَأَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ اللَّذَيْنِ أَنَا بَيْنَهُمَا؛ صَاحِبَ صَنْعَاءَ وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: ایک مرتبہ جب کہ میں سو رہا تھا تو زمین کے خزانے میرے پاس لائے گئے اور سونے کے دو کنگن میرے ہاتھ میں رکھے گئے، مجھ پر وہ گراں گذرے اور مجھے رنج میں ڈال دیا۔ اس پر مجھے وحی ہوئی کہ ان دونوں کو پھونک دوں، پھر میں نے ان دونوں کو پھونک دیا اور وہ دونوں چلے گئے، میں نے ان دونوں سے دو جھوٹوں کی تعبیر لی جو میرے دونوں طرف ہیں اور میں ان کے درمیان میں ہوں: صنعاء والا اور یمامہ والا۔

(صحیح بخاری، مسلم، جامع الاصول، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 551)

شرح

زمین کے خزانے "یعنی زمین کے خزانے کی کنجیاں میرے سامنے لائی گئیں۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حقیقت میں خزانے ہی لائے گئے تھے خزانوں کے ذریعہ گویا یہ بشارت دی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ اس روئے زمین پر اپنا تسلط قائم کریں گے اور دنیا کے خزانوں کے مالک قرار پائیں گے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چار دانگ عالم میں پھیل جائے گی۔ "صنعاء" یمن کے ایک مشہور کا نام ہے اس کے سردار کا نام اسود عنسی تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں صاحب فراش تھے تو حضرت فیروز دیلمی نے اسود عنسی کو قتل کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاز فیروز یعنی فیروز فائز المرام ہوئے، اسود عنسی کی طرح یمامہ کے رہنے والے مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت وحشی نے قتل کیا تھا یہ وہی وحشی ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے قبل غزوہ احد میں امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

کڑوں سے دونوں جھوٹوں کے بارے میں تعبیر لینے کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ کڑے اصل میں ہتھکڑی کی مشابہت رکھتے ہیں جس کو ہاتھوں میں ڈال کر قیدی بنایا جاتا ہے۔ اور ہتھکڑی ہاتھوں کو اس طرح باندھ دیتی ہے کہ وہ ہاتھ نہ کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں نہ کوئی کام کر سکتے ہیں اور نہ حرکت و تصرف کی قدرت رکھتے ہیں، چنانچہ وہ دونوں کذاب کہ جو نبوت کا دعویٰ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر آئے تھے قیدیوں کے مشابہ ہوئے جن کے ہاتھ کی کڑی کڑوں کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں ہاتھوں کو ہتھکڑی میں ڈال کر پکڑ رکھا ہے اور چھوڑتے نہیں تاکہ وہ اپنی حرکت و عمل سے باز رہیں اور کوئی کام نہ کر سکیں۔ رہی یہ بات کہ اس تعبیر کے پیش نظر سونے ہی کے کڑے کیوں دکھائے گئے لوہے کے کڑے کیوں نہ دکھائے گئے جو ان کے زیادہ مناسب حال تھے تو اس میں بھی دراصل ایک نکتہ ہے اور وہ یہ کہ سونے کے کڑے دکھا کر اشارہ کیا گیا کہ دونوں جھوٹے دنیاوی عزت وجاہ کے لالچ اور زیب و زینت کے انہماک میں کس قدر مبتلا ہیں اور یہ کہ ان کا مردود و مجرم ہونا کس قدر واضح اور ان کی نوعیت کتنی سنگین ہے۔

منع کردہ لباس اور منع کردہ بیوع وغیرہ کا بیان

135- وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ بِمُنْجِيهِ عَمَلُهُ، وَلٰكِنْ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا. قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ وَفَضْلٍ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اپنے عمل کے ذریعہ نجات نہیں پائے گا۔ لیکن (عمل کو) درست کرو اور میانہ روی اختیار کرو، لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: میں بھی نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانک لے۔

136 -وَقَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَلِبْسَتَيْنِ، أَنْ يَحْتَبِيَ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ، وَأَنْ يَشْتَمِلَ فِي إِزَارِهِ إِذَا مَا صَلَّى، إِلَّا أَنْ يُخَالِفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقِهِ، وَنَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَسِّ وَالْإِلْقَاءِ وَالنَّجْشِ

اور کہا: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی تجارت اور دو طرح کے لباس سے منع فرمایا (چنانچہ لباس کی حد تک) تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے کو اس طرح نہ لپیٹ لے کہ اس کی شرم گاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو، اور یہ کہ جب نماز پڑھے تو اپنی لنگی کو کندھوں پر ڈال لے مگر یہ کہ اس کے دونوں کناروں کو مخالف سمتوں سے اپنے کندھے پر ڈال لے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھو کر یا کنکری ڈال کر خریدنے ور بخش سے منع فرمایا۔

تخریج وشرح حدیث کا بیان

حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کے پہناوے سے اور دو طرح کی بیع سے منع کیا ہے وہ ملامست اور منابذت ہیں۔ ملامست یہ ہے کہ ایک شخص یعنی خریدار دوسرے شخص یعنی تاجر کے کپڑے کو جسے وہ لینا چاہتا ہے دن میں یا رات میں صرف ہاتھ سے چھولے اسے کھول کر الٹ کر دیکھے نہیں اور اس کا یہ چھونا بیع کے لئے ہو اور منابذت یہ ہے کہ معاملہ کرنیوالوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور اس طرح بغیر دیکھے بھالے اور بغیر اظہار رضا مندی کے بیع ہو جائے اور جن دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا ہے ان میں سے ایک کپڑے کو (صماء) کے طور پر پہننا ہے اور (صماء) کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ایک مونڈھے پر اس طرح کپڑا ڈال لے کہ اس کی دوسری سمت کہ جس پر کپڑا نہ ہو ظاہر و برہنہ رہے اور دوسرا پہناوا جس سے منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گرد اس طرح کپڑا لپیٹ لے کہ جب وہ بیٹھے تو اس کی شرم گاہ اس کپڑے سے بالکل عاری ہو۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 82)

ملامست کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کوئی چیز مثلاً کپڑا خریدنے جاتا تو کپڑے کو ہاتھ لگا دیتا کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہی بیع ہو جاتی تھی نہ تو آپس میں قولی ایجاب وقبول ہوتا تھا کہ دکاندار تو یہ کہتا ہے کہ میں نے تمہارے ہاتھ یہ چیز بیچ دی اور خریدار یہ کہتا ہے کہ میں نے تم سے یہ چیز خرید لی اور نہ فعلی لین دین جسے اصطلاح فقہ میں تعاطی کہتے ہیں ہوتا تھا کہ دکاندار برضاء ورغبت خاموشی کے ساتھ وہ چیز دیتا اور خریدار اس کی قیمت ادا کر دیتا بلکہ خریدار کا اس چیز کو ہاتھ سے چھو دینا ہی کافی سمجھا جاتا تھا۔

علامہ طیبی نے حدیث کے الفاظ (لا یقلبہ الا بذ لک) (اسے کھول الٹ کر دیکھے نہیں) کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کپڑے کو علاوہ چھونے کے نہ الٹے نہ کھولے یعنی چاہئے تو یہ کہ کپڑے کو کھولا جائے اور اچھی طرح دیکھا بھالا جائے مگر بیع ملامست کرنیوالا نہ کھولتا تھا نہ اسے دیکھتا بھالتا تھا البتہ صرف اسے چھولیتا تھا ظاہر ہے کہ کسی چیز کو محض چھولیا اس کو الٹ کھول کر دیکھنے بھالنے کا درجہ حاصل نہیں کرسکتا۔ بہر کیف ملامست ایام جاہلیت میں خرید فروخت کا ایک خاص طریقہ تھا کہ جہاں ایک نے دوسرے کے کپڑے کو ہاتھ لگایا بس بیع ہوگئی نہ وہ اس کو دیکھتے بھالتے تھے اور نہ شرط خیار کرتے تھے کہ اس کو دیکھنے کے بعد اگر چاہیں گے تو رکھ لیں گے نہیں تو واپس کر دیں گے چونکہ یہ ایک بالکل غلط طریقہ تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ منابذت کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دونوں صاحب معاملہ نے جہاں آپس میں ایک دوسرے کی طرف کپڑا ڈالا بس بیع ہوگئی مبیع کو دیکھنے بھالنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ایام جاہلیت میں رائج بیع کا ایک طریقہ تھا لہٰذا اس کی ممانعت بھی فرمائی گئی۔

(صماء) کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ترجمے میں ظاہر کئے گئے لیکن اس کا زیادہ واضح اور مشہور مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص ایک کپڑا

لے کر اسے سر سے پاؤں تک اپنے بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ دونوں ہاتھ بھی اس کے اندر لپٹے رہیں اور جسم کہیں سے کھلا نہ رہے ظاہر ہے کہ اس طرح آدمی بالکل مفلوج و ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

دوسرا پہناوا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یہ ہے کہ کوئی شخص کولہوں پر بیٹھ جائے اور دونوں زانوں کو کھڑا کرے اور پھر اپنے زانوں اور کمر کے گرد کوئی کپڑا اس طرح لپیٹ لے کہ ستر کھلا رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں ستر کی پردہ پوشی نہیں ہوتی چنانچہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا صورت میں اس طرح کپڑا لپیٹے کہ اس کا ستر چھپا رہے تو پھر یہ ممانعت نہیں رہے گی۔ بطور نکتہ ایک بات ذہن میں رہے کہ زانوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھنا مسنون ہے۔

ممنوعہ بیوع کا بیان

شریعت اسلامی نے خرید و فروخت کے بعض معاملات اور لین دین کی کچھ صورتوں سے منع کیا ہے اسی طرح کچھ چیزیں اور اشیاء ایسی ہیں جن کی خرید و فروخت شرعی نقطہ نظر سے ممنوع ہے پھر بعض معاملات اور بعض چیزوں کی ممانعت و نہی بطریق حرمت (یعنی ان معاملات اور ان چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ سے ہے جیسے بیع باطل اور بیع فاسد کی ممانعت اور بعض ممانعت کا تعلق محض کراہت سے ہے جیسے جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت کا معاملہ کرنے کی ممانعت۔ چنانچہ خرید و فروخت کے جن معاملات یا جن چیزوں کی خرید و فروخت کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ وہ معاملات یا وہ چیزیں شریعت کی نظر میں حرام ہیں ان کی حنفی مسلک کے مطابق دو قسمیں ہیں۔

1 بیع فاسد 2 بیع باطل بیع فاسد: خرید و فروخت اور لین دین کے اس معاملہ کو کہتے ہیں جو اصول بیع کے پائے جانے کی وجہ سے تو یہ صحیح ہو جاتا ہے مگر بیع کے صحیح ہونے کی جو شرائط ہیں ان میں سے بعض شرطوں کے فوت ہو جانے کی وجہ سے وہ معاملہ جائز نہیں رہتا اس لئے ایسے معاملہ کو ختم کر دینا ہی ضروری ہوتا ہے اسی کو فقہاء کی اصطلاح میں مشروع بنفسہ اور ممنوع بوصفہ کہا جاتا ہے یعنی ایسی بیع باعتبار اصول مشروع و صحیح ہے اور باعتبار مشروط و اوصاف ممنوع ہے۔

بیع باطل: خرید و فروخت اور لین دین کے اس معاملہ کو کہتے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ معاملہ نہ تو اصول بیع کے اعتبار سے صحیح ہوتا ہے اور نہ باعتبار شروط و اوصاف جائز ہوتا ہے۔ مناسب ہے کہ اس ضمن میں کچھ مسائل ذکر کر دیے جائیں جن سے نہ صرف مذکورہ بالا اقسام کی تعریفات سمجھنے میں آسانی ہوگی بلکہ باب کے موضوع کے اعتبار سے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اگر مبیع (یعنی بیچی اور خریدی جانیوالی چیز) شرعی اعتبار سے مال نہ ہو جیسے خون مردار آزاد شخص ام الولد مکاتب پیشاب اور بالکل نکمی چیز تو ایسی کسی بھی چیز کی بیع باطل ہے اسی طرح مبیع مال تو ہو مگر متقوم نہ ہو جیسے شراب اور سور (خنزیر) تو اس کی بیع اس صورت میں تو باطل ہوگی جبکہ اسے روپے کے عوض فروخت کیا جائے اور اگر اس کی بیع اسباب کے عوض کی جائے گی تو اس صورت میں اسباب کی بیع تو فاسد ہوگی اور اس مال غیر متقوم کی بیع باطل ہوگی۔ بیع باطل اور بیع فاسد میں فرق یہ ہے کہ بیع باطل میں تو بیع (بیچی جانیوالی چیز) شرعی نقطہ نظر سے مشتری (خریدنے والا) یعنی خریدار کی ملکیت میں سرے سے آتی ہی نہیں جبکہ بیع فاسد میں بیع قبل قبضہ تو کوئی حکم نہیں رکھتی مگر بعد قبضہ بطور حرام مشتری (خریدنے والا) کی ملکیت میں آجاتی ہے اور نقود سے اس کی قیمت کی

ادائیگی اس کے ذمہ ضروری ہوتی ہے لیکن قبضہ کے بعد بھی اس بیع کو فسخ کر دینا واجب ہوتا ہے بشرطیکہ مبیع بعینہ خریدار کے پاس موجود ہے۔

جانور کے تھن میں دودھ کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ مشکوک الوجود ہوتا ہے ہوسکتا ہے کہ جانور کے تھن کی ظاہری حالت دیکھ کر اس میں دودھ کی موجودگی کا یقین کرایا جائے اور اس دودھ کی بیع کر دی جائے مگر بعد میں پتہ لے کہ تھن میں سرے سے دودھ تھا ہی نہیں بلکہ ہوا وغیرہ کی وجہ سے تھن پھولا ہوا تھا ایسی صورت میں یہ فریب اور دھوکہ دہی کا معاملہ ہو جائے گا۔ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے بھی بیچنا جائز نہیں ہیں بشرطیکہ وہ جانور ایسا نہ ہو جو لوٹ پھر کر آ جاتا ہو جیسے کبوتر تو اس کو ہوا میں اڑتے ہوئے بھی بیچنا درست ہے اسی طرح اس مچھلی کی بیع بھی ناجائز ہے جو ابھی پکڑی نہ گئی ہو بلکہ پانی مثلاً دریا وغیرہ ہی میں ہو یا پکڑی جا چکی ہو مگر پھر اسے کسی ایسے حوض وغیرہ میں ڈال دیا گیا ہو جس میں سے اسے بغیر جال وغیرہ کے پکڑنا ممکن نہ ہو ایسے ہی لونڈی یا جانور کا حمل وہ موتی جو سیپ میں ہو اور جانور کے ذبح ہونے اور کھٹنے سے پہلے اس کے گوشت کی بیع کرنا جائز نہیں ہے سور (خنزیر) کے بالوں کی بیع کرنا بھی جائز نہیں ہے البتہ ان بالوں سے فائدہ اٹھانا مثلاً گون یعنی غلہ وغیرہ بھر کر جانور کی پیٹھ پر لادے جانیوالے تھیلے اور بورے کو سینے کے مصرف میں لانا جائز ہے لیکن آدمی کے بالوں کی بیع بھی ناجائز ہے اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی ناجائز ہے۔ جو بیع آپس کے نزاع کا باعث بنتی ہو وہ فاسد ہے جیسے بکری وغیرہ کی پیٹھ پر اس کی پشم کی بیع یا چھت میں لگی ہوئی لکڑی کی بیع یا ایک بڑے کپڑے میں ایک گز کپڑے کی بیع یا ایسی بیع کرنا جس میں ادائیگی قیمت کی مدت کو مجہول رکھا جائے مثلاً یوں کہے کہ جس روز بارش برسے گی یا جس روز تیز ہوا چلے گی اس روز اس کی قیمت ادا کروں گا لیکن اگر ان تمام صورتوں میں خریدار نے بیع کو فسخ نہ کیا اور بیچنے والے نے خریدار کو دینے کے لئے چھت میں کڑی کو جدا کر دیا یا بڑے کپڑے میں سے گز بھر کپڑا جدا کر دیا خریدار نے ادائیگی قیمت کی مدت مجہول کو موقوف کر دیا تو بیع صحیح ہو جائے گی۔

شرط فاسد کے ساتھ کی جانیوالی بیع فاسد ہوتی ہے اور شرط فاسد اسے کہتے ہیں جو اقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں یا بیچنے والے کا فائدہ ہو جیسے بیچنے والا یہ شرط عائد کرے کہ میں نے یہ مکان بیچا مگر ایک ماہ تک میں اسی مکان میں رہوں گا یا خریدار کا فائدہ ہو جیسے خریدار یہ شرط عائد کرے کہ میں نے یہ کپڑا خرید لیا لیکن یہ کپڑا مجھے سی کر دے مبیع کا فائدہ ہو جب کہ انسان یعنی غلام ولونڈی ہو اور وہ نفع کا مستحق ہو جیسے بیچنے والا خریدار سے کہے کہ اس غلام کو آزاد کر دینا یا اس غلام کا نکاح کر دینا اس قسم کی شرطیں فاسد ہیں ان کی وجہ سے بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

خریدار کی ملکیت کی شرط کرنا چونکہ اقتضائے عقد کے خلاف نہیں ہے اس لئے فاسد نہیں اسی طرح اگر کوئی تاجر مثلاً کوئی کپڑا بیچتے ہوئے خریدار پر یہ شرط عائد کرے کہ اس کپڑے کو فروخت نہ کرنا تو یہ شرط اگرچہ اقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن چونکہ اس شرط میں کسی کی بھی منفعت نہیں ہے اس لئے یہ شرط فاسد نہیں ہوگی نیز گھوڑا بیچنے والا اگر خریدار پر یہ شرط عائد کرے کہ اس گھوڑے کو فربہ کرنا اگرچہ اس شرط میں مبیع کی منفعت ہے لیکن مبیع چونکہ انسان نہیں کہ وہ نفع کا مستحق ہو اس لئے یہ شرط بھی فاسد نہیں یہ شرط لغو وساقط ہوگی اور بیع صحیح ہو جائے گی۔

بیع فاسد و باطل کی مزید تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے ان کو جاننا چاہئے تا کہ خرید وفروخت کے ان معاملات سے جو شریعت کی نظر میں نا قابل اعتبار ہیں اور جن کا آج کل بہت رواج ہے اجتناب کیا جا سکے اس موقع پر چند دیگر مسائل کی وضاحت بھی ضروری ہے مثلاً: بیچنے والے کی طرف سے بیع کے ناپ تول میں کمی یا خریدار کی طرف سے قیمت میں کٹوتی حرام ہے جس طرح بیچنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیع کو پورا پورا ناپ تول کر دے اسی طرح خریدار کے لئے بھی ضروری ہے کہ جو قیمت طے ہو چکی ہے اس میں ادائیگی کے وقت کمی نہ کرے جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں ان کے بارے میں قرآن کریم نے یوں تنبیہ کی ہے آیت (ویل للمطففین) (بڑی خرابی ہیں ناپ تول میں کمی کرنیوالوں کیلئے) مبیع کی قیمت دیون معجلۃ اور مزدوروں کی ادائیگی میں بلا عذر تاخیر کرنا حرام ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ غنی صاحب استطاعت کی طرف سے ادائیگی مطالبہ میں تاخیر ظلم ہے لہٰذا مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا دین ادا کرتے تو مقدار واجب سے زیادہ ادا فرماتے مقدار واجب اگر آدھا وسق ہوتی تو اس کی بجائے ایک وسق دیتے اور اگر ایک وسق واجب ہوتا تو اس کی بجائے دو وسق عطا کرتے اور یہ فرماتے کہ یہ تو تمہارا حق ہے اور اس قدر مزید میری طرف سے عطاء ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس طرح مقدار واجب سے زیادہ دینا سود کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ سود تو اس وقت ہوتا ہے جب اس زیادتی کو پہلے سے مشروط کر دیا گیا ہو بغیر شرط زیادہ دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔ معاملات میں عہد شکنی مکر وفریب اور جھوٹ کی آمیزش کسب حلال کو بھی حرام کر دیتی ہے لہٰذا ان سے اجتناب ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں ایک دکان پر رکھے ہوئے گیہوں کے ایک ڈھیر کو دیکھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھیر میں اپنا دست مبارک ڈالا تو اندر سے گیہوں تر معلوم ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکاندار سے پوچھا یہ کیا ہے اس نے کہا کہ ان گیہوں تک بارش کا پانی پہنچ گیا تھا جس کی وجہ سے یہ اندر کی جانب سے گیلے ہو گئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو پھر تم نے ان گیلے گیہوں کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھا (تا کہ کوئی لاعلم شخص ان کی وجہ سے دھوکہ نہ کھائے یاد رکھو جو شخص مسلمانوں کو فریب دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بیع مرابحت (قیمت خرید پر نفع لے کر بیچنے کی صورت) اور بیع تولیت (قیمت خرید پر بلا نفع بیچنے کی صورت) میں خریدار کے سامنے پہلی قیمت (یعنی جس قیمت پر خود بیچنے والے نے خریدا ہو) کو بلا کم وبیش ظاہر کر دینا واجب ہے اگر بیچنے والے نے بیع پر قیمت کے علاوہ کچھ اور مثلاً مزدوری ڈھلائی اور چنگی وغیرہ کا خرچ برداشت کیا ہو تو اس کو بھی قیمت کے ساتھ ملا لے اور خریدار سے یوں کہے کہ اس چیز پر میرے اتنے روپے خرچ ہوئے ہیں یہ نہ کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے روپے میں خریدی ہے تا کہ جھوٹا نہ بنے۔

اگر کسی شخص نے ایک کپڑا مثلاً دس روپے میں بیچا اور ہنوز خریدار نے بیچنے والے کو وہ دس روپے ادا نہیں کئے تھے کہ بیچنے والے نے پھر وہی کپڑا خریدار سے پانچ روپے میں خرید لیا یا اس کپڑے کو ایک اور کپڑے کے ساتھ دس درہم میں خریدا تو یہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ سود کے حکم میں آجائیگی بیع پر قبضے سے پہلے تصرف جبکہ مبیع منقول ہو حرام ہے چنانچہ منقول چیز کو قبضہ کرنے سے پہلے

بیچنا جائز نہیں ہے۔

کسی شخص نے ایک کیلی چیز جو پیمانہ میں ناپ کر لی دی جاتی ہو) بشرطیکہ کیل خریدی اور بیچنے والے سے وہ چیز پیمانہ میں نپوا کر لے لی اور پھر اسی چیز کو اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ بشرط کیل بیچی تو اب اس دوسرے خریدار کے لئے ضروری ہے کہ جب تک وہ خود بھی اس پہلے خریدار سے اس چیز کو پیمانہ میں نپوا نہ لے نہ تو اس چیز کو اپنے تصرف میں لائے اور نہ کسی اور کے ہاتھ بیچے کیونکہ پہلا ناپ کافی نہیں ہے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو پھر ناپ لیا جائے کہ مبادا وہ چیز پیمانہ میں کچھ زائد نکلے اور وہ بائع (بیچنے والا) کا مال نہ ہو۔

اگر ایک مسلمان کسی چیز کی خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کرتے ہوئے ایک نرخ متعین کرتا ہے یا ایک مسلمان نے کسی عورت سے نکاح کا پیغام دیا ہے تو تاوقتیکہ اس کا معاملہ طے یا موقوف نہ ہو جائے کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا معاملہ کرے یا اپنا پیغام بھیجے۔ بوقت اذان جمعہ خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے سعی واجب یعنی نماز جمعہ کی ضروری تیاریوں میں خلل آتا ہے اگر متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو تو جس مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادا ہو اس کی اذان سے بیع ترک کرے۔

اگر دو بڑے چھوٹے غلام آپس میں محرمیت کی قرابت رکھتے ہوں تو ان کی علیحدہ علیحدہ بیع کرنا مکروہ وممنوع ہے اسی طرح اگر ایک ان میں سے چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا تب بھی مکروہ وممنوع ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو یہ بیع ہی جائز نہیں ہوگی۔ مردار کی چربی بیچنا جائز نہیں ہے نجس کا تیل بیچنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں تو جائز ہے لیکن دوسرے ائمہ کے ہاں جائز نہیں ہے انسان کی غلاظت کی بیع جب کہ اس میں کچھ ملا نہ ہو حضرت حضرت امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے اور اگر راکھ غیر ملی ہوئی ہو تو جائز ہے حضرت امام اعظم کے ہاں گوبر کا بیچنا بھی جائز نہیں اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔ بادشاہ وحاکم کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اشیاء کے نرخ متعین کردیں ہاں اگر تاجر غلہ ودیگر اشیاء کی گرانی میں حد سے تجاوز کرنے لگیں اور عوام پریشانی میں مبتلا ہو جائیں تو پھر حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ تجربہ کار اور ماہرین کے مشورہ سے متعین کرے۔ (محیط برہانی، کتب فقہ حنفی، بتصرف)

جانوروں کے سبب وقوع موت کا بیان

137 – وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَالنَّارُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے زبانوں (جانوروں وغیرہ) سے موت واقع ہو تو وہ معاف ہے کنوئیں میں گرنے سے موت واقع ہو تو بھی معاف ہے، کان میں گرنے سے موت واقع ہو تو بھی معاف ہے، آگ سے موت واقع ہو تو بھی معاف ہے، البتہ دفینہ یا تو اس کا پانچواں حصہ زکوۃ میں دینا چاہئے۔

صحیح البخاری۔ الزکاۃ (1428) صحیح البخاری۔ الدیات (6514) صحیح البخاری۔ الدیات (6515) صحیح مسلم۔ الحدود (1710) صحیح مسلم۔ الحدود (1710) سنن الترمذی۔ الزکاۃ (642) سنن الترمذی۔ لأحکام (1377) سنن النسائی۔ الزکاۃ (2495) سنن النسائی۔ الزکاۃ

(2497)سنن النسائی۔الزکاۃ(2498)سنن أبی داود۔الخراج والإ مارۃ والفیء(3085)سنن أبی داود۔الدیات(4593)سنن ابن ماجہ۔ الأحکام(2509)سنن ابن ماجہ۔الدیات(2673)مسند أحمد۔باقی مسند المکثرین(2/228)موطأ مالک۔الزکاۃ(583)موطأ مالک۔ العقول(1622)سنن الدارمی۔الزکاۃ(1668)سنن الدارمی۔الدیات(2377)سنن الدارمی۔الدیات(2378)سنن الدارمی۔ الدیات(2379)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو معاف ہے اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مرجائے تو معاف ہے اگر کان کھدوانے میں کوئی مرجائے تو معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے۔(بخاری ومسلم،شیخ ولی الدین عراقی،مشکوۃ المصابیح،بیروت،رقم الحدیث،295)

کوئی جانور یعنی گھوڑا،بیل اور بھینس وغیرہ اگر کسی شخص کو زخمی کر دے کوئی چیز ضائع کر دے یا کسی کو جان ہی سے مار ڈالے اور اس موقعہ پر جانور کے ساتھ کوئی یعنی اس کا مالک وغیرہ نہ ہو اور یہ کہ دن کا وقت ہو تو جانور کا زخمی کرنا یا کسی چیز کو ضائع کر دینا معاف ہے یعنی اس کے مالک پر اس کا کوئی بدلہ اور جرمانہ نہیں ہوگا۔ہاں اگر جانور اس حال میں کسی کو زخمی کرے یا کوئی چیز ضائع کر دے کہ اس پر کوئی سوار ہو یا اس کے ساتھ کوئی ہانکنے والا اور کھینچنے والا ہو تو ایسی صورت میں جانور کے مالک پر بدلہ اور جرمانہ واجب ہوگا کیونکہ اس میں کوتاہی اور لاپرواہی کو دخل ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی جانور رات کے وقت چھوٹ کر کسی کو زخمی کر دے یا کوئی چیز تلف کر دے تو اس کے مال پر اس کا تاوان آئے کیونکہ رات میں جانوروں کو باندھا جاتا ہے مگر اس نے جانور کو نہ باندھ کر لاپرواہی اور کوتاہی کا ثبوت دیا اس بارے میں مذکورہ حدیث اگرچہ عام ہے اور اس میں کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے مگر دوسری احادیث اور دیگر دلائل کے پیش نظر مذکورہ قیود کو ذکر کیا گیا ہے۔والبیر جبار(اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مرجائے تو معاف ہے)اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کنواں کھدوانا چاہتا ہے اور اس نے کنواں کھودنے کے لئے کسی مزدور کی خدمات حاصل کی ہیں اب اگر وہ مزدور کنواں کھودتے ہوئے گر کر یا دب کر مرجائے تو کنواں کھدوانے والے پر کوئی تاوان یعنی خون بہا وغیرہ واجب نہیں۔

اس طرح اگر کوئی شخص اپنی زمین میں یا کسی ایسی افتادہ زمین میں کہ جس کے مالک کا کوئی پتہ نہ ہو کنواں کھدوائے اور اس کنویں میں کوئی آدمی یا جانور گر کر مرجائے تو اس صورت میں بھی اس پر کوئی تاوان نہیں آئے گا ہاں اگر کنواں راستے میں یا کسی دوسرے کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر کھدوایا جائے اور اس کنویں میں کوئی آدمی یا جانور گر کر مرجائے تو اس صورت میں کنوا کھودنے والے کے عاقلہ پر تاوان یعنی خون بہا واجب ہوگا یہی حکم اس شخص کے بارے میں لاگو ہوگا جو سونا چاندی،فیروزہ یا مٹی نکلوانے کے لئے زمین کے کسی حصے کو کھدوائے گا۔

عاقلہ کسے کہتے ہیں"عاقلہ"ایک فقہی اصطلاح ہے اس کے معنی مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کسی شخص سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا ہے مثلاً وہ شکار پر بندوق چلاتا ہے اور اتفاق سے بغیر کسی قصد وارادہ کے اس کی گولی شکار کی بجائے کسی انسان کو ہلاک کر دیتی ہے یا مذکورہ بالا صورت کے مطابق کوئی شخص راستہ میں کنوا کھدوا دیتا ہے اور اس کنویں میں گر کر کوئی مرجاتا ہے تو جس شخص کی گولی سے کوئی خون ہو جائے یا جس شخص کے کھودے ہوئے کنویں میں کوئی گر کر مرجائے اس کے ساتھی اور رفیق"عاقلہ"کہلاتے ہیں

فرض کیجئے وہ شخص فوج میں یا پولیس میں ملازم ہے تو اس کے ساتھی فوجی یا سپاہی عاقلہ کہلائیں گے اور اگر وہ کہیں ملازم نہ ہو تو پھر اس کے قبیلہ اور خاندان والے اس کے عاقلہ کہلائیں گے۔

عاقلہ پر تاوان کیوں؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلطی تو اس شخص کی ہے مگر جرمانہ اور تاوان اس کے ساتھیوں یا اس کے اہل خاندان اور قبیلہ والوں پر کیوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس شخص سے کسی غلطی کا ارتکاب ہو گیا اور اس غلطی میں بھی اس کے قصد و ارادہ کو کوئی دخل نہیں تھا تو اگرچہ اس پر کوئی جرمانہ کیوں نہ کر دیا جائے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ اس غلطی پر پشیمان و نادم نہ ہو اور اس کی لاپرواہی اور کوتاہی آئندہ کسی اور بڑے حادثے کا ذریعہ بن جائے اس لئے ضروری ہوا کہ جرمانہ اور تاوان ان لوگوں پر لازم کیا جائے جو اس کے قریب رہنے والے ہوں اور اس سے متعلق ہوں تاکہ وہ اس پر پوری طرح کنٹرول کر سکیں اور آئندہ کے لئے اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے دیں۔ حدیث میں مذکور رکاز سے کیا مراد ہے؟

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جس رکاز کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کان (معدن) مراد ہے لیکن اہل حجاز "رکاز" سے زمانہ جاہلیت کے دفینے (زمین دوز کئے ہوئے خزانے) مراد لیتے ہیں جہاں تک حدیث کا ظاہر مفہوم اور اس کا سیاق و سباق ہے اس کے پیش نظر وہی معنی زیادہ مناسب اور بہتر معلوم ہوتے ہیں جو حضرت امام اعظم نے مراد لئے ہیں پھر یہ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی بھی "رکاز" کے اسی معنی کی وضاحت کرتا ہے۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا گیا کہ رکاز وہ سونا اور چاندی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس کی تخلیق کے وقت ہی پیدا فرمایا ہے۔ کان میں سے نکلنے والی چیزوں کی قسمیں اس موقع پر یہ بھی جان لیجئے کہ جو چیزیں کان سے برآمد ہوتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ چیزیں جو منجمد ہوں اور آگ میں ڈالنے سے نرم ہو جائیں نیز منقش کئے جانے کے قابل ہوں یعنی جو سکے وغیرہ ڈھالنے کے کام آ سکتی ہوں جیسے سونا، چاندی، لوہا اور رانگا وغیرہ۔ (۲) وہ چیزیں جو منجمد نہیں ہوتیں جیسے پانی، تیل، رال اور گندھک وغیرہ۔ (۳) وہ چیزیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم نہ ہوتی ہوں اور نہ سکے وغیرہ کے لئے ڈھالی جا سکتی ہوں جیسے پتھر، چونا، ہڑتا اور یاقوت وغیرہ، چنانچہ ان تینوں اقسام میں سے صرف پہلی قسم میں زکوۃ کے طور پر خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے اور اس کے لئے ایک سال گزرنا شرط نہیں ہے حضرت امام شافعی کے نزدیک معدنیات میں سے صرف سونے چاندی میں زکوۃ واجب ہوتی ہے دوسری معدنیات مثلاً لوہے، رانگ وغیرہ میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔

مفتوحہ علاقے کے خمس کا بیان

138- وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا قَرْيَةٍ أَتَيْتُمُوهَا وَأَقَمْتُمْ، فِيهَا مَسْهَمُكُمْ . وَأَظُنُّهُ قَالَ فَهِيَ لَكُمْ أَوْ نَحْوَهُ مِنَ الْكَلَامِ . " وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ خُمُسَهَا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ، ثُمَّ هِيَ لَكُمْ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی شہر میں جاؤ اور اس میں اپنے مقدر کے مطابق اقامت کر لو، میرا

خیال ہے کہ پھر آپ نے فرمایا، تو وہ تمہارے لیے ہے، یا ایسا ہی کوئی اور کلام، اور جو شہر اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو (فتح ہونے پر) اس کا خمس (پانچواں حصہ) اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، پھر وہ (خمس بھی) تمہارے ہی لیے ہے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم میں فقہی تصریحات کا بیان

تمام اگلی امتوں پر مالِ غنیمت حرام ہے۔ لیکن اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اسے حلال کر دیا۔ اس کی تقسیم کی تفصیل یہاں بیان ہو رہی ہے۔ مالِ غنیمت وہ ہے جو مسلمانوں کو جہاد کے بعد کافروں سے ہاتھ لگے اور جو مال بغیر لڑے جنگ کے ہاتھ آئے مثلاً صلح ہوگئی اور مقررہ تاوان جنگ ان سے وصول کیا یا کوئی مر گیا اور لاوارث تھا یا جزیئے اور خراج کی رقم وغیرہ وہ فے ہے۔

سلف و خلف کی ایک جماعت کا اور حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا یہی خیال ہے۔ بعض لوگ غنیمت کا اطلاق فے پر اور فے کا اطلاق غنیمت پر بھی کرتے ہیں۔ اسی لئے قتادہ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت سورۃ حشر کی (آیت ما افاء اللہ الخ) کی ناسخ ہے۔ اب مالِ غنیمت میں فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ آیت تو فے کے بارے میں ہے اور یہ غنیمت کے بارے میں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ ان دونوں قسم کے مال کی تقسیم امام کی رائے پر ہے۔ پس مقررہ حشر کی آیت اور اس آیت میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ امام کی مرضی ہو واللہ اعلم۔ آیت میں بیان ہے کہ خمس یعنی پانچواں حصہ مالِ غنیمت میں سے نکال دینا چاہئے۔ چاہے وہ کم ہو یا زیادہ ہو۔ گو سوئی ہو یا دھاگہ ہو۔ پروردگار عالم فرماتا ہے جو خیانت کرے گا وہ اسے لے کر قیامت کے دن پیش ہوگا اور ہر ایک کو اس عمل کا پورا بدلہ ملے گا کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا کہتے ہیں کہ خمس میں سے اللہ کے لئے مقرر شدہ حصہ کعبے میں داخل کیا جائے گا۔

حضرت ابو العالیہ ریاحی کہتے ہیں کہ غنیمت کے مال کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ حصے کرتے تھے۔ چار مجاہدین میں تقسیم ہوتے پانچویں میں سے آپ مٹھی بھر کر نکال لیتے اسے کعبے میں داخل کر دیتے پھر جو بچا اس کے پانچ حصے کر ڈالتے ایک رسول اللہ کا ایک قرابت داروں کا۔ ایک یتیموں کا ایک مسکینوں کا ایک مسافروں کا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اللہ کا نام صرف بطور تبرک ہے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کے بیان کا وہ شروع ہے۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ جب حضور کوئی لشکر بھیجتے اور مالِ غنیمت کا مال ملتا تو آپ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصے کے پانچ حصے کر ڈالتے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس یہ فرمان کہ ان للہ خمسہ یہ صرف کلام کے شروع کیلئے ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا قول یہی ہے کہ اللہ رسول کا ایک ہی حصہ ہے۔ اسی کی تائید بیہقی کی اس صحیح سند والی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی القریٰ میں آکر سوال کیا کہ یا رسول اللہ غنیمت کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے باقی کے چار حصے لشکریوں کے۔ اس نے پوچھا تو اس میں کسی کو کسی پر زیادہ حق نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یہاں تک کہ تو اپنے کسی دوست کے جسم سے تیر نکالے تو اس تیر کا بھی تو اس سے زیادہ مستحق نہیں حضرت

حسن نے اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور فرمایا کیا میں اپنے لئے اس حصے پر رضامند نہ ہو جاؤں؟ جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا رکھا ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصے برابر کئے جاتے تھے چار تو ان لشکریوں کو ملتے تھے جو اس جنگ میں شامل تھے پھر پانچویں حصے کے چار حصے کئے جاتے تھے ایک چوتھائی اللہ کا اور اس کے رسول کا پھر یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے یعنی پانچویں حصے کا پانچواں حصہ آپ اور آپ کے بعد جو بھی آپ کا نائب ہو اس کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں اللہ کا حصہ اللہ کے نبی کا ہے اور جو آپ کا حصہ تھا وہ آپ کی بیویوں کا ہے عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا جو حصہ ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے اختیار ہے جس کام میں آپ چاہیں لگائیں۔

مقدام بن معدی کرب حضرت عبادہ بن صامت حضرت ابو درداء اور حضرت حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ذکر ہونے لگا تو ابو داؤد نے عبادہ بن صامت سے کہا فلاں فلاں غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضور نے ایک جہاد میں خمس کے ایک اونٹ کے پیچھے صحابہ کو نماز پڑھائی سلام کے بعد کھڑے ہو گئے اور چند بال چٹکی میں لے کر فرمایا کہ مالِ غنیمت کے اونٹ کے یہ بال بھی مالِ غنیمت میں سے ہی ہیں اور میرے نہیں ہیں میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف پانچواں ہے اور پھر وہ بھی تم ہی کو واپس دے دیا جاتا ہے پس سوئی دھاگے تک ہر چھوٹی بڑی چیز پہنچا دیا کرو، خیانت نہ کرو، خیانت عار ہے اور خیانت کرنے والے کیلئے دونوں جہان میں آگ ہے۔ قریب والوں سے دور والوں سے راہ حق میں جہاد جاری رکھو۔ شرعی کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال تک نہ کرو۔ وطن میں اور سفر میں اللہ کی مقرر کردہ حدیں جاری کرتے رہو اللہ کے لئے جہاد کرتے رہو جہاد جنت کے بہت بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اسی جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ غم و رنج سے نجات دیتا ہے (مسند امام احمد) یہ حدیث حسن ہے اور بہت ہی اعلیٰ ہے۔ صحاح ستہ میں اس سند سے مروی نہیں لیکن مسند ہی کی دوسری روایت میں دوسری سند سے خمس کا اور خیانت کا ذکر مروی ہے۔

ابو داؤد اور نسائی میں بھی مختصراً یہ حدیث مروی ہے اس حصے میں سے آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بعض چیزیں اپنی ذات کے لئے بھی مخصوص فرما لیا کرتے تھے لونڈی غلام تلوار گھوڑا وغیرہ۔ جیسا کہ محمد بن سیرین اور عامر شعبی اور اکثر علماء نے فرمایا ہے ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار بدر کے دن کے مالِ غنیمت میں سے تھی جو حضور کے پاس تھی اسی کے بارے میں احد والے دن خواب دیکھا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اسی طرح آئیں تھیں۔ ابو داؤد وغیرہ میں ہے حضرت یزید بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم باڑے میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے ان کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا ہم نے اسے پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے زہیر بن اقیش کی طرف ہے کہ اگر تم اللہ کی وحدت کی اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دو اور نمازیں قائم رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور غنیمت کے مال سے خمس ادا کرتے رہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ او خالص حصہ ادا کرتے رہو تو تم اللہ اور اس کے رسول کی امن میں ہو۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ تجھے یہ کس نے لکھ دیا ہے اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، پس ان صحیح احادیث کی دلالت اور ثبوت اس بات پر ہے اسی لئے اکثر بزرگوں نے اسے حضور کے خواص میں سے شمار کیا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ اور لوگ کہتے ہیں کہ خمس میں امام وقت مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق جو چاہے کر سکتا ہے۔

جیسے کہ مال فے میں اسے اختیار ہے۔ کہ یہی قول حضرت امام مالک کا ہے اور اکثر سلف کا ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا تو یہ بھی خیال رہے کہ خمس جو حضور کا حصہ تھا اسے اب آپ کے بعد کیا کیا جائے بعض تو کہتے ہیں کہ اب یہ حصہ امام وقت یعنی خلیفۃ المسلمین کا ہوگا۔ حضرت ابو بکر حضرت علی حضرت قتادہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسلمانوں کی مصلحت میں صرف ہوگا ایک قول ہے کہ یہ بھی اہل حاجت کی بقایا قسموں پر خرچ ہوگا یعنی قرابت دار یتیم مسکین اور مسافر۔

امام ابن جریر کا مختار مذہب یہی ہے اور بزرگوں کا فرمان ہے کہ حضور کا اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا جائے۔ عراق والوں کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور کہا گیا ہے خمس کا یہ پانچواں حصہ سب کا سب قرابت داروں کا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن محمد بن علی اور علی بن حسین کا قول ہے کہ یہ ہمارا حق ہے پوچھا گیا کہ آیت میں یتیموں اور مسکینوں کا بھی ذکر ہے تو امام علی نے فرمایا اس سے مراد بھی ہمارے یتیم اور مسکین ہیں۔

امام حسن بن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ کلام کا شروع اس طرح ہوا ہے ورنہ دنیا آخرت کا سب کچھ اللہ ہی کا ہے حضور کے بعد ان دونوں حصوں کے بارے میں کیا ہوا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں حضرت کا حصہ آپ کے خلیفہ کو ملے گے۔ بعض کہتے ہیں آپ کے قرابت داروں کو۔ بعض کہتے ہیں خلیفہ کے قرابت داروں کو ان کی رائے میں ان دونوں حصوں کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے کام میں لگایا جائے اسی طرح خلافت صدیقی و فاروقی میں ہوتا بھی رہا ہے۔

ابراہیم کہتے ہیں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم حضور کے اس حصے کو جہاد کے کام میں خرچ کرتے تھے۔ پوچھا گیا کہ حضرت علی اس بارے میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا وہ اس بارے میں ان سے سخت تھے۔ اکثر علماء رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ ہاں ذوی القربیٰ کا جو حصہ ہے وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا ہے۔ اس لئے کہ اولاد عبدالمطلب نے اولاد ہاشم کی جاہلیت میں اور اول اسلام میں موافقت کی اور انہی کے ساتھ انہوں نے گھاٹی میں قید ہونا بھی منظور کر لیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستائے جانے کی وجہ سے یہ لوگ بگڑ بیٹھے تھے اور آپ کی حمایت میں تھے، ان میں سے مسلمان تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وجہ سے۔ کافر خاندانی طرف داری اور رشتوں ناتوں کی حمایت کی وجہ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی فرمانبرداری کی وجہ سے ستائے گئے ہاں بنو عبد شمس اور بنو نوفل گو یہ بھی آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ لیکن وہ ان کی موافقت میں نہ تھے

بلکہ ان کے خلاف تھے انہیں الگ کر چکے تھے اوران سے لڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ قریش کے تمام قبائل ان کے مخالف ہیں اسی لئے ابو طالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان کی بہت ہی مذمت کی ہے کیونکہ یہ قریبی قرابت دار تھے اس قصیدے میں انہوں نے کہا ہے کہ انہیں بہت جلد اللہ کی طرف سے ان کی اس شرارت کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ان بیوقوفوں نے اپنے ہوکر ایک خاندان اور ایک خون کے ہوکر ہم سے آنکھیں پھیر لی ہیں وغیرہ۔

ایک موقعہ پر ابن جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل اور حضرت عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور شکایت کی کہ آپ نے خیبر کے خمس میں سے بنوعبدالمطلب کو تو دیا لیکن ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ آپ کی قرابت داری کے لحاظ سے وہ اور ہم بالکل یکساں اور برابر ہیں آپ نے فرمایا سنو بنو ہاشم ہیں۔مجاہد کا قول ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ بنو ہاشم میں فقراء ہیں پس صدقے کی جگہ ان کا حصہ مالِ غنیمت میں مقرر کر دیا۔یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قرابت دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

علی بن حسین سے بھی اسی طرح مروی ہے۔بعض کہتے ہیں یہ سب قریش ہیں۔ابن عباس سے استغفار کیا گیا کہ ذوی القربیٰ کون ہیں؟ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ ہم تو کہتے تھے ہم ہیں لیکن ہماری قوم نہیں مانتی وہ سب کہتے ہیں کہ سارے ہی قریش ہیں (مسلم وغیرہ) بعض روایتوں میں صرف پہلا جملہ ہی ہے۔دوسرے جملے کی روایت کے راوی ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن مدنی کی روایت میں ہی یہ جملہ ہے کہ سب کہتے ہیں کہ سارے قریش ہیں۔اس میں ضعف بھی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے لوگوں کے میل کچیل سے تو میں نے منہ پھیر لیا خمس کا پانچواں حصہ تمہیں کافی ہے یہ حدیث حسن ہے اس کے راوی ابراہیم بن مہدی کو امام ابو حاتم ثقہ بتاتے ہیں لیکن یحیٰی بن معین کہتے ہیں کہ یہ منکر روایتیں لاتے ہیں واللہ اعلم۔آیت میں یتیموں کا ذکر ہے یعنی مسلمانوں کے وہ بچے جن کا باپ فوت ہو چکا ہو۔پھر بعض تو کہتے ہیں کہ یتیمی کے ساتھ فقیری بھی ہو تو وہ مستحق ہیں اور بعض کہتے ہیں ہر امیر فقیر یتیم کو یہ الفاظ شامل ہیں۔مساکین سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس اتنا نہیں کہ ان کی فقیری اور ان کی حاجت پوری ہو جائے اور انہیں کافی ہو جائے۔ابن السبیل وہ مسافر ہے جو اتنی حد تک وطن سے نکل چکا ہو یا جا رہا ہو کہ جہاں پہنچ کر اسے نماز کو قصر پڑھنا جائز ہو اور سفر خرچ کافی اس کے پاس نہ رہا ہو۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ وفد عبدالقیس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔جانتے بھی ہو کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو پابندی سے ادا کرنا زکوٰۃ دینا اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔پس خمس کا دینا بھی ایمان میں داخل ہے۔حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں باب باندھا ہے کہ خمس کا ادا کرنا ایمان میں ہے پھر اس حدیث کو وارد فرمایا ہے اور ہم نے شرح صحیح بخاری میں اس کا پورا مطلب واضح بھی کر دیا ہے و اللہ الحمد و المنہ۔پھر اللہ تعالیٰ اپنا ایک احسان و انعام بیان فرماتا ہے کہ اس نے حق و باطل میں فرق کر دیا۔اپنے دین کو غالب کیا اپنے نبی کی

اور آپ کے لشکریوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں انہیں غلبہ دیا۔ کلمہ ایمان کلمہ کفر پر چھا گیا پس یوم الفرقان سے مراد بدر کا دن ہے جس میں حق و باطل کی تمیز ہوئی۔

بہت سے بزرگوں سے یہی تفسیر مروی ہے۔ یہی سب سے پہلا غزوہ تھا۔ مشرک لوگ عتبہ بن ربیعہ کی ماتحتی میں تھے جمعہ کے دن انیس یا سترہ رمضان کو یہ لڑائی ہوئی تھی اصحاب رسول تین سو دس سے کچھ اوپر تھے اور مشرکوں کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تھی۔ باوجود اس کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کافروں کو شکست دی ستر سے زائد تو کافر مارے گئے اور اتنے ہی قید کر لئے گئے۔ مستدرک حاکم میں ہے ابن مسعود فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کو گیارہویں رات میں ہی یقین کے ساتھ تلاش کرو اس لئے کہ اس کی صبح کو بدر کی لڑائی کا دن تھا۔

حسن بن علی فرماتے ہیں کہ لیلۃ الفرقان جس دن دونوں جماعتوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی رمضان شریف کی سترہویں تھی یہ رات بھی جمعہ کی رات تھی۔ غزوے اور سیرت کے مرتب کرنے والے کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ ہاں یزید بن ابو جعد جو اپنے زمانے کے مصری علاقے کے امام تھے فرماتے ہیں کہ بدر کا دن پیر کا دن تھا لیکن کسی اور نے ان کی متابعت نہیں کی اور جمہور کا قول یقیناً ان کے قول پر مقدم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ انفال ۴۱، بیروت)

امام قرطبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مغنم اور غنیمت دونوں ہم معنی ہیں: کہا جاتا ہے: غنم القوم غنما (قوم کو مال غنیمت عطا کیا گیا) جاننا چاہیے کہ اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ قول باری تعالیٰ: آیت: **غنمتم من شیء** سے مراد کفار کا وہ مال ہے جسے مسلمانوں نے غلبہ اور جنگ کے ساتھ حاصل کیا ہو۔ لغت اس تخصیص کا تقاضا نہیں کرتی جیسا کہ ہم نے اسے بیان کر دیا ہے۔ البتہ عرف شرع نے لفظ کو اس نوع کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کفار کی جانب سے ہمیں جو اموال حاصل ہوتے ہیں شریعت نے انہیں دو نام دیئے ہیں: ایک غنیمت اور دوسرا فئی۔ پس وہ مال جسے مسلمان اپنے دشمن سے جدوجہد اور گھوڑوں، اونٹوں کو جنگ میں استعمال کر کے حاصل کرتے ہیں اسے مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ اور یہ اسم اس معنی کے ساتھ لازم ہو چکا ہے حتیٰ کہ یہ عرف بن گیا ہے۔ اور فئی، فاء یفی ء سے ماخوذ ہے جب کوئی لوٹ آئے، رجوع کر لے اور اس سے مراد ہر وہ مال ہے جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے اور گھوڑوں، اونٹوں کو کام میں لائے بغیر حاصل ہو جائے، جیسا کہ زمینوں کا خراج، لوگوں پر عائد ہونے والا جزیہ اور غنائم کا خمس (المحرر الوجیز، جلد ۲، صفحہ ۵۲۸)۔

اسی طرح سفیان ثوری اور عطاء بن سائب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی قسم کا مال ہیں اور ان دونوں میں خمس (پانچواں حصہ) ہے، یہ حضرت قتادہ نے کہا ہے (المحرر الوجیز، جلد ۲، صفحہ ۵۲۸)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فئی ہر اس مال سے عبارت ہے جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہو۔ دونوں معنی ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں۔

مسئلہ نمبر: ۲: جمہور کے نزدیک یہ آیت سورت کی پہلی آیت کے لیے ناسخ ہے۔ اور ابن عبدالبر نے اس پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت قول باری تعالیٰ: آیت: **یسئلونک عن الانفال** کے بعد نازل ہوئی ہے اور یہ کہ مال غنیمت کے چار خمس لشکریوں کے درمیان تقسیم کیے جائیں گے، جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: آیت: **یسئلونک عن الانفال** اس وقت نازل ہوئی جب غنائم بدر کے بارے میں اہل بدر کے درمیان اختلاف رونما ہوا، جیسا کہ سورت کی ابتداء میں گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو کچھ اسماعیل بن اسحاق نے ذکر کیا ہے وہ اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے انہوں نے کہا: محمد بن کثیر نے ہمیں بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے محمد بن سائب نے ابوصالح کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: جب غزوہ بدر کا دن تھا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: جس نے کسی آدمی کو قتل کیا تو اس کے لیے اتنا ہوگا اور جس نے کسی کو قیدی بنایا تو اس کے لیے اتنا ہوگا (سنن ابی داود، کتاب الجہاد، جلد ۲، صفحہ ۲۰)۔ پس انہوں نے ستر آدمیوں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنایا۔

ابوالیسر بن عمرو دو قیدیوں کو لے کر آیا اور عرض کی: یارسول! صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کے لیے اتنا ہوگا، تحقیق میں دو قیدیوں کو لایا ہوں۔ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، بے شک ہمیں نہ تو اجر میں زیادتی کی خواہش نے روکا اور نہ دشمن کے سامنے بزدلی کے اظہار نے ہمیں روکا بلکہ ہم تو اس مقام پر اس خوف سے کھڑے رہے کہ کہیں مشرکین ادھر نہ مڑ آئیں، بلاشبہ آپ اگر انہیں عطا فرمائیں گے تو پھر آپ کے اصحاب کے لیے کوئی شے باقی نہ رہے گی۔ راوی فرماتے ہیں: وہ کچھ کہتے رہے اور وہ کچھ کہتے رہے پس یہ آیت نازل ہوئی: آیت: **یسئلونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول فاتقوا الله واصلحوا ذات بینكم** پس انہوں نے مالِ غنیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا، بعد ازاں یہ آیت نازل ہوئی آیت: **واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه، الآیه** ۔ (سنن ابی داود، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۲۳۶۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے، غیر منسوخ ہے اور یہ کہ مالِ غنیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور یہ لشکریوں کے درمیان تقسیم شدہ نہیں ہے اور اسی طرح آپ کے بعد آنے والے ائمہ کے لیے حکم ہے۔ اسی طرح مازری نے ہمارے بہت سے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم سے بیان کیا ہے: اور یہ کہ امام وقت کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ان سے نکالے۔ اور انہوں نے فتح مکہ اور قصہ حنین سے استدلال کیا ہے۔

ابوعبید کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ بزورِ شمشیر فتح کیا اور وہاں کے باسیوں پر احسان فرمایا اور اسے انہیں پر واپس لوٹا دیا اور اسے تقسیم نہ کیا اور نہ اسے ان کے لیے فئی قرار دیا۔ اور بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ آپ کے بعد ائمہ کے لیے بھی یہ جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بنا پر قول باری تعالیٰ: آیت: **واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه** کا معنی یہ ہوگا چار خمس امام کے لیے ہوں گے، اگر چاہے تو انہیں روک لے اور اگر چاہے تو انہیں لشکریوں کے درمیان تقسیم کر دے۔ اور یہ کوئی شے نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے اسے ذکر کر دیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مالِ غنیمت کی اضافت لشکریوں کی طرف کی ہے اور فرمایا ہے: آیت: **واعلموا انما غنمتم من شیء** پھر خمس کو اس کے لیے معین کر دیا جس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا اور چار خمس سے سکوت اختیار فرمایا، اس میں تو بالاتفاق باپ کے لیے دو ثلث ہیں۔ اسی طرح چار خمس بالاجماع لشکریوں کے لیے ہوں گے، جیسا کہ ابن منذر، ابن عبدالبر، داودی، مازری، قاضی عیاض اور علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ عنہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور اس معنی کے ساتھ خبر دینا بالکل ظاہر ہے اور اس کا کچھ بیان عنقریب آئے گا۔ اور قول باری تعالیٰ: **یسئلونک عن الانفال الآیہ** کا معنی ہوگا۔ وہ مال جس کی امام وقت جس کے لیے چاہے مصلحت کے پیش نظر تقسیم سے پہلے تنفیل کر سکتا ہے۔

حضرت عطا اور حسن رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: یہ اس مال کے ساتھ مخصوص ہے جو مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف بھاگ کر آئے چاہے وہ غلام ہو یا لونڈی یا کوئی جانور۔ امام وقت اس کے بارے جو پسند کرے فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد انفال السرایا یعنی اس کے غنائم ہیں، اگر چاہے تو امام اس سے خمس نکالے اور اگر چاہے تو سارے کا سارا بطور تنفیل ادا کر دے۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ عنہ نے **الامام عبعث السریة فیصیبون المغنم** میں بیان کیا ہے: اگر چاہے تو امام سارے مال کو نفل بنا دے اور اگر چاہے تو اس کا خمس نکالے۔ اور اسے ابوعمر نے مکحول اور عطا سے بیان کیا ہے۔ حضرت علی بن ثابت نے کہا ہے: میں نے مکحول اور عطا سے امام کے بارے پوچھا جو قوم کو اس مال کی تنفیل کرتا ہے جو انہوں نے حاصل کیا، تو فرمایا: وہ ان کے لیے ہے۔ ابوعمر نے کہا ہے: جو اس طرف گئے ہیں انہوں نے قول باری تعالیٰ آیت: **یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول** کی تاویل کی ہے کہ وہ مال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے آپ جہاں چاہیں اسے خرچ کر سکتے ہیں۔ اور یہ نظریہ نہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس ارشاد کے ساتھ: آیت: **واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ** اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ اس کے سوا ہے جو ہم نے اس کے بارے کتاب القبس فی شرح موطا مالک بن انس میں بیان کیا ہے۔

اور علماء میں سے کسی ایک نے اس بارے میں کوئی قول نہیں کیا جو میں جانتا ہوں کہ قول باری تعالیٰ: **یسئلونک عن الانفال**، الآیہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آیت: **واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ** کے لیے ناسخ ہے، بلکہ جمہور نے کہا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا ہے: بے شک قول باری تعالیٰ: **ما غنمتم** ناسخ ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کتاب اللہ میں تحریف و تبدیلی کا الزام جائز نہیں ہے۔

رہا فتح مکہ کا واقعہ تو اس میں کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اس کی فتح میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابوعبید نے کہا ہے: ہم مکہ مکرمہ کے بارے نہیں جانتے کہ شہروں میں سے کسی کو اس کے ساتھ دو اعتبار سے مشابہت حاصل ہو: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انفال و غنائم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص فرمائے ہیں جب تک اس نے کسی دوسرے کے لیے انہیں مقرر نہیں کیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے: آیت: **یسئلونک عن الانفال الایہ**، پس ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آپ کے لیے خاص ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ کے لیے ایسا طریقہ مقرر کیا جو دوسرے شہروں میں سے کسی کے لیے نہیں۔ اور جہاں تک حنین کے واقعہ کا تعلق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو عوض عطا فرمایا جب انہوں نے کہا: آپ غنائم قریش کو عطا فرما رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون ٹپک رہے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: **اما ترضون ان یرجع الناس بالدنیا و ترجعون برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بیوتکم** (صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد ا، صفحہ ۵۳۳) (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ دنیا ساتھ لے کر لوٹیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے

گھروں کو واپس جاو) اسے مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔کسی غیر کے لیے ایسا قول کرنا جائز نہیں، یہ فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ ہمارے بعض علماء نے کہا ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر ۳: علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ قول باری تعالیٰ: **واعلموا انما غنمتم من شیء** اپنے عموم پر نہیں ہے، بلکہ خصوص اس میں داخل ہوسکتا ہے۔ پس انہوں نے اسے اجماع کے ساتھ کاص کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ قاتل کے لیے مقتول کا سامان چھیننا اور سلب کرنا جائز ہے جب امام وقت اس کے بارے اعلان کرے اور اسی طرح قیدیوں کا بھی حکم ہے، اس بارے میں اختیار بلا اختلاف امام کے پاس ہے، جیا کہ اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ اور اس سے زمین کو بھی خاص کیا گیا ہے۔ اور معنی یہ ہے: جو مالِ غنیمت سونے، چاندی، تمام ساز و سامان اور قیدیوں میں سے تمہیں حاصل ہو۔ اور رہی زمین تو وہ اس آیت کے عموم میں داخل نہیں ہے، کیونکہ ابوداود نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: اگر دوسرے لوگ نہ ہوتے تو میں جس شہر کو بھی فتح کرتا اسے تقسیم کر دیتا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا۔ اور جو دلیل اس مذہب کو صحیح قرار دیتی ہے وہ وہ روایت ہے جسے صحیح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عراق نے اپنا قفیز اور اپنا درہم روک لیا ہے اور شام نے اپنا مد اور اپنا دینار روک لیا ہے۔

(سنن ابی داود، کتاب الخراج، جلد ۲، صفحہ ۴۷) الحدیث

امام طحاوی رحمۃ اللہ عنہ نے فرمایا: حدیث طیبہ میں منعت بمعنی ستمنع ہے (یعنی عنقریب روک لیں گے) تو یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ لشکریوں کے لیے نہیں ہوں گے، کیونکہ لشکری جس سامان کے مالک ہیں اس میں قفیز اور درہم نہیں ہوتے۔ اور اگر زمین بھی تقسیم کردی جاتی تو غانمین کے بعد آنے والوں کے لیے کوئی شے نہ بچتی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آیت: **والذین جاء و من بعدھم** (الحشر: ۱۰)

اس کا عطف اس قول پر ہے۔ آیت: **للفقراء المھٰجرین** (الحشر: ۸) فرمایا: بے شک وہ سامان تقسیم کیا جائے گا جو ایک جگہ سے دوسرے جگہ منقل کیا جا سکتا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: دارالحرب والوں سے مالِ غنیمت میں سے جو بھی حاصل ہوگا چاہے وہ قلیل ہو یا کثیر گھر ہو یا زمین، ساز و سامان ہو یا اس کے علاوہ کچھ، سب تقسیم کردیا جائے گا، سوائے بالغ مردوں کے کیونکہ ان کے بارے میں امام کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو وہ انہیں بطور احسان آزاد کردے یا قتل کردے یا قیدی بنا لے۔ اور جو بھی ان سے لیا گیا اور قیدی بنایا گیا اس (کی تقسیم کا) طریقہ وہی ہے جو مالِ غنیمت کا طریقہ ہے۔ اور انہوں نے آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ فرمایا: زمین بھی بالیقین مالِ غنیمت میں شامل ہے، لہٰذا واجب ہے کہ اسے بھی دیگر تمام غنائم کی مثل تقسیم کیا جائے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا جو حصہ طاقت کے ساتھ فتح کیا تھا اسے تقسیم فرمادیا۔ انہوں نے کہا ہے: اگر زمین میں خصوص کا دعویٰ کرنا جائز ہے تو پھر زمین کے علاوہ میں بھی یہ دعویٰ جائز ہوگا نتیجۃً آیت کا حکم باطل ہو جائے گا۔

اور جہاں تک سورۃ الحشر کی آیت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ وہ تو مالِ فئی کے بارے میں ہے نہ کہ مالِ غنیمت کے بارے میں۔ اور قول باری تعالیٰ: آیت: **والذین جاء وا من بعدھم** (الحشر: ۱۰) یہ نیا کلام ہے جو ان لوگوں کے لیے دعا کے

متعلق ہے جو ایمان میں سبقت لے گئے یہ کسی اور معنی کے لیے نہیں۔ انہوں نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل زمین سے متعلق آپ کے توقف کے بارے دو وجہوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہے: یا تو وہ غنیمت ہے آپ نے اس کے رہنے والوں کو اچھا پایا اور وہ زمین اس بارے میں موزوں تھی تو آپ نے اسے وقف کر دیا اور اس طرح جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے باسیوں میں سے اچھوں کو چن لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ہوازن کے قیدیوں میں اسی طرح کیا، جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے اپنے اصحاب میں سے اعلیٰ افراد کو ان چیزوں کے بارے چن لیا جو ان کے ہاتھوں میں تھیں یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو زمین وقف کی وہ مال فئی تھی پس اس صورت میں آپ کو کسی اور کی رضامندی کی ضرورت بھی نہ تھی۔

کوفیوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ زمین کی تقسیم یا اسے قائم رکھنے اور اس پر خراج مقرر کرنے کا اختیار امام وقت کو ہے۔ اور یہ زمین اسی طرح ان کی ملکیت ہو جاتی ہے جیسے صلح سے حاصل کی ہوئی زمین۔

ہمارے شیخ ابو العباس نے کہا ہے: گویا یہ دو دلیلوں کو جمع کرنا اور دو مذہبوں کے درمیان ایک درمیانی رائے ہے اور یہی ہو ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ بالیقین سمجھے، اسی لیے آپ نے فرمایا: اگر دوسرے لوگ نہ ہوتے، پس آپ نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے منسوخ ہونے کی کوئی خبر نہ دی اور نہ ہی ان کے ساتھ ان کی تخصیص کی خبر دی ہے، مگر کوفیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل پر کچھ اضافہ کیا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی مصالح پر اسے وقف کیا اور اہل صلح کو اس کا مالک بنا دیا اور انہوں (کوفیوں) نہ یہ کہا ہے کہ وہ اہل صلح کو اس کا مالک بنا دے۔

مسئلہ نمبر ۴: امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہم نے موقف اختیار کیا ہے کہ مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کے لیے نہیں ہے اور اس کا حکم مال غنیمت کے حکم کی مثل ہے، مگر یہ کہ امیر کہے: جس نے کسی کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا سامان اس کے لیے ہوگا، تو اس صورت میں وہ سامان اسی کے لیے ہوگا۔

لیث، امام اوزاعی، امام شافعی، اسحاق، ابوثور، ابوعبید، طبری اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے: ہر حال میں چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا، چاہے امام نے وہ اعلان کیا ہو یا نہ کیا ہو، مگر امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ نے یہ کہا ہے: بلاشبہ چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا بشرطیکہ اس نے اسے سامنے سے آتے ہوئے قتل کیا ہو۔ اور جب اس نے اسے پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے پیچھے سے جا کر قتل کیا تو سلب کیا ہوا مال اس کے لیے نہیں ہوگا۔ اصحاب شافعی میں سے ابو العباس بن سریج نے کہا ہے: یہ حدیث من قتل قتیلا فله سلبه۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد ۲، صفحہ ۸۷)

اپنے عموم پر نہیں ہے، کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جس نے کسی قیدی یا عورت یا بوڑھے کو قتل کیا تو ان میں سے کسی سے چھینا ہوا مال اس کا نہ ہوگا۔ اور اسی طرح جس نے کسی زخمی کو مار دیا اور اسے قتل کر دیا جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے (تو ان کا سامان قاتل کے لیے نہ ہوگا) فرمایا: اس شکست خوردہ کا حکم بھی اسی طرح ہے، جس کے شکست کھانے میں اور پسپا ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، تو وہ بندھے ہوئے آدمی کی مثل ہے۔ فرمایا: پس اس سے معلوم ہو گیا کہ سلب شدہ مال کو جو قاتل کے

لیے بنایا گیا ہے تو وہ کسی زائد معنی کی وجہ سے ہے یا پھر اس کے لیے ہے جس کے قتل میں فضیلت ہو اور وہ قاتل کے سامنے ہونا ہے، کیونکہ اس صورت میں (مقابلے کی) مشقت ہوتی ہے۔ اور رہا وہ جس کے لیے زخموں کے سبب مقابلہ کرنا یا بھاگنا دوڑنا مشکل ہو جائے تو اسے قتل کرنے میں سامان قاتل کے لیے نہ ہوگا۔ اور علامہ طبری نے کہا ہے: چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا، چاہے وہ اسے سامنے سے آتے ہوئے قتل کرے یا پیٹھ کے پیچھے سے، بھاگتے ہوئے یا مقابلہ کرتے ہوئے بشرطیکہ وہ میدان جنگ میں ہو۔

اس کا رد اس روایت میں ہوتا ہے جس کا ذکر عبدالرزاق اور محمد بن بکر نے ابن جریج سے کیا ہے انہوں نے کہا میں نے نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ہم مسلسل یہ سنتے رہے ہیں کہ جب مسلمان اور کفار میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوں اور مسلمانوں میں سے کوئی آدمی کفار میں سے کسی آدمی کو قتل کر دے تو بلاشبہ اس کا چھینا ہوا مال اس کے لیے ہوگا، مگر یہ کہ وہ انتہائی زوردار جنگ کے دوران قتل ہو، کیونکہ اس وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس نے اسے قتل کیا ہے۔ پس اس قول کا ظاہر طبری کے اس قول کا رد کرتا ہے کہ انہوں نے چھینے ہوئے مال میں یہ شرط لگائی ہے کہ قتل میدان جنگ میں ہو۔ اور ابوثور اور ابن منذر نے بیان کیا ہے کہ چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا چاہے وہ میدان جنگ میں ہو یا باہر، سامنے کی جانب ہو یا پیچھے کی جانب، بھاگتے ہوئے یا مقابلے کے لیے شوخی کا اظہار کرتے ہوئے ہو، تمام حالتوں میں (چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوگا) کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عام ہے: **من قتل قتيلا فله سلبه** (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد۲، صفحہ۸۷) (جس کسی نے کسی مقتول کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا مال اس کے لیے ہوگا)

میں کہتا ہوں: امام مسلم رحمۃ اللہ عنہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بنی ہوازن کی جنگ میں شریک تھے پس اس اثناء میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک سرخ اونٹ پر ایک آدمی آیا، اس نے اپنا اونٹ بٹھایا، پھر اونٹ کے تنگ سے رسی کھولی اور اس کے ساتھ اونٹ کو باندھ دیا، پھر آگے بڑھا اور قوم کے ساتھ مل کر کھانا کھانے لگا اور غور سے دیکھنے لگا۔ اور ہم میں کمزور لوگ بھی تھے ان کی سواریاں بھی نحیف اور لاغر تھیں اور بعض ہم میں پیدل تھے، جب کہ وہ تیزی کے ساتھ نکلا، اپنی سواری کے پاس آیا، اس کی رسی (ڈھنگا) کو کھولا پھر اسے بٹھایا اور اس پر بیٹھ گیا اور اسے تیز چلا دیا اور اونٹ اسے لے کر خوب تیزی سے چلنے لگا، تو ایک آدمی نے خاکستری رنگ کی اونٹنی پر اس کا پیچھا کیا۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں انتہائی تیزی کے ساتھ نکلا اور میں اونٹنی کی سرین کے قریب ہو گیا، پھر میں مزید آگے بڑھا یہاں تک کہ میں اونٹ کی سرین کے قریب ہو گیا، پھر مزید آگے بڑھا یہاں تک کہ اونٹ کہ مہار کو پکڑ لیا اور اسے بٹھایا، پس جب اس نے اپنا گھٹنا زمین پر رکھا میں نے اپنی تلوار سونتی اور اس آدمی کے سر پر ماری تو وہ گر پڑا (یعنی مر گیا) پھر میں اس اونٹ کو پکڑ کر لے آیا، اس پر اس کا کجاوہ (بمع ساز و سامان) اور اس کے ہتھیار بھی تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا استقبال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور لوگ بھی تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس نے اس آدمی کو قتل کیا؟ لوگوں نے عرض کی: ابن اکوع نے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **له سلبه اجمع** (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد۲، صفحہ۸۹۔۸۸)

اس سے چھینا ہوا مال اس کے لیے ہے۔ پس یہ حضرت سلمہ (رضی اللہ عنہ) ہیں جنہوں نے اسے بھاگتے ہوئے قتل کیا نہ کہ سامنے سے آتے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے چھینا ہوا مال اسے عطا فرما دیا۔ اس میں امام مالک رحمۃ اللہ عنہ کے لیے حجت ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر قاتل سلب شدہ مال کا مستحق نہیں ہوتا، کیونکہ اگر نفس قتل کے ساتھ ہی وہ اس کے لیے ثابت ہو جاتا تو آپ کو یہ قول مکرر لانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور آپ کی حجت وہ روایت بھی ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے انہوں نے بیان کیا: ابوالاحوص نے اسود بن قیس سے انہوں نے بشر بن علقمہ سے ہمیں روایت بیان کی ہے کہ جنگ قادسیہ کے دن میں نے ایک آدمی کو دعوت مبارزت دی اور میں نے اسے قتل کر دیا اور اس کا مال لے لیا، پھر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو خطاب کیا پھر فرمایا: یہ بشر بن علقمہ کا چھینا ہوا مال ہے اور یہ بارہ ہزار درہم سے بہتر (اور زیادہ) ہے۔ اور ہم نے یہ اسے بطور تنفیل (انعام) دے دیا۔ پس اگر چھینا ہوا مال قاتل کے لیے ہوتا اور محض حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا سے ہوتا تو پھر اس چیز کی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ اپنے اجتہاد کے ساتھ امر کی نسبت اپنی ذاتوں کی طرف کریں اور یقیناً قاتل ان کے امر کے بغیر اس سامان کو لے سکتا۔ واللہ اعلم

اور صحیح میں ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفرا رضی اللہ عنہما نے اپنی تلواروں کے ساتھ ابوجہل پر حملہ کیا، یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا، پھر وہ دونوں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟ تو ان دونوں میں سے ہر ایک نے عرض کی: میں نے اسے قتل کیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو غور سے دیکھا اور فرمایا: تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد ۲، صفحہ ۸۸)۔ اور پھر اس سے چھینے ہوئے مال کا فیصلہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموع کے حق میں فرمایا۔ تو یہ اس پر نص ہے کہ سلب کیا ہوا مال قاتل کے لیے نہیں، کیونکہ اگر اس کے لیے ہوتا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ان دونوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔

اور صحیح میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے انہوں نے کہا: میں ان کے ساتھ نکلا جو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں غزوہ موتہ کے لیے نکلے تھے۔ اور یمن سے آنے والے معاونین اور مددگاروں میں سے ایک آدمی نے میرے مرافقت اور سنگت اختیار کی۔ آگے حدیث بیان کی۔ اس میں ہے کہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اے خالد! کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کیے ہوئے مال کا فیصلہ قاتل کے لیے کہا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، لیکن میں اسے کثیر سمجھتا ہوں (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد ۲، صفحہ ۸۸)۔

ابوبکر برقانی نے اپنی اس اسناد کے ساتھ اسے روایت کیا ہے جس کے ساتھ مسلم نے اسے روایت کیا اور اس میں یہ زائد ذکر کیا کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کیے ہوئے مال کا خمس نہیں نکالا اور بے شک وہ معاون ومددگار غزوہ موتہ میں ان کا ساتھی تھا جو شام کی طرف سے آیا ہوا تھا، اس نے کہا: ان میں سے ایک رومی بڑی شدت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے لگا اور وہ اشقر (سرخ وزرد رنگ) گھوڑے پر سوار تھا۔ زین سنہری تھی، کمر کا کپڑا اتفتڑا ہوا تھا اور تلوار سونے کے ساتھ آراستہ کی ہوئی تھی۔ راوی نے بیان کیا: وہ انہیں اکسا رہا تھا، فرمایا: پس میرا معاون ان کے لیے مہربان ہوا

(یعنی اس نے اپنا رخ اس کی طرف پھیرا) یہاں تک کہ اس کے پاس سے گزرا اور اس کے گھوڑے کی کونچوں پر وار کیا اور وہ گر پڑا اور اس نے اسے تلوار کیساتھ اٹھایا اور اسے قتل کر دیا اور اس کا اسلحہ لے لیا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ اسے دیا اور اس میں سے کچھ روک لیا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس میں نے انہیں کہا: یہ سارے کا سارا اسے عطا فرمادو۔ کہا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا ہے: **السلب للقاتل** (سلب کیا ہوا مال قاتل کے لیے ہے) انہوں نے فرمایا: ہاں، لیکن میں اسے زیادہ خیال کرتا ہوں۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میرے اور ان کے درمیان گفتگو ہوئی، تو میں نے انہیں کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور آگاہ کروں گا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے تو حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم نے اسے کیوں نہیں دیا؟ تو انہوں نے عرض کی: میں نے اسے بہت زیادہ سمجھا۔ آپ نے فرمایا: پس تم اسے وہ سب دے دو تو میں نے انہیں کہا: کیا میں نے آپ کے لیے وہ وعدہ پورا نہیں کر دیا جو میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا؟ راوی کہتے ہیں: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں ہو گئے اور فرمایا: اے خالد تو اسے نہ دینا کیا تم میرے لیے میرے امراء (افسر) کو چھوڑ رہے ہو (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد ۲، صفحہ ۸۸)

تو یہ اس پر واضح دلیل ہے کہ قاتل سلب کیے ہوئے مال کا نفس قتل سے مستحق نہیں ہوتا، بلکہ امام کی رائے اور اس کی نظر سے اس کا مستحق ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ نے کہا ہے: سوائے خاص مقابلہ کے سلب کیا ہوا مال قاتل کے لیے نہوں ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۵۔

چھینے ہوئے مال سے خمس نکالنے کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: اس سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔ اور ابو اسحاق نے کہا ہے: اگر چھینا ہوا مال تھوڑا ہو تو وہ قاتل کے لیے ہوگا اور اگر زیادہ ہو تو پھر اس سے خمس لیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا ہی کیا جس وقت وہ مرزبان کے مقابل ہوئے اور اسے قتل کر دیا، تو اس کے کمر بند اور اس کے کنگنوں کی قیمت تیس ہزار تھی تو آپ نے اس کا خمس نکالا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے مشرکین کے سو آدمی قتل کیے مگر مقابلہ ایک آدمی کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے جب زارہ (بحرین کا ایک گاؤں) پر حملہ کیا تو الزارہ کے دہقان نکل آئے اور انہوں نے کہا: ایک ایک آدمی ایک دوسرے کے مقابل تھا، پس حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس (مرزبان) سے مقابلہ کیا دونوں کی ایک دوسرے کے خلاف تلواریں چلیں، پھر دونوں نے ایک دوسرے کا گلا پکڑ لیا اور حضرت براء نے اسے سرین کے بل گرا دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے، پھر تلوار پکڑی اور اسے ذبح کر دیا۔ اس کے ہتھیار اور اس کا کمر بند اٹھا لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے، تو آپ نے ہتھیار انہیں بطور انعام (نفل) عطا فرما دیئے اور کمر بند کی تیس ہزار قیمت لگائی پھر اس سے خمس نکالا اور فرمایا: بے شک یہ مال ہے۔ اور امام اوزاعی اور مکحول رحمۃ اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: چھینا ہوا مال، مال غنیمت ہے اور اس میں خمس بھی ہے۔ اور اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ کی حجت وہ روایت ہے جسے ابو داود نے عوف

بن مالک اشجعی اور حضرت خالب بن ولید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول سے چھینے ہوئے مال کا قاتل کے لیے فیصلہ فرمایا اور اس چھینے ہوئے مال سے خمس نہیں لیا۔

مسئلہ نمبر ۶: جمہور علماء نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سلب کیا ہوا مال قاتل کو نہیں دیا جائے گا مگر اس صورت میں کہ وہ اس قتل کرنے پر گواہ پیش کرے۔ ان میں سے اکثر نے کہا ہے: ایک شاہد کی شہادت کافی ہوگی۔ ان کی بنیاد حضرت ابو قتادہ کی حدیث پر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو گواہ ہوں یا پھر ایک شاہد ہو اور ساتھ قسم بھی ہو۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: قاتل کو چھینا ہوا مال صرف دعویٰ کے ساتھ دے دیا جائے گا، اس کے استحقاق کے لیے بینہ شرط نہیں ہے، بلکہ اگر وہ اس پر متفق ہو جائے تو پھر تنازعہ ختم کرنے کے لیے بینہ لانا اولیٰ ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو مقتول سے چھینا ہوا مال بغیر کسی شہادت اور قسم کے عطا فرمایا۔ اور ایک آدمی کی شہادت کافی نہیں ہوگی اور نہ صرف اس کیساتھ کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ لیث بن سعد نے یہی کہا ہے۔

میں (مفسر) کہتا ہوں: میں نے اپنے شیخ الحافظ المنذری الشافعی ابو محمد عبد العظیم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسود بن خزاعی اور عبد اللہ بن انیس کی شہادت کے ساتھ انہیں مقتول کا مال عطا فرمایا۔ اس بنا پر تو نزاع ختم ہو جاتا ہے اور اشکال زائل ہو جاتا ہے اور حکم جاری رہے گا۔ اور رہے مالکیہ! تو وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ امام وقت کو اس بارے میں بینہ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ ابتداء امام کی طرف سے عطیہ ہے، پس اگر وہ شہادتیں شرط قرار دے تو اسے یہ اختیار ہے اور اگر شرط نہ قرار دے تو یہ جائز ہے کہ وہ اسے بغیر شہادت کے عطا کر دے۔

مسئلہ نمبر ۷: سلب کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے؟ بس ہتھیار اور وہ تمام چیزیں جو جنگ کے لیے ضرورت ہوتی ہے اس کے سلب ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے اور گھوڑا بھی اس میں داخل ہے اگر اس نے اس پر قتال کیا ہو اور اس سے اسے گرایا گیا ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ عنہ نے گھوڑے کے بارے کہا ہے کہ وہ سلب میں شامل نہیں ہے۔ اور اس مال کے بارے اختلاف ہے جس کے ساتھ وہ جنگ کے لیے مزین اور آراستہ ہوتا ہے، پس امام اوزاعی نے کہا ہے: وہ سارے کا سارا مال سلب میں سے ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے: وہ سلب میں سے نہیں ہے۔ اور یہ حضرت سحنون رحمۃ اللہ عنہ سے مروی ہے، سوائے کمر بند کے کیونکہ ان کے نزدیک وہ سلب میں سے ہے۔ اور ابن حبیب نے الواضحہ میں کہا ہے: کنگن مال سلب میں سے ہیں

(المحرر الوجیز، زیر آیت)

مسئلہ نمبر ۸: قولہ تعالیٰ: آیت: فان للہ خمسہ ابو عبید نے کہا ہے: یہ اس سورت کی پہلی آیت قل الانفال للہ والرسول کے لیے ناسخ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم بدر میں سے خمس نہیں نکالا تھا، پس اس آیت کے ساتھ خمس نہ نکالنے کے بارے میں آپ کا فیصلہ منسوخ ہو گیا، مگر صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے: کہ بدر کے دن مال غنیمت میں سے میرے حصے میں دو سال کی اونٹنی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن خمس سے دو سال کی اونٹنی مجھے عطا فرمائی (سنن ابی داود، کتاب الخراج، جلد ۲، صفحہ ۶۳) الحدیث۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکالا، پس اگر معاملہ اس طرح ہے تو پھر ابو عبید کا قول مردود

ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ وہ خمس جس کا ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ ان غزوات میں سے کسی کا ہو جو بدر اور حد کے درمیان وقوع پذیر ہوئے۔ اور وہ غزوہ بنی سلیم، غزوہ بن مصطلق، غزوہ زی امر اور غزوہ بحران ہیں۔ ان میں کوئی یادگار جنگ تو نہیں ہوئی، لیکن یہ ممکن ہے کہ مالِ غنیمت حاصل کیا گیا ہو (المحرر الوجیز، جلد ۲، صفحہ ۵۲۹)۔ واللہ اعلم

اس تاویل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول میں یومئذ کے الفاظ رد کرتے ہیں، کیونکہ اشارہ اس دن کی طرف ہے جس میں بدر کے غنائم کو تقسیم کیا گیا، مگر یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ وہ خمس سے ہوا اگر چہ بدر کے غنائم سے خمس نہ بھی نکالا گیا ہو، (وہ) سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے خمس میں سے ہو، کیونکہ وہی پہلا مالِ غنیمت ہے جو اسلام میں حاصل ہوا اور پہلا خمس ہے جو اسلام میں نکالا گیا تھا۔ بعدازاں قرآن کریم میں آیت: واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ ارشاد نازل ہوا۔ اور یہ پہلی تاویل سے اولی اور بہتر ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر ۹: قول باری تعالیٰ: آیت: ما غنمتم میں ما بمعنی الذی ہے اور اس میں ھا ضمیر محذوف ہے۔ (اصل میں) الذی غنمتموہ ہے۔ اور اس میں (یعنی فان فیہ) فا داخل کی گئی ہے کیونکہ کلام میں مجازات کے معنی ہیں اور دوسرا ان پہلے کے لیے تاکید ہے۔ اور اس پر کسرہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور یہ ابوعمرو سے مروی ہے۔ حسن نے کہا ہے: یہ مفتاح کلام ہے۔ دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے، اسے نسائی نے ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فئی اور خمس کے بارے کلام کا آغاز اپنی ذات کے ذکر سے کیا ہے، کیونکہ یہ دونوں انتہائی اشرف و اعلیٰ کسب (کمائی) ہیں اور صدقہ کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا ہے، کیونکہ وہ لوگوں کی میل ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۰

خمس کی تقسیم کی کیفیت میں علماء کے مابین اختلاف ہے اس بارے چھ اقوال ہیں

(۱) ایک جماعت نے کہا ہے: خمس کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، پس چھٹا حصہ کعبہ معظمہ کے لیے رکھا جائے گا اور یہی ہو حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور دوسرا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا۔ تیسرا حصہ ذوی القربیٰ کے لیے۔ چوتھا یتامیٰ کے لیے۔ پانچواں حصہ مساکین کے لیے۔ اور چھٹا حصہ ابن سبیل کے لیے ہوگا۔ یہ قول کرنے والوں میں سے بعض نے کہا ہے: وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۲) ابو العالیہ اور ربیع نے کہا ہے: مالِ غنیمت پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، پھر ان میں سے ایک حصہ الگ کر لیا جائے گا اور بقیہ چار حصے لوگوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے، پھر اس جدا کیے گئے حصہ پر اپنا ہاتھ مارا جائے گا پس اس میں سے جس شی پر قبضہ کر لیا گیا اسے کعبہ معظمہ کے لیے مقرر کر دیا جائے، پھر اس باقی ماندہ حصہ کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا، ایک حصہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا، ایک حصہ ذوی القربیٰ کے لیے، ایک یتامیٰ کے لیے، ایک حصہ مساکین کے لیے اور ایک حصہ ابن سبیل کے لیے ہوگا۔

(۳) منہال بن عمرو نے کہا ہے: میں نے عبداللہ بن محمد بن علی اور علی بن حسین سے خمس کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ ہمارے لیے ہے۔ میں نے علی کو کہا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آیت: والیتمی والمسکین وابن السبیل تو انہوں نے

فرمایا: مراد ہمارے یتیم اور ہمارے مساکین ہیں۔

(۴) امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا: اسے پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کو ایک قرار دیا ہے اور یہ کہ اسے مومنین کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ اور بقیہ چار حصے آیت میں مذکور چار صنفوں پر خرچ کیے جائیں گے۔

(۵) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: اسے تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا: یتامیٰ، مساکین اور ابن سبیل پر۔ اور آپ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا حکم آپ کے وصال کے ساتھ ختم ہو چکا ہے، جیسا کہ آپ کے اپنے حصہ کا حکم ختم ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے: خمس کو پلوں کی اصلاح، مساجد کی تعمیر، قضاۃ اور لشکریوں کی تنخواہ وغیرہ کے لیے خرچ کیا جائے گا۔ اسی طرح کا حکم امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(۶) امام مالک رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: اسے امام کی رائے اور اجتہاد کے سپرد کر دیا جائے گا۔ پس وہ اس سے بغیر اندازے کے لے سکتا ہے اور اس سے اجتہاد کے ساتھ رشتہ داروں کو دے سکتا ہے اور باقی ماندہ مسلمانوں کے مصالح کے لیے خرچ کرے گا۔ اسی طرح خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے اور اسی کے مطابق عمل کیا ہے۔ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے: مالي مما افاء الله عليكم الا الخمس والخمس مردود عليكم (السنن الکبری للبیہقی، کتاب الصدقات، جلد ۷، صفحہ ۱۷) اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مالِ غنیمت عطا فرمایا ہے میرے لیے اس میں سے سوائے خمس کے کچھ نہیں اور خمس بھی تم پر لوٹا دیا جائے گا۔ کیونکہ آپ نے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور نہ تین حصوں میں اور آیت میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ محض ان پر تنبیہ کے لیے ذکر کر دیا گیا، کیونکہ وہ ان میں سے زیادہ اہم ہیں جنہیں وہ دیا جا سکتا ہے۔ زجاج نے امام مالک رحمۃ اللہ عنہ کیلئے حجت بیان کرتے ہوئے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آیت: واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه وللرسول ولذي القربى واليتمى والمسكين وابن السبيل آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرمائیے: جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں۔

اور آدمی کے لیے بالاجماع ان اصناف کے علاوہ کہیں اور خرچ کرنا جائز ہے جب وہ اسے زیادہ مستحق سمجھے۔ اور نسائی نے حضرت عطاء سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا خمس اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا خمس ایک ہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے لیتے تھے اور اس سے عطا بھی فرماتے تھے اور اسے جہاں چاہتے خرچ کرتے اور اس سے جو چاہتے بناتے۔

مسئلہ نمبر ۱۱: قولہ تعالیٰ: آیت: ولذي القربى اس میں لام بیان استحقاق اور ملکیت کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ مصرف اور محل بیان کرنے کے لیے ہے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جسے مسلم رحمۃ اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ فضل بن عباس اور ربیعہ ابن عبد المطلب دونوں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، ان میں سے ایک نے گفتگو کی اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تمام لوگوں سے زیادہ نیک ہیں (صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۴۴) اور عام لوگوں سے بڑھ کر آپ لوگوں کو ملانے والے ہیں۔ تحقیق

ہم نکاح کی عمر کو پہنچ چکے ہیں ہم آپ کے پاس حاضر ہیں تا کہ آپ ہمیں ان بعض صدقات پر امارت عطا فرما دیجئے، تو ہم آپ کو اسی طرح ادا کریں گے جیسے لوگ ادا کرتے ہیں اور ہم اسی طرح حصہ دیں گے جیسے لوگ دیتے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم طویل وقت تک خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے آپ سے کلام کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں: حضرت زینب رضی اللہ عنہ پردے کے پیچھے سے ہمیں اشارہ فرما رہی تھیں کہ تم آپ سے کلام نہ کرنا۔ راوی کا بیان ہے: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک صدقہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں بلاشبہ وہ لوگوں کی میل ہے، تم دونوں محمیہ کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ وہ خمس پر مامور تھے۔ اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو بلا کر لاؤ۔ بیان فرمایا: پھر وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے محمیہ کو فرمایا: تو اس بچے یعنی فضل بن عباس کا نکاح اپنی بچی سے کر دے۔ تو اس نے ان کا نکاح کر دیا اور نوفل بن حارث کو فرمایا: تو اس بچے یعنی ربیعہ بن عبدالمطلب کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دے اور پھر محمیہ کو فرمایا: تو ان دونوں کی طرف سے خمس میں اتنا اتنا صدقہ کر دے۔ اور وہ خمس بھی تم پر لوٹا دیا گیا ہے۔ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ تمام اصناف کو عطا کیا اور بعض کو بھی اور آپ نے اس میں سے مؤلفۃ قلوب کو بھی دیا۔ اور یہ ان میں سے نہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تقسیم میں فرمایا ہے۔ پس یہ اس پر دلیل ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۲: علماء نے ذوی القربیٰ کے بارے میں اختلاف کیا ہے اور اس بارے میں تین اقوال ہیں:

(۱) تمام کے تمام قریش، یہ قول بعض سلف نے کہا ہے، کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صفا پہاڑی پر چڑھے اور آپ بلند آواز سے پکارنے لگے: اے بنی فلاں، اے بنی عبد مناف، اے بنی عبدالمطلب، اے بنی کعب، اے بنی مرہ، اے بنی عبد شمس اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچا لو (الحدیث) عنقریب اس کا بیان سورۃ الشعراء میں آئے گا۔

(۲) امام شافعی، امام احمد، ابو ثور، مجاہد، قتادہ، ابن جریج اور مسلم بن خالد رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے: وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے درمیان تقسیم فرمایا تو فرمایا: بلاشبہ انہوں نے مجھے جدا نہیں کیا نہ زمانہ جاہلیت میں اور نہ زمانہ اسلام میں بے شک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب (مسند امام احمد بن حنبل، جلد ۴، صفحہ ۸۱) ایک ہی شے ہیں۔ اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے جال بنایا، اسے نسائی اور بخاری نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: لیث نے بیان کیا کہ مجھے یونس نے بتایا اور یہ زائد بیان کیا: حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس اور بنی نوفل کے لیے کوئی شے تقسیم نہیں کی۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے: عبد شمس، ہاشم، مطلب یہ سب ماں کی جانب سے بھائی ہیں اور ان کی ماں عاتکہ بنت مرہ تھی اور نوفل ان کے باپ کی جانب سے ان کا بھائی تھا۔ امام نسائی نے کہا ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربیٰ کو حصہ دیا اور وہ (ذوی القربیٰ) بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں، ان میں غنی بھی ہیں اور فقیر بھی۔

اور یہ بھی کہا گیا: بے شک ان میں سے فقیر کے لیے تو حصہ ہے لیکن غنی کے لیے نہیں، جیسا کہ یتامیٰ اور ابن سبیل کے لیے ہے۔ اور میرے نزدیک راہ صواب کے زیادہ قریب دونوں قولوں میں سے یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس میں صغیر و کبیر اور مونث و مذکر

سبھی برابر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے لیے قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اسے تقسیم فرمایا ہے۔ اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہو۔

(۳) ذوی القربیٰ سے مراد صرف بنو ہاشم ہیں۔ اسے مجاہد اور علی بن حسین نے بیان کیا ہے۔ اور یہی امام مالک، ثوری اور اوزاعی وغیرہم کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۳: جب اللہ تعالیٰ نے خمس کا بیان فرمایا ہے اور بقیہ چار حصوں سے سکوت فرمایا ہے، تو یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ لشکریوں کی ملکیت ہیں۔ اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے اس ارشاد کے ساتھ بیان کیا ہے: جس بستی کے رہنے والوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو بلاشبہ اس بستی کا خمس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے پھر وہ تمہارے لیے ہے (سنن ابی داود، کتاب الخراج، صفحہ ۴۷)۔ اور یہ وہ ہے جس میں نہ امت کے درمیان اختلاف ہے اور نہ ہی ائمہ کے درمیان، جیسا کہ علامہ ابن عربی نے احکام وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ مگر یہ کہ اگر امام قیدیوں کو رہا کر کے ان پر احسان کرنا چاہے تو وہ کر لے۔ اور ان میں غانمین کے حقوق باطل ہو جائیں گے، جیسا کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال وغیرہ کے ساتھ کیا اور فرمایا: اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا پھر وہ ان قیدیوں (مراد بدر کے قیدی ہیں) کے بارے گفتگو کرتا تو میں اس کے لیے انہیں چھوڑ دیتا (مصنف عبدالرزاق، کتاب الجہاد، جلد ۵، صفحہ ۲۰۹)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے درحقیقت قریش مکہ کے معاہدہ کو توڑنے میں اس نے جو کردار ادا کیا تھا اس کے بدلہ کے لیے آپ نے یہ فرمایا: اور امام کو اختیار ہے کہ وہ تمام قیدیوں کو قتل کر دے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کو قیدیوں کے درمیان سے پکڑ کر قتل کر دیا اور اسی طرح نضر بن حارث کو صفراء کے مقام پر پکڑ کر قتل کیا اور یہ وہ حکم ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دوسرے لشکریوں کے حصہ کی طرح حصہ ہوتا تھا چاہے آپ جنگ میں حاضر ہوتے یا وہاں سے غائب ہوتے۔ اور صفی کا حصہ بھی ہوتا، آپ تلوار، تیر یا خادم یا کوئی جانور چن سکتے تھے۔ حضرت صفیہ بن حیی خیبر کے غنائم میں سے چنی ہی گئی تھیں (سنن ابی داود، کتاب الخراج، حدیث نمبر ۲۶۰۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)۔ اور اسی طرح ذوالفقار (حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تلوار کا نام ہے) بھی صفی میں سے تھی (جامع ترمذی، حدیث نمبر ۱۴۸۵۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۲۷۹۷، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)۔ اور یہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ختم ہو گیا۔ مگر ابو ثور کے نزدیک اب بھی امام وقت کے لیے یہ حصہ باقی ہے وہ اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کے استعمال کی جگہ استعمال کر سکتا ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اہل جاہلیت اپنے سردار کے لیے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ رکھتے تھے۔ ان کے شاعر نے کہا ہے: لك المرباع منها والصفايا وحكمك والنشيطة والفضول

اور دوسرے شاعر نے کہا ہے: منا الذی ربع الجیوش لصلبه عشرون وهو یعد فی الاحیاء

کہا جاتا ہے: ربع الجیش یربعه رباعة جب وہ مال غنیمت کا چوتھائی حصہ لے لے۔ اصمعی نے کہا ہے: جاہلیت میں چوتھائی حصہ تھا اور اسلام میں پانچوں حصہ ہے۔ پس اس وقت سردار بغیر کسی شریعت اور دین کے مال غنیمت سے چوتھائی حصہ لیتا تھا اور اس سے جو چاہتا چن لیتا تھا، پھر صفی کے بعد جس شی کے بارے چاہتا اسی کے مطابق وہ فیصلہ کر دیتا اور گھریلو سامان اور دیگر

سازوسامان میں سے کوئی شی جو اس سے الگ ہوتی اور اس سے بچتی وہ اس کے لیے ہوتی، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ اس کے لیے دین کا حکم نافذ فرمایا: آیت: واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صفی (چناؤ) کا حصہ باقی رکھا اور زمانہ جاہلیت کا حکم ساقط کر دیا۔

اور عامر شعبی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک حصہ تھا وہ صفی کہلاتا تھا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غلام یا کنیز یا گھوڑے میں سے چاہتے تو آپ اسے خمس نکالنے سے پہلے چن سکتے تھے، اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے انہوں نے بیان کیا: پس کسی غلام سے ملتے اور کہتے: اے فلاں! کیا میں نے تجھے عزت عطا نہیں کی اور تجھے سردار نہیں بنایا اور تیری شادی نہیں کروائی اور تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ کو مسخر نہیں کیا اور تجھے چھوڑ نہیں دیا تو سردار بن جا اور چوتھائی لے (صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد ۲، صفحہ ۴۰۹) الحدیث۔

اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں تربع کا معنی ہے تاخذ المرباع یعنی تیری قوم کو غنائم اور دیگر کمائی میں سے جو مال حاصل ہوتا ہے اس سے چوتھائی لے۔ بعض اصحاب شافعی رحمۃ اللہ عنہ اس طرف گئے ہیں کہ خمس کا خمس حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا آپ اسے اپنی اولاد اور اپنی ازواج مطہرات کی حاجات پورا کرنے کے لیے خرچ کرتے تھے اور اپنے سال بھر کی خوراک اس سے ذخیرہ کر لیتے تھے۔ اور باقی ماندہ گھوڑوں اور اسلحہ وغیرہ میں خرچ کرتے تھے۔ اسے وہ روایت رد کرتی ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: بنی نضیر کے اموال ان میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے لیکن اس پر مسلمانوں نے گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ کوئی سعی نہیں کی، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھے، آپ اس میں سے اپنی ذات پر سال بھر کی خوراک خرچ کرتے تھے اور مابقی فی سبیل اللہ گھوڑوں اور اسلحہ کی تیاری میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا: والخمس مردود علیکم اور خمس بھی تم پر لوٹا دیا گیا۔

مسئلہ نمبر ۱۴: کتاب اللہ میں گھوڑ سوار کو پیدل پر فضیلت دینے کے بارے کچھ نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ ہے کہ وہ سب برابر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمس کے بعد بقیہ چار حصے ان کے لیے رکھے ہیں اور اس میں پیدل کو گھوڑ سوار سے خاص نہیں کیا۔ اگر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخبار وارد نہ ہوتیں تو یقیناً گھوڑ سوار پیدل کی طرح ہوتا، غلام آزاد کی مثل ہوتا اور بچہ بالغ کے برابر ہوتا۔

علماء نے چار حصوں کی تقسیم میں اختلاف کیا ہے، پس وہ موقف جو اس بارے میں عام اہل علم نے اپنایا ہے اسے ابن منذر نے ذکر کیا ہے کہ گھوڑ سوار کو دو حصے دیئے جائیں گے اور پیدل کو ایک حصہ۔ اور جنہوں نے یہ کہا ہے ان میں امام مالک بن انس ہیں اور اہل مدینہ میں سے جو ان کے متبعین ہیں۔ اسی طرح امام اوزاعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے اور اہل شام میں سے وہ جنہوں نے ان سے موافقت کی ہے۔ اور اسی طرح ثوری اور اہل عراق میں جو ان کے ہم خیال ہیں نے کہا ہے اور یہی لیث بن سعد کا قول ہے اور ان اہل مصر میں سے جنہوں نے ان کی اتباع کی ہے۔ اور اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے۔ اسی کے مطابق امام احمد بن حنبل، اسحاق، ابوثور، یعقوب اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے: ہم کسی کو نہیں جانتے سوائے حضرت نعمان (امام ابوحنیفہ) کے جس نے اس میں اختلاف کیا ہو، کیونکہ آپ نے اس میں سنن اور جس نظریہ پر قدیم و

جدید عظیم اہل علم ہیں سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے: گھوڑ سوار کو بھی صرف ایک حصہ دیا جائے گا۔

شاید اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے شبہ واقع ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ سوار کے لیے دو حصے رکھے اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔ اسے دار قطنی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے: رمادی نے کہا ہے اسی طرح ابن نمیر کہتے ہیں کہ ہمیں نیشاپوری نے بتایا: یہ میرے نزدیک ابن ابی شیبہ یا رمادی کی جانب سے وہم ہے۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل اور عبدالرحمٰن بن بشر وغیرہما نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی اور اس کے گھوڑے کے لیے تین حصے مقرر کیے، ایک حصہ آدمی کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے (مسند امام احمد بن حنبل، جلد ۲، صفحہ ۴۱)۔ اسی طرح اسے عبدالرحمٰن ابن بشر نے عبداللہ بن نمیر سے انہوں نے عبیداللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور پوری حدیث ذکر کی ہے۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے لیے دو حصے اور اس کے مالک کے لیے ایک حصہ مقرر کیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد ۱، صفحہ ۴۰۱)۔ اور یہ نص ہے۔ اور تحقیق دار قطنی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن مجھے چار حصے عطا فرمائے، دو حصے میرے گھوڑے کے لیے، ایک حصہ میرے لیے اور ایک حصہ ذوی القرابہ میں سے میرے ماں کے لیے۔ اور ایک روایت میں ہے: اور ایک حصہ ان کی ماں کے لیے تھا وہ ذوی القربیٰ کا حصہ تھا۔ اور انہوں نے بشر بن عمرو بن محصن سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھوڑے کے لیے چار حصے عطا فرمائے اور میرے لیے ایک حصہ، پس میں نے پانچ حصے لیے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک یہ امام کے اجتہاد کی طرف راجع ہے (یعنی ان کے سپرد ہے) جو اس کی رائے ہوگی وہ نافذ ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر ۱۵: گھڑ سوار اور پیدل کے درمیان ایک سے زیادہ گھوڑوں کے ساتھ فرق نہیں کیا جائے گا (یعنی گھڑ سوار کے لی صرف ایک گھوڑے کا اعتبار ہوگا اس سے زائد گھوڑوں کا اعتبار نہ ہوگا۔) یہی امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ عنہ نے کہا ہے: ایک سے زیادہ گھوڑوں کا حصہ بھی دیا جائے گا، کیونکہ اس کی مشقت زیادہ ہے اور منفعت عظیم ہے۔ اس کے مطابق ہمارے اصحاب میں سے ابن الجہم نے بیان کیا ہے اور اسے سحنون نے ابن وہب سے روایت کیا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے ایک گھوڑے سے زیادہ کو حصہ عطا فرمایا اور اسی طرح آپ کے بعد ائمہ بھی ہیں، کیونکہ دشمن کے لیے قتال کرنا ممکن نہیں ہے مگر صرف ایک گھوڑے پر اور جو اس سے زائد ہوں گے وہ محض تیاری میں زیادتی اور سہولت و آسانی کے لیے ہوں گے۔ اور وہ حصوں کی زیادتی میں موثر نہیں ہوں گے۔ تو یہ اس کی طرح ہے جس کے پاس زیادہ تلواریں یا نیزے ہوں اور اس میں قیاس تیسرے اور چوتھے نمبر کا ہے۔ اور سلیمان بن موسیٰ سے روایت ہے: اس کے لیے حصہ نکالا جائے گا جس کے پاس گھوڑے ہوں۔ ہر گھوڑے کے لیے ایک حصہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۱۶: صرف عربی گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا، کیونکہ ان میں کر و فر ہے اور رومی گھوڑے اس معاملہ میں ان کے ساتھ جمع

نہیں ہو سکتے۔اور جو اس طرح نہیں ان کے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے: اگر امام وقت ان کی اجازت دے دے تو پھر ان کے لی حصہ بھی نکالے، کیونکہ گھوڑوں کے ساتھ نفع حاصل کرنا جگہ کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔پس رومی گھوڑے کٹھن اور مشکل جگہوں میں کام کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں مثلاً گھاٹیاں اور پہاڑ وغیرہ اور عربی گھوڑے ایسی جگہوں میں زیادہ کام آتے ہیں جن میں کر وفر (بار بار پلٹ کر حملہ کرنا) ہوتا ہے، پس یہ امام کی رائے کے متعلق ہوگا۔کتاب میں العتاق سے مراد عربی گھوڑے ہیں اور الھجن والبراذین سے مراد رومی گھوڑے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۷: ہمارے علماء نے ضعیف اور کمزور گھوڑے کے بارے اختلاف کیا ہے۔پس اشہب اور ابن نافع نے کہا ہے: اس کے لیے کوئی حصہ نہ نکالا جائے گا، کیونکہ ایسے گھوڑے پر جنگ کرنا ممکن نہیں ہوتی پس وہ ٹوٹے ہوئے (کسیر) کے مشابہ ہو جائے گا۔اب رہا مریض! تو اگر اسے ہلکی سی بیماری ہو مثلاً رھیص (گھوڑے کے کھر کے اندر زخم اور درد ہوتا) اور اسی طرح کی کوئی ایسی بیماری جو اس سے مطلوبہ منفعت کے حصول میں مانع نہ ہو تو اس کے لیے حصہ نکالا جائے گا۔اور ادھار لیے ہوئے اور اجرت پر لیے ہوئے گھوڑے کو حصہ دیا جائے گا۔اور اسی طرح مغصوبہ گھوڑے کا حصہ بھی دیا جائے گا۔اور اس کا حصہ اسکے مالک کے لیے ہوگا۔اور وہ گھوڑے کے لیے حصہ کا مستحق ہو جاتا ہے اگر چہ وہ کشتیوں میں ہوں اور غنیمت سمندر میں حاصل ہو، کیونکہ وہ خشکی کی طرف اترنے کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۸: فالتو اور رذیل لوگوں کے لیے غنائم میں کوئی حق نہیں جیسا کہ مزدور اور وہ کاریگر جو کاروبار کے لیے لشکر کے ساتھ ہو جاتے ہیں، کیونکہ نہ وہ جنگ کا قصد کرتے ہیں اور نہ مجاہدین بن کر نکلتے ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان کو حصہ دیا جائے گا، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: الغنیمة لمن شهد الواقعة (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد ۲، صفحہ ۳۰۰) (جو جنگ میں حاضر ہوا اس کے لیے غنیمت ہے) اسے امام بخاری رحمۃ اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔اس میں اس بارے کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث اس کے بیان اور وضاحت کے لیے ہے جو عملاً جنگ میں شریک ہوا اور اس کی طرف نکلا اور جنگجو اور اہل معاش (تجار) مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا بیان کافی ہے اس حدیث سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو الگ الگ فرقے قرار دیا ہے، ہر ایک کے لیے حکم اس کی حالت کے مطابق ہے، پس ارشاد فرمایا: آیت: علم ان سیکون منکم مرضی واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل الله واخرون یقاتلون فی سبیل الله (المزمل: ۲۰) وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے۔

مگر یہ کہ جب یہ لوگ (تجار) جنگ میں شریک ہوں پھر ان کا اپنے کاروبار میں مشغول ہونا ان کے لیے ضرر رساں نہیں، کیونکہ اب مال غنیمت میں استحقاق کا سبب ان کی جانب سے پایا گیا ہے۔اور اشہب نے کہا ہے: ان میں سے کوئی اس کا مستحق نہیں ہو سکتا اگر چہ وہ قتال بھی کرے، اسی طرح ابن قصار نے اجیر (مزدور) کے بارے کہا ہے کہ اس کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا اگر چہ وہ عملاً جنگ میں شریک ہو۔حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کا رد کرتی ہے انہوں نے فرمایا: میں طلحہ بن عبید اللہ کے

تابع تھا میں اس کے گھوڑے کو پانی پلاتا تھا اور اس پر کھریرا مارتا تھا اور اس کی خدمت کیا کرتا تھا اور اس کے کھانے میں سے کھالیتا تھا، الحدیث۔ اس میں ہے: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو حصے عطا فرمائے، ایک گھوڑ سوار کا حصہ اور ایک پیدل کا حصہ، پس آپ نے دونوں کو میرے لیے جمع کر دیا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ابن قصار اور جس نے اس کے قول کے مطابق قول کیا ہے اس نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اسے عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے، اور اس میں ہے: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو فرمایا: یہ تین دینار اس کی دنیا اور آخرت کے معاملہ میں اس کی جنگ میں سے حصہ اور نصیب ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق، کتاب الجہاد، جلد ۵، صفحہ ۲۲۹، سنن ابی داود، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۲۱۹۵، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)۔

مسئلہ نمبر ۱۹: رہے غلام اور عورتیں! تو صاحب کتب کا مذہب یہ ہے کہ نہ ان کے لیے کوئی حصہ نکالا جائے گا اور نہ انہیں بچا کھچا سامان دیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں بچا کھچا تھوڑا تھوڑا مال دے دیا جائے گا۔ اور جمہور علماء نے یہی کہا ہے۔ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اگر عورت نے عملاً قتال کیا تو اس کے لیے حصہ نکالا جائے گا۔ اور ان کا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کو حصص عطا فرمائے۔ انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک مسلمانوں نے اسی سے اخذ کیا ہے۔ اور ہمارے اصحاب میں سے ابن حبیب بھی اسی قول کی طرف مائل ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے نجدہ کی طرف اپنے خط میں لکھا: تو مجھ سے سوال کرتا ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جنگ میں ساتھ لے جاتے تھے؟ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں غزوہ میں ساتھ لے جاتے اور وہ زخمیوں کی مرہم پٹی علاج وغیرہ کرتی اور انہیں مال غنیمت میں سے بطور عطیہ دیا جاتا تھا، رہا سہم (حصہ) تو وہ آپ نے انہیں نہیں دیا۔ اور جہاں تک بچوں کا تعلق ہے پس اگر وہ جنگ لڑنے کی طاقت رکھتے ہوں تو ہمارے نزدیک اس بارے میں تین اقوال ہیں: سہم مقرر کرنا اور سہم کی نفی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے (بالغ ہونے سے پہلے اس کے لیے مال غنیمت سے سہم نہیں ہے) اس کی وجہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے یہی کہا ہے۔ ان کے درمیان فرق کرنا اس طرح کہ اگر وہ (بچہ) عملاً جنگ میں شریک ہو تو اس کے لیے حصہ نکالا جائے گا اور اگر اس نے قتال نہیں کیا تو پھر اس کے لیے حصہ نہیں ہوگا۔ صحیح پہلا قول ہے، کیونکہ بنی قریظہ کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ارشاد فرمایا تھا کہ ان میں سے ان بچوں کو قتل کر دیا جائے جن کے بال پھوٹے ہوئے ہیں اور انہیں چھوڑ دیا جائے جن کے بال ابھی تک نہیں نکلے۔ اور اس میں جنگ کی طاقت رکھنے کا لحاظ رکھا گیا نہ کہ بالغ ہونا کا (۱)۔ اور ابو عمر نے الاستیعاب میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انصار کے بچوں کو پیش کیا جاتا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے صاحب ادراک کو (لشکر کے ساتھ) ملا دیتے۔ تو ایک سال مجھے آپ پر پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو ملحق کر لیا اور مجھے رد کر دیا۔ تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اسے شامل کر لیا ہے اور مجھے واپس لوٹا دیا ہے، حالانکہ اگر وہ مجھ سے کشتی لڑے تو میں اسے پچھاڑ سکتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے: پس ان سے مجھ سے کشتی لڑی تو میں نے اسے پچھاڑ دیا نتیجتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی ملا لیا

(۲)۔رہے غلام! تو ان کے لیے بھی نہ کوئی حصہ نکالا جائے گا اور انہیں حقیر سا مال دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 20: کافر جب امام وقت کی اجازت سے جنگ میں حاضر ہوا اور وہ عملاً قتال بھی کرے تو ہمارے نزدیک اس کو حصہ دینے کے بارے میں تین اقوال ہیں: سہم دینا اور اس کی نفی کرنا۔ اس کے مطابق امام مالک اور ابن قاسم نے کہا ہے۔ ابن حبیب نے یہ زائد کہا ہے کہ ان کے لئے کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور تیسرے میں تفریق کی جاتی ہے۔ اور وہ سحنون کا ہے۔ (فرق اس قدر ہے) کہ اگر مسلمان ذاتی اعتبار سے مستقبل اور طاقتور ہوں تو پھر کافر کو کوئی حصہ نہ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ مستقل نہ ہوئے اور انہیں کافر کی مدد کی ضرورت اور حاجت ہوئی تو اسے حصہ نہ دیا جائے گا۔ اور اگر عملاً جنگ میں شریک نہ ہوا تو وہ کسی شے کا مستحق نہ ہوگا۔ اسی طرح آزاد آدمیوں کے ساتھ غلاموں کا حکم دیا جائے گا۔ امام ثوری اور امازاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: انہیں کوئی حصہ نہ دیا جائے، البتہ انہیں بچا کھچا حقیر سا مال دے دیا جائے گا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: امام وقت مطلق مال کے ساتھ انہیں اجرت پر لے سکتا ہے نہ کہ بعینہٖ تیرا مال اس کے لئے ہوگا۔ اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ انہیں دے دے۔ اور دوسرے مقام پر کہا ہے: وہ مشرکین کو بچا کھچا تھوڑا سا مال دے سکتا ہے جب وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر قتال کریں۔ ابو عمر نے کہا ہے: تمام اس پر متفق ہیں کہ غلام ان افراد میں سے ہیں جن کی امان جائز ہوتی ہے، جب وہ قتال کریں۔ ابو عمر نے کہا ہے: تمام اس پر متفق ہیں کہ غلام ان افراد میں سے ہیں جن کی امان جائز ہوتی ہے، جب وہ قتال کرے تو اس کے لیے سہم نہیں ہوگا بلکہ اسے بچا کچا تھوڑا، سا مال دے دیا جائے گا، پس کافر کے لئے بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا کہ اسے سہم نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 21: اگر غلام اور اہل ذمہ چوری کرنے کے لیے نکلے اور وہ اہل حرب کا مال لے کر آ گئے تو وہ انہیں کا ہوگا، اس کا خمس نہیں نکالا جائے گا، کیونکہ ان میں سے کوئی آیت کے عموم میں داخل نہیں ہے: واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ اور نہ ہی کوئی عورت اس عموم میں داخل ہے۔ اور رہے کفار تو ان کا بغیر کسی اختلاف کے کوئی دخل نہیں ہے۔ اور سحنون نے کہا ہے: جو غلام کے قائم مقام ہوگا اس کا خمس نہیں نکالا جائے گا۔ اور ابن القاسم نے کہا ہے: خمس نکالا جائے گا، کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس کا آقا اسے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے اور وہ دین کی خاطر جنگ لڑے، بخلاف کفار کے۔ اشہب نے کتاب محمد میں کہا ہے: جب گلام اور ذمی لشکر سے نکلیں اور مال غنیمت لے آئیں تو وہ مال غنیمت ان کے سوا لشکر کے لیے بھی ہوگا۔

مسئلہ نمبر 22: سہم کے استحقاق کا سبب مسلمانوں کی مدد و نصرت کے لیے جنگ میں حاضر ہونا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس اگر کوئی جنگ کے آخر میں بھی شریک ہوگا تو وہ اس کا مستحق ہوگا۔ اور اگر کوئی جنگ ختم ہونے کے بعد حاضر ہوا تو وہ مال غنیمت میں سے سہم (حصہ) کا مستحق نہ ہوگا اور اگر وہ شکست خوردہ ہو کر غائب ہو گیا تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اور اگر وہ جماعت کے ساتھ ملنے کے ارادہ سے نکلا (تاکہ قوت کے ساتھ پلٹ کر آئے) تو اس کا استحقاق ساقط نہ ہوگا۔ امام بخاری اور ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہما نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابان بن سعید کو ایک سریہ پر مدینہ طیبہ سے نجد کی جانب بھیجا۔ تو حضرت ابان بن سعید اور ان کے ساتھ اسے فتح کرنے کے بعد خیبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ ملے اور ان کے گھوڑوں کے تنگ (کھجور کی) چھال کے تھے۔ تو حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تقسیم نہ کیجئے۔ تو حضرت ابان نے

کہا: اے وبر (بلی کی مثل چھوٹا سا جانور) تو اس کے ساتھ بیری کے اوپر سے ہمارے اوپر نیچے اترا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نے فرمایا: اے ابان بیٹھ جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تقسیم فرمایا۔

مسئلہ نمبر 23: علماء کا ان کے بارے میں اختلاف ہے جو کوئی جنگ میں شریک ہونے کے لئے نکلا پھر کسی عذر نے اسے اس سے روک دیا جیسا کہ بیماری وغیرہ، اس کے سہم کے ثابت ہونے اور اس کی نفی میں تین قول ہیں: تیسرے میں فرق کیا گیا ہے اور وہی مشہور ہے۔ پس سہم اس کے لئے ثابت ہوگا اور عذر کے سبب اس کا جنگ سے غائب ہونا جنگ شروع ہونے سے پہلے اور میدان جنگ میں داخل ہونے کے بعد ہو، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ علامہ ابن عربی نے یہی کہا ہے۔ اور اگر اس کا غائب ہونا اس سے پہلے ہو تو وہ اس کے لیے سہم کی نفی کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ وہ آدمی جسے امیر لشکر سے ایسے کام کے لیے بھیجا جو لشکر کے لیے نفع بخش تھا اور وہ جنگ میں شریک ہونے کی بجائے اس میں مشغول رہا تو اس کے لیے سہم ہوگا۔ یہ ابن المواز نے کہا ہے، اور اسے ابن وہب اور ابن نافع نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ اس کے لیے سہم نہیں ہوگا بلکہ اسے بچا کچھا تھوڑا سا مال دیا جائے گا، کیونکہ وہ سبب معدوم ہے جس کے ساتھ وہ سہم کا مستحق ہو سکتا ہے۔ واللہ علم اور اشہب نے کہا ہے: قیدی کا حصہ دیا جائے گا اگرچہ وہ پڑوس میں ہو۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ اسے حصہ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اس کے لیے جنگ کے ساتھ حاصل ہونے والی ملک ضروری ہے۔ پس جا غائب ہوا یا حالت مرض میں حاضر ہوا تو وہ اس کی طرح ہے جو حاضر نہیں ہوا۔

مسئلہ نمبر 24: جو مطلق غائب ہوا اس کے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خیبر کے سوا کبھی بھی کسی غائب کو حصہ نہیں دیا، کیونکہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حدیبیہ میں سے جو حاضر تھے اور جو غائب تھے سبھی کو ان کا حصہ دیا، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے وعد کم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا (الفتح:20) (اے غلامان مصطفیٰ!) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے وقت پر) حاصل کرو گے۔ یہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے۔ اور سلف کی پوری جماعت سے یہ مروی ہے۔ اور بدر کے دن حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان، حضرت سعید بن زید اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حصہ عطا فرمایا حالانکہ وہ غائب تھے، پس وہ ان کی طرح تھے جو وہاں حاضر تھے ان شاء اللہ تعالیٰ، چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی رفیقہ حیات بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کا حصہ اور اجر عطا فرمایا لہٰذا وہ ان کی طرح ہوئے جو وہاں حاضر تھے۔ اور رہے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تو وہ تجارت کے لیے شام میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی ان کا حصہ اور اجر عطا فرمایا۔ پس اس وجہ سے وہ دل بدر میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور رہے حضرت سعید بن زیدی رضی اللہ عنہ تو وہ بھی شام میں غائب تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی ان کا حصہ اور اجر عطا فرمایا اور بدری صحابہ کرام میں شمار ہوئے۔

علامہ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے: جہاں تک اہل حدیبیہ کا تعلق ہے تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وعدہ تھا اس کے ساتھ وہی لوگ مختص ہیں اور اس میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں۔

حضرت عثمان، سعید اور طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خمس سے حصص عطا فرمائے ہوں، کیوں کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو کوئی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تو اس کے لیے سہم نہ ہوگا۔

ظاہر یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان، طلحہ اور سعید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا ان پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اور بلا شبہ ان کا حصہ اصل مالِ غنیمت سے تھا ان تمام افراد کے حصص کی طرح جو وہاں حاضر تھے وہ خمس میں سے نہ تھا۔ یہی احادیث سے ظاہر ہے، واللہ اعلم۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے انہوں نے فرمایا: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدر سے غائب ہوئے (اس کی وجہ یہ تھی) کیونکہ آپ کے نکاح میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھی اور وہ بیمار تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: بے شک تمہارے لیے اس آدمی کا اجر اور حصہ ہے جو غزوہ بدر میں حاضر تھا۔

مسئلہ نمبر 25: قولہ تعالیٰ: ان کنتم امنتم باللہ زجاج نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی ہے پس تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے اگر تم پر ایمان رکھتے ہو (فاعلموا ان اللہ ان کنتم) تو اس میں ان اس وعدہ کے ساتھ متعلق ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے: بے شک ان قول باری تعالیٰ واعلمو انما غنمتم کے متعلق ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے: یہی صحیح ہے، کیونکہ قول تعالیٰ واعلموا امر غنائم کے بارے میں اللہ کے حکم کی پیروی کرنے اور اس کو تسلیم کرنے کے معنی کو متضمن ہے۔ پس اس معنی کی بنا پر ان، واعلمو کے ساتھ معلق ہوا، یعنی اگر تم اللہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرو اور اسے تسلیم کرو اس بارے میں جو مالِ غنیمت کے بارے میں، میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ انفال، ۴۱، بیروت)

امت مسلمہ کیلئے مالِ غنیمت کے حلال ہونے کا بیان

حضرت ابوامامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو انبیاء پر فضیلت بزرگی عطا فرمائی ہے۔ یا یہ فرمایا کہ میری امت کو دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور مالِ غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔ (ترمذی)

حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مالِ غنیمت کو مخصوص طور پر حلال قرار دے کر ہمیں دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں دوسری امتوں پر جہاں اور بہت سی فضیلتیں عطا کی ہیں وہیں ایک فضیلت یہ بھی عطا کی ہے کہ ہمارے لئے مالِ غنیمت کو حلال کیا ہے۔

شرح صحیفہ ہمام بن منبہ کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! آج بروز بدھ بمورخہ 27 جمادی الثانی 1437ھ بمطابق 6 اپریل 2016ء کو یہ کتاب اپنے ترجمے اور تخریج وتشریح کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں ہدایت پر صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

محمد لیاقت علی رضوی بن محمد صادق